

عصر جدید

ایک سالانہ ریویو

جلد ۳

مقاصد
مسلمانوں میں عملیت - نسجیدگی اور کفایت شعاری پیدا کرنا

ایڈیٹر
خواجہ غلام الثقلین - سکریٹری اصلاح تمدن

فروغی ٹیچ ۱۹۰۵ء
فہرست مضامین صفحہ ۲ تا ۱۸۱ کل پینچ پر ملاحظہ ہو۔

چند مضمون نگار نمبر ہذا کے

سمس العلماء خان بہا درنشی، ذکار الد سائق، پروفیسر علوم شرقیہ میوہ کالج۔

خاں صاحب میرزا سلطان احمد خاں، اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر

سمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی۔

مشرعہ الحافظ باعقلہ میٹھی بھاؤنگر۔

خواجہ غلام الثقلین، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ چیف جج مالیر کوٹلہ۔

مید جہان احمد ایڈیٹر رسالہ ہمدرد و رئیس کٹرہ۔

مطبع امرت والاں مالیر کوٹلہ میں چھپا

ضروری نوٹ۔ ہرکوفس ہے کہ منیجر کی بحالت اور مطیع کے لئے ہر سنی وجہ۔ عہدہ منبر پر
عہدہ نہیں چھپا۔ معذرت قبول ہو۔ (ایڈیٹر)

اصول صیغہ اصلاح ۱۔ عدل و اعتدال یعنی میانہ روی۔ بہرہ گیری۔

۲۔ کفایت شعاری یعنی اسراف دولت۔ اسراف و

اسراف وقت سے بچنا۔ دولت کا صرف مفید کاموں میں لگانا۔ بریات کے اذہات میں کو

۳۔ سعی و محنت۔ کہ اگر ہی بیکاری سے نہ کو قابل ہو

خود کام کرنا اور ایک شخص کو کام پر لگانا۔

۴۔ اتفاق نیک مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کا

اور ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

مضامین فروری ۱۹۰۵ء

مضمون نگار	صفحہ	مضمون
شمس العلماء خان پاورنشی محمد نوکار احمد۔	۵۳	۱۔ عام رائے اور اخبارات
سید گل بادشاہ ممبئی صیغہ اصلاح جے پور	۶۱	۲۔ بھیک مانگنے والوں کی عادت چھوڑ سکتی ہے
عبد الحافظ صاحب ٹیٹلکٹ	۶۵	۳۔ مسلمان اور غیرت کا بیجا صرف
عبد الواحد صاحب رئیس بچ پور	۷۰	۴۔ صفائی کی کا آسان اور ست طریقہ
خان صاحب میرزا سلطان احمد خاں	۷۳	۵۔ مسلمان فقیر اور گداگر
ایڈیٹر۔	۸۹	۶۔ ریویو کانفرنس لکھنؤ نمبر
	۱۱	۷۔ محرم الحرام
ایڈیٹر	۱۰۱	۱۔ بچہ وقت
مولانا حافی	۱۰۴	ب۔ عجم سے اخلاقی سبق
مسٹر باعلکٹ	۱۰۷	ج۔ بیبی کا محرم
سید جمال احمد ممبئی ایڈیٹر بہرہ	۱۱۶	۸۔ رسالہ رسم و رواج و عادات
ایڈیٹر	۱۲۹	۹۔ جدید کتب ماہ گذشتہ
	۱۳۶	۱۰۔ ایڈیٹری نوٹ

عصر جدید

جمہوری رائے اور اخبارات

(پبلک اوپینین اور پریس)

کسی سلطنت کی کل رعیت کو یا کسی قوم کی تمام افراد کو پبلک کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ عام یا جمہور کیا جاتا ہے۔

اوپینین سے مراد یہ ہے کہ کسی بات کا بلا اس کی شہادت و ثبوت کے دل میں سچ جانتا یا اس کا عقیدہ ہو نا گویہ ضرور نہیں کہ وہ بات اصل حقیقت میں سچ اور صحیح ہو اس کا ترجمہ رائے کیا جاتا ہے اس لئے پبلک اوپینین کا ترجمہ عام یا جمہوری رائے کیا جاتا ہے۔ پریس کے حقیقی معنے وہ بانی کی کل کے ہیں مگر مجازی معنے اس کے افسانہ ادب (الٹیچر) کے ہیں جو اس کل میں دب کر چھپتا ہے بھلا کہ وہ لٹیکر جو اخباروں اور رسالوں سے جو اوقات معینہ پر جاری ہوتے ہیں غلطی رکھتا ہے۔ پریس کی آزادی سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں اخبار و رسالے و کتابیں بغیر کسی مداخلت کے چھپیں اور انکے چھاپنے کے لئے کسی اجازت نامہ کے حاصل کر نیکی ضرورت نہ ہو اور ان کا چھاپنے والا ایسی صورت میں مزاحمت کے لئے کسی شخص کی تہک عزت کرے یا اخلاق کے بگاڑنے والے مضامین چھاپے۔ پس آگے جو مضمون لکھا جاتا ہے اس کے سمجھنے کے لئے ان انگریزی الفاظ کے معانی ذہن نشین ہونے چاہئیں۔ یہ مضمون میرے ولس اس خیال سے آیا ہے کہ میری عزیز خواجہ غلام شہیدین صاحب چیف جج ریاست مالیر کو ملہ جو اپنے سچے حل سے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اصلاح تمدن اور فضول رسم و رواج دور ہوں۔ وہ جمہور کے خلاف یہ کام کس امید پر کر رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بنیادیں آدمی ان تین طرح سے عزت و شہرت اور ناموری حاصل کرتے ہیں۔ اول مذہب کی پابندی سے۔ دوم سرمے رسم و رواج کی پابندی سے۔ تیسرے ان دونوں کے بالعکس یعنی مذہب و رسم و رواج کے

عصر جدید

ایک ماہانہ ریویو

جلد ۳

مقاصد
مسلمانوں میں عملیت - نسجیدگی اور کفات شعاری جیلانا

ایڈیٹر
خواجہ غلام الثقلین سکریٹری اصلاح تمدن

فروری ۱۹۰۵ء
فہرست مضامین صفحہ ۲ تا ۱۸ کل پیج پر ملاحظہ ہو۔

چند مضمون نگار نمبر ہذا کے

نہیں العلماء خان بہادر مثنوی ذکار الد سائق پروفیسر علوم شرقیہ میو کالج۔

نائب صاحب میرزا سلطان احمد خاں اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر

مس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی۔

مشرعہ الحافظ باعقلہ میرٹھی بھاؤ نگر۔

راجہ غلام الثقلین بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی چیف جج مالیر کوٹہ۔

مید جلال احمد ایڈیٹر رسالہ ہمدرد رئیس کٹرا۔

مطبع امرت داس مالیر کوٹہ میں چھپا

رائے کے موافق جمہوری رائے ہو جائیگی اسوقت ہر سہ برابر کہنے والے بہت ہیں۔ مگر توفیق کو نبولے بہت تہذیبیہ ہیں مگر عارض ہیں۔ اصلاح تمدن کا ایڈیٹر تھیں اس امید میں جمہور کے خلاف کام کرتا ہے اور بچے دل سے یقین کرتا ہے کہ جو اسکی رائے ہے وہی آئندہ زمانہ میں جمہوری رائے ہو جائیگی۔ اگر یہ امید نہ ہو تو میں پہلے کہ آیا ہوں کہ اسکو کیا سمجھنا چاہئے۔ غرض انسان کے دلیس پبلک اوپینین جمہوری ہو چکی ہے اپنی جگہ پر کھتی ہوئے زمانہ میں اس پبلک اوپینین کا اظہار سلاطین و امرا کیلئے نہایت خاص تجارت کیلئے کر رہے تھے اور تحریکی قیدی میں نہیں آتے تھے۔ مگر رسم و رواج میں اپنے جیلوسے دکھاتے تھے۔ انکراپ پبلک اوپینین کی قوت مسئلہ کے اظہار کا اندازہ پر اس بنیاد پر اور زمانہ حال کی تہذیبیہ شائستگی میں پر اس کی عظمت و شان اپنے حدود حساب بڑھ گئی ہے۔ جتنی سائینٹفک چیزیں قبضہ خیز ایجاد ہوئی ہیں۔ انہیں زیادہ تر یونان انگلینڈ پر اس ہے وہ سب حال کی ایجادات پر فوقیت رکھتا ہے۔ مہذب قومیں تو اسکو اپنی ہستی کے لئے ایسا ہی ضروری سمجھتی ہیں جیسے ہوا کو جسکے بغیر وہ جمہوری دیکھی نہیں جی سکتیں انکے نزدیک تو کوئی سلطنت آزاد نہیں کہلا سکتی جب تک اس میں پر اس آزاد نہ ہو۔ آدھندلبرگ کا مقولہ ہے کہ پر اس سلطنت کی چوتھی قوت ہے جو قوانین بناتا ہے۔ سلطنت کی ان تین قوتوں کے ساتھ فرماندہی کرتا ہے ایک بادشاہ کی۔ دوسری جوس آف لارڈز کی۔ تیسری کامنر ہوس کی۔ چہا ایک امر واقعی ہے کہ یورپ میں جیتنگ پر اس سلطنت کی معاونت یا مخالفت نہ کر سکتے نہ اس میں حکمرانی ہو سکتی ہے نہ اس میں قوانین بالاستقلال اپنے عمل کر سکتے ہیں گو بعض ممبران ملکی پر اس کے اس اختیار کے قابل نہیں مگر اکثر ممبران ملکی مسکرتے ہیں۔ البتہ کوئی اکیلا اختیار خاص معاملات میں اپنی مرضی کے موافق کام نہیں کر سکتا۔ دنیا میں جو سب سے بہتر اختیار بھی ایک قابل اعتراض دربان کو اپنی مجلس میں تیار اور نہ قوانین کی نفاذ کے نہ وزارت کی شکست چوڑے اور نہ گورنمنٹ کی کسی پالیسی کے اختیار کرنے کے باب میں زبان ہا کر کہہ کر سکتا ہے۔

مثلی مشہور ہے کہ ایک پٹنجا بھاؤ کو نہیں بھوڑ سکتا۔ لیکن اول درجہ کے اخبار جو سارے ملک کے طول عرض میں نکلتے ہیں ملکر بالاتفاق اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے بار بار مہینوں اور برسوں تک اپنے خیالات کو اپنی تجویزوں کو اپنے پڑھنے والوں کے مقابلے میں لائیں تو بالضرور انکے مقاصد پورے ہونگے اور نہ کوئی گورنمنٹ اور نہ کوئی قانون نہ کوئی رسم و رواج

انکے مقابلہ میں سامنے ٹھہر سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پریس کی یہ عظمت و صولت کس بنا پر مبنی ہے اور کیا سبب ہے کہ وہ ایسا اپنا اقتدار اور اثر اور رعب و اب رکھتا ہے؟ بعض یہ بیان کرتے کہ اخباروں کو یہ عظمت اس سبب سے حاصل ہوئی ہے کہ وہ تجارت اور بیچ و پاریں اپنا حصہ رکھتے ہیں۔ زمانہ حال کی تہذیب اور شائستگی میں یہ کہنا کہ اخبارات کو وقعت اور عظمت تجارت کی شرکت سے حاصل ہوئی ہے ایسی پوچھ بات ہے کہ قابل التفات نہیں ہے۔ بعض انکی وقعت کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ خبریں شائع کرتے ہیں۔ جو اخبارات محض خبریں وچ کرتے ہیں انکی محض ایسی ہے جیسی بازاری آدمیوں کی جو خبریں کہتے پھرتے ہیں یا جیسے ہندؤں کے ناپوں کی جو اپنے شہر کی گلی کو چوں میں شادی اور عقی کی خبریں سناتے جاتے ہیں۔ وہ اخبارات جنہیں سوائے خبروں کے روکھے سوکھے پھیکے بیانوں کے کچھ اور نہ ہو تو وہ گورنمنٹ میں کوئی دست اندازی کر سکتے ہیں نہ پبلک پر کوئی اقتدار یا اختیار رکھ سکتے ہیں۔ اخباروں کی غرض شان کی دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ جمہور انام کے معلم ہوتے ہیں اور سائنس کے تحقیقاتوں کے نتائج کو عوام میں مشہر کر دیتے ہیں۔ یہ وجہ پانہ اقتدار سے ساقط ہے۔ اول تو اخبارات سائنس کے عام فہم بنانے میں بہت ہی کم وقعت رکھتے ہیں۔ مشاہدہ و تجربہ میں یہ ایسا ہے کہ خاص رسالے اور میگزین جو محض سائنس کے عام فہم بنانے کے لئے شائع ہوتے ہیں وہ اپنے پڑھنے والوں کے دلوں پر کوئی گہرا عکس و نقش نہیں جھالتے انکا اثر اتنا ہی نہیں ہوتا جیسا کہ کسی ادنیٰ پولیٹیکل مضمون کا جو فحش زبان میں لکھا جائے۔ انگلنڈ کے بے مثل فاضل سائنس شیل صاحب فرما کرتے تھے کہ جب کوئی کہتا ہے کہ میں سائنس کو عام فہم زبان میں لکھتا ہوں تو میرا یہ جی چاہتا ہے کہ اسکا موہنا اپنے ہاتھ سے بند کر دوں۔ غرض پریس کو نہ ایسے اشتہارات نہ اس کی خبریں نہ دلچسپ بڑے بڑے مضامین سلطنت کے کاموں میں یا اقتدار اور ذمی اختیار بناتے نہ قوموں کی تہذیب و شائستگی پر بے قند اشارہ رکھتے ہیں لیکن یہ بھیجی پریس کہ سلطنت کی قوت میں شریک بنائی ہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مضامین میں اور خبروں کے انتخاب کی ترتیب میں پولیٹیکل یا فلسفیانہ خیالات کہ پیش صاف صاف ظاہر کرے نہایت

حضور دور کی باتوں کے بیان کر نیکاطریقہ اختیار کرے اور ہر واقعی کو اور مطلب کو اپنے بیان سے روشن کر دے۔ اگر سپریم نقطہ واقعات کا بیان کر دیا جائے تو وہ تجارتی اور مالی اور تمدنی گپوں میں پایہ کنسرکرتا ہے اور قوموں کی تہذیب میں کوئی توفیر نہیں رکھتا وہ روزمرہ کے واقعات کا نگراں حال ہوتا ہے اور ملکی مسن و قج کو بتلاتا ہے اور لوگوں کے افعال و اقوال پر اور آدمیوں کے مخفی افلاک پر رائے دیتا ہے اور انکی مدح یا مذم کرتا ہے انکی بہت بند اتا ہے یا دھمکتا ہے اور اپنے گروہ کے ساتھ محبت کر لیتی اور انکی تقلید کر لیتی شفا کرنا ہے انکو یہ بتاتا ہے کہ کن باتوں کو اختیار اور قبول سمجھ کر فرست کرنا چاہئے وہ بظاہر پبلک اور پرائیویٹ انڈر سمجھ کرنا ہے تو پبلک انڈر سمجھ کرنا ہے۔ انکو انڈر سمجھ کرنا ہے وہ اسکو ملتا ہے جس کو وہ ایک گروہ کو کشش دیتا ہے۔

اب اس سے ہم سوالات پیدا ہوئے ہیں وہ کونسا شخص ہوتا ہے جس میں پبلک اور پرائیویٹ کے اظہار کے اعلیٰ درجہ کے اوصاف موجود ہوتے ہیں؟ کونسا میں یہ وہ صفات پیدا کرتا ہے؟ اسکو کہاں سے یہ حق ملتا ہے کہ وہ ایک گروہ کی سرکے نام سے حکومت کرے۔ طاقت کرے موجودہ رسم و انیس کو شاوے۔ اخلاق اور قوانین بنانے کے ہدایتیاتی پیدا کرے؟

اخبار نویس کو یہ حکومتیں کہاں سے ملتی ہیں؟ جسے کہ پبلک اور پرائیویٹ کی طرف سے اور اسکے نام سے پرتیں ملے ٹھہر کر رہا ہے۔ گورنمنٹوں کو سوالات مذکورہ نے بڑا چیلن اور پریشان کر رکھا ہے وہ ظالم خواہ انکو نہیں حل کر سکتیں اسلئے وہ پولیس کو بڑا ضیق میں رکھتی ہیں اسکی مدد کئی کے دے رہی ہیں کہ ان کو اسکو تازہ باز کے تلے رکھتی ہیں اسکے سونہ میں روٹھ رہا ہو کر بولے نہیں دیتیں اسکے ہاتھوں میں ہتھیار یاں ڈالتی ہیں۔ پبلک کی عقل و شعور گورنمنٹوں کی ان کو دشمنوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ گورنمنٹ سے پبلک کی درخواستوں میں سے سب سے اول درخواست یہ ہوتی ہے کہ پولیس آزاد ہو۔ جب پولیس کی آزادی کی رعیت درخواست کرتی ہے تو وہ یہ سمجھتی ہے کہ پولیس کے ذریعہ سے گورنمنٹ کے کل اعلیٰ درجہ کے معاملات میں پبلک اور پرائیویٹ کے درمیان کھینچنے پھینچنے کی کئی سہی مانی ہوئی باتوں کو اپنی حق شناسی کو اپنی کوشش کو متفق ہو کر اعلان کرینگے۔ پس اس سبب سے پولیس ایسا دیو سیکل فوی ہو جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی حکومت کو آزاد نہ دے گا۔

خبرداروں کا مختار ہوتا ہے اور ہینا خبردار اخبار کے ایڈیٹر کے اختیار کو بڑھاتا ہے۔ یہ وہ آپ کی باتیں بظاہر معقول معلوم ہوتی ہیں مگر انہیں سر تا پا اول سے آخر تک جھوٹ بہا ہوا ہے۔ کوئی بات سچی نہیں۔ ہزار ہا میں ہر مقام میں تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ روپیہ ایسی چیز ہے کہ اگر برسرِ فساد وہی سو م شہودہ ٹٹے بڑے لائق خالق آدمیوں کو ڈال لگوں گا محکوم و مظلوم بنا دیتا ہے اور اسکی شرافت کے لوازمات سے بل دیتا ہے۔ انکو کسی اصول کا پابند نہیں رکھتا۔ میسجوں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بد معاشوں۔ لچوں شہدوں۔ سود خواروں زانیوں۔ سوسائٹی کے درہم برہم کرنے والوں سے دریافتہ خبروں نے جب اخبار نکالنے کا ارادہ کیا تو بڑے بڑے ذمی یافت صاحبِ علم کی اخبار کی ایڈیٹری کے لئے ان موجودہ پے اور کسی اصول کے پابند نہیں ہے۔ مالکان اخبار کی طبیعت کے موافق و مناسبت ایسی مضامین نگاری شروع کی کہ جسے اخلاق گریں

اور جھوٹے خیالات پھیلیں۔ یہ تو اخباروں کے مالک اور ایڈیٹر ہونے کے حالات ہیں اب اخبار نگاری کثرتِ خبری کی کیفیت یہ ہے کہ ایڈیٹر صرف پاجی کلینوں اور رزیلوں، ماڈرلیلوں کے طبائع پر خیال کرتا ہے جو ایسے آدمیوں کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں جنکی طبیعت میں شرافت و نیکوگی ہوتی ہے۔ تو اسکو اپنے اخبار کے پڑھنے والے خریدار بہت سے بچائیں گے۔ اسنے وہ ایسے رزیل اور پاجی اخلاق کی باتیں لکھتا ہے جو بالطبع رزیلوں و شہدوں لچوں کو پسند ہیں۔

ایسے اخبار کم و بیش رزیل و سائل ایسے رکھتے ہیں کہ جسے وہ اخباروں کی خوب شاعت کراتے ہیں اور اپنا اثر و رعب و اب پھیلاتے ہیں۔ غالباً یہ بھی ہوتا ہے کہ ان وسائل سے ان اخباروں کی شاعت زیادہ تر اور اثر قومی تر پلندت ان شریف و معزز اخباروں کے ہوتا ہے جو ان باتوں کو بیان کرتے ہیں جنکو وہ خوب جانتے ہیں۔ اور جب وہ خود بے حقیقت شناس و حقائق آگاہ ہو جاتے ہیں تو بدہائیتیں کرتے اور محاسن اخلاق کے اصول کو قایم کرتے ہیں اور کبھی اپنے پڑھنے والوں کی رذیل عقلوں کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں۔ کیا یہ اثر و رعب و اب از روئے انصاف ہو گا کہ کسی پاجی کلینہ سوسائٹی کے اخبار کے ایڈیٹر کو اس سبب سے کہ اس کے اخبار کے پڑھنے والے ہزاروں ہیں یہ حکومت اور منصب حاصل ہو جائے کہ وہ گورنمنٹ پر حملے کرے اور معاملات عظیمہ کا فیصلہ کرے۔ شہر کے بھلے مانسوں کے افعال کی خبر گیری و عیب جی

کرے اور تدریج کم دیش کر کے ایک نبرا لسی کہو دے جس سپاک اوپینس کی رو ایکٹ ص سمت میں بلکے؟ مگر آجکل کی تہذیب اور شائستگی سٹیٹ (سلطنت) جو حکومت ایسی ہے کہ انہیں رعیت صدر نشین ہمیں وہ بغاوت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اس میں بادشاہ ظل اللہ اور ایشور کا انفرس میں سمجھا جاتا۔ سلطنت کریکا موروثی حق باقی نہیں رہا وہ حکومت شخصی نہیں کر سکتا۔ اب تو وہ شاہانہ اختیارات وہی رکھتا ہے پھر رعیت و رعیت دیتی ہے۔ وزیر اعلیٰ کو بادشاہ نامزد کرتا ہے پارلیمنٹ اسکو مستقل مقرر کرتی ہے۔ رعیت اپنی ہی دو ٹوں سے انپر وکلا مقرر کرتی ہے۔ اب صرف اخبار نویس ہی کو ایسے اختیار حاصل ہوتے ہیں کہ وہ گورنمنٹ اور واضعان قوانین کے اختیارات کے ہم پلہ ہوتے ہیں اور وہ وزیر اعلیٰ اور عایا کے وکلا پر اپنے احکام چلاتا ہے اسکو کسی کے دو ٹوں اور نامزد کرنے کی ضرورت نہیں۔ سٹیٹ میں صرف ہی حکومت ایسی ہے جسکو کوئی اور حکم نہیں کرتا بلکہ وہ خود اپنے سنیں آپ مستحکم کر لیتی ہے۔ اخبار نویس اپنی قدرت و قوت کو بطرح چاہتا ہے کام میں لاتا ہے۔ اور اپنے سنیں جو بنانا چاہتا ہے وہ بن جاتا ہے اور اپنی قوت کو خواہ ایسی بری طرح استعمال کرے اور سنیں غلطیاں کرے انکی باز پرس اس سے نہیں ہوتی۔

یہ جو جتنے اوپر بیان کیا، ہمارے اس بیان کوئی میا لغد آمیز نہیں کہہ سکتا وہ اخبار نویس کہ غور خوض نہیں کرتے اور بال اندیشی نہیں کر سکتے اور اپنی تحریروں سے انقلابات پیدا کر دیتے۔ بات عظیم برپا کر دیتے ہیں جسے کہ خود انکی باپنی قوم و قریب میں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسے کام بادشاہ کرے جو اخبار نویسوں نے کئے ہیں تو وہ معزول ہوتے اور اگر ارکان وزارت کہتے تو وہ جیل میں ماخوذ ہوتے۔ اور انکی زندگی معرض خطر میں آتی۔ لیکن اخبار نویس نہ اس تباہی و بربادی میں گرفتار ہوتے ہیں جو انہوں نے خود پیدا کی ہے نہ کسی اور طرح سے سزا یاب ہوتے ہیں۔

یہ امر کیا حیرت انگیز ہے کہ انسان نے خود اپنے آپسے اخبار نویس کی اس حکومت اور خود مختاری کو قبول کیا ہے اور کہی اس سے سرکشی اور بغاوت کرنے میں ذرا کوشش نہیں کرتا ہے اور اسکی قہر بانی کو بڑے جوش اور جذبے سے قبول کرتا ہے۔ پولیٹیکل معاملات ہی میں پولیس کو بچہ کھلنی حاصل نہیں ہے بلکہ وہ سوشل معاملات میں بھی فرمانروائی ایسی ہی کرتا ہے کہ اسپر حیرت ہوتی ہے۔ حج کو دولت و عزت و آزادی کے باب میں فیصلہ کرنے کے اختیارات چپ ملتے ہیں کہ

نہ تو وہ جس میں ملی مانگنے کا اعلان اخباروں میں کیا ہنسنے اور شہابوں میں وہ مضمون لکھ کر شہر
بہر چھپایا گیا جائے۔ بعض والاخرد و دانش منش کے نزدیک سب سے بہتر تہذیب پر ہے کہ جو
مذہب و مذہب سے ایک کیشن مقرر ہو کہ وہ اخباروں کی ایڈیٹری کی اجازت ان لوگوں کو دیا کرے گی
تجارت میں نہ ہوں اور ان کے خصائل پاک و صاف ہوں اور لیاقتیں اچھی ہوں اور ان کا فقر کثرت
نہ ہو۔

یہ لوگوں کے باب میں جو کہہ سکتے ہیں وہ اخبار ہے وہ شائستہ قوموں کے پریس کا بیان ہے۔ اسکو
مہذب و متان سے کچھ تعلق نہیں۔ اب تک نہ ہونے لکھنے کے پریس کا حال لکھو لگا کہ وہ کسی روز ترقی
میں نہ آئے۔ اور غلط اور واجباتوں اور رسالوں کا جتنی خوب ترقی ہو رہی ہے وہ دکا لکھ

سیک ایک انگلیش والوں کی عادت چھوٹ سکتی ہے

ایک انگلیش کو سرائیاں رسالہ عصر جدید و رسالہ جہالت میں اچھی طرح بیان کی جا چکی ہیں۔ اس وقت ہمارے
تجربہ و صرف ہم ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر کوئی ان لوگوں کی عادت چھڑانا چاہے تو عینک سگلوں کی عادت
چھوٹ سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں اصلاح معذن کے بہت کم ممبروں نے اس طرف توجہ کی ہوگی انکو
اس لئے ہمارے مسائل کا عملی تجربہ جدید ناظرین کر کے لسنے و خواست کرتا ہوں کہ اگر تمام ممبر ایک ایک فقیر
میں سے پانچ روپے ہفتہ بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ بہت سے مضمون و سبب ترقی حال کی ہوگی
اور یہ سبب میں ایک انجمن اصلاح و معاشرت کے نام سے جو پور میں قائم ہوئی تھی
بے شک اس کا تشہیر کر سکی جائے۔ صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ یہ انجمن بھی صیغہ اصلاح متعلق کی شاخ
ہے۔ اس کے مقامی ممبروں کی تعداد تعداد تو بیکڑی صاحب کو معلوم ہوگی مگر خیال ہے کہ شاید پچیس تیس
ممبر ہو سکیں۔ میں اس تعداد کو متانت سے بہت افسوس و غماہ کرتا ہوں کہ ان تمام ممبروں میں صرف پانچ
انجمن ہو سکیں جو اس کے مقاصد کے پابند ہوں اور اس پر عملدرآمد کرتے ہوں۔

انہیں کے چاہئے پانچ چھ ماہ تک تو میرے زور و شور سے ہوتے رہے مگر جو وہ چند و چند اسکا جلسہ ہوا
بند ہو گیا۔ ممبر جو کبھی کبھی دس پانچ آجاتے تھے۔ انہوں نے نامچوڑ دیا ایک رشتہ اتفاق سے میں بھی
اس کے ایک جلسہ میں شریک ہوا جس میں مطبوعہ فارم ممبری صیغہ قاعدہ مقاصد انجمن و سبب ترقی کے سبب تھے

بھی کر گیا۔ چونکہ مقاصد واقعی بہت عمدہ اور قابل تقلید ہیں اس لئے میں بھی اسی دن داخل ممبران انجمن ہو گیا۔ ممبر بننے کے بعد مجھے سب سے زیادہ خیال انجمن کے ایک مقصد پر ہوا۔ جو پیشہ ورانہ زندگی گزارنے والوں کو خیرات نہ دینا چاہئے۔

صبح سے شام تک بیسیوں گراگراستے تھے اور انکو آنا۔ غلہ۔ پیسہ وغیرہ دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ بالکل بند کر دیا گیا۔ اگرچہ گھر کی بعض غریب مستومات اس بات سے ناراض ہوئے لگتے مگر انکو تیار کیا کہ شرعاً لے کر اگر دن کو خیرات دینا سخت گناہ ہے اور اس خیرات کے دینے میں سوائے گناہ کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ دراصل گناہ بے لذت اسی کا نام ہے۔ چنانچہ وہ سب ان گناہوں اور اس طریقہ سے جو کچھ دیا جاتا تھا بند کر دیا گیا اور آنا۔ غلہ وغیرہ ایک جگہ جمع ہونے لگا جو بعد ایک ماہ کے محلہ کی بیوہ بیکس اور خندار کو دیا جانے لگا۔

عام گذاروں اور فقہروں کا تو یہ حال ہوا۔ اب ایک نئی بات سننے کے لیے محلہ میں ایک فقیر صاحب مع اپنی بیوی اور لڑکے کے ایک کرایہ کی کوٹھری میں رہتے تھے اور روزانہ کم کوٹھیک مانگا کرتے تھے۔ کبھی کبھی مجھ سے بھی پیسہ لے جاتے ایک دن مینے لے لیا تو چاکر میاں صاحب آپ کرایہ کہاں سے آوا کرتے ہیں؟ بولے کہ بابا کوئی نئی دانا پیسہ دو پیسے دیتا ہے وہ جمع کر کے کرایہ آوا کرتے ہیں اور کہاں شام کو لگرتے مانگتے ہیں کہ کہا لیتے ہیں مینے انکو بہت غیرت والی اور کہا کہ تم مزدور ہی کر سکتے ہو اور اچھی طرح سے روزی کما سکتے ہو۔ جواب ملا کہ ہمارا منہ تنہی سختی نہیں چک سکتی اور اپنا گزارہ ہم اس طرح چلا لیتے ہیں۔ اس دن تو ذرا صاحب بہت ناراض ہو کر چلے گئے۔ مگر کئی دن کے بعد پھر پیسہ مانگنے لے۔ مینے انکو بلا کر بہت سچا ہوا اور کہا کہ تم مزدور ہی کرو۔ تمہاری بیوی چکی پیسے اور تمہارے لڑکے کو آٹھ آنہ ہوا پھر میں تو کر کے سکتا ہوں یہ اسپر وہ کچھ راحی ہوئے اور کہا کہ باوا چکی وغیرہ تو پس نہیں سکتی مگر ہاں ہم دونوں میان بیوی سہلی سکا کام جانتے ہیں۔ بہرہ سکر میں بہت خوش ہوا اور کہا کہ ایک کوٹھری رہنے کو میں چکوٹا کر دیتا ہوں اس مکان کو چھوڑ کر تم یہاں چلے آؤ چنانچہ وہ کئی دن کے بعد وہاں سے آٹھ لے آئے اور میرے چیکوٹ کی دو کالوں میں سے ایک بچے رہنے کو پسند کر لی اور اس میں رہنے لگے مگر وہ وہاں سے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک دکانو جھیک مانگا کرتے تھے مگر رفتہ رفتہ چھوڑ دئے اور اپنے سرکاری عیال خانہ میں جس غریبوں اور مبتلا خوروں کو آنا وغیرہ ملا کرتا ہے انکا نام بھی لکھ دیا تو بت ہاں بند کر دیا۔

کے دن بازار میں جا کر مانگ لاتے تھے اور اسکے لئے بھی میں ہر وقت ٹوکتا رہتا تھا اور کچھ مسلمانوں کا کام بھی اُنکو دیا۔ آخر انکی عادت بالکل چھوٹ گئی اور اب بہت اچھی طرح سے اپنی گذراوقات مسلمانوں کے کرتے ہیں اور خوش ہیں۔

اس تجربہ کی بنا پر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ فقیروں کی عادت چڑھائی جاسکتی ہے بشرطیکہ چڑھائی کو شش کیمپ ہے۔ آجکل ایک اور شاہ صاحب کی خدمت میں اس عرض سے روزانہ حاضر ہوتا ہوں۔ اگر خدا کو منظور ہو گا تو وہ بھی راہ راست پر آ رہیں گے۔

آئندۃ النشأ اللہ تعالیٰ دیگر مقاصد کے متعلق اپنے تجربات لکھتا رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ نافرین عصر جدید اور میران صیغہ اصلاح اسکو غور سے پڑھ کر اسی طرح اپنے تجربات لکھتے رہیں گے۔

صیغہ کیطرت شکر یہ عرض ہے سب ممبروں نے قدم سید گل بادشاہ سکرٹری انجمن تھذیب الاخلاق و ممبر سمیرا سلمان الیسا کہیں تو کام کچھ آگے بڑھے گا (سالہ صیغہ اصلاح۔ از سچے پور راجپوتانہ)

مسلمان اور خیرات کا بیجا ثمر

میرا وطن بمبئی ہے اور چونکہ اوائل عمر اور عنوان شباب کا زمانہ وہیں گذرا اسلئے میں وہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہوں۔ بمبئی میں بہت ہی کم ایسے مسلمان ہیں جنکے خاندان سرکاری وظیفہ خوار یا جاگیردار ہوں۔ اسلئے وہاں کے مسلمان کاہلی۔ بیکاری اور بے روزگاری کی مرض میں مبتلا نہیں ہیں۔ ہر شخص کسب معاش کے لئے محنت و مشقت اٹھاتا اور اپنی روٹی آپ کماتا ہے۔ کسی دھندے کسی پیشے سے وہاں غار نہیں۔ کُترے، قسائی مسلمان ہیں۔ موچی اور نانابائی مسلمان ہیں۔

جولاہے۔ مزدور۔ لالچ۔ نائی۔ چڑاسی مسلمان ملیں گے۔ میوہ فروش۔ گندہی۔ تیتوبی۔ بساطی بھی مسلمان نظر آئیں گے۔ عرض روزی پیدا کرنے کے جتنی طریقے ہیں ان سب میں مسلمانوں کا حصہ ہے۔ اور ہر پہی نہیں کہ صرف ادنیٰ پیشے ہی مسلمانوں سے مخصوص ہوں۔ بلکہ صنعت۔ حرقت۔ اور تجارت کی اعلیٰ شاخوں میں بھی وہ ممتاز ہیں۔ کوئی جہاز کا کپتان ہے۔ کوئی کارخانہ کا انجینئر کوئی ملک التجار ہے کوئی صاحب مکانات ہے۔ چونکہ بمبئی ہندوستان کا سب سے بڑا بندر اور تجارت کا مرکز ہے اسلئے یہاں کے مسلمان مثل اور قوموں کے باشندوں کے زیادہ متزاحم

اور دوکاندار ہی ہیں۔ تجارت کے بعض شعبے تو ایسے ہی ہیں کہ جنہیں کوئی اور قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مثلاً کٹلری (قینچی) چاقو۔ چھری وغیرہ) میٹنوں کے قبضہ اختیار میں ہے۔ شیشہری داسباب کتابت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اور کراکری (طروف چینی) پر غلبہ مسلط ہیں۔ ہاں مسلمان اگر کسی حد میں کم ہیں تو سرکاری ملازمت ہے۔ جبکہ چندان افسوس ہی نہیں۔ کیونکہ نوکری جسکے معنے کسی نے اختیار خود فروختن خوب کہے ہیں اور جسکی عزت ہرنڈلنے میں جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے قومی شاعر جناب مولانا حالی صاحب نے بھی اسکی چوکھ ڈالی۔ ایسی حالت نہیں جسپر رشک کیا جائے۔ اور قوم بھی قوم اُسی وقت بنے گی اور ترقی کی صورت اسوقت دیکھے گی کہ جب ہم اپنے اسلاف کی خودداری اور وقار کو اپنی طبیعتوں میں پیدا کریں اور غیروں کی بدست نگری سے موہ نہ ہو کر مولانا شبلی کے اس شعر پر کار بند ہو نیکاعظم بالجہم کر لیں۔

دیکھنا! آپ کہڑے ہو گئے ہم اپنے بل پر

غیر سے چارہ نوازی کا تقاضا کیا؟

جوش میں اگر میری قلم کا قدم ٹنگا گئے لگا اور کہیں کا کہیں جا پڑا۔ غرض میری بھیجے گئے مسلمانوں کی مزہ جانی اور فارغ البالی کے بیان کرنے سے پہلے ہی کہ ہمیں دلے ہو اپنے اپنے کاروبار میں ہر روز مصروف اور اپنے اپنے مشغلوں میں ہمیشہ منہمک ہونے کی وجہ سے کام کے منے اور لذت سے واقف ہیں اور جو بیکاری سے نفرت کرتے ہیں اور کاہلی کو بہ نظر اکراہ دیکھتے ہیں کہیں گہرائی پیشہ نہیں ہو سکتے۔ بعض اصحاب جنکو ہمیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور جو صرف جزیرہ بمبئی میں تھیناوتی بنبار جنس کثرت مسلمانوں ہی کی ہوگی، گداگروں کی موجودگی سے واقف ہیں۔ مجھے ضرور یہ الزام لگائیں گے کہ وطن کی محبت نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ اسنے نصویر کے صرف روشن پہلو ہی کو میں دیکھتا ہوں اور اسکا تاریک پہلو بچے دکھائی نہیں دیتا۔

نہیں انکا یہ الزام مجھ پر عائد نہیں ہو سکتا۔ اسنے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ بمبئی میں گداگروں کی جقد بڑی تعداد ہے اسقدر ہندوستان میں تو کسی شہر میں نہ ہوگی بمبئی کے ہر دس باشندوں میں ایک کام چور محنت خور ضرور ہے۔ بمبئی میں گداگروں کی نفرت فخر کثرت کا وجود خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل بمبئی مستطیع ہی نہیں اور غیر بھی ہیں۔ کیونکہ اگر تحقیق کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان گداگروں

میں پانچ فیصدی بھی ایسے نہیں ہیں جبکہ وطن بھئی ہو۔ کل ہندوستان بلکہ بھارت۔ عرب اور ترکستان ہو۔ سمٹ کر یہ لگ کر بھئی میں جمع ہو گئے ہیں۔ وہ مفلوک انحال اور مفلس اشخاص جبکہ وطن خاص بھئی ہے۔ محنت مزدوری کر کے عزت کی روٹی کھانے کے عوض اگر سچائی کا ٹکڑا مانگتے بھی لگے ہیں تو میرے نزدیک انکی اس حرکت ناشائستہ کی وجہ باہر سے آئے ہوئے بھیک منگوں کی صحبت ہی کا اثر ہے۔ نہروہ کو لٹا سنا جب ہے جو کہ گروں کی اس حرکت کا ذمہ دار ہو؟ اس سوال کا جواب انکو اس مضمون کے عنوان ہی سے ملے گا یعنی خیرات کا بیجا صرف۔

نہن اور پر لکھ آیا ہوں کہ مسلمان خیر ہیں۔ اور حقیقت میں بڑے محیر ہیں۔ کیونکہ صرف شہر بھئی میں ہی لاکھوں روپیوں کی خیرات سالانہ انکے ہاتھوں ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ خیرات کرنے کا طرز دیگر اقوام سے نرالا اور ایسا ہیوہ ہے کہ بعض اسکے نہ انکی خیرات ضرورت کے وقت مفلسوں اور تنگدستوں کی حاجت روائی کر کے انہیں نہروہ باز و معاش پیدا کرنا سکھلائے۔ نہ دردمست اور توانا اور محنت کے قابل اشخاص کو۔ بلکہ اور کامل اور فاقہ مست بنا دیتی ہے۔

بھئی کے متعدد ڈاکٹروں سے کسی ڈاکٹر نے نہ ایک روز آپ چلے جائیں اور منی آرڈر کی کاپی کے قریب کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے کہ کتے بھیک بخش اور فقیر شاہ اپنے گھروں کو روپیہ بھیجتے ہیں۔ بھئی میں چونکہ جاہلی بڑی قلت ہے اسلئے مسلمانوں کے اکثر محلوں میں ایک خیراتی مکان بنا ہوا ہوتا ہے جو جماعت خانہ کہلاتا ہے۔ اور اس میں شادی سیاہ کی تقریروں پر راتیں اترتی ہیں یا برادری کے رسمی کہلاتے کہلاتے جاتے ہیں۔ صیغہ اصلاح تمدن کے اراکین تو برادری کے رسمی کہانوں کا ہی رونا دھونے ہیں۔ لیکن بھئی میں ان برادری کے کہانوں پر ایک اور کہا نام مستر اد ہے جو فقیروں کا کہانا کہلاتا ہے۔ جب کوئی صاحب خیرات جماعت خانوں میں فقیروں کو کہانا کہلاتے ہیں یا کوئی طالب شہرت برادری کا کہانا کرتے ہیں تو وہ طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے کہ الامان! کہانا ہو پکھنے کے بعد جب وہ دھونے جنہر بھلا کر کہانا کہلا یا گیا تھا اور سالن وغیرہ کے گرنے سے جنگی بہہ حالت ہو گئی تھی کہ دیر میں آئیوالوں کو جوتوں سمیت اوڑھوں بیٹھ کر کہانا کہانا پڑا تھا یا ہر دوپ میں سکھلانے کی غرض سے ڈال دئے جاتے ہیں تو وہ تعفن پھیلتی ہے کہ معاذ اللہ! راہ گروں کا دماغ پھٹا جاتا ہے! اسکا کہنا نا خدا صاحب کچھ خاندان اور مناجات مقبہ صاحب کے نماز ان کی ایک قابل تعریف کاروباری کا ذکر ہے سو قہ نہیں ہو گا

ان دونوں غافلانوں میں مدتوں سے رسمی اور خیراتی کہاؤں کا رواج چلا آتا تھا اور سال میں کئی دفعہ ایسے کہلنے ہو کر گزرتے تھے لیکن موجودہ دشمنانے ہمیشوں کی طعن و تشنیع کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور بغیر اسی ہیروئی وباؤ یا تحریک کے۔ صیغہ اصلاح کی اشاعت سے ہی کئی سال پیشتر ان کہاؤں کو کھنٹ کر بند کر دیا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ممبئی میں جب خیرات ہوتی ہے وہ سب بجا ہی ہوتی ہے۔ بعض خیر جاری کے ایسے بھی کام میں جو حقیقت نہایت ضروری اور مفید ہیں۔ مثلاً مسافر خانے ہیں۔ مدرسے ہیں۔ لیکن خدا کی رحمت ہو ان واقفوں پر جنہوں نے نہ صرف روپیہ ہی اللہ کے نام پر دیا بلکہ غور و فکر کی تکلیف بھی اٹھائی اور نہایت دانشمندی سے خیرات جاری کے نیک مصروفوں کو سوچا کہ ان کے لئے جائزاد میں وقفہ کیسے۔ رونما تو اسی کا ہے کہ ہمارے زمانے میں مسلمان جو خیرات کرتے ہیں وہ ہمارے بزرگوں کی طرح خیرات کے مفروضہ کو سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے اور بے سمجھے سوچے یہ کہ اگر کہ اللہ کے نام پر دینا ہے تو دیں۔ ہم سائل کے حالات کی لفتیش کیوں کریں۔ غیر مستحقین کو خیرات دیتے ہیں ہمارے بزرگوں کی خیرات ایسی ہوا کرتی تھی جیسے ہمالیہ کی چوٹیوں پر سرف سیکے پگھلنے سے بڑے بڑے دریا بہ کر ملک کے ہر حصے کو میراب و شاو اب کہتے ہیں اور ہماری خیرات ایسی ہے جیسے ریگستان میں مینہ اس کے آگے سستی اور گھٹ اور پیچھے گناہ اور بے عقلی ہے؛

زمین شور سنبل بر نیارو

درو تخم عمل ضائع مگرداں

ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں گذرا کہ سیٹھ منجی نہتو نے، جو ممبئی کے ایک بڑے تاجر ہیں اور بنگالہ وطن مہو نامی ریاست بھاؤنگر کا ایک قصبہ ہے۔ ساتھ ہزار روپے کی جائداد بطور خیرات کے طالعہ کر دینے کا اعلان کیا۔ صاحب موصوف مسلمان ہیں اور قوم کے خو ہے۔ لیکن ان کے نام کی وجہ سے بعض اخباروں نے انہیں ہندو لکھ دیا۔ لیکن ایک ہندو مہوطن نے انکی اس خیرات کے متعلق گجراتی اخبار راسٹ گفتار میں ایک مضمون چھپوایا ہے جو میرے اس بیان کی تصدیق کرتا ہے کہ مسلمان خیرات کا بجا صرف نہیں جانتے؛

صاحب مضمون نے پہلے سیٹھ منجی کی زندگی کے مختصر حالات لکھے ہیں جنہں ظاہر کیا ہے کہ انسان اپنی

مہر آپ کرنے کے منہر ہی قاعدے پر عمل کرنے سے ضرور ایک روز صاحب عزت و جاہ بن جائے گا۔
 سینہ صاحب موصوف کا رامہ طفولیت۔ نہایت عسرت اور تنگ دستی میں گذرنا تھا۔ مگر محنت و بجا کوشش کی
 بدولت بھونے ہوئے چنے پیچنے والے کی اولیٰ حالت سے ترقی کر کے ایک متمول سوار کے اعلیٰ درجہ
 پر خود کو پہنچایا اور اب لکھ پٹیوں میں انکا شمار ہے۔ پر انکی نیکدلی۔ انسا۔ تواضع اور زلخ و صلی
 کی صفات خیمہ کی تعریف کر کے انکی بعض اگلی سخاوتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رشتہ داروں اور
 ملازموں کو تو انہوں نے نہال کیا ہی۔ لیکن فقیروں اور سادہوں اور مسکینوں کو کبھی کچھ دیا ہے۔
 ساتھ نیر کی تازہ سخاوت کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ہوسے میں خوجوں کی کثرت ہے مگر انہیں و وزیر
 ہیں۔ افسوس! ازلیق مخالف کو بھی انہوں نے پالو روپے دیئے ہیں اور آغا خانی فریق کو چار ہزار روپے
 نقد اسطرح دیا ہے کہ اس رقم کے سو سے سال میں لیکندہ کل جماعت کی ایک اچھی دعوت کیجاوی
 نقد کے علاوہ اس دعوتی چٹند میں کپڑے۔ زیورات۔ ظروف وغیرہ بھی بہت دیئے ہیں۔ اس دعوتی
 چٹند سے قوم کو کیا فائدہ پہنچے گا! سوائے اسکے کہ لوگ بے ضرورت اپنے کاروبار کو ایک روز کے
 لئے معطل کر کے اس دعوت میں شامل ہونگے اور کہا نا بھی زیادہ ترویج لوگ کہائیں گے جو ہمیشہ
 شکم پیر رہا کرتے ہیں۔ ہوسے میں ایک مسافر خانہ تعمیر کر دینے کے لئے اپنا ایک شنگھوں کا کاخانہ دیا
 ہے جسکی ہر مت کے لئے ڈیڑھ ہزار روپیہ نقد اور مسافروں کی خوراک کے لئے ہوسے کی تین عہدہ دکانیں
 دی ہیں جنکی قیمت ساٹھ ہزار روپے ہوگی اور انکا کاروبار اس میں خرچ ہوگا۔ عام خیرات کے لئے چھپ
 کے دو بنگلے اور چند مکانات دیئے ہیں جسکی قیمت ساٹھ ہزار روپے ہوگی۔ آمدنی ہوتی ہے اس آمدنی
 سے ایک چوتھائی کے ستحق ہندو ہونگے اور تین چوتھائی کے ستحق مسلمان۔ عام خیرات سے مراد جہا
 کو کہا نا کپڑا پہنچانا ہے۔ سیٹھ صاحب کی خیرات پر صاحب مضمون نے نکتہ چینی اسطرح کی ہے کہ مسافر خانے
 میں مسلمان مسافروں کو رہنے اور کھانا پکانا آرام تو دیگا۔ آغا خانی فریق سال میں ایک دفعہ دعوت کے
 منے بھی آٹا دیگا اور عام خیرات کی مدد سے ہندو اور مسلمان غریبوں کو بھی پوشیدہ اور ظاہر پہنچے گا۔ اور
 غریب و مایوسی دینگے۔ لیکن ایسی کوئی خیرات نہیں ہوگی جس سے تعلیم کو مدد ملتی۔ ہوسے کا ایسی کتب خانہ
 محمود رہا۔ کسی طالب علم کو نہ ہوسے سے یوروپ۔ امریکہ یا جاپان بھیجنے کے لئے کوئی وظیفہ مقرر کیا گیا۔
 نہ بمبئی اور بہار دیگر جہاں ہوسے کے طلباء کے لئے بورنگ کا کوئی بندوبست ہوا۔ انسی بورنگ کے لئے

ہرگز بھی جلا پاکر دنیا میں چمکتے اور انہیں سے تہہ و آشہہ آفاق ہوتا۔“

میں نے اپنے مضمون کو کبھی والوں ہی کی خیرات پر محدود کر دیا ہے اور تیشیل میں بھی ایک گناہم قصبے کی خیرات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مجھے پوچھنا یقین ہے کہ مسلمانوں کی خیرات ہندوستان کے ہر شہر و قصبے میں ہی کیفیت رکھتی ہے۔ ”مٹے نمونہ خوارے“

نوٹ۔ خادجہ کے اس قوم پرچم کا ایک قصبہ بھی مفتیجہ پیدا کرے۔ فقط لا یشتر) عبدالفاظ باعلیٰ (دبھاگر)

صفائی کا آسان اور مستطریقہ

اجکل صفائی کی ضرورت کی طرف تو توجہ دلائیک حاجت نہیں پر شخص چاہتا ہے کہ صفائی ہو لیکن اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے قواعد بتائے جائیں جن پر فوراً اور بے وقمت عمل کر دیا ہو سکے۔

شہروں میں تو بالعموم۔ بڑے بڑے قصبات میں خاص طور پر اور اکثر چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں بھی صفائی کا انتظام نہایت دشوار ہے۔

یوں تو کئی طرح خلاف اصول حفظ صحت پر عمل کرنے سے ہوا خراب ہوتی ہے لیکن اصل گندگی پانخانوں بدرؤوں اور لکے متعلق بے احتیاطی سے پیدا ہوتی ہے۔ پانخانوں کی حالت ہر جگہ خراب رہتی ہے جس قسم کی شہری بھولی کچڑیں اور بدبو اور غلاتیں پانخانوں کی نالیوں سے جاری رہتی ہے انکی صفائی سے محکمہ صفائی کا کبھی ناک میں دم رہتا ہے۔ جہاں صفائی کا خاص اہتمام نہیں رہا ان کا تو ذکر ہی کیسا اور اگر باہر سے صفائی کر بھی دیا جائے تو اصل گندگی تو موجود ہی رہتی ہے وہ دور نہیں ہوتی اور برقت ہوا میں مضر صحت اجزاء کا اضافہ کرتی رہتی ہے۔

بڑا کا تو ذکر ہی کیا ہے اونچے اونچے گھروں کے پانخانے بھی بالکل نا صاف ہی ہیں۔ عام دھو ج پیر ہے کہ متوسطین بلکہ امرا کے ہاں بھی دو غول وقت بھنگی پانخانہ صاف کرتے ہیں (صبح اور شام) اور غریبوں کے ہاں ایک ہی باری صفائی کی آتی ہے اس دور بیان میں تمام غلاتیں پڑی سڑا کرتی ہیں اور بدبو پھیلانی رہتی ہیں۔ بلکہ بڑے کنبہ دھسے گھروں میں تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اکثر اوقات بالخصوص بھنگی کے گتے

ایں موقع پر ہیں سڑاس کے پڑنے طریقہ سے (جو بعض ضلاع میں مروج ہے) بھٹ نہیں کر دیتا۔ کیونکہ اسکی صفائی کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے اور ضرورت ہے کہ اس طریقہ کو بند کر کے پانخانوں کا رواج دیا جائے۔

کے حق پر وقت سے کچھ پہلے، بدبو کی وجہ سے پانخانہ میں جانا دشوار ہو جاتا ہے۔
ایسے خوش قسمت تو بہت کم ہیں جنہیں اپنے پانخانوں کے لئے خاص انتظام تیسرا گیا ہو۔ پانچویں
نے یورپین طرز معاشرت اختیار کر لیا ہے۔ عام طور پر ایسا انتظام کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ ہندوستان
کی عام مادی حالت کے اعتبار سے بہت زیادہ گراں ہے کہ ہر وقت ایک بھنگی متعین ہے اور فوراً پانخانہ
صلن کرتا ہے لہذا ضرورت یہ ہے کہ موجودہ حالت کو پیش نظر رکھ کر بدبو رفع کرنے اور حفاظت و دفع
کرنے کی تجویز کی جائے جو کفایت پر کچھ باسانی جاری ہو سکے۔

جو چیزیں مضر صحت ہیں لئے بچنے کی تدابیر سبھی روح کرتا ہے۔ قدرت کا یہ ایسا عطیہ ہے کہ کوئی
ہانڈا اس سے محروم نہیں رہا۔ انسان تو انسان حیوان بھی اس انعام میں عام ہر انسان کو عقل دی
اور اختیار دیا کہ وہ عقل سے دفع مضر کی تدبیریں سوچیں حیوان جنہیں جو عقل عطا نہیں ہوا اور ان
کے لئے ایسی تدابیر طبیعت ثانیہ بنا دی گئیں کہ عادت کے موافق خود بخود ان سے حفاظتی عمل سرزد ہوتا ہے
مثلاً بلی جبکا بول دہراز اکثر حیوانوں سے زیادہ متعفن اور اسلئے زیادہ مضر صحت ہے اور تعلقات
کے اعتبار سے اسکی نفرت کا دائرہ صحت انسانی تک بھی پہنچتا ہے۔ اسلئے یہ بات اسکی عادت
میں داخل کر دی گئی کہ پیشاب اور پانخانہ کے بعد جتنا کہ وہ سے مٹی وغیرہ سے ڈھک نہ لے سکو
چین نہیں آتا۔ اور اس کے تعفن اور مضریت سے خود بخود حفاظت ہو جاتی ہے

اگر انسان بھی بعد فراغ اپنے بول دہرا کو چھیلنے کی کوشش کرے تو بہت کچھ فرسایاں برف ہو سکتی
ہیں۔ اسیں شک نہیں کہ بظاہر یہ اصول ناقابل عمل رہا معلوم ہوتا ہے مگر بہت سے اعتراض پیدا
کئے جاسکتے ہیں اور یہ کام ہے بھی ایسا ہی کہ بہت کم لوگ ابتداءً اسکے کرنے پر آمادہ ہونگے
اگر لکڑی کے ایسے قدھے تیار کر کے انکار واج دیا جائے جو کہ کوئی طرح، باسانی اٹھائے ٹھہرے
جاسکیں اور انیں مٹی یا خزانہ ریت کا اندر رکھ لیا جائے اور ایک کمانی اسکے بالائی حصہ میں ایسی لگائی
جاوے کہ جو وقت آدمی اسپر پیر رکھے مشین اپنا کام شروع کرے اور جو وقت بعد فراغ، آدمی
چمچے اترے فوراً ایک مقدار خزانہ سے مٹی وغیرہ کی خود بخود اسپر آئے

بظاہر یہ قہر نہایت چھپا دگر ان قیمت مشین معلوم نہیں لیکن حقیقت میں نہیں ہرگز اسکا ایک خود بخود نہ کر لیا جاسکتا
وقت ان الہیکل پلاٹر کو لگا دیا جو خزانہ سے مٹی یا خزانہ ریت کا اندر رکھ لیا جائے اور ایک کمانی اسکے بالائی حصہ میں ایسی لگائی

جب تک ایسا سامان تمام طور پر ہم پہنچے ہیں ایک ایسا دستور العمل پیش کرنا چاہتا ہوں جو بہت کچھ اس شبلی کو رفع کرتا ہے اور نہایت آسان بلکہ محنت سے۔

(۱) سو پاخانہ میں کسی ایسے موقع پر جہاں قدم پر پیٹھے پیٹھے ہاتھ جا سکے ایک برتن میں (خواہ مٹی کا کوڑا ہی ہو) راکھ بھر کر رکھ دیا جائے۔

(۲) ایک لوسے کاچے لمبی ڈنڈی کا (جو پیسہ دو پیسہ میں آسکتا ہے) اس میں رکھ دیا جائے۔

(۳) شخص اس کا خیال رکھے کہ بعد فراغ قبل از آبدست اس برتن میں سے راکھ رلیکھ براہ سڑا لائے اس طرح سلسلہ قائم رہے تو چاہے کتنی ہی دیر میں صفائی کی نوبت آئے بدلہ پیدا نہیں ہوتی اور متعدد آدمیوں کے پاخانہ جانے کے بعد بھی دوسروں کو نفرت نہیں آتی۔ راکھ ایسی چھوڑے کہ اگر غلاتوں پر ڈال دی جاوے تو چاہے کتنی ہی بدبو ہو اسکو کھینچنے نہیں دیتی اور لطف یہ کہ اسکی کافی مقدار ہر گھر میں محنت پر وقت موجود رہتی ہے۔

یہ عمل ایک حد تک نفرت انگیز ہو گا۔ مگر نہ ایسا جیسا کہ غلات سے بہرے ہو پاخانہ میں تاک موزہ بند کر کے رفع ضرورت کے لئے جانا۔ اور اُجکاتے ہوئے بارانا۔ بہت سے نفسی طبیعت بڑے ترک پاخانہ میں صبح سویرے اول وقت ہوتے ہیں یا صفائی کے انتظار میں صبح کے آتے تک فروخت کو آخر وقت تک روکے بیٹھے رہتے ہیں لیکن سب تو ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ خرابی جب ہی رفع ہو سکتی ہے کہ شخص دوسرے کے خیال سے یہ کام اپنے ذمہ ضروری کرے۔ ایسے ہی ہونگے جو اس کام کو گراں سمجھیں۔

تو ایسے لوگ کسی دوسرے سے راکھ ڈالوانے کا بندوبست کر لیں۔ گو اس سے پورے طور پر بدبو رفع کرنا کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک کوئی دوسرا راکھ ڈالنے جائے۔ بدبو حد تک پس چکے گی۔ اس لئے سب سے اچھا طریقہ خود ہی تکلیف گوارا کرنا ہے۔ اور غالباً سوا بعض پورے خیال کے امرا کے یا انکے بھجال لوگوں کے (جو اپنے اکثر فرویات کے لئے لوگوں کی مدد کے محتاج رہتے ہیں) اور کسی کو ایک مٹی راکھ ڈالنے میں کچھ عذر نہ ہو گا۔

جطرح بدن کی صفائی کے لئے بعد فراغ آبدست ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح اس عجیب کی صفائی کے لئے راکھ ڈالنا لازمی سمجھیں۔

چنے خود اسکا تجربہ کیا ہے اور کئی سال سے اپنے گھر کے سب پاخانوں راکھ رکھ چاہنا انتظام

جس میں مجھے خاص کامیابی ہوئی ہے۔ بعض صاحبوں نے بھی اس طریقہ کو بہت پسند کیا ہے اور اپنے ہاں رواج دینا شروع کر دیا ہے۔

بعض دفعہ ناواقف۔ یا خواہ مخواہ کاہلی کرنے والے اسکی پابندی میں رخصتہ انداز ہو جاتے ہیں مگر کسی ایک آدمہ کی خلاف ورزی کوئی بُرا اثر نہیں پیدا کرتی۔ اس پہل طریقہ کی صفائی سے ہر ایک شخص کو آسانی ہوگی خصوصاً مسلمانوں کو جو یورپین طرزِ بود و باش کو مافی الحال کی وجہ سے اختیار نہیں کر سکتے اور جنگل جانے کے مفید اصول کی (اپنے طرزِ معاشرت کی وجہ سے) پیروی نہیں کر سکتے اسکی طرف ضرور توجہ رکھیں:

راقم عبد اللہ واحد از بچہ لاول (مراد آباد)

مسلمان فقیر اور گداگر

موم گنج الہی نیت برنا شستہ را
از تو گدگر شرط است پنہاں ساختن

بعض مخفی متخلف طریقوں میں کی جاسکتی ہیں۔ اور ہر بحث میں بحث کرنے والے کی طبیعت یا مذاق کا رنگ کچھ نہ کچھ ہوتا ہے چونکہ مذاق اور طرق استدلال میں گونہ فرق ہوتا ہے اسواسلئے مخفی متخلف رنگ رکھتی ہیں۔

ایک منطقی یا ایک فلسفی کسی ایک واقعہ کی نسبت جن دلائل سے بحث کرتا ہے ایک مستدل یا ایک مذہبی طبیعت کا آدمی اسے کسی اور ہی رنگ یا طرز سے پیش کرتا ہے۔

علمی بحثوں میں خواہ کتنے ہی رنگ اور ڈھنگ اختیار کئے جاویں چنداں حرج نہیں ہوتا کیونکہ میں بحث بہت وسیع ہوتا ہے اور اس قسم کی بحثیں اس حالت میں کسی عمدہ نتیجہ یا تہیوری کی منتج ہو سکتی ہیں جب وہ ایک وسیع میدان پر گھبراویں۔

خلاف اسکے عملی بحثوں میں ہر بحث کے متعلق موجودہ ضروریات کے اعتبار سے ایذا و دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔

مسلمان فقیروں۔ گداگروں۔ مسکینوں۔ درویشوں۔ غریبوں۔ یتیموں اور سالموں کے متعلق بحث کرنا دو حال سے خالی نہیں۔ مذہبی رنگ بھی کی جاسکتی ہے اور ملکی یا توہمی اور سوشل رنگ میں

بین کی ہو سکتی ہے۔

کوئی ایسے طریق ہو انہیں عمل کی ضرورت ہے ورنہ آپ اسے طے کر کے اچھے نہیں فرمائیے۔
ضرورت ہے اور ہر لوگ پورا اسے طے کر لیں۔ خیالات میں کچھ نہ ہم جانتے ہیں اور یہی اس حالت میں
کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جب مسلمانوں پر گناہوں کا چھوڑنا۔ نہ ہو نہ ہو نہ ہو۔

الف۔ کیا مسلمانوں میں فقیروں اور گداگوں کی اثرات ہیں؟

ب۔ اگر کثرت ہے تو اسکی وجہ کیا ہے؟

ج۔ کیا یہ کثرت اور روز افزوں ترقی قوم ہانڈہ کے لئے مفید ہے؟ یہ مسلمانوں کی کثرت ہے۔

د۔ قومی یا مذہبی طور پر فقیروں اور گداگوں کو خیرات دینا کیا تک اور کس حالت میں ہر روز ہوتا ہے؟

ه۔ خیرات کا اچھا طریقہ اور سود مند طریقہ کیا ہے؟ کیا یہ سود مند ہے؟

ہم اس قصہ کو کادو سارخ سارخ نہ کہہ لیں۔

۱۱۔ کیا کسی خاندان یا کسی شاخ خاندان اور کسی قوم میں عورتوں کو گداگر ہونا سے بایا جائے؟

خاندان کا قوم کی عزت۔ عزت اور فرائض۔

۱۲۔ کیا کسی خاندان یا قوم کے اکثر ممبروں کا ایسا ہونا اس خاندان یا قوم کی ذلت کا موجب نہیں ہے؟

اور وہ اسے حق میں مضرب نہیں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شرع محمدی یا اسلام کے پابندیں باعتبار کلیات قصہ و خیرات

واعانت تیاہی اور امداد مساکین اور مروت کے حامی اور تقسیم دہندہ ہیں اسلامی قوانین میں ان

شکلیوں اور معاش کے متعلق بہت کچھ ذکر ہے اور اسلامی قوانین زور سے اس بات کے مؤید ہیں

کہ سچے دل سے مساکین۔ مسافروں اور سالکوں کے سہلو کیا جائے۔

لیکن باوجود ان تعلیمات اور تاکیدات کے اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ۔

الف۔ مسلمانوں یا مسلمانوں کی کسی قوم اور کسی خاندان میں گداگوں کا کثرت سے پایا جانا غلط ہے

اور رحمت کا نشان ہے۔

ب۔ یا یہ کہ ایسے حالات نہ پیدا ہونے کے۔ قت کون خور اور کون تجریز لگے۔

قرن اوسے۔ ہیں اسلام جہاں صدقہ و خیرات کی تعلیم دیتا ہے وہاں اسکی یہ مطلب

نہیں ہے کہ مسلمانوں یا مسلمان خاندانوں میں خواہ مخواہ گداگر اور شوقین یا گلوں کی جماعت دھن دھن ہوتی جائے۔ اور کبھی انکی خوشحالی کی تجویز نہ کی جاسکتی ہو تو اس سے کام نہ لیا جائے۔ اسلام ایسے احکام کی بحث کے مخالف ہے اور کبھی بھی اسکا یہہ نشانہ نہیں ہوا کہ مسلمانوں میں گداگروں کی جماعت کی روز افزوں تہرقی ہوئی جائے اور اگر بد قسمتی سے ایسی ترقی ہو چکی ہے تو اسکی اصلاح نہ کی جاوے۔ جو شخص ایسا خیال کرتا ہے وہ اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہے

سہر شخص۔ یہہ مان لیگا کہ مسلمانوں میں اسوقت

۱) افلاس اور تنگدستی کی یقیناً ترقی ہے

۲) اُستی اور کاہلی روز بروز بڑھ رہی ہے

۳) ان دونوں وجوہ سے محبت اور غیرت میں کبھی گونہ فرق گیا ہے۔

۴) اور ان پر سہ اسباب کی روز افزوں ترقی سے گداگروں اور مفت خوروں کی جماعت میں ترقی ہو رہی ہے اور یہہ حالت تہدیج ایک پیشہ کی صورت میں بدلتی جاتی ہے۔ اس پیشہ میں ان خاندانوں یا گلوں کے ارکان اور لوگ بھی شامل ہوتے جاتے ہیں۔ کسی زمانہ میں کئی غیرت اور محبت مشہور تھی۔

یہہ شرمناک ترقی محض پیمانہ پر ہو رہی ہے وہ مسلمانوں کے واسطے بیشک ایک وہمہ اور شرم ہے اسکے ساتھ ہی نہیہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ مسلمانوں کے حق میں یہہ گدا گدا نہ ترقی نہ تو مذہباً اور نہ ہی دنیاوی طریق سے کسی صورت یا فقر کا موجب ہے بطرح کوئی مسلمان خاندان یہہ قبول نہیں کرے گا کہ اسکے خاندان کے دو چار ممبر شومی قسمت سے گداگر ہی ہوں۔ اسی طرح کوئی باحیت اور با غیرت مسلمان یہہ بھی نہیں قبول کرے گا کہ مسلمانوں کی قوم یا اہل مذہب کا بہت سا حصہ اور بہت سے ممبر خواہ مخواہ گداگر ہی سے مفتخر ہوں جو شخص اسکے خلاف رائے رکھتا ہے وہ براہ مہربانی سب سے پیچھے اپنے دل سے ہی سوال کر سکتا ہے کہ کیا وہ کبھی ہی اپنی یا اپنے خاندان کی نسبت ایسا فخر حاصل کرنے کی تمنا کر پتا ہے۔ افسوس ہم اپنے اور اپنے خاندان کے واسطے تو یہہ و تیرہ یا وٹ بے شرمی اور ادبار خیال کرتے ہیں اور قوم کے حق میں غرور مبالغہات (ہرچہ بخود پسندی بروہا گریں پسند)

۵) مرد شہادی میں اکثر مسلمانوں نے اپنا پیشہ اور اپنی قوم گداگر یا فقیر لکھا یا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں گداگر یا فقیر کوئی قوم نہیں ہے اور ایس طرح گداگری کوئی پیشہ نہیں۔ چونکہ ایسے لوگ ہشتوں کو گداگر چلے آتے ہیں اس واسطے انکے

کیا ہمیں نہال پاک اور معقول مذہب اس ناخدا شری اور اس بے عزتی کی اجازت دیتا ہے۔ کیا فقہ
انما المؤمنون اخوة کا صحیح مصداق یا صحیح مفہوم نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم قوم کے عزیز افراد
کو مشرب گد اگر ان میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوں مومن جس بات میں اپنے لئے غیرت مند ہے
اس میں دوسرے بھائی کے لئے بھی۔

قبل اسکے کہ ہم موجبات یا مانعات گد لگاری کی نسبت بحث کریں یہ دیکھنا چاہئے ہیں کہ
گد لگاری کے مفہوم میں غلطی تو اور کن کن مضامین اور مقاصد کو شامل کیا گیا ہے اور کون کون سے
الفاظ یا صورتیں یا گد لگاری کی ہم صورت یا ہم معنی قرار دی گئی ہیں اور دراصل انکی حقیقت کیا ہے
اصل بحث اسلام کی اس تعلیم سے اٹھتی ہے کہ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمان
یا دوسرے ابناء جنس اور دوسرے مشارکے انسانوں کے لئے ایک سہارا اور معین ثابت ہو خدا نے
اپنے فضل و کرم سے جو کچھ ایک فراغت اور آسانی انسان کو دی ہے اس میں وہ اور بھائیوں کا بھی حصہ
کرتا ہے۔

یقیناً عاشیہ۔ بائین خود کو گد لگاری سمجھتے ہیں۔ بقول ایک حکیم کے۔ عیب اور بڑی میں بھی ایک آن ہوتی چلتی ہے
لیکن مسلمان گد اگر اس راہ میں ہی رہ گئے وہ جس بے شرمی اور جس کثافت و جشی سے دوسری قوموں کے سامنے کوڑی دو
کوڑی تھے لئے یا تھ پھیلاتے ہیں وہ انہیں کا حصہ بن رہے ہیں اگر میرا تجربہ اور میرا شاہدہ بوسیدہ نہیں ہو گیا تو ایک مہتر
گد اگر اس بے شرمی سے مسلمانوں کے سامنے دست سولی دلا نہیں کرتا ہے اگر کوئی ہندو ہے سول بھی کرتا ہے تو اسکے
چہرے سے شرم نایاں ہوتی ہے۔ اور تارے بھائی مسلمان ہیں جنہیں غیر قوموں کے لوگ اپنے بیابان دروں سے
کئے کی طرح دیکھتے ہیں اور نہر اشرفے نثار و بجا یہ حالت دیکھ دیکھ کر دل جلتا ہے اور انگہوں میں آنسو اتر آتے
ہیں اس مگر گدائی اور اس بے شرمی سے تو چوری اور زہری بہتر ہے تارے چوری میں اور زہری میں غیرت اور زہری
نہ ہوتی ہے۔ شان خدا میں قوم کے باقی اور مقدس ہر رست نے یہ تعلیم دی تھی کہ خدا کے بند و تمہاری
انگہ بھی کسی اور کے سامنے نہ جھکے وہ آج کوڑی کوڑی کے لئے خردوں بیگانوں کے سامنے ذلت اور بے شرمی سے
سر جھکاتے پھرتے ہیں۔ یوں نہ ہی جوش میں انہیں کا فساد کیا کچھ نہیں کھینچ سکتے یا ایک پیسہ اور مٹی پر لٹنے کی خاطر
اسے دہنتے اور دہ دیکھتے ہیں کہ خدا ہمارے دشمنوں کو بھی نصیب نہ کرے

میں نہیں بات مسلمانوں کی عزت کو کیا ہو گیا۔ ہیں ہی فرد بات تے نہیں گھول اور لوگ ہی فردیات رکھتے ہیں۔

جو شخص صدقہ دینا اور خیرات کرنا ہے۔ مساکین اور یتیم کی خبر لیتا ہے اور واجب الایمان لوگوں کی مدد کرتا ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کے مرحوم اور عنایات کا مستحق ہوتا ہے۔ سخی اور صعلک کا درجہ ان عابدوں اور زاہدوں سے بہتر اور فائق ہے جو دل کے سخت اور ابلے بھٹن کے ناخیر خواہ ہیں۔ قیامت کے دن سخیوں اور فاضلوں کا درجہ بلند اور رفیع ہوگا۔

مساکین کی بددکر و ادیتامی سے مروت اور محبت مسکوں کو نامزد و پیچیدہ اور غربا کی تسکین کا باعث ہو۔ خویشیوں اور بیگانوں دونوں سے بہ مروت پیش آؤ اول خویش بعد درویش

دینی اہلکارات اور دینی تعلیمات میں جو مسلمانوں کو ان امور اور ان مقاصد کی طرف رجوع و لاتا ہے۔ خواہ انکی تعمیل سے کوئی اپنے تئیں بہشت اور جنت کا مستحق قرار دے اور خواہ اسی دنیا میں مرحوم اینارادی کا امیدوار ہے۔ ان مراتب کی تعمیل اور حصول درج کے واسطے اسلام نے مندرجہ ذیل ارکان کو انکا مورد و مستحق ٹھہرایا ہے۔

۶	۵	۴	۳	۲	۱
سائل	درویش یا فقیر	مسکین	یتیم	ابن السبیل	خویش

مصیبت زدہ ۔

انکی امداد کے اسلام نے مندرجہ ذیل قواعد رکھے ہیں

الف۔ بذریعہ مروت و احسان ۔

ب۔ بذریعہ تقاضا و من ۔

ج۔ بذریعہ قرض حسنہ ۔

د۔ بذریعہ قرض مشروط ۔

ه۔ بذریعہ زکوٰۃ ۔

و۔ بذریعہ اولائے شکر یہ فائدہ ۔

ز۔ بذریعہ اوائلے حق واجبہ ۔

مسلمانوں کا فرض ہے یا مسلمانوں پر واجب ہے اور ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کی واجبی امداد کریں

بختیہ شامیہ ۔ انہیں بھی عیال کا سامنا ہوتا ہے ۔ عیال ایک ہی ضرورت اور ایک ہی درگاہ کی تک پہنچاؤ ہے اور یہی ہی ضرورت و عزت بزرگ کی ہوتی ہے ۔ میت ۔ یتیموں و تمام عمر سر بالا نہ کردہ حاصل ہے جیسے بنو بکر شرسنگی ۔

اور انکی محبتوں اور نیکلیوں میں انکا سہارا ہوں۔ یہ وہ فرضِ باوہ واجبت جو اسلام نے اپنی تیسرے اغراض کے لحاظ سے ہر مسلمان کے اپنے ختم پر عائد کر دیا ہے۔ اگر کوئی مسلمان باوجود ثروت اور برکت کے اپنے بھائیوں کی مدد نہیں کرتا ہے تو وہ خدا کی اودن نعمائے عظمیٰ کا شکریہ عملاً ادا نہیں کرتا ہے جو اس حالت میں ہر فرد بشر پر واجب اور لازمی ہے۔

ان صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت امداد اور معاونت کی ہے جو محض اس واسطے عمل میں ملتی جاتی ہے کہ مدد کرنے والے کا نام انبائے جنس اور ہم مشارب میں فخر کے ساتھ لیا جائے یا بلکہ اس قسم کی امداد اور معاونت سے منع کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام وہی عمل چاہتا ہے جو خالص اللہ ہو یا محض ذاتی محبت اور ذاتی ہمدردی سے نہ اس میں نمائش ہو اور نہ دکھاوا۔

جو مسات صورتیں امداد اور ہمدردی کی پہنچے اور پر بیان کی ہیں انہیں گد اگر کی شامل نہیں ہے یہ وہ طریقہ ہے جو اسلامی تعلیمات سے باہر اور خارج ہے یا وہ پیشہ ہے جسکی اسلام میں عزت اور قدر نہیں ہے۔

صدقہ اور خیرات یا طریق صدقہ اور خیرات کے متعلق جن صورتوں کا خلط ملط ہو گیا ہے وہ اس امر کا بھی موجب ہے کہ جو نثار اسلام کا تھا وہ فوت ہو رہا ہے اور قہداروں کے حقوق روز بروز گھٹتے جاتے ہیں۔ زیادہ خلط ملط فقیر مسائل اور گد اگر کے مفہوم اور معانی میں ہوا ہے

مسلمانوں میں لفظ فقیر و معنوں سے اطلاق پاتا ہے۔ ایک مذہبی حیثیت سے اور ایک عام تمدن حیثیت سے۔ مذہبی حیثیت سے فقیر کا لفظ مسلمانوں میں ایک واحد و عظیم لفظ ہے

مسلمان نے اکثر صدقہ و خیرات میں صدقہ نیت کے واسطے فی سبیل اللہ کی شرط لگائی ہے یہ وہ اعلیٰ فلسفی ہے جو قوموں اور اقوام کو یکاگردہ انسان کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ اسلام اس طریق عمل سے یہ بتلایا ہے کہ ہمارے کسی کام میں بھی نمائش اور خود غرضی نہیں ہونی چاہئے۔ جو کام ہوا اور جو ہمدردی کی جائے وہ خالصاً اور محض جذبہ محبت اور تقاضا انسانی الفت سے ہو۔ ہاں اگر طریق معاونت کے کوئی مروت کیجاتی ہے تو یہ ہمدردی بات ہے اسلام معاونت کی مروت سے منع نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ دین کے کاموں میں بہت سی مروتیں اور بہت سی نیالیاں بالمعاوضہ ہی کی گزرتی ہیں جیسے ہی اسلام نے خوشی اور بے گناہی کے تعلقات ہی نظر انداز نہیں کئے ہیں بلکہ انہیں سب قسم کے علائق سے چھڑک رہے ہیں اس تعلیم کا یہ تہہ مصداق ہے۔ اول خویش بعد درویش۔ فقط شبہ

ہم نہ حیثیت مسلمان ہونے کے اس لفظ کی ضرورت یا مکرمت سے انکار نہیں کر سکتے۔ جو شخص یہ دعا کرتا ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی حیثیت سے یہ لفظ واجب الشکریم نہیں ہے یا اسکی تعظیم آگے کے لئے اُتھا دی جاوے وہ ان صریح مقاصد کے خلاف جاتا اور ان تعلیمات سے میرٹا انکار کرتا ہے جو اسلام نے اس کے متعلق خاص طور پر بیان کی ہیں۔

فقیر کے معنی یا مفہوم مذہبی اعتبارات سے گداگر کے نہیں اور نہ ہی کسی حالت میں اس مقدس لفظ کا ہمہ گیر اور شرمناک مفہوم قرار دیا جاسکتا ہے۔ لفظ فقیر سے مذہبی پیرایہ یا مذہبی رنگ میں وہ تقدس بآب جماعت مراد ہے جو ہر خواہے احقر و اعلیٰ سبیل اللہ ہر حالت میں واجب التعظیم مانی گئی ہے۔ یہ مفہوم ہمیں کسی حالت میں بھی اجازت نہیں دیتا کہ اس پاک گروہ کی تذلیل اور تکذیب کی جائے۔ پھر عمل کے ساتھ بسا اوقات چند ناگفتہ بہ حواشی ہی لگ جایا کرتے ہیں اور لوگ اپنے اپنے مذاق کے مطابق مفہوم نکالا اور اسمیں تاویلیں کیا کرتے ہیں فقیر کے مفہوم میں بھی بعض اوقات ایسی ہی شرمناک تاویلوں سے کام لیا جاتا ہے اور اسے گداگر کے مراد سمجھا گیا ہے یا سمجھا جاتا ہے۔ بیشک فقیر کا لفظ محتاج کے معانی میں بھی آیا ہے لیکن جب مقدس شایعہ اور پانی بنے اصولاً جن اعتبارات سے اون معانی سے لغو اصر کیا ہے تو پھر کیوں خواہ مخواہ لغوی معنوں میں تاویل کریں۔

مسلمانوں میں اموقت جو اشخاص اور جو لوگ بصورت شرمناک گداگری کے پائے جاتے ہیں وہ فقیر نہیں ہیں بلکہ گداگر یا گداگر ہیں۔ شخص مذہبی رنگ میں فقیر ہے وہ مرنے پر بھی درست سولہ دراز نہیں کرتا۔ خون اور راتیں فافوں میں گزار دیتا ہے اور زبان تک نہیں ہلاتا اور کئی کبھی اسٹرا لنگھوں میں دنیا و مافیہا اور سونا اور لوہا ایک ہی وزن رکھتا ہے لوگ تھیلیاں لئے لٹکے گداگر منڈا لٹے پھرتے ہیں وہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

جو لوگ دھواہل البد اور فقرا سے نکر ہیں وہ مسلمان ہو کر ایک ڈبل غلطی کر لے ہیں یہ وہ فرقہ ہے جو اسلامی دھوکا نہرو اور اسلامی محاسن کا جزو اعظم ہے اگر مسلمانوں کی جماعت میں بلحاظ ذاتی اور صاف کے عملی طور پر کوئی چیدہ اور گزیدہ گروہ ہے تو یہی ہے ان کے حالات عین ادراکی کیفیات مستبر ہیں لے لوگوں سے انکار کرتا ہے۔ اسلام کو انکار کرتا ہے خاکسارن جہان بے تہارت منکر : تو چہ دانی کہ دریں گروہ وار ہے باشند

کیا مسلمانوں میں اس وقت بھی ایسے صدیابندگانِ خدا موجود نہیں ہیں جو سوال کرنا مرنے سے بھی بدتر خیال کرتے ہیں۔

کچھ مسلمانوں میں ایسی شریف النفس ہوائیں اور مستوراتِ سوچ و دہن ہیں جو باوجود اس غربت اور تنگدستی اور کس بہی کے زبان تک نہیں ہلاتیں اور گہرگی چار دیواری سے باہر قدم رکھنا انکے لئے مرنے سے پہلے مرنے ہے۔

جس طرح لفظ فقیر اور لفظ گداگر کے مفہوم میں مغالطہ راہِ زن ہو رہا ہے۔ اسی طرح سائل اور گداگر کے معانی میں غلطی ڈھیل ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے۔

جو سائل ہے وہ گداگر ہے اور

جو گداگر ہے وہ سائل ہے۔

یہ تاویل درست نہیں ہے ایک شخص گداگر نہیں ہے لیکن بعض حالات سائل ہے۔ اسی طرح ایک گداگر ہمیشہ سائل کے درجہ میں نہیں سمجھا جاسکتا۔ سائل ضرورتِ اشد کی حالت میں سوال کرتا ہے اور وہ اس کے لئے ایک وبالِ جان ہے۔ لیکن ایک گداگر ہمیشہ سوال کر لیکھا عادی ہے و قرآن مجید میں۔

ایک صوفی منشی حکیم کا قول ہے کہ فقیر مجھے محتاج ان معنوں میں درست اور صحیح ہے کہ اسکی احتیاج اور اسکی نظر اور دسترس سوائے ذاتِ باری کے اور کسی سے پیوستہ نہ ہو وہ اسی کا محتاج ہو اور اسی کا پرستار اور اس احتیاج سے تمام دوسری احتیاجوں کا عدم لازم آتا ہے اور ایسا شخص ایک ہی کی احتیاج سے دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہو ایک نہیں صدیابند ایسی زندہ اور مردہ مثالیں مل سکتی ہیں جن سے بوجہ ثابت ہے کہ مسلمانوں میں فقر کا تقدس قناعت۔ بروباری۔ شکر۔ اذکل۔ استقلال۔ قناعت۔ عیش۔ عیش۔ ہے اگر اذقویں وہ چار ایسی فقریں ہیں کہ سکتی ہیں تو اسلام کو برباد نہ کوڑیاں نہ دکھا سکتا ہے۔ مسلمانوں میں تو کل غلام کی تعلیم نہایت شد و مد سے دی گئی ہے اسکا مصداق یہی ہو، لوگ ہیں۔ غیر تو ہیں کسی اور کچھ ایسے ہی توکل پنکٹہ جینی کیا کہتے ہیں انوس ہے کہ وہ اس تعلیم کی عدت غائی نہیں سمجھتے یہ ان لوگوں کا حصہ بخیر ہے جو الہی طاقتوں پر پورا بہرہ ور اور یقین کرتے ہیں۔

ظاہری وسائل اور محنت کا ترک کر دینا توکل نہیں ہے بلکہ محنت اور وسائل جاریہ کا کام میں لاکر ایک اعلیٰ طاقت پر بہرہ ور کرنا اور آخر نتیجہ کو اس ذات پہ چھوڑ دینا ایک توکل ہے اگر مسلمانوں میں بایں مفہوم توکل و خیر ہوتا تو آج اس قدر گداگر ہی نہ ہوتا ایک وقت کی بہوک سے تنگ اگر ہمیشہ کے لئے گداگر بن جانا اسلئے فرامانی

جہاں پر کہا گیا ہے اھا السائل فلا تنھوا اسکا مفہوم ان سائلوں کے متعلق نہیں ہے جو پیشہ و سائل اور گداگر ہیں ان سائلوں سے مراد ہے جو کسی مصیبت اور ضرورت کی حالت میں اپنے دیکھا بنائے نفس سے مدد چاہتے ہیں گویا انکی مجبوری اور اضطراری حالت انہیں اس پر مجبور کرتی ہے۔ ایسی حالت شخص کو پیش آسکتی ہے اور اکثر آتی ہے۔ ایسے لوگوں کو وقت پر مدد نہ دینا دوسرے معنوں میں۔ قسری اقلبی نسبت پر شخص ایسے لوگوں کی حالت سے خبردار ہیں وہ کہی قبول سوال سے انکار نہیں کرتے۔

از تلخی سوال کریے کہ آگاہ است

فرصت بہ لب کثودن سائل مخردہ

جو شخص سوائے سخت ضرورت اور شاذ و نادر صورت کے سوال کرتا ہے وہ سائل نہیں ہے بلکہ مستحق سائلین کا غاصب ہے کیونکہ وہ بغیر سوال کرنے کے ہی اپنی حاجت روا کر سکتا ہے۔ اسکا سستی اور کاہلی کی وجہ سے پیشہ کے طور پر سائل ہونا گویا ان سائلوں اور ان غریبوں کا حق مارتا ہے جو بوجہ واقعی حالات اور اضطراری مجبوری کے امداد کے مستحق ہیں۔ مذہب نے نذرانے کے واسطے موقع اور محل رکھا ہے اور وہ سائل واقعی سے مراد ہے۔ جب تک یہ حالت موجود نہ ہو کوئی سائل صحیح معنوں میں سائل نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسکا فیصلہ کہ کون سچا سائل ہے اس پر سوال سے ہو سکتا ہے۔

کیا مذہب اسلام چاہتا ہے کہ کل مسلمان سائل اور گداگر ہو جائیں؟ مذہب اسلام یہ نہیں چاہتا پس ثابت ہو کہ سائل سے وہی شخص مراد ہے جو حقیقتاً واجب الاعداد ہو۔

تعمد چاہتے ہیں کہ مذہب میں مقرر یہ حکم ہے کہ سائل مورثانہ جاوے۔ مذہب چھوڑ خود انسانی فطرت کا نتیجہ جو توکل پر چڑھنے سے عائد ہوتی ہے۔

پیشانی ان میں ایک ضرب اللش ہے۔

کس گداگر کو مردہ مرے سوا مانگنا جا“ یعنی جو شخص پیشہ کے طور پر سوال کرنے اور مانگنے کا عادی ہے وہ مردہ ہے۔ قرآن سے نکل آتا ہے وہی مانگتا ہی ہے۔ پیشہ کے طور پر سوال کرنا اور مانگنا اصل تمام ان اعلیٰ صفات و جذبات انسانی کا خن کرنا ہے جو انسان میں خدا کی تصویر رکھ میں استقلال اور حجت ایک لامبی اعلیٰ ہے۔ جو انسان اپنے تئیں لئے خالی کرتا ہے وہ گویا جامہ اللہ نیت سے باہر ہوتا ہے اور ان

ہی اسکی تہققی ہے کہ جو بجا سائل ہو اسکی دلکشی نہ کی جائے خاص اتفاقات کی حالت میں۔ مذہباً۔ عقلاً۔ نقلاً۔ اخلاقاً اور معاشی اور علمی اور ادبی اور انبہ ہے بہم جو ش اور یہ خاصہ اُن قوموں میں بھی موجود ہے جو اسوقت زمانہ میں سربراہ اور وہ ہیں اور جنیں گداگروں کے واسطے سزاوارتہ و غرض میری رائے میں یا میں حالات ایک بھائی کا دو سرے بھائی کی مدد کرنا خواہش کرتا ہوں۔

جذبہ قومیت کو نبا ہوتا ہے جو لوگ محصورین الہیہ نیات ہو کر عام جماعتوں سے کہ یہ قدرتی جڑ پڑے ہیں وہ بھی دور اصل خاموش سائل ہیں ایسے لوگ قوم یا ایک مذہب کی خصوصیات میں اور ایسی خصوصیات کا قائل اور برقرار رکھتا و بیکر اعضائے قوم پر فرض عین ہے۔ ان جماعتوں کی چونکہ ہے باقاعدہ امداد نہیں کی جاتی اسلئے انہیں بے ضابطگی رہتی ہے اور نہ یہ روپ کی ترقی یافتہ قوموں میں خادمان دین کی جو کچھ امداد کی جاتی ہے وہ بارسے ہزارے قوم اور علیحدہ مذہب کو کہاں حاصل۔ دینے والے بھی بے ضابطگی میں مبتلا ہیں اور بے ضابطگی کے بنا ہر گداگر ہو گئے ہیں پس اس خوش اندازہ آن خوش اندازہ و اگر قرار پائے

آدم برسر مطلب۔ جبکہ کوئی قوم اور کوئی خاندان گداگری پر فخر نہیں کرتا اور یہ بات اسلئے واسطے موجب اور حرمت نہیں ہے لہذا مسلمانوں کا بہ فرض نہیں ہے کہ اس پیشہ گداگری کی اصلاح کی ہمیشہ تجویز سوچیں اس سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان میں مسلمان گداگروں کو سب ہمسایہ قوموں کے مقابلہ روز افزوں ترقی ہے بہ سوال کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں گداگروں کی کثرت ہے اور اس کثرت اور روز افزوں ترقی کا اصل موجب کیا ہے۔ میری رائے میں کثرت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور اسکے وجہ حب ذیل ہو سکتے ہیں۔

حرف گداگری میں بھی روز افزوں ترقی نہیں بلکہ ہر بجے کام میں عروج اور اضافہ ہے عجیبانوں میں۔ جہتہ مسلمان جاتے ہیں اسقدر اور قومیں یا اور قوموں کے افراد کہاں جاتے ہیں۔ کیا اس زمانہ میں مسلمانوں کی شناخت نفسی و فہم و ذلت اور گداگری ہی باقی رہ گئی ہے۔ منہ

داعی، قرآن مجید سے احتراز اسکی پاک تعلیمات سے روگردانی
بے، بے عزتی، بے شرمی اور بے محنتی۔

(ج)، کاہلی، سستی۔

(د)، افلاس، تنگ دستی۔

(دھ)، غیارت نئی بے قاعدگی اور بے ضابطگی۔

(و)، اور بنائے جنس کا ایسے پیشہ ور گداگروں کے واسطے ازراہ ہمدردی اور محبت غیرت مند
نہ ہونگے اور انکی بہتری کے لئے کوئی عملی تجویز نہ سوچنا

یہ سب وجوہ ہیں جو مسلمانوں میں کثرت گداگری کے عناصر کہہ جاسکتے ہیں
مذہبی امور سے انکار نہیں ہو سکتا ہے مگر گداؤں اور گداگروں سے مسلمانوں کو سخت نقصان

اور انکار وجود اسلام کے حق میں ہر طرح سے مظہر بھی نہ صرف اس وجہ سے کہ چند افراد مسلمانوں میں
گداگری ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ یہ علوت اور لوگوں کو بھی اپنے میں شامل کرتی جاتی ہے جو کہ

استقلال اور ہر اور شے کی موجد بننے اور ہمیشہ کیلئے ایک ایسا خاندان گداگروں کا بنتا جاتا ہے جو
ایک بدنام و جتنے یا شرمناک داغ اسلام کے واسطے ہے اگر یہ لوگ گداگری کا پیشہ نہ رکھتے تو ممکن

تھا کہ انکی نسلوں میں سے ایسے چند افراد بھی پیدا ہوتے جو قوم اور ملک کے واسطے ایک سود مند
اور بزرگ ذوق و اشتیاق ہوتے اس فرقہ کی موجودگی یا کثرت نقصان مسلمانوں کی کمائی اور

اندوختہ یا عزت پر ایک سخت تکلیف و ہیبت اثر کرتا ہے اور اسکے ساتھ ہی ان مساکین اور محتاجوں

کی عزت اور شان و اہمیت کیسی ہے کہ ہم سے قرآن مجید یوں گیا کہ وہ گداگری کی ہیوری سے گھر نہیں کہتا
اور یہ وہاں کی تعذیب نہیں کرتا۔ لندن اور وٹلن کی گلیوں میں نہیں ہڑباجتا اور ان قوموں سے یوں گیا کہ

جن استقلال اور صبر اور شکر دیکھنے سے قسم دی تھی جس غیرت کا لئے سبق پڑایا تھا وہ فراموشی میں آکر گداگری
کے معنوں میں آگیا اور توکل کے بہ معنی لئے گئے کہ ادنیٰ مصیبت سے بھی گداگری اختیار کر لینا اور کہ وہ بے درپر

ماگنے پھرنا خدا کی شان یہ اس آیت کا حال اور چلن ہے جو امت مرحومہ کے لقب سے کسی دن ملقب ہوتی تھی
پتھر ایک اخلاقی تجویز تباہ سکتا ہے لیکن عمل جو مقدم ہے اس میں بہت تہوڑے ٹکٹے بہت لوگ ایسے ہیں جو قوم

تو بہ کہتے ہیں دوسروں کو رولتے ہیں خود نہیں رولتے۔ ۱۲۔

کے حقوق میں فرق آنا ہے جو قرارد واقعی اپنے دیگر اہل گائے جنس کی کمائی میں حصہ دار ہونی چاہئے۔ آؤز لوگ محنت اور مزد سے کمائی کرتے ہیں اور یہ ٹکڑ گدا صرف ایک صلے فقیرانہ کے بہرہ سے۔ پھر نرے اڑانے میں دیگر قوموں کے سامنے بھی اس طرز عمل سے ایک بدنام و مہیا اسلام پر عاید ہوتا ہے اور یہ کہ پٹنڑا ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کے لئے کاہلی اور سستی کا دروازہ کھولتا ہے یہ کہ بحث کہ یہ ترقی روز افزوں کس طرح رک سکتی ہے ایک لمبی بحث یا علمی جھگڑا ہے نقصان دہ حالت اور ہر تکلیف دہ واقعہ رک سکتا ہے اور اسکی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی مشکل نہیں۔ لیکن یہ صورت اس وقت عمل پذیر ہو سکتی ہے جب :-

(الف) قوم اور قوم کے لوگ ایسے نقصان اور تکلیف کو محسوس کریں۔

دب، ایسے احساس کے ساتھ ان کے دلوں میں سچی ہمدردی کا جوش بھی ہو۔

ج، ایسے جوش کے ساتھ عمل کی طاقت بھی جوش زن ہو۔

دود، اصل طاقت کے جوش زن ہوتے پر متفرق افراد میں بحث و مباحثہ کے ذریعہ سے سووند
تجزیہ نہیں سوچی جاویں۔

ان حالات کے سولے کوئی بُری حالت رک نہیں سکتی ہے اور یہی انکا کوئی انتظام ہو سکتا ہے جس قانون کے ہم تابع اور پابند ہیں وہ ہیں سکھاتا ہے کہ ایسی برائیوں اور کمزوریوں کے پیدا ہونے پر یہ عمل اور یہ تجویز ضروری ہے لیکن ہمیں اس قانون اور اس ضابطہ پر کوئی توجہ نہیں ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ۔

چنانچہ مردم شماری سلسلہ کی رپورٹ پنجاب میں بالقاب مسٹر ڈپٹی صاحب بہادر لے صاف طور پر یہ بتوں کیا تھا کہ
اسلام ہی ان لوگوں کو کم بہت اور سست اور کابل بناتا ہے۔ اور اسلام ہی کی تعلیم سے یہ لوگ بہت کم ہوتے اور وہ
پورے جاتے ہیں۔ یہ وہ الزام تھا جس سے اسلام کو بری الزمہ تھا لیکن اہل اسلام اس سے بچ نہیں سکتے ہیں۔
یہ یا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ ہمارے ایسے بھائیوں کی گد اگری اور کم مائی یا بے عزتی اسلام کے واسطے ایک تنگ
در تکلیف وہ داغ نہیں ہے فقیر کے مفہوم کے اشتراک نے اکثر لوگوں کو اس وجہ کو میں ڈال کہا ہے کہ وہ
مفہوم ہی اس گد اگری کی تعلیم اور ترقی دیتا ہے۔

مختل اس واسطے ہے کہ قبروں میں سب کو جاتا ہے لیکن اسبیل کہہ نہیں سکتا۔ شورا در داوود کو بہت سے قوم

(الف) محنت اور کام میں لگ کر سستی اور کاہلی کو ترک کریں۔

دب، کام اور محنت کے کرنے میں جو بیجا شغلی اور اکثر چن چال سبب وہ بیک وقت چھوڑ دی جاتی ہے۔
رج، محنت اور کام باعتبار محنت اور کام کے کریں نہ اس واسطے یا اس خیال سے کہ طوعاً و کرہاً اسے کرنا ہی ہے۔

دو، فقیروں نہ مساکین اور گد گدوں میں عملی تفریق کی جاوے۔ جائز سائلوں اور ناجائز سائلوں کے مابین تمیز ضرور سمجھی جاوے۔

دھ، جو لوگ پیشہ ور گد گداری کے عادی ہوں انہیں وعظ نصیحت سے باز کرنا چاہئے اور ان کے واسطے بصورتیکہ وہ کوئی کام نہ کر سکیں یا نہ کرنے کے عادی ہوں کام اور محنت کی تجویز کی جاوے۔

در، غفلت سے آنت بالخصوص اور ہر متوجہ ہوں اور ان خرابیوں کے دیکھانے میں شغلی ملین دیکھا میں
دج، سکہ زکوٰۃ کی پابندی پر مسلمان پر جو اسکے لائق ہو واجب کی جاوے اور ہر صوبہ اور ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک زکوٰۃ غنڈ کھول دیا جاوے اور اس کا انتظام ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو اسکے مناسب سمجھے جاویں۔

دک، ایک اور غنڈ کھول دیا جاوے جس سے حرفتی اور صنعتی مدرسے قائم کئے جاویں۔ جہدہ ایسے لوگ ہوں جنہیں اور انکی نسل کو ادن میں دست کاری سکھانی جاوے۔

دی، ہر ہنسوسا منٹی اور ہر جماعت عہد کرے کہ اسے پیشہ ور گد گدوں کو محنت خود نہیں بنانا ہے بلکہ کام پر لگانا ہے اور مصنتی اور کارکن بنانا ہے۔

دھ، یہ کہ وہ طریقہ میں جن سے ان لوگوں کی کثرت بند ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کو شش یا ان تہیزوں میں یہ بہ احتیاط ہے کہ جو واقعی مساکین اور غربا قابل امداد ہیں انکا روزنہ ہر بند نہ کیا جاوے خود تمام پیشہ ور گد گداریت و نابود ہو جاویں اور انکا نشان بھی نہ ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی قوم میں

(تھیں صحت) قوم قوم کوئے تو ہر شک ہوئے ہیں۔ لیکن جس کی باری حوائی ہے تو قیصدی مطابق افر نہیں رہتا ہے۔ ۱۷

یہ کہ آنت کا اس وقت سوجھ ہونا دین کی نفرت اور ناپید ہے کیونکہ جعفر مدظلہ ایسے پیشہ ور گد گدوں کی مذکور تھا ہے اور
دین کے سنگدلوں کا ہر ہر گد گد میں سلام خود بخود مذہبی اعتبارات سے قائم ہے ورنہ انکی اشاعت اور قیام کیو سٹے مسلمانوں کی
باجو کوئی باغیہ پیش نہیں ہوتی بلکہ عمدہ اور پیر کا مذہبی قیاد و ناغہ سے کھیلے تو انکی اسلامی مشن طیار ہو سکتی ہے۔

سکین اور دینی سائل ہی نہ رہیں۔ خواہ قوم پلٹاؤت گئی ہی فارغ البال ہو جاوے۔ غرض اور
 سکا کین ہی اس میں ضرور ہی رہیں گے۔ جو تو میں اس وقت پورے اقبال اور شان و شوکت میں ہیں اور
 جتنی دولت و ثروت ہے اس میں بھی بہت سادہ و غریبوں اور سکا کینوں کا سوجھ بوجھ اور کوئی
 گدراں اور اچانک لیسری انہیں لوگوں کے ذمہ بہت پر رہتی ہے جو ان میں فارغ البال اور دولت مند
 ہیں۔ یہ اصول قرار دے لینا کہ ہم سائل کے نام سے بیزار ہیں درست نہیں ہے۔ چو لوگ واقعی
 محتاج اور مدد کے قابل ہیں انکی ہمدردی اور مدد ہم پر واجب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہم خیال کہ کوئی
 شخص بھی عام طور پر (غیر اسکے کہ وہ کسی کارخانہ میں کام پر لگا یا جاوے) ہم سے مدد پائے یا کچھ
 حاصل کرے یا حق دار نہیں ہے۔ ایک ایسا خیال ہے جو کہنے میں آسان لیکن نظر غور سے دیکھا تو
 ناواقف و احمق ہے۔ بعض اوقات ایسے ایسے باعث الخاف ہی سوال کرنے پر جو کبھی حادثہ
 ناگہانی یا ضروریات اتفاقی میسر ہو جاتے ہیں گدراں کا دل شرم کے لئے ڈوبتا جاتا ہے۔ لیکن
 بحالت مجبوری کیا ہو سکتا ہے۔ اس حالت میں بھی ایک قاعدہ کا پابند رہنا ایسے لوگوں کے ساتھ
 ظلم اور نا انصافی کرنا ہے۔

کون لوگ ان حالات میں مدد پائے اور فیاضی انہیں جس کے مستحق ہیں؟ وہ جو:-
 (۱) مولے۔ لنگڑے۔ پا بوج۔ اندھے۔ مرلے۔ بے کس۔ بوائے اور ہر وہ نیشن مملوک الٹا دین میں
 رہا جو کسی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہیں (۲) جو بوجہ مسافرت کسی ناگہانی حادثہ سے قابل امداد ہیں۔
 (۳) جو کسی مسلسل حادثہ یا واقعہ کی وجہ سے تنگ دست ہیں۔ (۴) فی الحقیقت کبھی گدراں کی کوئی
 سبیل نہیں (۵) جو بدرازہ (حصر و فی سبیل اللہ میں سدا رہے)

یہی لوگ اور ایسے اشخاص ہیں جو بعض اوقات بغیر پابندی کسی قاعدہ خیرات کے بھی ہمارے امداد
 اور فیاضی کے مستحق ہیں یہی لوگ ہیں جسے ہم دینی ہمدردی اور سچی الفت چاہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں

یورپین قوموں میں بھی شریف سائل بہت سے موجود ہیں جو ضرورت پانہی قوم کے بزرگ اور فیاضی مہربوں کی
 معارف مدد حاصل کرتے ہیں صرف طرز سوال میں فرق ہے تو ہر ایک کے لئے ہے اور ہر ایک کے شریف سائل ہونے پر
 کئے مانگ لیتے ہیں۔ ایسے لوگ خوشی سے سوال نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے دل سپرد شامد ہوتے ہیں۔ یہی وہ
 چار ہیں ان مشروروں کی پوری زندگی کسی شریف کا دل کب ہاتھ ہے کہ گدراں کی طرح گدراں کی طرح رہے۔ ۱۲۔

جنگی نسبت اسلام وسعت سے تعلیم دیتا ہے اور خبردار کرتا ہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری جائیدادوں اور دولت میں سے ان لوگوں کا بالخصوص حصہ بخر ہے۔

خیرات اور صدقات کا اچھا طریقہ خود شریعت نے بتا رکھا ہے
زکوٰۃ کا مقبر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت خیرات دینا ایک ضابطہ سے چاہتی ہے اگر ضابطہ کا خیال نہ ہو تو زکوٰۃ نہ عائد کیجاتی
خیرات اور صدقات دو قسم ہیں۔

دالفا، منضبطہ یا قومی۔ دب، غیر منضبطہ یا شخصی

شریعۃت اسلامی یا قوانین اسلامیہ کا منشاء یہ ہے کہ دو طریقوں سے خیرات دی جائے۔ ایک ان ضوابط اور قواعد کی پابندی سے جو بحیثیت مجموعی مذہب اور قوم کے حق میں سودمند اور ضروری ہیں اور جسے ان امور اور ان مقاصد کا اقرار ہوتا ہے۔ جو عوام الناس یا رفاہ عام یا سوسائٹی سے وابستہ اور متعلق ہیں اور ایک غیر منضبطہ یا متفرق طور پر جیسے پہلی صورت ضروری ہے ویسے ہی دوسری بھی اکثر پیش آتی رہتی ہے۔ اگر دوسری صورت جائز نہ رکھی جاوے تو ہمیں بہت حرج ہے کیونکہ اکثر لوگ ایسے مشکل آتے ہیں جو فی الوقت خصوصیت سے مدد پانے کے محتاج یا حقدار ہیں ان جماعتوں میں جو شریف اور محتاط کہلاتی ہیں بمقابلہ ان لوگوں کو جو فریب یا غیر محتاط ہیں ایسے اکثر اشخاص کل آتے ہیں جن پر خاص طور پر امداد کی ضرورت ہوتی ہے وہ نہ تو کارخانوں میں جاسکتے ہیں اور نہ ہی عام غریب خانوں میں جا کر ان کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ یگانگت اور غولشی میں ایسی حالتیں بالعموم پائی جاتی ہیں اسی طرح راہ چلتے مصیبت زدہ مسافروں اور بیکس منظوموں کی حالت ہے اگر لے سکیں انہیں قواعد منضبطہ کی شرط رکھی جاوے تو بہت ہی مشکل کا سامنا ہوگا۔

کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ہم فی الوقت خیرات شخصی یا غیر منضبطہ کے بند کرنے پر زور دیں اس میں کوئی پرانی نہیں ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ خیرات اور یہ صدقہ یا یہ فیاضی ان لوگوں کا حصہ سمجھا جائے جو فی الواقع اسکے حقدار ہیں ان لوگوں کو اس حقدار نہ بنایا جائے۔ جو پیشہ ور گداگر ہیں ان کی واسطے یہ بہت سخت ہے اور صحیح ہر کہ بود پ میں ایسے راہ نہ ہوں کی مدد نہیں کیجاتی اور اگر لوگوں کو فیاضی کرنا ان کو قواعد کی خلاف ورزی ہے لیکن انہیں دالفا یا دالفا کے فرق بہت اسلامی قوانین کے تحت اختیار اور امانیہ دونوں طریق سے خیرات دینا ہے۔ ۱۲۔

وہی قواعد شرعی رہنے چاہئیں جو ایک منضبط خیرات سے مشروط ہیں۔ بہت ضروری جو مسلمان خیرات منضبط کی جانب اب بالخصوص توجہ کریں مسلمانوں میں اسکے قواعد پہنچ رہے ہیں۔ انہیں دینی تفسیر اور تبدیلی وہ خوبی پیدا ہو سکتی ہے جو ہوتی چاہئے۔ لوگ اور معطل اس طرف زیادہ جھک جاویں کہ جو کچھ ہو یا جو کچھ کیا کر لیا جائے وہ یوروپ کی طرز پر ہی ہو بلکہ اس طرف جھکنا کہ اگر اپنے طریق عمل میں جزوی ترمیم کو اصلاح ہو سکتی ہے تو اسے مقدم سمجھا جاوے کیا کوئی قوم اپنی قومیت کی ساری خصوصیتیں اور اقدار ذات چھوڑ کر قومیت اور ترقی کر سکتی ہے؟ تقالید کبھی وہ شخص نہیں بن سکتا جسکی نقل کرتا ہے۔ برخلاف اور خاندان اور قوم اپنی حد کے اندر رہ کر ترقی کر سکتی ہے۔ سوائے ان خاص حالات کے کہ بالکل ہی اپنے آثار اور اپنی خصوصیات سے متنفر ہو جاوے۔

دونوں صورتوں میں مسلمان سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن بہت اور صادق جوش و کار ہے جو قریب اس وقت معدوم ہے شاید کسی وقت پیدا ہو جاوے۔ ہم میں شخصی طریقہ سے خیرات اور صدقات کی کمی نہیں ہے بہت سے اشخاص اس میں ترقی کے قابل ہیں۔ لیکن قومی خیرات جسے دوسرے الفاظ میں منضبط خیرات کہا جاتا ہے ایک ابتری کی حالت میں ہے۔ سب سے مقدم اور بڑا کام یہ ہے کہ قومی طریق کی خیرات ایک انتظام کی صورت میں لائی جائے۔ شخصی خیراتوں اور صدقات کے وہ حصے جو انتظام کے قابل ہیں قومی خیرات میں منتقل کئے جاویں اور ان سب کو ایک ضابطہ میں لاکر سرحد و متنازعہ خیرات میں لائی جاویں۔ ان سب خیرات کے لئے مختلف حصہ ہر ملک میں کمپنیاں مقرر ہوں گی چاہئیں اور منجملہ کمپنی طریقوں کے بہرہ حصہ زیادہ تر توجہ کے قابل سمجھا جاوے۔

کمپنیوں کا مقرر ہونا کیا جانا مشکل نہیں ہے۔ بہت اور توجہ دے کر رکا ہے۔

بازے گیری ملک ان آسمان توالی کشید

تا نگر دی راست چون تیرکماں توال کشید

مسلمان واحد۔ میانوالی و پنجاب

القیاساً بلکہ مذہبی قواعد کے رو سے صدقہ خیرات الب اور اولیٰ ہے صدقہ خیرہ کی حکمت ہی یہی ہے کہ ظہار سے اس ہمدردی صادق میں ہم ہر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے یا پھر مسلمان کو دوسرے مسلمان کے انسانی رشتہ سے مل جائے بصورت غمزدگی نہ آتا دے اور اس طریق کو مقداروں کو انخاص وقت پر ملتا ہے۔

ریویو کانسٹنس لکھنؤ دسمبر ۱۹۰۴ء

دوسرے دن کی کارروائی

۲۸۔ دسمبر کو بھی شل ۲۷ کے ۱۰ بجے دن سے اجلاس شروع ہوا۔

آزاد تعلیم کی تجویز

آج کی کارروائی میں نواب وقار الملک انتصار جنگ بہادر مولوی شتاق حسین صاحب نے ایک تجویز اس مضمون کی پیش کی کہ جن طلباء کا مقصد تعلیم سے سرکاری ملازمت کا حاصل کرنا نہیں ہے ان کی تعلیم کے واسطے یونیورسٹیوں اور سرکاری حلقہ کے باہر انتظام ہونا چاہیے۔ نواب صاحب نے نہایت پختہ اور پرمغز تقریر میں اس رزلوشن کو پیش اور مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے لیاقت سے اس کی تائید کی۔ اس رزلوشن کی کسیدہ مخالفت ہوئی مگر بالآخر جب نواب صاحب نے مطلب سمجھا دیا تو وہ بلا مخالفت اتفاق رائے سے پاس ہو گیا۔

تجویز پاس ہوئی تھی ہو گئی مگر دراصل کم صاحبوں نے مطلب سمجھا کہ وہ کیا ہے۔ اور کیوں پیش کی گئی ہے۔ چونکہ تجویز خاص نواب وقار الملک بہادر کی تھی دوسروں نے اس پر نہ توجہ کی نہ بحث کی اور نہ اس کی خوبیاں واضح کیں۔ علاوہ اسکے تجاویز کی دیکھ بھل میں توپل اور میں آیا کا معاملہ تھا۔ اس تجویز سے کسی قسم کے چندہ کی توقع نہ ہی لہذا چپ چاپ پاس ہو گئی۔

نواب صاحب کی آواز بہت کم صاحب سن سکتے تھے اس پر اخباروں سے تقریر پڑھ کر اس معاملہ کی اصل اہمیت کو وہ سمجھ سکتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تجویز ابھی تک تو ایک خیال ہے۔ لیکن جب اس پر عمل نہ ہوئے لگا تو وہ ایک تمدنی انقلاب کا نتیجہ اور محرک بنے گا۔ اپنی مدد آپ کرنے اور عاقبت اندیشی کو اصول کا وعظ اس تجویز میں کیا گیا ہے اور موجودہ کو انہ طریقہ تعلیم پر مزہ ملازمت کو انتہائے نیکی سمجھنا ہے اسکے علاوہ اس تجویز کے دوسرے اصول کی امکان کو باور کیا گیا ہے۔ لیکن ابھی غرض کے بعد سلمان اور نئے افسر یہ سمجھیں گے کہ تعلیم ہی تحقیقی ہو سکتی ہے نہ کہ تقلیدی اس وقت جب موجودہ تعلیم یعنی جدید و قدیم ہر دو کے بنجر تاج کو دیکھنے کے بعد اہل الرائے کا ریرہ گے کہ ہر کو کسی اور شاہ راہ پر چلنا چاہئے۔ مگر میر تزدیک ابھی عرصہ تک نئے تعلیم کا انتظام نہ کرینگے۔

تعلیم عربی تیسرا زولوش عربی تعلیم کی ادا دے گئے حضرت جبریل الاوش باور کا یہ ہے کہ اگر یہ
کیا ہو گا تو تصدیق رسول خان صاحب نے پیش کیا۔ نہ اچھے ملک ہاؤر نے کیا کیا۔ یہ اس
رابعہ صاحب نے خاموشی سے تجویز کو پیش کیا اور پیش نہ کر کی رقم کا قہدم عربی سے لئے اور
صاحب سے امتیازی سے دیکھا کیا اس پر بے حد خوش اور تشریف اور شہ راجہ صاحب مدد فرمائی۔ لیکن
اور ہونی چاہئے تھی۔ راجہ صاحب پرانی وضع کے سحر سید ہے۔ اسے چہ ہرگز میں کہہ رہے ہیں
اور قومی بہبودی کے لئے انہوں نے یہ چندہ دیا اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ سنگیری کریں گے۔
مگر بعض دیکھنے والوں کو اس شکرہ کی تجویز اور عربی کے چندوں پر نظر اریجوزی سے
تعجب ہوتا تھا۔ آیا یہ وہی لوگ ہیں جو کل عربی کے شیوعہ کے خلاف آسمان تک علمائے عظامت
بلند کر رہے تھے اور تحریر و تقریر اور زولوشن سے ایک شور قیامت برپا کر رہا تھا۔ آج وہ سرسبز
لنگاہ رہی ہے۔ اسی عربی کے مخمرکوں کا شکر یہ یہ ہو رہا ہے اور ادا پر اظہار خوش۔ مگر ان واقفوں
کو بے صبر ہو کر نا سبب نفس کا اعلان نہ کرنا چاہئے۔ زندگی معنی تجربے کے ہیں۔ دیکھو اور سیکھو
یا در کھو اور سمجھو نہ بقول میرزا غالب کے آدم کے ساتھ بھی تو ایسا ہی متلون تنوک ہوا تھا
ہیں آج کیوں دلیل کہ کل تک نہ تھی پسند نہ تھی فرشتہ ہماری جناب میں

تعلیم سائنس	صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب بیسٹراٹ لا۔ بی اسے دیکھ کر راجہ نے چوتھا
کی تجویز	زولوشن اس مضمون کا پیش کہ ”بملاحظہ حالت و ملک و قوم مسلمانوں میں
سائنس کی ترقی دینے کے لئے عملی کوشش شروع کیا دے اور اسکی بہترین شکل یہ ہے کہ	
مدرسہ العلوم مسلمانوں میں جو ہر ایک لحاظ سے قومی تعلیم کا مرکز ہے ایک اعلیٰ درجہ کی سائنس	
کلاس کھولی جاوے۔ صاحبزادہ صاحب نے جو اردو اور انگریزی میں بھی ایک روال اور ہر گوش	
مقرر ہیں ایک نصیم اور شاندار تقریر کی۔ اس تقریر کا تین رلیج اور زیادہ جو شیلا حصہ تو غالباً وہی	
تھا جو علیحدہ کالج کی تقریر اور تائید میں ۱۸۹۲ء سے اب تک برابر کر رہے ہیں اور اس تقریر میں	
یوہم زیادہ واقفیت اور تجربہ اور شوق کے زیادہ زور آتا جاتا ہے۔ لیکن ایک چارم حصہ جاپان کے	
متعلق تھا اور اسکی ترقی کا راز بنایا گیا تھا۔ اسے بڑے حصے کو ہم یہاں کتبہ نقل کرتے ہیں کیونکہ	
وہ خود طلب مباحث پر مبنی ہے۔ اور اس یادگار تقریر کے متعلق کسی دوسری جگہ ہمزائے دی ہے	

تعلقہ داروں اور ہمیشہ ورسپاہ کی لیکن قوت کے ایک مرکز پر آئے پرا، ریشا لفس گریٹیکا نیچہ
یہ نہ ہو کہ تمام دنیا جہاں ایک سپاہی کی عزت کرتی ہے یہ عزت حاصل ہوئی ہے۔ ایشیا
لفس کرنے سے۔

دوسرے مرض جاپان میں موجودہ علوم سے لاعلمی قرار پایا تھا۔ ۱۹۰۷ء سے قبل دوسرے ممالک میں
جانا اور دوسرے ممالک کی قوتوں کا جاپان میں آنا ناگوار تھا لیکن اسکے بعد جاپان جگہ تو جوان ہر
قسم کے علم و فن سیکھنے کی غرض سے تمام دنیا میں پھیل گئے۔ یورپ گئے امریکہ گئے اور حصول علم
کے لئے اپنی سب قوتیں صرف کیں۔ اب مہربانی فرما کر آپ اپنی حالت کو ملاحظہ فرمائے اور ۱۹۰۷ء میں
جو حالت جاپان کی تھی اس سے اپنی موجودہ حالت کا اندازہ کیجئے اور غور فرمائیے کہ اس تاریخی واقعہ
سے ہم کون سا علمی سبق سیکھ سکتے ہیں۔ ہندوستانی میں سو قوت ۱۰ کروڑ مسلمان ہیں لیکن جگہ
عز سے دیکھو کہ مجموعی حالت کیا ہے۔ سنی علیحدہ شیعہ علیحدہ عقلمند علیحدہ۔ غیر عقلمند علیحدہ۔

دوسری تفریق کے علاوہ دوسری تفریق ہم میں ملکی ہے۔ پنجابی کچھ پنجاب میں کرتے ہیں بہینی کر مسلمانوں
کی خوشنات جدا ہیں۔ بنگالی مسلمان علیحدہ ہیں غرض کہ بلحاظ نا اتفاقی کے ہماری وہی حالت ہے
جو ۱۹۰۷ء سے قبل جاپان کی تھی۔ اب ربالا علمی اس زمانہ کے مطابق ہماری حالت کیا ہے۔ علوم
کے دوڑے مقصد ہو سکتے ہیں ایک دل و دماغ کی ترقی دوسرے محنت پر تصور کر کے اسباب
ترقی ہم پہنچانا اب ریل تار برقی اور دوسری قسم صنعتوں کو دیکھئے کہ مسلمان کا امنین کیا حصہ
ہے جس طرح جاپان کو علوم جدیدہ حاصل کرنیکی ضرورت تھی اسی طرح مسلمانوں کو بھی ہے
جاپان کی مثال بطور تہید کے ہے اگر قوم پامتی ہے کہ ترقی کرے تو ترقی کے اسباب اور اسکے
وسائل جاپان کی مثال سے ظاہر ہیں۔ میں ادب سے کہتا ہوں کہ اگر ہم چہتہ ارادہ کریں تو جلد ترقی
کر سکتے ہیں۔ جاپان کی مثال دیکھئے۔ بعد یقیناً جو دل اور دماغ رکھتا ہے یہ یقین کر لیا کہ جسکے
جاپان نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تو خدا کی رحمت سے ہمیں مایوس نہ ہونا چاہئے بشرطیکہ ہم بھی
آہیں وسائل کو کام میں لاویں سب سے پہلے منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر لانا چاہئے اسکے بغیر
کچھ نہ ہو گا جب ہمو راستہ معلوم ہو گیا۔ علاج معلوم ہو گیا۔ دوا معلوم ہو گئی تو کیوں کوشش نہ
کی جائے جو قوی مرکز پیدا کر نیکا طریقہ ہے وہ یہی ہے کہ قوی مرکز ہدائی کام ذاتی مقاصد ذاتی خواہ

ہمارے قومی سرگز کی ہلک مدد کا تبادلہ ہو گیا ہے اس پر مختلف طور سے گفتگو ہو چکی ہے کہ وہ قومی مرکز علیگڑھ ہے۔ اب وقت کو ہاتھ سے نہ کھونا چاہئے بلکہ کوشش کر کے قومی مرکز بنا دینا چاہئے۔ اگرچہ مدرسۃ العلوم بہت کچھ قومی مرکز ہو گیا ہے۔ لیکن اگر نہیں ہوا تو ہماری کم تو جی کا نتیجہ ہے اس میں قومی مرکز ہونے کی حیثیت موجود ہے۔ جب یہ مسلم ہے کہ قومی مرکز کی ضرورت ہے تو کہاں سے ہو کنسٹرکچر پیدا کیا وے۔ قومی مرکز اس طرح ہو سکتا ہے۔ قرب قومی و ملکی ضرورت کے لحاظ سے ایک قومی آئیڈیل ضروریں اور سب کا یہی ایک خیال ہو۔ ہماری موجودہ حالت کے لحاظ سے ترقی کے لئے ہمارا آئیڈیل صرف تعلیمی ترقی ہونا چاہئے موجودہ حالت میں اس سے بہتر آئیڈیل نہیں ہو سکتا۔ تعلیمی ترقی کا آئیڈیل وہ آئیڈیل ہے کہ اگر آپ قومی ترقی کرنا چاہتے ہیں تو آپ تعلیم کے ذریعہ سے تمام باتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ قومی ترقی اور گورنمنٹ میں عزت اور وقار تعلیم ہی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ سب تعلیم گاہیں جو مسلمانوں کے مختلف مقامات پر جاری ہیں اگرچہ وہ مناسب اور اپنی اپنی جگہ پر مفید ہیں اور مقامی ضرورتوں کے لئے وہ کافی ہیں لیکن قومی مرکز کے لئے وہ کافی نہیں ہیں۔

صاحبزادہ صاحب کی تجویز کی تائید نواب حسن الملک صاحب بہادر نے بذریعہ ایک تحریر ہی لکچر کے ایک نہایت عالمانہ اور مفاد بخش مضمون کے ذریعہ سے کی اور ثابت کیا کہ سائنس کی تعلیم کی بابت قرآن مجید میں بار بار تاکید آئی ہے۔ اسکے بعد خواجہ غلام الثقلین نے سائنس کی مزید تائید میں تقریر کی اور کہا کہ سائنس کی تعلیم ایک وسیع لفظ ہے۔ موجودہ ادبیاتی کالجی تعلیم سے اس قدر فائدہ نہیں جو جیسا سائنس کے کسی خاص شعبہ میں مسلمان لائق بنائے جاویں مثلاً علم بالٹیکسٹائل اکاٹمی اور علم کیمیا اور زراعتی تو بذریعہ تجارت و زراعت معاش کے ذریعہ بڑھ سکتے ہیں۔

مگر محرک صاحب دوران اس تقریر میں بالکل نیک نیتی کے ساتھ غالباً یہ اندیشہ کہنے لگے کہ لوگ مدرسۃ العلوم کی تعلیم سائنس میں چنہ دینے سے دست کش نہ ہو جائیں انہوں نے پریسڈنٹ سے کہا کہ جیہ شخص میرا مطلب الٹ پلٹ کر رہا ہے۔ پریسڈنٹ نے مقرر کو مذکور دیا ملوادی سطر زیر میں کی عبارت یہی نہ پڑھنے دی اس تقریر کا اگر نیری ترجمہ انہرور لاہور میں چھپا ہے اور اس سے ماخوذ کہ اس ریلوے کے آخر میں ٹورٹ میں پینے اٹھانہ لیا ہے۔ قاری سیمیان

شاہ صاحب نے رزلوشن کی تائید کی۔ تجویز زور شور سے پاس ہوئی اور چھپے بھی ہوئے اور عدسے بھی ہوئے۔ اور یہ اجلاس مالی لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ ایک بات اس اجلاس میں بہم لائق لحاظ تھی کہ سائنس کی تائید میں تقریر کرنے وقت نور و شو سے محرک اور موزے بیان کیا تھا کہ علیگڑ کالج میں دینیات کی پوری ترتیب ہوتی ہے اور پینچ ویاتھا کہ کوئی خلاف ثابت کرے۔ حاجی ریاض الدین صاحب نے بیان کیا کہ بیٹے نماز کرتے وقت لڑکوں کو ٹینس کھیلتے یا کرکٹ کھیلتے دیکھا ہے۔ بات معمولی تھی لڑکے معصوم اور فرشتہ نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کہ اذان کی تسمیہ میں آگئے ہوں مگر اس تجویز کے محرک نے بہت غل کیا کہ اس مقرر کو بند کر دو چنانچہ حکم پریسیڈنٹ صاحب بند کر دے گئے اور چند عاقبت اپن نوجوانوں نے غل کر کے عوام پر یہ اثر ڈال دیا کہ یہ کالفرنس آزاد نہیں ہے اور صرف ایک طرف کی آواز اڑھیں سنی جاوے گی۔ خود غیر متعلق تقریریں کرتے ہیں وہ بند نہیں کیا تیں جب کوئی غیر متعلق تقریر کا غیر متعلق جواب دیتا ہے تو آزادی رائے۔ اور چیخ اور سادات حسب ہو کر مغربی اور مشرقی ہر دو تہذیب کو سطل کر دیتے ہیں سے

اس شان سے وہ آئے تری جلد گاہ میں ہیم دیو کبہ بھل گئے دو ٹوڑا ہوں۔

طبی تجاویز | سہ ہر کے اجلاس میں دو تجاویز پیش ہوئیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ طب یونانی اعلیٰ درجہ کے سائنٹفک اصول پر مبنی ہے۔ بلکہ ایک اسلام طب آجکل نوجوانوں میں اسکی طرف سے جو محارت کی جاتی ہے وہ بہت بُری ہے۔ کالفرنس اسپر افسوس کرتی ہے۔ دوسرے رزلوشن میں ایک دوسرے مکمل الطب بنا یا گیا ہے اس کے مقاصد کی تعریف و ثنا و تائید کی گئی۔

سینٹرل سائنٹفک کمیٹی کا ایک جلسہ جو ۲۶ دسمبر کو گورنمنٹ میں ہوا تھا تھا۔ اس میں سکریٹری صحت اعلیٰ نے کہا تھا کہ یہ تجویز بالکل سائنٹفک ہے ہمارا جلسہ ہمارے دینے کا ہمارے نہیں بلکہ لوگ مضحکہ کرینگے۔ اسپر راجہ نو شاد علی صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ رزلوشن پیش نہ ہوا تو ہم کوئی تعلق کالفرنس سے نہ رکھیں گے۔ ہماری مقامی مصلحت کا جتنی سہ ہے کہ یہ رزلوشن آگے ہو جس میں قومی مرکز اور ماہان کی مثال پر ایک مستقل آرگنل لکھا جاوے گا۔ امید ہے کہ قوم اور اسیانہ شہ العلوم سچے دل سے اس پر فخر فرما دیں گے۔ (ایڈیٹر،

پیش چوتھیں میل شاہدین صاحب کے خیال میں اسطور پر کافر نس کو دبانے سے آئندہ بُری مثالیں قائم ہو گئی
مگر کافر نس کے واجب الاحرام سکرٹری نے نہایت مصلحت طرازی کے لحاظ سے خیال کیا کہ بدقت
مقامی سی کافر نس میں جمع ہوئے ہیں حکیم عبدالولی و حکیم عبدالغزیز صاحبان کے اثر سے جمع ہوئے
ہیں علمائے بھی طبیبوں کی خاطر کفر کے فتوے واپس لیتے۔ اسے یہ رزولوشن پیش ہونا چاہیے
کافر نس میں مخالفت کر لینا۔

نہایت دلچسپ اور ہر لطف مباحثہ اس پر واقعہ کرنے والوں میں مولوی عبدالعلیم نوشاد
مقامی مصلحت کی خوش آمدید کے واسطے تھے مگر نواب وقار الملک بہادر کا اس رزولوشن کی تائید کافر نس
کے وقت میں کرنا تعجب سے خالی نہ تھا۔ مخالفت میں کوئی تقریر عبدالغزیز صاحب ایم۔ اے اکثر اراستہ
کشنر سے چیک کرتے تھے۔ جوشیلی۔ فیض اور سچی تقریر تھی۔ بعض ڈاکٹروں نے یہ تقریر کی۔ غرض اس مقامی
مصلحت نے کافر نس کا نصف دن ضائع کیا اور حکیم صاحب پر ظرافت تقریر کی تجویز کفر نس نے
منظور ہوئی۔ اسکی منظوری سے کیا فائدہ ہوا، اسکا حال لائق حکیم صاحب کو معلوم ہوگا۔ کاش حکیم
عبدالولی صاحب غم نہ کرتے اور نظر انصاف دیکھتے کہ ایک جلسہ خاص غرض سے جمع ہوتا ہے۔ وقت
محدود ہے۔ لوگوں کا بہت سارہ پیچ و خم ہوتا ہے۔ آپ کو امرار نہ چاہئے تھا کہ آپ اندرون وقت
کافر نس جلسہ کرتے وقت لیتے۔ بینک اس کام کی اشاعت ضروری تھی مگر رات کو اسکے لئے
وقت بے سنگنا تھا مگر جس شخص کو شوق ہوتا ہے وہ اپنے مضمون کو دنیا بھر سے بہتر سمجھتا ہے
قصود اگر یہ ہوتا انکا ہے جنہوں نے تسلیم حکم کیا تو نواب حسن الملک بہادر اور راجہ نوشاد علی صاحب
صاحب کو مقاصد کافر نس پر غور کر کے حکیم صاحب کو علامت سے سمجھانا چاہئے یہ خیال کرنا
کہ حکیم صاحب ذی اثر ہیں۔ رئیس انکے کہنے میں ہیں۔ مولوی انکے مطیع ہیں ایک اعلیٰ وجہ
انکی قرب اندیشی تھی مگر جس قوم میں عقل و اصول عمل اور اصول اخلاق کی بجائے عاصی
مصلح اور وقت بینی کے ذخائر بجاتے ہیں چند روز کے بعد وہ از منہ تاریخی کی سٹری
ہوئی یادگار رہ جاتی ہے۔

آئس رزولوشن میں نہیں ہر جلسہ اصولی غلطی نظر آگئی۔ میں غلطی اسکو عذر کہا ہے اس لیے
کہ طریقہ عمل صرف دو ہیں۔ ایک تو اصول پر قائم رہنا ایک دریا کے بہاؤ پر چلنا۔ اصول کہتا ہے

کہ ہم اپنی قوت اور دولت کا بہترین استعمال کفایت شعاری کے ساتھ کریں اور بچہ مثال قوم کے سامنے قائم کریں ورنہ کا بھجواؤ چاہتا ہے کہ مسلمان زوال اور ذلت اور اسراف کی طرف چلیں۔ اب سوچ کر ایک طریقہ اختیار کر لو۔

باتن ہر منسلکے دوست می ماند دلویا یا باں بہ رہ یا بے باید کرد

جلسہ صیغہ تعلیم نسوان اسی تاریخ شام کو صیغہ تعلیم نسوان کا جلسہ بعد از مشورۃ العین ہوا اور اور ایک کمیٹی واسطے اس صیغہ کے قائم کی گئی۔ جلسہ بہت شاندار تھا اس صیغہ کی طرف سے ایک عمدہ ہفت روزہ (دخاتون) نکلتا ہے جس میں عربوں کے مضمون بھی ہوتے ہیں اور جہاں تک شیخ عبد اللہ صفا سکرٹری کی محنت کو تعلق ہے وہاں تک بہرہ صیغہ بہت کامیاب ہے چونکہ اس صیغہ میں شامل ہونے سے آسانی روشن خیالی کا تعلق ملتا ہے اور ذاتی ذمہ داری کسی کام کی نہیں ہے۔ لہذا نئی روشنی کے نوجوان زیادہ جمع ہو گئے ہیں۔ لیکن اگر شریفوں کے گہروں کے لئے عمدہ آستانیاں اس صیغہ کے قائم کردہ ہمارے سکول سے مل سکیں تو قوم پر واقعی احسان صیغہ تعلیم نسوان کا ہو گا۔ مگر یہ کام نہایت مشکل اور پیچیدہ ہے اور جو لوگ لائق سکرٹری کے ہو گا میں مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ انکے بازو اس بڑے بوجہ کو اٹھا سکیں۔ بہر حال ہم قاور مطلق سے امید رکھتے ہیں کہ سعی و محنت کے بعد کوئی ذریعہ تعلیم نسوان کا قابل عمل سمجھ میں آجائے گا۔ کیونکہ امید مجتہد کوئی چیز نہیں ہے

تیسرے دن کی کارروائی

تقسیم فارسی کی نائبہ۔ ایسے ہمارے دوست شیخ عبد اللہ صاحب نے ایک تجویز پیش کی کہ فارسی افتاء سرشتہ تعلیم میں بطور سابق قائم رہنا چاہئے اسکے پہلے ہی بہت سی کوششیں کی گئی تھیں مگر سید صاحب مرحوم۔ سید محمود اور سید ملک مرحوم کی زبردست مخالفت سے کامیابی نہ ہوئی مخالفان آردو نے اب پھر پیر لائے شروع کئے ہیں۔ کہ فارسی ہی کو آزاد و جسمدانوں کے زمانہ کا شعار بانی ہے اردو اب جاتی رہے گی۔

ایو جیکے یہ تجویز پیش ہوئی مگر یہ بات معلوم کرنی ہے کہ بہرہ رز و لبوش کسی مدلل تحریر کے پیش گوشت میں کچھ بھی جاسکتے ہیں یا نہیں اور آسانی کے ساتھ بہرہ پیشین گوئی کیا جاسکتی ہے کہ کہ مسلمانوں اور انکی لیڈروں کی حالت ہے ہر والی اور نمود ہر شہر کی جواب ہے وہی ہے اور

انہوں نے حقیقہ معاملات کی طرف سے بے توجہی رکھی تو فارسی پنجاب والہ یاد کی یونیورسٹیوں سے شکستہ ایسا ہی لکھنؤ ہے جیسا مسلمانوں کی تمدنی اور اخلاقی انحطاط قریب الوقوع ہے۔

بہر حال بعد نائید سٹرکٹ علی مصطفیٰ کے تجویز مذکورہ بالا غیر مخالفت و مباحثہ کے بالاتفاق منظور ہوئی۔ کافر نس کا پروفیسر گارڈن سیردون نے ایک تجویز اس مضمون کی پیش کی اس کافر نس کی ٹیٹے میں دفتر قائم کرنا۔ اعلیٰ تعلیمی اخراجات کے لئے ایک فنڈ مہیا کیا جائے جس سے (۱) ایک ایجنٹ مقرر کیا جائے تاکہ وہ ایسے قصبات میں جہاں مسلمانوں کی معقول آبادی ہو وہاں کی مذہبی اور مذہبی تعلیم کی حالت اور تعلیمی آسائیوں کی بابت رپورٹ کرے اور جہاں ضرورت ہو مدارس قائم کرنے میں مدد دے۔

(۲) ایک مرکزی دفتر قائم کیا جائے جو ایجنٹ اور مدارس سے خط و کتابت کرے (۳) ایک دفتر تعلیمی معلومات کا قائم کیا جائے جس میں ایک لائبریری گورنمنٹ رپورٹوں کی اور تعلیمی کتب کی موجود ہو۔ اس دفتر کے طلبہ اور انکے والدین کو مالک غیر ملکی لکچرل و اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی بابت معلومات مہیا کیا جائیں گی۔

تجویز بالا اتفاق منظور ہوئی اور کام چلانے کے لئے کئی سو روپیہ بھی جمع ہوا۔ اور سٹرکٹ گارڈن جوائنٹ سکریٹری سنٹرل سینیٹنگ کمیٹی کے مقرر ہوئے۔ ہم پروفیسر موصوف کی اس محنت اور دہم کی بہت مشکور ہیں اگرچہ پالیٹکس ہے کہ یہ دفتر اپنا کام نہ کر سکیگا بہت کوشش ایجنٹ کر لیا مگر کافر نس میں اور وہاں کی چار روزہ کارروائی دیکھ کر کلمہ کرنے والوں کا دل کھٹا ہو جا کر لگا اور تماشائی سیر ہو کر چلے جاویں گے۔ اعلیٰ و فخر محنت پہرے سے شروع ہو گئی جو لوگ ہاں میں ہاں ملائیں گے صرف انکی بات پوچھی جاوے گی مگر ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ یہ دفتر خلاف دیگر ایجنٹوں کے اپنے فرائض ادا کرے اور صرف یہہہ تجویز ہے کہ اس ریزولوشن یا کسی دوسری تجویز میں اصلح تمدن کی ضرورت اور معلومات جمع کر لیا ذکر معدوم ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے [آنریبل سٹر شاہدین نے پیش کیا اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے وظائف دینا] تائید کی کہ اعلیٰ علوم کی بنیاد پختہ کرنے کے یہہہ ضروری ہے کہ قابل اور ہونا۔ مسلمان اگرچہ ایٹس کو معقول وظائف دئے جاویں تاکہ۔ جی۔ آئی۔ ایم۔ اے کے بعد علوم میں کامل ترقی کر سکیں۔

تجویز ایسی عمدہ پر معقول صحیح ہے کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا نہایت عمدہ موقعہ ایک ضمیمہ تقریر کو سنایا

ہندو صاحب کی کوٹھالیوں سے تجویز پاس ہو گئی اور سیکولر قین ہے کہ اس تجویز سے انباروں کے کاموں اور کالفرنس کی رپورٹ کو یقیناً زینت ہوئی اور ممکن ہے کہ ایک ہمدی کے بعد کوئی نامعلوم جانتی کسی طریقہ سے بندوبست، فلو شپ کا بھی کر دیوے۔ چنے مکملہ چینی صرف اس غرض کی کہ ہر تجویز کے ساتھ ایک ضمیمہ ہونا چاہیے کی روایتیں کیا دے اور کوئی اسکا ذمہ وار ہے اور اگلے سال رپورٹ کون پیش کرے۔

نواب وقار الملک بہادر نے ایک تجویز پیش کی معاملات متعلقہ مدارس میں دائرہ سرسبز تعلیم کو برو دینے کے لئے غیر سرکاری مہروں کی ایک کمیٹی ہونی چاہیے۔ یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی چونکہ اسکا تعلق نواب مشتاق حسین صاحب سے ہے اس لئے ہم ذرا سنبھ نہیں کہ وہ اسکی طرف گورنمنٹ کو متوجہ خود کریں گے اور اس تجویز کو مناسب تائید کے ساتھ روانہ کرینگے۔

اسکے بعد چند تجویز میں شکریوں کی اور کچھ تنقید اور انعامات دن بعدی فنڈ کے لئے کے خاصکر مسٹر بل ولفٹنٹ گورنر صاحب پنجاب کا شکریہ ادا کیا گیا اور مس نصیر الدین حیدر کے نام پر تجویز میر جعفر حسین صاحب نے دیا اور آصف زمان صاحب کو تمغہ پہنایا گیا۔ آئرل راجہ علی صاحب چھاپنے ایوننگ پرائی وی اور رات کو مولوی محمد سلیمان صاحب کا حفظ قرآن پڑھ کر گھنٹے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ پڑھا جس میں انہوں نے اسلام کی طرف نئی روشنی والوں کو خاص طور پر متوجہ کرنے کی کوشش کی (تیسرے دن کی کارروائی ختم ہوئی)

نوٹ۔ تقریر واجہ فلام الثقلمین بابت تعلیم سائنس ماخوذ از ایزدیر لاہور ۱۸ جنوری سنہ ۱۹۰۷ء جس بیاقت اور فصاحت سے سائنس کی تعریف میں پہلی تقریریں کی گئیں اسکے بعد سائنس کی تعریف میں کچھ بہتا فضل۔ ہے میر دوست صاحب زادہ صاحب جاپان کی مثال سے اوپر سے بزرگ نواب صاحب نے آسمانی جھنڈوں سے سائنس لینے علوم صحیحہ کی تائید فرمائی میری رائے میں تو سائنس والیا علم پہلے کے حصول میں کوشش میں کرنی چاہئے۔ کچھ عرصے میں تحریر و تقریر کے طریقہ سے زور دے رہا ہوں کہ ہمارے لائق نوجوان شاعری اور ادب میں قوت کچھ ضائع کر رہے ہیں اسکی جگہ سیدہ مطالب کی طرف متوجہ ہو کر میر کے ایک مشہور شعر کے مطابق دعویٰ علم الہیہ ہیں؟ علم میں لینے علم جہانبات کلام و علم دمانبات کلام اور بوجہ ضرورت ادنیٰ اول کو دو سرے پر سبقت

”جی گئی ہے اعلیٰ علمات علم الابدان و علم الادیان۔ سائنس سے مکمل چارنا چار معاملہ کرنا“
 ”پر لگنا۔ فرق یہ ہے کہ اگر ہم عقلمند ہو تو قوانین فطرت تمہارے غلام ہیں نادان ہو تو تم ان کے
 غلام ہو آپ کو اختیار ہے کہ بن جیاز رانی نہ سیکھو مگر یہ اختیار نہیں کہ سمندر تمہاری کو ڈباے۔“
 ”حسے رک جائے۔ آپ کو اختیار ہے کہ بیانیہ کی طاقت کو اپنی خدمت کے لئے استعمال نہ کر لیکن“
 ”یقین بدیشہ کہ یہ طاقتیں ایکو کھل رہی ہیں اور کھلیں گی۔ آپ کو اختیار ہے کہ کیمیا نہ سیکھو مگر یاد“
 ”رکھو کہ زہریلے اجزاء آپکو ضرور مار ڈالیں گے۔ سائنس سے پکڑ سم کہاں جاسکتے ہیں چلو تو علم الہرکت“
 ”ہے بیٹھو تو علم السکون ہے۔ سائنس تو کو کیمیا ہے“

”مگر انے حضرات جس سوال پر ہیکو مناسبت کے ساتھ غور کرنا چاہتے وہ سائنس کی فطری تعریف“
 ”یا ایک بظاہر کے مطالعہ اصول کا سوال نہیں ہے۔ میں محرک تجویز کو یقین دلاتا ہوں کہ چاہا ہوں“
 ”کی ترقی محض خیالی اصول سائنس پر غور کرنے سے نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے ان اصول کو اپنے“
 ”دگر کے حالات پر مطبق کیا فوراً سائنس سے کام لینا شروع کر دیا“

”و سائنس کی بیشمار شاخیں ہیں سیکھو دیکھنا یہ ہے کہ ہماری موجودہ حالت میں بحیثیت ایک قوم“
 ”کے کونسی شاخ سیکھو مفید ہے۔ مثلاً علم میٹ ہے۔ علم نباتات ہے۔ علم حیوانات ہے۔ طبعیات ہے“
 ”کیمیائی ہے۔ طبقت الارض ہے۔ علم النفس ہے۔ بالکل اکائی یا علم دولت ہے۔ ہمارے محترم“
 ”پریسیڈنٹ صاحب نے اپنی عالمانہ تقریر میں وعدہ کیا ہے کہ اگر ہم حیثیت میں ترقی کریں گے تو ہم“
 ”علماء کی قدر نفل جی پان کے عمار کے انگلستان میں ہوگی۔ غالباً ایسا ہو لیکن جناب سوال یہ ہے کہ“
 ”اس سے ہماری جماعت کی دولت بڑھے گی یا نہیں کسی خاص آدمی کی شہرت سے منفس قوم کو کیا“
 ”فائدہ ہے جبکہ پاس ذالعیہ معاش نہ ہوں۔ (پریسیڈنٹ صاحب۔ وقت ہو گیا۔ جلد ختم کیجئے)“

”خیر تو میرے نزدیک ہندوستان کے کالہوں میں جس سائنس کی تعلیم ہوتی ہے اس کا کوئی علمی فائدہ نہیں“
 ”ہے اس تعلیم نے موجودہ مختلے ملک کی آمدنی بڑانے والے لوگ پیدا نہیں کئے ہیں۔ اس وجہ سے“
 ”میرے مہم کے معمولی سائنس کی تعلیم کو پسند نہیں کیا تھا کیونکہ انکی رائے میں اس کے واقف کاروں“
 ”کو نہ سرکاری ملازمت میں ترجیح دی جاتی ہے نہ وہ اپنی خود ملک کو خاص فائدہ پہنچا“
 ”سکتے ہیں“

مگر ہمارے سب نقص کے ظاہر کرنے پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ غور کرنا چاہئے کہ ہم سائنس کو "محکمہ سطح" یا "خود مختار" بناسکتے ہیں اس کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ سائنس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو بہتر یہ کہ بالمشکل اکادمی کا مطالعہ کرو تا کہ دولت کے پیدا کرنے اور تقسیم کرنے کے خواہ آگے معلوم ہو جاویں اور اس علم کو اور علوم سے پیشتر غور سے پڑھو۔ (مہنیں نہیں کرو اور سب پر ایک "دور" ہم بلکہ ایک ہی ذریعہ معاش ہندوستانیوں کے لئے ہے اور وہ دراعت ہے اور میں عرض کر چکا ہوں) "دین سو فٹ" کے کہہ ہے کہ بڑی سے بڑی خدمت انسانوں کی یہ ہے کہ جہاں دولت پیدا ہوتے ہیں تین دانے اناج کے پیدا کرو۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کیمیائی، زراعتی کا مطالعہ کو دیگر ملک کی دولت بڑھانا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو ان دو علوم کا مطالعہ کرو یہاں پریسیڈنٹ مقرر کو بند کرو یا اور تنظیم کے الفاظ نہ پڑھتے ہو اور مقرر نے ادب سے حکم کی اطاعت کی اور انہیں صاحبزادہ صاحب نے جوابی تقریر میں صرف فرمایا کہ بالمشکل اکادمی کوئی سائنس نہیں ہے۔

معین الکنار معروف تاریخ روضہ ممتاز محل

مؤلفہ

معین الدین جنرل سیرٹنٹ کلکری متہرا

دنیا کی عجیب و غریب عمارت روضہ ممتاز محل کی مفصل اور شرح حالات مصنف نے نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ لکھے ہیں اور چند نقیص و لاشعری نوٹ بھی شامل کر کے کتاب کی زینت کو دوبالا کر دیا ہے۔

قوم کے مشاہیر مثلاً شمس العلماء مولانا حالی و شمس العلماء مولانا شبلی و مولوی سید حسن صاحب شریک بیچ اورنگ آباد و کن وغیرہ نے اس کتاب کو وقت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور نیرنا مور اور ایڈیٹر ان اخبار مثلاً علیگڑ انسٹیٹیوٹ۔ علیگڑ منتہلی۔ عصر جدید۔ اجزورہ۔ وکیل۔ پیسہ اخبار۔ تالیف و اشاعت۔ مشہور کن۔ تحفہ کن۔ البشیر وغیرہ نے قابل قدر ریویو تحریر کئے ہیں۔ قیمت کتاب صرف ایک روپیہ علاوہ محصول اک رکھی ہے کتاب مصنف سے مل سکتی ہے۔

تحقیق ہم تمکو آزمائیں گے کہ قدر خوف سے اور ہوک سے اور مال اور اولاد کے نقصان سے (قرآن)

محرم الحرام

۱۔ موعہ وقعت - (از ایڈیٹر محمد حیدر)

دنیا کے دیگر واقعات بہ لحاظ شہرت اور یادگاری سب کے سب گناہ نظر آتے لگتے ہیں جب تک مقابلہ حسین ابن علیؑ سید الشہداء تقیل کر بلا اور نور چشم فاطمہ زہراؑ کی وفات سے کیا جائے۔ آخر یہ کیوں؟

لہذا نہ لیئے احقانہ نظر سے ان واقعات کو دیکھا جاوے تو وہ کچھ بھی نہیں۔ ایک شخص نے بادشاہ وقت سے قلیل جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا اسلئے مع تمام عشیرہ اور ساتھیوں کے مارا گیا۔ مگر دینداری کی باطنی نظر سے اور بلند نظر تاریخانہ تنقید سے یہ معاملہ کچھ اور ہی نظر آئیگا۔

اندازاً پچتر سال قبل نانائے ایسے وقت جبکہ دنیا میں انسان سچی اور شرک کا اندھیرا ایک دھولے اور ایک خیال کی طرف قوم کو بلایا۔ بہت کم نے مانا۔ اکثر نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ اسکو مٹھکھ اور تکلیف کے ساتھ بھوکا۔ ستر سال قبل طائف سے جہاؤہ اپنے وطن تکھرا دیا اور طلبی کر لئے گیا تھا کال دنیا۔ نانا اسلئے پریشان تھا کہ اسکا چچا ابو طالب جسکی حفاظت میں بھیجیہ تھا تو ہو گیا تھا۔

اب پچتر سال بعد ایلیا کے اکثر حصہ میں خدا کی وحدانیت اور نانائی رسالت کا علم پھرا۔ یہ دنیا کی کوئی قوت نانا کے نام کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی مگر یہ بات عجیب ہے کہ تمام قوت عظیم حکومت۔ شان۔ دولت۔ عرض کا دنیا اون لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جنہوں نے پچھلی نسل میں نانا کو سخت آزمائیں دی تھیں انکو جھوٹا قرار دیا تھا اور ہر طرح اس روشنی کو بجھانا چاہتا تھا جو خدا نے پورا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہی ابو طالب جسے نانا کو امن دیا تھا اسکا پوتا اور اس علیؑ کا بیٹا جسکی بے مثل شجاعت نے نانا کے دشمنوں کو زیر کیا تھا۔ جدوجہد

محبوب بھی اور مقرب بھی کی حالت میں ہے۔

کیا یہ کایا بدلتا ایسے ہو گئی کہ لو اسانا ناما کے راستہ سے برگشتہ ہے؟

خدا کی توحید پر پوری طرح قائم نہیں ہے۔ فسق و فجور آرام طلبی، جاہ طلبی، زر پرستی، خودی اور دیگر انسانی قبائح نے خاندان رسالت اور اس کے اشراف کو اس وقت رسول کا چھوٹا نواسا ہے کہ کر لیا ہے؟ لغو و بے لیا حالات بالکل ناکسے پر خلافت ہے۔ جبر و تحمل، تقویٰ و خوف خدا، سخاوت، شجاعت، علم و ادب، باطنی اور عبادت، قدسیہ اعلیٰ درجہ میں موجود ہیں اور دین کا وہ ایک ہی زہر دست وارشاد زندہ کیونکہ اس کے واسطے کتاب الہی میں لکھا ہوا ہے کہ رسول کا بیٹا ہے اور جب اس کو اور اس کے والدین اور بیٹائی کو سب سے ایک رسول مانگے تو کوئی مذہب رسول پر غالب نہیں سکتا (قُلْ يٰۤاَهْلَ الْبَيْتِ اِنِّىْ اَعْلٰنُكُمْ لِلْعٰلَمِیْنَ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ عَلٰی الْكُفٰرِ یٰۤاٰیْنَ) جب یہ حالت ہے تو لہذا سمصیت میں کیوں مبتلا ہے؟ کتنا دنیا شرب ہو گئی اور منکر رسالت ہے۔ مگر باوجود ہاں خلیفہ امت دینی اسلام ہے اور تمام ملاحد میں ترسان سے تاہرہ تک اشجدان محمد المہدول اللہ کی آواز پانچوں وقت آتی ہے اور تمام اسلام کے نمازی ختم نماز کی وقت محمد اوائل محمد پروردگار دیکھنے کے بغیر غار ختم نہیں کر سکتے۔

مگر اختیار و حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کے دل میں اسلام کی وقعت کجا ہے عزتی ہے جو علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہیں جو کہو کہ زمانہ کے کتبہ اس آل رسول سے نکالنا چاہیں جس پر انھیں کوئی منافق زبانیں درہنہ بھینچنے پر مجبور ہیں اور یہ لوگ پاتے ہیں کہ اپنے خاں اور خاں شیعہ اور نظام اور بے اعتدالیوں پر تجویز الہیہ کی بھی ہر کر الیں لیجئے اس سے اطاعت کا اقرار لیں اگر یہ ایک نفس جو باقی رہ گیا ہے سچائی اور اسلام کھٹ سے زمانہ کی ہوا چری ہوئی و یکسر مغلوب ہو جائے تو یہ کفر اور ظلم کی انتہائی کا مقابلہ مشرق سے مغرب تک کوئی نہیں کر سکتا۔

اعزیز اور حسین

مگر یہ لوگ حسین سے واقف نہ تھے۔

فیض نہیں بدلے اور تین دن کے سو کے پیاسے حادی عرفہ دے ہوئے قربان ہو گئے

اور کلمہ اومید بھی حالت تمام دنیا میں نزع کی تھی اسکو ہمیشہ کے لئے قائم کر گئے۔ لوگوں نے نانا کے کام کو بالکل بے اثر اور زائل کر دیا تھا مگر اس جہلناک واقعہ سے اسلامی دنیا کے دل و دل گئے اور ایک جوش الیا پیدا ہو گیا کہ جس سے اسلام پھر زندہ ہو گیا اور زلفاقی نور فطلم کی بنیاد اسی دن اور اسی وقت ہل گئی جبکہ شمر نے حرمین خمر سے علیحدہ کیا۔ انا لہد واکا الیہ راجعون۔ ہم سب خدا کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں

مسلمانوں کا اس قدر شور و بکا اڑا تو محمد کی اس دوسری زندگی کی یادگار کے لئے ہے کیونکہ بقول خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔

وین است حسین و دین پناہ است حسین
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

دوسرے ائمہ محمدی نے خواہ وہ منافق ہوں، جو شرمناک کام کیا ہے حتی وجہ سے وہ حسین کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہے اسکی تلافی منظور ہوتی ہے۔

انرجو امۃ قتلت حسینا۔ شفاعۃ جد کا یوالا

جب ہم ان اصول پر خیال کرتے ہیں تو ہم اپنے شیعہ دوستوں سے عجب کہتے ہیں کہ اصلاح المسلمین کا کام سچوہ کا منپ جانتے ہیں کہ کہیں نام حسین رخصت نہ ہو جائے۔ نادان دوستوں یہ بڑی غلطی ہے تقویات کے دور ہونے سے حسین کا نور اور زیادہ چمکیگا۔

اگر دغا نہ کسل ست حرے بمر است

۲۔ رویداد و محرم سے اخلاقی سبق (از مولانا حالی)

فضائل اخلاقی کا نمونہ اس سے اعلیٰ اور شرف کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے نبی کا نور جب آگے ہر سمان کا سر جھکا چاہے تھا اور دیکھو کتنے بے انتہا امیدیں ہونی چاہیے تھیں وہ چند عزیروں اور دوستوں کے سوا ہر سمان کو اپنے خون کا پیاسا دیکھتا ہے۔ ریگستان عرب کی نواد گر می جو عربیوں میں یغیر بن بچے اور سارا گنہگار ہے۔ مدینہ سے کوفہ تک یہیوں کی راہ لے کرنی ہے۔ جو احوان و انصار بیکر ساتھ چلتے تھے انہیں سے چند کے سوا سب ساتھ چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے ہیں جن لوگوں نے متواتر خط اور پیغام بھیجا اور خدا رسول کو درمیان دیکر

نوریت دیاری کے رد واپس پر لایا تھا۔ وہ اٹھو اگر بیچتم مخوف اور برگشتہ پاتا ہے اور تمام
 اقسامیں تبدیل بہ یاس ہو گئیں۔ باینہم وہ راضی ہر ضابطے۔ ہر حال میں خدا کا شکر کرتا ہے
 اور اپنے ارادہ پر ثابت قدم ہے۔ جس شخص سے لڑا تو وہ ملک اور قوم اور دین کے
 حق میں ایک مرضی ہلاک سمجھ کر اسکی بیعت سے انکار کر چکا ہے باوجود ان تمام شہائد
 کے اسنے انکار پر اسطرح قائم ہے۔

دشمنوں نے کہا تھا اور بانی سب بند کر رکھا ہے اور دیہائے فرات آنکھوں کے سامنے بہ
 رہا ہے۔ دشمنوں کے گھوڑے گدھے اور اونٹ تک اس سے سیراب ہوتے ہیں مگر اسکا
 سارا کنبہ تین روز سے پیاسا ہے۔ اسکے ننھے ننھے بچے پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے ہیں
 اور یہ سب کچھ اسنے ہے کہ وہ ایک نالائق آدمی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ باینہم
 وہ اپنے ارادہ پر اسطرح ثابت قدم ہے۔ کسی سختی اور کسی مصیبت سے اسکے استقلال میں
 فرق نہیں آتا۔

اسکے یار اور مددگار کل سردار و بہن آوی ہیں اور ایک ٹڈی دل سے مقابلہ ہے۔ روئے زیر
 اپنا اور سب عزیزوں اور دوستوں کا خاتمہ نظر آتا ہے غیمہ اور اسباب کا لٹنا باقی ماند
 کا سمیر سنا۔ عورتوں کی بے روائی اور باوہمیائی۔ یہ سب آفتیں گویا آگ سے دکھائی
 دیتی ہیں مگر وہ ان سب کو گوارا کرتا ہے اور بہتر سمجھتا ہے بلنبت اسکے کہ ایک نالائق آدمی
 کے ہاتھ پر بیعت کیے اور اسکی حکومت کو تسلیم کرے۔

وہ اپنے بھائی بیٹے بھتیجے اور بھانجوں کو نہایت اطمینان کے ساتھ سلجھ اور راستہ کرتے ایک
 ایک کو ہزاروں کے ساتھ لڑنے کے لئے بھیج رہا ہے۔ انکے بازو تلواروں سے لگتے انکے
 کھجے برجھویوں سے چھلنے دیتا ہے ایک ایک کی لاش کا ندھے پر کٹھن لاتا ہے اور اپنے
 ہاتھ سے زمین میں دن کر رہا ہے۔ چنہ میں عورتوں کے کہرام سے ہر وقت ایک قیامت
 برپا ہے۔ بلی بلی بیٹی اور کھنوں کی دلخاش حدائیں دلیں ناسور ڈال رہی ہیں چو
 پھینے کا شیر خوار بچہ ایک بے رحم کاتیر کہا کر گود میں مرغ بسبل کی طرح ترپ رہا ہے۔ انکے
 حلق سے خون کا فوندہ جا رہی ہے۔ سب جھوٹے بڑے کام آپکے ہیں اور سچ بھی کوئی تم

کا مہمان ہے۔ اس کے بعد اپنی باری نظر آتی ہے اور سچراہل بیت کے جہاز کا خذ کے سوا کوئی ناخدا
نظر نہیں آتا۔ ان سب بلاؤں کا سامنا ہے اور مصائب اور آفات کی گھنگھو گھنگھا چاروں طرف
چھائی ہوئی ہے مگر انہیں سے کوئی چیز کے عزم و استقلال میں تزلزل پیدا نہیں کر سکتی وہ
کوہِ راسخ کی طرح اپنے ارادہ پر ثابت قدم ہے اور اپنے قول سے نہیں ہٹتا

وہ بے رحم مہم جو نانا کا کلمہ پڑھتی ہے اور اسی کے خون کی پیاسی ہر چوہنہ نفوس کے مقابل
کے لئے ایک ٹڈی دل کو ساتھ لیکر لگتے ہیں اور تمام طاقت اس بات میں صرف کر رہے ہیں کہ
جو ایڑیاں اور کلیفیں آدم سے تالیفیت یہ کسی ذی روح نے کسی ذی روح کو نہ دیں تھیں وہ
سیا اپنے نبی کے دل بندوں اور جگر کے ٹکروں پر ختم کی جائیں جو حرص و طمع کے نشے میں
دینِ نایمان۔ رحم۔ انصاف۔ آدمیت۔ ہمدردی اور تمام انسانی فضائل و صفات ہمو کر خد
کا گھر ڈھانے یعنی خاندانِ نبوت کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تیار اور کمر بستہ ہیں نہ وہ انکو بدوھا
دیتا ہے نہ انکی شکایت کرتا ہے نہ انپر غصے ہوتا ہے بلکہ نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ اپنے
حقوق جتنے ماننے کا وہ دعوائے کرتے ہیں انکو جتنا ہے اور انکے فرائض جو خاندانِ نبوت
کیساتھ انکو بچالانے چاہئیں انہیں یاد دلاتا ہے۔

چھوٹے سے بڑے تک ہر شخص کے دل میں یہ امر نگ ہے کہ سب سے پہلے اپنی جان خاندان پر
تیار کروں۔ باپ کی یہ خواہش ہے کہ تلواری کی آغ میں بھائی بھتیجے اور بھانجوں سے پہلے
اپنے جگر بند کو جہ تک دول۔ بھائی۔ بھائی اور بھتیجوں سے پہلے سونے کو تید اور میدان جنگ
کا خواب سننا ہے۔ بھانجوں کی یہ تمنائے کہ ماموں اور ماموں کی اولاد پر سب سے پہلے قربان
ہوں۔ بھتیجے کی یہ آرزو ہے کہ چچا کا فدیہ سب سے پہلے میں بنوں بہن کا یہ ارمان ہے کہ اپنے
بچوں کو بھائی اور بھتیجوں پر قربان کر دے بھائی اس فکر میں گہلا جاتا ہے کہ اگر بھانجے میری
رفاقت میں مارے گئے تو میں کوئی نہ کہہ سکتا ہوں چچا کو خود بھی تین دن کی پیاس سے بقیار ہے مگر
اپنے پیاس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ لیکن پیاسی بھتیجی کی بقیاری کی طرح نہیں دیکھ سکتا
وہ مسکینہ گھٹے میں ڈال اور جان نپھیلی ہر کھوشمنوں کی صفیں جیرتا ہوا دریا میں گھوڑا چاٹتا
سجور یا کاسر اور شیریں پانی لہریں مار رہا ہے اور پیاس کے لئے انکھوں میں دم ہے دل

قالو سے یا ہر تہا جانا ہے۔ دو چلو پانی میں پیاس بجھتی ہے۔ مگر غیرت اور حمیت اجازت نہیں دہتی کہ ننھے ننھے بچوں کی پیاس بجھنے سے پہلے اپنی پیاس بجھالے وہ مشکیزہ ہیر کر اسیطرح پیاسا درنا سے پہرتا ہے تاکہ جلدی جا کر بچوں کے حلق میں پانی چولے۔ لیکن دشمنوں سے گھیر کر دونوں بازو کاٹ ڈالے۔ اسپر ہی اسکو اپنے بازوؤں کا کچھ خیال نہیں اگر ہے تو مشکیزہ کی فکر ہے کہ مبادا پانی ضائع ہو جائے اور بچے پیاس سے رہ جائیں وہ سب جپے اپنے اوپر لٹیا ہے مگر شک پر آج نہیں آنے دیتا۔ جینک کہ زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے نہیں گھٹا۔ بی بیاں خاندنوں کو اور امیں بیٹو کو قتل از زخمی جھٹے دیکھتی ہیں مگر کوئی زبان سے اُف نہیں کرتی اور مونہ سے سانس تک نہیں نکالتی صرف اس خیال تک کہ جن مرلی اور سر پرست کی رفاقت میں وہ کام آئے ہیں اسکے دل پر سیل نہ آئے اور وہ اپنے دلبس سے مجھوٹے ہو سب دسکی اور اسکی اولاد کی خیر منائی ہیں اپنے پیچھے بڑے ہوؤں کو کوئی یاد نہیں کرتی۔

دو صغیر سن بھائی ہیں جو صرف اس تصور پر کہ بنی کے نواسے کے رشتہ دار میں حاکم کے حکم سے واجب القتل ٹہرے ہیں۔ جلاو دونوں کے سر پر تلوار توڑے کھڑا ہے۔ یٹرا بھائی سنتیں کرتا ہے کہ چلے میرا سرتار اور چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ مجھ پر وار کرے ایک خدا کا بندہ جو دشمنوں کی فوج کے ساتھ بنی کے نواسے سے لڑنے کو آیا ہے باوجودیکہ دشمنوں کا ساتھ دینے میں اسکو ہر طرح دولت اور جاہ اور منصب کی توقع ہے اور انکا ساتھ چھوڑنے میں جان و مال اور خاندان کی تباہی کا یقین والٹ ہے۔ جس قوم میں وہ گہرا ہوا ہے وہاں کوئی ترغیب یا تنبیہ ایسی نہیں جو اسکا دل ظلم و بے دردی اور بے مدنی اور حب جاہ و ثروت سے ہٹا کر رحم و ہمدردی و ہمدردی کی طرف مائل کر سکے۔ اسکو ہر طرف سے ہیرا آواز آتی ہے کہ جلد اس تحلیل جمیعت پر فتح حاصل کیجئے۔ مردوں کے سر اٹھارے غور توں اور بچوں کو قاتل کر کے لے چلئے اور حاکم سے چکر اپنی خدمات کا صلہ لیجئے۔ دو سر طرف کوئی ظاہری سا قن ایسا نظر نہیں آتا جسکے لالچ میں وہ ان تمام فائدوں سے قطع نظر کر کے اپنی فوج کا ساتھ چھوڑے بلکہ بڑ خلاف اسکے طرح طرح کی بلاؤں اور آفتوں کا سامنا نظر آتا ہے۔ بلکہ وہ تمام دیکھی منفقوں اور امیدوں پر ٹٹل کر ظالموں سے کٹا رہتا ہے۔ حق کی نصرت پر اپنی جان

دے کو فخر عظیم جانتا ہے اور سب سے پہلے خاندان نبوت پر اپنی جان فدا کر لیتا ہے۔

چند وفادار رفیق اور دوست جو فرزند نبی کے ہمراہ ہیں اور جو ایک ٹڈی دل کے مقابلہ میں اس قدر قلیل ہیں جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں وہ ایک عالم کو اپنے سردار سے برگشتہ اور مغرب پاتے ہیں خود اسکے ساتھیوں اور رفیقوں کو اٹائے راہ میں اسکا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر اور اٹکھیں چرچر کر جاتے دیکھ چکے ہیں اپنے لئے اسکا ساتھ دینے میں کوئی نفع حاصل اور دنیا کی کوئی بھلائی نہیں سمجھتی بلکہ ہر وقت موت کا سامنا ہے اسکی رفاقت کی بدولت سھوک اور پیاس میں تین دن سے جان لبوں پر آرہی ہے نہ کوئی رشتہ ہے نہ قرابت ہے جو اس کی رفاقت چھوڑنے سے مانع ہو مگر وفاداری کا طوق انکی گردن میں اور دوستی اور اخلاص کی زنجیر انکے پاؤں میں پڑی ہوئی ہے۔ کوئی خوف اور کوئی طمع انکے اس تعلق کو قطع نہیں کر سکتی ہر وقت یہہ آرزو ہے کہ کہاؤن ہو گئے اور کب خاندان نبوت پر اپنی جانیں قربان کریں اور کب اس فرض سے سبکدوش ہوں۔

م : نبیؐ کا محرم اور اسکی بدعات (از سر باطلہ)

لکھنؤ اور حیدرآباد کا محرم تو کاشمیر سے لگاری اور کھلتے سے کراچی تک مشہور ہے۔ لیکن ان دونوں شہروں کی کیفیت اتنی سنائی ہے اور نبیؐ کی حالت خود دیکھی ہے۔ پھر شیندھ کے بود ملند دیدہ لکھنؤ میں چونکہ شیعوں کی کثرت ہے۔ اسلئے وہاں امام پارک میں خوب مروتی اور اچھی چل چل ہوتی ہے۔ مرثیہ خوانی کی دھوم اور عزاداروں کا ہجوم رہتا ہے۔ اور حیدرآباد کا لنگر حبیب ریاست کی باقاعدہ اور بے قاعدہ فوجیں شامل ہوتی ہیں قابض ویدر سنا جاتا ہے۔ مشاہد کی انگلیں حیدرآبادیوں کو انکے اصلی رنگ میں بقدر اس موقع پر چند گھنٹوں میں دیکھ سکتے ہیں اس قدر شاہ فہتوں اور مہینوں میں بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ یقین ہے کہ سینہ می بھی خوب لٹائی جاتی ہوگی۔ حیدرآباد کے کسی تہوار یا کسی عام جشن کی کیفیت بیان کیجائے۔ چہرہ کسی ہی محل کیفیت کیوں نہ ہو اگر سینہ ہی کا نہیں ذکر نہیں تو ضرور وہ نامتام ہے

بمبئی چونکہ ہندوستان کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے اسلئے جتنے مختلف قومیں اور ملتیں وہاں آباد ہیں اس قدر ہندوستان میں کسی شہر میں نہیں بلکہ ہالفا نہ ہو اگر یہ کہا جائے کہ روئے زمین پر کسی شہر میں نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہاں پر قوم کی علیحدہ رسمیں اور قسم قسم کے علاج دیکھنے میں آتے ہیں۔ محرم کی بھی یہی کیفیت ہے۔ سنیوں کی بدعتیں علیحدہ ہیں شیعوں کی الگ۔ یہی میں سنیوں کا بیان کرتا ہوں اسلئے کہ ممبئی میں جنیوں کی کثرت ہے۔

سنیوں میں ایک تو وہ جلا گاروہ ہے جو لغزے اور تابوت بناتا ہے اور انہر فرور متناز ہوتا ہے۔ لغزے کچھ ہفت نہیں بناتے لکے لئے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور ہسپا اصطلاح جمع کیا جاتا ہے کہ لغزے کے چند اوباش ملکر دوکان دوکان گھومتے ہیں اور دوکاندار سے جبراً پیسہ وصول کرتے ہیں انکے ساتھ بڑے بڑے ڈھول ہوتے ہیں یا کسی اور قسم کا باجا بعض کے ہمراہ بینڈ باجا بھی ہوتا ہے اور ڈھول وغیرہ اس زور سے بجاتے ہیں کہ وہ لین دین نہیں کر سکتا آخر مجبور ہو کر وہ کچھ نہ کچھ دیدیتا ہے اور یہ بلا اپنے سر سے نالغابہ۔ محصول کا یہ گروہ بڑی سرگرمی سے اپنا کام انجام دیتا ہے اور تعجب یہ ہے کہ وہ لوگ جنکی زندگی کا کوئی کام باقاعدہ اور منظم نہیں اس موقع پر بڑی باقاعدگی اور انتظام سے کام کرتے ہیں انکے پاس ایک فہرست موجود ہوتی ہے جس میں گذشتہ سالوں کی وصول شدہ رقمیں اور چندہ دینے والوں کے نام درج ہوتے ہیں۔ اکثر دوکاندار تو اتنی صورت دیکھتے ہی فوراً پیسہ دیدیتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ بے لئے نہیں ملیں گے۔ پیسہ وصول ہونے میں تاخیر نہیں ہوتی ہے جہاں کسی بھیل سے پالا پڑے یا جہاں کسی دوکاندار نے تجارت میں ترقی کی ہو اسلئے معمول سے زیادہ چندہ مانگا جاتا ہے۔ چندہ لینے میں اس بات کا خیال نہیں کیا جاتا کہ مسلمانوں ہی سے وصول کیا جائے بلکہ ہندوؤں اور دیگر قوموں سے وصول کیا جاتا ہے۔

اس طرح جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے وہ لغزے کی لاگت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے فاضل رقم سے ایک حصہ لوٹیوں پر خرچ ہوتا ہے۔ لوٹی میں سب سے لگے ایک چھکڑا ہوتا ہے۔ جس پر

ایک یا دو چار پائیاں کس دی جاتی ہیں اور ان پر شہنائی نواز اور تقارچی بیٹھتے ہیں اس چکر کے پیچھے محلے کے لڑکے اور اوہاں باش بالوں کے وندے جن پر سرخ و سبز دھوپیا لپٹی ہوئی ہوتی ہیں ہاتھوں میں علم لٹے و جھنڈوں اور جھنڈوں کی طرح لگے سے پیچھے اور پیچھے سے لگے شور مچاتے دھڑکتے ہیں۔ انہیں میں ایک شخص تیری جھنڈا لٹے ہوئے ہوتا ہے جس کے سرخ پتھر سے پر سفید جامد اور تار چٹا ہوتا ہے اور ایک دوسرے شخص کے ہاتھ میں ایک لکڑی پر ایک تھنی بندھی ہوئی ہوتی ہے جس پر نختہ کا نام لکھا ہوتا ہے۔ ان کے بعد بینڈ بجا اور ڈھولک ولے اور ڈھولک مسم کے سوانگ ہوتے ہیں۔ آخر میں محلے کے زیرگ نہایت سنجیدگی سے خراماں خراماں چہنتے ہیں اور ٹوٹی کا استغلاص کرتے جاتے ہیں۔ ٹوٹی پانچویں سے نویں تاریخ تک حسب حبشیت ایک یا زیادہ نکلتی ہے اور بات ہی کو نکلتی ہے۔ روشنی کے لئے مشعلیں ساتھ ہوتی ہیں اور پولیس کا بھی متعلق بندوبست ہوتا ہے۔ ایک یورپین افسر جمعدار۔ حوالدار اور متعدد سپاہی ہمراہ ہوتے ہیں ٹولیاں نختے محلے گشت لگاتی ہیں اور اہل پولیس حتی الامکان دو ٹولیوں کی مدد بھرتی نہیں دیتے۔ کہیں اتفاقاً دو ٹولیاں جمع ہو جاتی ہیں تو پولیس ولے صف باندھ کر دونوں ٹولیوں کے درمیان دیوار بنجاتے ہیں اور دم دلاسا دیکر دوائیں بائیں نکال دیتے ہیں۔ کسی سے کسی کی دشمنی ہوئی تو ایسے موقع پر ایک ادنیٰ سی حرکت پر لڑائی چل جاتی ہے۔ اور گھسان کی لڑائی کا سماں نظر آتا ہے۔ جو عر کے ایام جہالت کی یاد دلاتا ہے۔ بہنوں کے سر بھوٹے ہیں۔ کچھ ہسپتال پہنچے جاتے ہیں۔ کچھ حوالات کی ہوا کھلتے ہیں۔ عاشق کی شب کو اور عاشق کے روز بھی جب تقرے لڑتے ہیں تو یہی جلوس ساتھ رہتا ہے۔

چنمے کی ایک رقم تقرے کے مجاوروں اور منتظموں کے ہنچے چڑھتی ہے جس سے خوب شراب لٹرائی جاتی ہے۔ عشرہ محرم میں کل شراب خانے حکم سرکاری بند کئے جاتے ہیں مگر یہ حضرات پیش بینی کر کے پہلے ہی سے بوتلیں خرید کر رکھتے ہیں۔ ورنہ یوڈمی کو لاں شراب کے حوض خوب آؤتا ہے۔ ان تمام اخراجات سے جو کچھ بچ جاتا ہے وہ زیارت کے روز کچھ پر خرچ ہوتا ہے۔

سنی حاکموں میں تعزین بنانے کا شوق اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ بعض نختہ عاشق خانے

تقریر کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً متحدہ سات تار میں ایک اسی قسم کا عاشور خانہ ہے جسکی مرمت وغیرہ کے اخراجات کے لئے شاید کوئی جائداد بھی مقرر ہے جسکا حساب کتاب مسجد کے حساب کتاب کے ساتھ رکھا جاتا ہے اور مدرسہ محمودیہ متعلق مسجد جامع کی شاخ نظام پورہ کا مکان بھی اسی کام آتا ہے۔

چندائے اسی گروہ میں وہ بھی شامل ہیں جو طرح طرح کے سوانگ بھرتے ہیں کوئی شیر تباہ ہے کوئی بھوت کوئی جوگی۔ کوئی پنڈاری کوئی کبیڑی منجھی۔ کوئی بخاری۔ کوئی عیسائیوں کا پاپا۔ کوئی پارسیوں کا دستور۔ وغیرہ وغیرہ۔ عاشورے کے روز تقریبوں کے ساتھ چکر دہن پر جو سوانگ بنائے جاتے ہیں ان میں بعض ایسی بخش حرکتیں کی جاتی ہیں جنکو دیکھ کر جمالی خود شرماتی ہے۔ ایک آغا صاحب کے ساتھ میرا تعارف تھا۔ انہوں نے ان سوانگوں کو دیکھ کر ایک روز مجھ سے کہا تھا کہ ان سوانگوں کی اصلیت اس طرح ہے کہ نیر کے لشکر کی جب امام حسین کو قتل کر کے تو اسی طرح شیر اور خرس بن کر اکرٹنے اور اینٹینے لگے تھے۔ انکی یہ توقع یہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ قطعاً مقبول اور قریب قیاس ہے۔

اس گروہ کے ساتھ ہندوؤں کی بھی بہت قوتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً گھائی اور کماٹی۔ اور انکائے ساتھ ملجا نا کوئی تعجب کی بات ہی نہیں۔ کیونکہ تقریر پرستی اور بت پرستی میں فرق اگر ہے تو بہت کم ہے۔ بعض پارسی بھی تقریروں پر نذرین چڑھاتے ہیں۔ کماٹی صرف پرستش ہی نہیں کرتے بلکہ خود بھی توڑے بناتے ہیں اور بچے اٹھاتے ہیں۔

اس گروہ کا بیان ناتمام رہ جائیگا اگر بچوں کے متعلق چند جملے نہ لکھے جائیں۔ بچے اکثر چاندی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور شاید انکو بچے لسنے کہتے ہیں کہ انکی شکل انسانی بچہ کی مشابہ ہوتی ہے بعض انہیں ہلالی شکل کے ہوتے ہیں۔ جو نعل صاحب کہلاتے ہیں۔ نعل صاحب غالباً دلدل کی یادگار ہوئے کیونکہ ایک نعل صورت اور سبک باندی کی چیتری بنی ہوئی ہوتی ہے جسکے گرد گھنگروں لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ چترار بچہ امام قاسم کی سواری کہلاتا ہے۔ ایک بچہ بانس کے گڑھ پر ڈنڈے کے ایک سرے پر نصب ہوتا ہے اور بانس کو کسی قسم کی ماسخ یا منہ بکھڑنے کی تہوں سے پوشیدہ کر دیا جاتا ہے۔ غرض بچے کی شکل ایسی معلیٰ

ہے جیسے کسی علم کا حصہ زیرین کاٹ دیا گیا ہو۔

کوئی سات بچوں کو پہلو پہلو ایک تخت پر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور وہ تخت ایک چوڑے سے منڈوے کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ درگاہوں کی طرح اس منڈوے میں بھی موزن رکھے ہوتے ہیں۔ روشنی ہوتی ہے۔ مجروں میں عود۔ لوبان جلتا ہے اور مجادروں اور متقدمین کا جنگھا رہتا ہے۔ یوں تو بچوں پر ہر روز سی نذریں چرائی جاتی ہیں اور ماری ماری سے ایک ایک بچہ گشت کے لئے نکالا جاتا ہے۔ مگر زیادہ دھوم ساتویں تاریخ کو ہوتی ہے جب بروز امام قاسم کی سواری نکلتی ہے۔ بچوں کو سبز کفنیاں پہنا کر اور گھے میں سیلیاں ڈالکر امام حسینؑ کا فیض بھی اسی روز بناتے ہیں۔ شہیدان کر بلا سے جس بزرگ کے نام کا بچہ اٹھایا جاتا ہے۔ نفوذ بالمدان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اس بزرگ کی روح بچہ اٹھائیوالے کے جسم میں حیل کرتی ہے۔ ایسے ہی الکھا اعتقاد ہے کہ بچے بھلا نیکا ہر کس و ناکس کو مجاز نہیں ہے بلکہ وہی شخص بہ شرف حاصل کر سکتا ہے جبکہ رو یا میں جناب سید الشہداءؑ بشارت دی ہو اور بچہ نکلنے کے مقام سے مطلع کیا ہو اسی بشارت کے مطابق ابتداء کسی کنوئیں یا کسی ویرانے سے برآمد ہوتے ہیں۔ یہی میں چوڑے بڑے گل لہزے قریب تین سو کے ہوتے ہیں۔ اور حکم تمیناً ایک ہزار۔

اب میں سنبلوں کے اس گروہ کا ذکر کرتا ہوں جو مذکرہ بالا اعتقادات کو خرافات سمجھتا ہے اور امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ جو ارادات و عقیدت اسکو ہے اسکے اظہار کے لئے مجالس و عطف منعقد کرتا ہے۔ کون ایسا مسلمان ہو گا جو عطف کی مجلسوں کو برا کہے۔ و عطف کے منصفہ ایک نیک قہل ہونے میں کسی مسلمان بلکہ کسی انسان کو بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ اس مضمون کے لکھنے سے اصل عرض یہ ہے کہ ان قابل اعتراض رسموں کا ذکر کیا جاتے جو ہمارے ہاں سوج میں تاکہ ہم اپنے عیبوں پر مطلع ہو کر انکے دور کرنے کی طرف ہوں۔ اسلئے محرم کی مجالس و عطف کے طریقے کا تاریک پہلو ہی میں دکھانا چاہتا ہوں۔

گرافٹ مارکٹ کے قریب انگریزی محلہ۔ محلہ حافظ نظام اور قصاب محلہ تین محلے ہیں جو ایک دوسرے سے اس محلہ کا موجودہ سرکاری نام سرنگ اسٹریٹ ہے اور عوام میں عربی محلہ مشہور ہے۔

سے متعلق اور سزا سی ہیں۔ ان تینوں محلوں میں وعظ کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ وعظ تو ہر
 جگہ میں ہر شب نو بجے سے بارہ بجے تک ہوتا ہے۔ لیکن شیرینی تقسیم کرنے کا وقت آدھ آدھ گھنٹہ
 کا افتادہ ہے۔ مثلاً۔ زنگاری محلہ میں اس بجے۔ محلہ حافظ نظام میں ساڑھے دس بجے اور
 رانا محلہ میں گیارہ بجے شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ یرمبی میں محلہ حافظ نظام میں رہتا تھا اسلئے
 وہاں کی کیفیت یہ رہی کہ دیکھنے میں آتی تھی۔ شیرینی تقسیم ہونے کے قبلی عامین وعظ
 کی تعداد و شکل پچاس ہوتی ہوگی۔ لیکن جہاں زنگاری محلہ میں شیرینی تقسیم ہو چکی وہاں سے
 لوگ اٹھ اٹھ لوگ ہمارے محلے میں جوق جوق آنا شروع ہوتے تھے۔ دس پندرہ منٹ میں
 تمام محلہ مرد و عورت اوپر کچوں سے ہرجاتا تھا اور وہ ہجوم ہوتا تھا کہ راستہ چننا دشوار ہو جاتا تھا
 شور و غل بھی اس قدر بلند ہوتا تھا کہ وعظ کی آواز نہ کہانی اگر باس بیٹا ہوا شخص بھی روز سے نہ
 بولے تو نہ سمجھ سکے نہ کیا کہ رہا ہے۔ شیرینی کی ایک ایک ٹلی کے لئے سامعین وعظ کی بے
 صبری! بعض کا ایک سے زیادہ وضع کردہ ہر حصہ حاصل کرنے کی کھیلک کوشش۔ شیرینی
 تقسیم کرنے والوں کی جھگڑاں اور کھڑیاں۔ غرض عجیب طوفان بے تمیزی کا سماں ہوتا ہے
 اس موقع پر جو روتوں، دوا جو حالت ہوتی ہی اسکے بیان کر سنے سے نہ بیان کرنا بہتر ہے! شیرینی
 کی تقسیم ختم ہوتے ہی ہر گھنٹا سا ہوجاتا تھا جو آدھ گھنٹہ پیشتر تھا۔ اوپر قصاب محلہ میں یہی نظارہ
 نظر آتا تھا۔ متاثرہ بالا کیفیت پڑھ کر آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ مجلس وعظ منعقد کرنے سے
 جو اصلی منشا تھا وہ کہاں تک حاصل ہوا۔ جہکولازم ہے کہ یا تو ان مجلسوں کے انعقاد کا کوئی
 ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے وعظ اصلی مقصد حاصل ہو یا جو روپیہ ان مجلسوں پر خرچ ہوتا ہے
 اسکو کسی دوسرے نہایت حقیقی فائدے کے کام میں صرف کریں۔ موجودہ صورت میں تو لوگوں
 مابیان مجلس کی تقسیم نام کے اور کسی نفع کی توقع نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے کل محلوں میں اس
 قسم کی مجلسیں عشرہ محرم میں منعقد ہوتی ہیں اور ہر مجلس کا روزانہ خرچ جسمیں شیرینی۔ آرائش
 روشنی اور وعظ و منقبت خوان کی فیس شامل ہے بالواسطہ ڈیڑھ سو سے دو سو روپے
 تک ہوتا ہے۔ ان مجلسوں کے لئے اگرچہ نہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بعض مشہور اشخاص خود متکفل
 ہوتے ہیں۔

شیعوں کی سننے نہ بھی ہیں شیعوں کی چار فرقے ہیں۔ ایرانی۔ سنی۔ دوسری اور سنیائی پورے اور جو ان چار فرقوں کو علاوہ شیعیان کہنہ وغیرہم بھی کب معاش کے لئے یہاں مقیم ہیں۔

مغلوں کے امام بازو نہیں آغازین العابدین کا امام باڑہ قابل دید ہے۔ اس امام باڑے میں دو صحن ہیں اور ایک بالا خانہ۔ بالا خانے پر روضہ خوانی ہوتی ہے۔ ایرانی علماء کی فصیح اور بلیغ روضہ خوانی سننے کے قابل ہوتی ہے۔

بیرونی صحن میں یو شہری سینہ کو بی کرتے اور بڑے زور سے سینہ پیٹتے ہیں۔ کوئی دوسو قدم کے فاصلہ سے سینہ کو بی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ لوگ اس طرح سینہ کو بی کرتے کہ کہیں تیس آدمی ایک طبقہ بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں ہر شخص بائیں ہاتھ سے اپنے ہتھکا کا کمر بند پشت کی جانب سے تھام لیتا ہے اور دائیں ہاتھ سے چھاتی ٹپٹا جاتا ہے اور ایک شخص پیچ میں کھڑا ہوا کسی مرثیہ کے ایک شعر یا ایک مصرعہ کو بار بار دہرا کر گلوں بھارتا جاتا ہے۔ یہ طبقہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ پر گہوڑا بھی جاتا ہے اور تال کے لحاظ کے ساتھ پیچ میں تھوڑا تھوڑا وقفہ دیکر تین تین دفعہ سینے پر ضرب لگاتا ہے۔ یو شہریوں کی حرکت پر جوش و خروش اور محو نہ ہوتی ہے۔ بعض ناخوشوں سے چھاتی کو زخمی کر لیتے ہیں جس سے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں ایک دفعہ سینے دو شخصوں کو دیکھا تھا جو باریک زنجیروں کے نیچے اپنی پیٹھ پر راتے تھے جہاں ضرب لگتی تھی وہ بے مقام بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔ اور شائد جیس بھی ہو گیا ہو۔ کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ وہ محرم ہی میں نہیں بلکہ تمام سال اس طرح کیا کرتے ہیں۔

اندرونی صحن کے وسط میں ایک مستطیل حوض ہے۔ حوض کے چاروں طرف ایک قطار میں شیرازی کھڑے ہو کر سینہ کو بی کرتے ہیں۔ شیرازیوں میں ایک شہری انداز پایا جاتا ہے اور انکی ہر ایک ادا ان کو یو شہریوں کے گنوارین سے علیحدہ کرتی ہے۔ یہ لوگ سینہ زنی بھی آہستہ کرتے ہیں اور انکی مرثیہ خوانی بھی خوش الحانی کے ساتھ ہوتی ہے۔ یو شہری شہریت پر طنز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکی طرز زنا ہے۔ سینہ زنی اکثر فرما کرتے ہیں جو لوگ مبتول یا مرفہ حال ہوتے ہیں وہ سینہ زنی میں شامل نہیں ہوتے اور اگر دگر سیوں پر مشہور کہ کلیان یا سگرٹ پیٹتے ہیں اور کہیں آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوتے ہیں۔ سینہ زنیوں کو

لگ رہی اندرونی صحن سے علیحدہ کر دیا جاوے تو یہ نہ معلوم ہو کہ پچیس غزاداری ہے بلکہ اسپر ایک ہینڈ اور شالہ الونگ پارٹی کا دھوکا ہوتا ہے۔

مغلوں کا وہ فعل جس سے حضرات محبتدین بھی ناراض ہیں اور جسے غلاف فتوے دیتے ہیں۔ ان کا شبیہ بنا ہے۔ شبیہ کو واقعات کر یا کانامک سمجھنا چاہئے جو بغیر مردوں کے کھلے میدان میں کیا جاتا ہے۔ کل اہل بیت کے کیر کٹر بنائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض امر و لڑکے پیسوں کی نقل بھی کرتے ہیں! نہیں معلوم یہ نہتک آمیز دل و کبانو الافضل کیوں روار کہتا ہے۔ اگر کوئی خود ہمارے باپ دادا کا ایسا تماشا کرے اور سوانگ بنائے تو ہجو کو قدر پہنچ ہو گا اور غصہ آئیگا! پھر کقدر افسوس کی بات ہے کہ جن بزرگوں پر ہم اپنے والدین کو قربان اور اپنی روح کو فدا کر دیا اور عوئے کرتے ہیں انہیں کے واقعات جاگزا کو نقل محفل بنا دیں۔ کیا اہل بیت کی محبت اور امام حسین کے غم کا ہمارے دلوں میں قائم اور ہمارے سینوں میں تازہ رہنا ایسے ہی سالانہ جلسوں کا محتاج اور انہیں پر منحصر ہے؟

میں نے جب یہی سوال اپنے بعض مغل اہباب سے کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ جیسے سنی بہت سی حرکات ناشائستہ کرتے ہیں اور آپ الکا السند انہیں کر سکتے اس طرح ہمارے مغل بھی جیلا ہیں یہ رسم قبیح جاری ہوئی ہے ورنہ علما اور محبتدین اس امر کے سخت مخالف ہیں۔ آغاذین العابدین کے امام باڑہ میں صرف شب عاشورہ کو شبیہ ہوتی ہے سینے غالباً اس امام باڑہ میں وہ دفعہ شبیہ دیکھی ہے۔ ایک دفعہ امام حسین اور علی اصغر کا شبیہ ہوتا دیکھا یا گیا تھا اور ایک دفعہ علی اکبر کی شہادت۔ آغا خانی خوجوں کے جماعت غلطے میں عرہ محرم کی شبے عاشورے کی شب تک ہر رات شبیہ ہوتی ہے۔ وہاں ایک رات میں گیا اور امام قاسم کی شبیہ دیکھی تھی نہ ہا نہیں آغا خان کے حسین آباویں جہان ان کے جد کا مقبرہ ہے عاشورے کے روز علی الصبح شبیہ ہوتی ہے۔ ایک دفعہ وہاں بھی میں گیا تھا لیکن اس قدر راز و مہم تھا کہ میں دیکھ نہ سکا کہ کونسی شبیہ کی گئی ان مقامات پر کسی سخیہ کا گذر نہ نہایت دشوار ہے اور میں نے کسی سنی کو وہاں نہیں دیکھا۔ چونکہ بہت سے مغلوں کے ساتھ میرا بغاوت ہے اور میں ہمیشہ امام باڑہ میں جایا کرتا تھا اسلئے کوئی میرا زورم نہیں ہوا

اور نہ پولیس کا سخت پھر رہتا ہے۔ البتہ وہاں بعض یورپین مدعو ہوتے ہیں۔
 جن دنوں مجھے ان شبیہوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا انہیں دنوں اخباروں کے
 ذریعے معلوم ہوا تھا کہ اہل فرانس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹانگ کرے کا ارادہ
 کیا تھا اور گوکہ الکا منشا اس ٹانگے کرنے سے آنحضرت کی جہتک کر کے مسلمانوں کو ہر گمانا
 نہیں تھا بلکہ وہ آنحضرت کو بیرونی کارکنی خوبیاں ایک موثر پیرائے میں دکھانا چاہتے
 تھے۔ تاہم باب عالی کی ایما اور مسلمانوں کی دل آزاری کے خیال سے وہ اپنے اس ارادہ
 سے باز رہے۔ وہ تو اہل فرانس شاید مغلوں کے اس فعل سے واقف نہیں تھے ورنہ
 باب عالی اور اہل اسلام کو ساکت ہونا پڑتا اگر وہ انہیں شبیہوں کا حوالہ دیکر اپنے فعل
 پر استدلال کرتے۔

داؤدی بیروں۔۔۔ میں کبھی نہیں گیا لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ
 عبادت اور مشیہ خوانی میں زیادہ مشغول رہتے ہیں اور ظاہر انہیں کوئی بدعات شنیدہ دیکھنے
 میں بھی نہیں آتیں۔

سلیمانیوں کی حالت کو بھی انہیں پر قیاس کر سکتے ہیں۔ انکی مسجد میں داؤدیوں
 کی طرح صبح کو مجلس و غلہ منعقد ہوتی ہے اور رات کو مشیہ خوانی۔ سلیمانیوں کی مسجد میں
 دو تین دفعہ گیا ہوں۔ مسجد کے طبقہ زیرین میں مردانہ نشست ہوتی ہے اور بالا خانے پر عورتیں
 بیٹھتی ہیں مردانہ میں ایک کرسی رکھ دی جاتی ہے اور جو شخص چاہتا ہے باری باری سے
 کرسی پر بیٹھ کر مشیہ پڑھتا ہے۔ اور لوگ فرش پر بیٹھتے ہیں اختتام مجلس سے پہلے ہر شخص
 کو گرم گرم دودھ کا ایک ایک پیالہ دیا جاتا ہے جس میں بادام پستہ وغیرہ کتر کر ڈالے ہوتے
 ہیں۔

شیعان لکھنؤ و کشمیر وغیرہم کی مجالس غزاداری میں مجھے مشمول کا اتفاق نہیں ہوا اسلئے
 اسکے حالات لکھنے سے قاصر ہوں۔

میں نے نو مرتبہ بمبئی ہی کا حال لکھا لیکن مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کا محرم
 ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں نادان مسلمانوں کا محرم میں کم و بیش یہی طریقہ مجھے خبر ہے

اور ان کا لکھوں روپیہ ہر سال اس طرح بہاؤ اور انگان جاتا ہے
 بہاؤ اور ان ملت اسم اپنی گاڑی کمائی کا روپیہ تو یوں ضائع کریں اور پھر اپنے
 عزیز بچوں کی تعلیم اور سرکاری ملازمت کے لئے خاص تو جہ اور خاص رعایت کی استدعا
 کر کے گورنمنٹ کے سامنے گڑ گڑائیں اور جبر کیاں کہائیں! اغیار کے سامنے ہاتھ پساؤ
 سے تو ہمارا منٹا بہتر ہے۔ فاعتبی وایا اولی الابصار! ۵۔

خافظ و طیفہ تو دعا گفتن است پس

دریندایں مباحث کہ تشدید یا تشدید

عبداللہ حافظ باحفظہ (نیلیم باغ بھاؤنگر)

رسالہ اصلاح رسم و رواج و عادات

اسم اپنے لائق دوست سید جمال احمد ایڈیٹر سہارن پور کے ایک قیمت سالانہ انہوں
 نے کم کر کے اسکو خالص پائلٹس کے لئے محدود کر دیا ہے، کا یہ مضمون پچیسہ خوشی سے
 پہلے ہے۔ انہوں نے متوسط طبقہ کے مسلمانوں کے لئے اسکو قلمبند کیا ہے۔ میں اس پر جب
 ضرورت آئندہ رائے دوں گا بالفعل جد صاحبان رائے اور صاحبان اخبار خاصہ کہ ممبران
 کمیٹی تنظیم صیغہ اصلاح اسپر رائے دیگر مضمون فرمادیں۔ (ایڈیٹر)

دیساجہ

مباحثہ یا عرفیہ مجتہدین اصلاح تمدن

سب سے پہلے میں نے اصلاح تمدن کے بارے میں ایک مضمون بعنوان ”رسوم مروجہ اور انکارتار“
 عصر جدید میں لکھا جو کہ پانچ سہ ماہی شائع ہو چکا ہے اور اس مضمون میں میں نے ممبران اصلاح
 تمدن سے درخواست کی تھی کہ اسپر اپنی رائے ظاہر فرمادیں۔ چونکہ علاوہ سکریٹری صاحب کے
 مستثنیات کے اکثر صاحبوں نے اسپر رائے مضامین لکھے اور میں خوش ہوں کہ میرے بڑے
 کام میں اتفاق کیا گیا اس کے بعد میں نے اور بھی چھوٹے چھوٹے مضامین اس صیغہ کے مقصد
 تھا لیکن اس اتفاق کے بعد میں نے یہ خیال رکھا کہ ایک دستور العمل اس صیغہ کے لئے بنایا جائے
 گا گنڈرنا ہمارے ہر محکمہ پر یہ خیال رکھا کہ ایک دستور العمل اس صیغہ کے لئے بنایا جائے

چنانچہ بہت فور کے بعد یہ دستور العمل آپ صاحبوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور ایسے اسپرگز اور انہ
طور سے بحث کر رہی درخواست کی جاتی ہے۔ کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ اسمیں بہت کچھ کمی ہے
جو کہ بحث کرنے کے بعد طے پا سکتی ہے۔

میں نے چند اصول بھی جو کہ گو میرے ذاتی ہیں مگر اس خیال سے کہ شاید میرا اصلاح خمدان
کے لئے مفید ہوں نقل کرتے ہیں۔

اس امر کو ہر فریق اور ہر خیال کے لوگوں نے مان لیا ہے کہ ہماری اکثر رسومات ترک کرنے
کے قابل ہیں اس لئے میں اسپر بہت تھوڑی بحث کر دینگا۔

میرے ایک دوست نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ کیا ہمارے اباد اجداد جو قوف تھے جنہوں نے
یہ رسوم قائم کئے تھے۔ میں عرض خیال کرتا ہوں کہ میں اپنے مضمون کے ساتھ اس جواب کو بھی شامل

کرتا ہوں جو سیٹے اکتو دیا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ میرا خیال یہ ہے نہیں ہے کہ وہ لوگ جو قوف
تھے۔ بلکہ یہ رسوم جو انہوں نے قائم کئے تھے۔ اس زمانہ کے لحاظ و خیال سے اعلیٰ درجہ کے رہے ہونگے

مگر اب نہ وہ زمانہ ہے اور نہ اب وہ ہماری حالت ہے ہم زمانہ کے ساتھ ان رسوم کو قائم رکھ کر
ہرگز نہیں چل سکتے اور نہ اب وہ رسوم موجودہ زمانہ کے لئے ویسا ہی ضروری خیال کئے جاسکتے

ہیں جیسا کہ پہلے خیال کئے جاسکتے تھے۔ دوسرے ہم میں بہت سے رسوم ایسے ہیں جو کہ دوسرے زمانہ
سے جو چرہ بگڑا کر اختیار کئے گئے تھے۔ مثلاً ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت سے رسوم ایسے ہیں

کہ ہندوؤں کے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ان رسوم کو قائم رکھیں۔
جن رسوم کو انہوں نے بہتے ہیں ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آیا یہ کیوں ضروری ہیں۔

بہت سی رسمیں مثلاً بجات۔ رسوم وغیرہ ایسی ہیں جو کہ صرف ناموری کے خیال سے قائم کی گئیں
تھیں مگر اب انکی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انسان کو اپنی ناموری کی کوشش نہ کرنا

چاہئے ضرور کرنا چاہئے مگر کوشش کرنے کے قبل مدباتوں کا خیال کر لینا چاہئے۔
اول یہ کہ کن باتوں میں ناموری ہوتی ہے دوسرے یہ کہ ناموری بقدر خرچ کر کے

حاصل کرے بمقدور وسعت ہونہ یہ کہ اپنے آپ کو تباہ کر کے آجکل کے زمانہ میں انہیں مد
باتوں کا خیال کیا جاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں بیشک ۴۰۰۰ ہزار روپیہ ایک رسوم کے لئے خرچ کرنا

نامور می خیال کجالی تھی مگر اب ان باتوں میں کوئی ناموری نہیں ہے۔

دوسرے پہلے لوگوں کو دعوت تھی وہ اس قدر خج کر سکتے تھے مگر زمانہ موجودہ میں اگر ہم اپنی زندگی عزت سے بسر کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو ایسے فضول مراسم نہ قائم کرنا چاہئیں اور نہ ہم ان مراسم کو قائم رکھ کے کچھ پس انداز کر سکتے ہیں بلکہ ان مراسم کے بجالانے کے لئے کسی مہاجن کے دروازہ چلانا پڑتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں میں وہ وسعت اور متول نہ رہا تو لوگوں نے اپنی اس ناموری کے لئے قرض لینا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ دو گھنٹہ کی واہ واہ تو ضرور ہوا۔ مگر چند دنوں کے بعد مہاجن کے تقاضی نے اس کو پریشان کر دیا۔ اور وہ سب ناموری خاک میں مل گئی۔

پس ایسی حالت میں کسی کو ایسی امید رکھنا کہ اس کو ایسی باتوں میں ناموری ہوگی غلط ہے مذہب کی رو سے بھی اگر غور کیا جائے تو ان امور کی مخالفت ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یحب المفسرین۔ یعنی تحقیق اللہ دوست نہیں کہتا فضول خرچ کرنے والوں کو۔

ناظرین! اس قدر بحث جو میں نے رسومات مروجہ کے خلاف کی گو میرے مقصد سے ضرور کچھ بٹی ہوئی ہے مگر غالباً آپ کے لئے باعث دلچسپی ضرور رہی ہوگی۔

اب میں آپ سے معافی مانگ کر انسان کی زندگی پر غور کرنا چاہتا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ وقت سے مرنے تک اور بعد موت کے قیامت تک بسے تھاتے ہیں ان پر غور کرنا چاہتا ہوں مگر قبل اسکے کہ میں کچھ لکھوں میرا فرض ہے کہ میں کبھی بتاؤں کہ جو بات میں خلاف لکھنؤ یا کوئی بات رہ جائے اس کی نسبت ناظرین اپنی رائے ظاہر کریں۔

چند فلسفیانہ اصول

۱، انسان کو پہلے اپنی حالت درست کرنا۔ بعد ازاں اپنے گہر کی پھولنے غلاف ان کی پیروی کی اور پھر تمام قوم کی۔

۲، اگر دوستی کا یہ پیدلہ قائم نہ رہا تو کوئی حالت درست نہیں ہو سکتی
۳، انسان کو مروت یا نیکی اسی حد تک کرنا چاہئے جب تک اس کو کوئی نقصان نہ ہو اور اگر نقصان ہو تو بہ مروت اور نیکی نہیں۔

۴۶، جو کام کر دے کہنے کے قبل اسکے نتائج اور من و مقصد پر خوب غور کرے تاکہ آئندہ نیکو و فاسد بر داشت کرنی پڑیں۔

۴۷، دوسروں سے مشورہ لینا عمدہ اصول ہے مگر اس شخص سے مشورہ لو جس کا کوئی اعتراض اس کام سے نہ ہو اور جو کہ آزادانہ رائے دے سکے نہ کہ تمہاری ہاں میں ہاں ملائے یا تمکو خوش کرنے کیونکہ ایک بے مصلحتی کا قول ہے کہ مشورہ اُس سے لینا چاہئے جو کہ رو لائے نہ کہ ہنسائے۔

۴۸، خوب یاد رہے کہ زمانہ کبھی یکساں نہیں رہتا اور اس میں قوت کہریائی ہے پس جو تبدیلیاں کہ زمانہ میں عیوں آنے کر نکلیا نہیں کے موافق ہمیشہ تیار رہو۔

۴۹، اپنی زندگی باعدال کے ساتھ بسر کرنا بڑا دلو کہ دوز میں کسی مالتح نہ ہو اور نہ گناہوں کہ لوگ نیکو ذلیل سمجھیں۔

۵۰، جو آسانی نیکو ہوا اس میں سے کہے کہ کم ۲۵ فیصدی بچاؤ۔

۵۱، موجودہ زمانہ میں انگریزی میں طرز معاشرت بہت عمدہ ہے مگر منیات، سرکرات، اور بیجا مصارف سے ہمیشہ بچے رہو اور انگریزی پوشاک بھی کچھ عمدہ نہیں مسلمانوں کی قومی وردی ترکی ٹوپی اور کونٹ علیگند ہی پائیجامہ اور انگریزی جوتا بہت ہی عمدہ ہے۔

۵۲، تمام لوگوں سے کشادہ پیشانی اور اخلاق سے ملو۔ لیکن اس بات کا خیال رکھیے کہ تمہارے اخلاق سے بدفعار لوگ تا مگر نفا نہ اٹھا دیں۔

۵۳، زمیندار بنی میں رعب اور دبدبہ کا ہونا لازمی ہے۔

۵۴، لوگوں سے کبھی مصاحبت نہ کرو ورنہ گستاخ ہو جائیں۔

۵۵، بلا قصور و گروں پر خفا ہونا یا انکو کھانا بہت فضول ہے۔

۵۶، قرض لینے و دینے سے بہت بچو غرضوں اور دوستوں کے معاملہ میں اس اصول پر چلیں۔

۵۷، جو روپیہ کہ اپنے آرام کے لئے خرچ ہو نہ بہت اچھا ہے، بہ نسبت ایسے کہ غرضت یا کام کے لئے خرچ کیا جائے۔

۵۸، ایسی جگہ بہت جاو جہاں سمیڑ نہ بندھی ہو تو اس قدر عزت نہ ہوگی۔

دعا، خودزاری اور انکساری اپنے مقام کے لئے عمدہ ہے
اور سچائی اور ایمانداری اصلی درجہ کے جوہر ہیں۔

۱۹۰، حساب کے معاملہ میں ایک ایک پیسہ کو خیال کرنا چاہئے۔ حساب جو خوش سوسوہ
۱۹۱، تنہی الامکان اپنی آزادی کو ہر موقع پر قائم رکھنا چاہئے۔

۱۹۲، مذہبی فرائض سے کبھی نہ غافل رہنا چاہئے۔ (۱۹۳، حتی الامکان اپنی زندگی خوش گزارنا
چاہئے۔ ۱۹۴، حسن و بری اچھا ہے جو دل کو بھلے اور خشن وہی مناسب جس سے آرام

۱۹۵، لڑکوں کو کبھی روپیہ پیسہ نہ دینا چاہئے۔ نال اپنی ضروریات اور خوشیوں کو چند
کوئی نقصان نہ پہنچا کر دینا چاہئے۔ ۱۹۶، جن بات کو عمدہ سمجھے پیسہ خرچ کرے اور پھر
دوسروں سے کر نکلیں گے۔

چند اصول بطور مقدمات

(سوم خوشی)

۱، تمام رسوم خوشی بجز (رسوم سادہ) بہم آلودہ حقیقہ اور عتدہ ترک کیے جائیں۔
۲، جن رسوم کو ہم ادا کریں گے وہ بھی نہایت کفایت کے ساتھ کئے جائیں گے بلکہ تفصیل آئندہ
درج ہوگی۔

۳، کسی تقریب میں ناچ نہ کیا جائیگا۔

(رسوم خوشی و لاوت)

جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو لاوت کے روز علاوہ چھٹی اور چھٹکے بڑی دھوم مچاتی ہے
اور ہزاروں روپیہ میراثیوں اور گویوں وغیرہ کی نذر کیا جاتا ہے۔

ہمارے یہاں یہ تمام رسوم فضول ہیں مناسب یہ ہے کہ اگر کچھ عادت ہو تو اپنے
احباب کی دعوت و لاوت کے روز کر دیجئے یا کچھ شہرینی تقسیم کرادی جائے اور کچھ خیر

بھی کر دیجئے مناسب ہے کہ خاندان کی عورتیں مبارکبادی کے لئے جاویں اور صاحب خانہ
انکی دعوت کرے۔ اگر انڈیون غامہ اعتدال کے ساتھ گانا ہو تو کچھ مضامین نہیں۔

حقیقت

یہ رسم ایک مذہبی رسم قرار پائی ہے اسلئے اسکا ہونا ضروری ہے مگر اسمیں کسی ظاہری شان و شوکت کی ضرورت نہیں۔

لبسم اللہ

یہ رسم مسلمانوں میں بہت عرصہ سے کیونکہ اسروزائے کے کو باضابطہ طور سے تعلیم کیجاں تب تو جبہ والی لڑکی مگر اگر دیکھا گیا ہے کہ بعد ازاں لڑکی رسم بدلتوں تعلیم نہیں دیا جاتی۔ لہذا مناسب ہے کہ جبوقت یہ رسم ادا کیجائے اسوقت سے باضابطہ تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے۔ مگر اسمیں بھی بہت سے فضولیات کا بڑا بڑا رواج ہے۔ مثلاً ناچ یا گزرت سے شیرینی کا تقسیم ہونا۔

بہات مناسب ہے کہ لڑکے جو ہمیں ہوں انکو ہمارا خاندان

اور ہر اوری کے لوگوں کو جمع کر کے ایک مختصر سا جلسہ ترتیب دیا جائے بعد ازاں لڑکی رسم حاضرین کو شیرینی تقسیم کیجائے۔

چونکہ اسروزائے کی تعلیم ابتدا کیجاتی ہے اسلئے اگر روشنی وغیرہ کیجائے تو کچھ مضائقہ نہیں مگر اعتدال کے ساتھ۔

ختم۔ یہ رسم بھی دہود و حام سے کیجاتی ہے اسمیں بھی فضول چرخی کا بڑا دخل ہے۔ ہماری رائے میں یہ رسم بھی محدود ہونی چاہیے ختم کے بعد ٹھوڑی سی خبرت کر دیا جائے تو بہت مناسب اور غسل صحت کے بعد لڑکے کو اختیار دیا جائے یا والدین خود اپنی لڑے سے اسکے ہمن لڑکوں کو جمع کر کے ایک دعوت دیں یا شیرینی تقسیم کریں۔

قبل بلوغ شادی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے جہاں ہندوئوں اور راسم اختیار کئے ہیں انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے مگر مسلمان ہونا خواہ ہندو قبل بلوغ شادی کے مسئلہ میں نہایت غلطی میں ٹپہ ہوئے ہیں اگر تہوار سا غور کیا جائے تو یہ بات نہایت ہی بے بسی سے مستحکم ہو جائیگی کہ شادی کا منشا قبل بلوغ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

کیا منشا شادی کا ہے؟ عذر کرنے سے معلوم ہوتا ہے ایک حکمت تو قدرتی ہے دوسری انسانی ہے، قدرتی حکمت کیلئے خدا نے مرد اور عورت میں ایسی قوت عطا کی ہے جس سے

دو فوں کے ایک جگہ جمع ہونے کی ضرورت ہے اور جبکہ نتیجہ از زیادہ مخلوق قرار دیا ہے۔
بزرگوں کے سنا ہے کہ قبل بلوغ شادی سے ایسا ہو سکتا ہے۔

دوسری حکمت جو کہ انسانی کچی بنا رہی ہے۔ حالانکہ ایک لحاظ سے وہ بھی قدرتی ہے وہ یہ کہ انسان دراصل الطبع پہنچا ہے اور اس کے ایک ایسے مونس کی ضرورت ہے جو کہ اس کی خوشی اور غم میں برابر کا حصہ لے اور ظاہر ہے کہ وہ عورت سے زیادہ کیونٹی نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر قبل بلوغ شادی میں یہ نتیجہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہر معاشرے کی عورتیں ہیں کہ خانہ داری کے کام بالکل عورت ہی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں مگر ایک کس عورت پر کون کاموں کو انجام دے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ قبل بلوغ شادی میں بہت سے طبعی نقصانات بھی ہیں۔

بس جہاں تک غور کیا جاتا ہے "قبل بلوغ شادی" انشا انتظام خداوندی کے بالکل خلاف ہے۔

مراسم قابل اصلاح یا قائم رکھنے کے

بارات | ہمارے یہاں بارات نکالنے میں عجیب طوفان بے تیزی کیا جاتا ہے کثرت سے لوگ باراتی بن کر جاتے ہیں کچھ گھوڑے پر کچھ ہاتھی پر کچھ پیدل۔ ہماری بڑے بڑے اہل و عیال کثرت میں چلتے ہیں۔ دوسرے اگر سواروں پر ہوں تو سب ہوں۔ ماہر دہن کی جانب سے انتظام کیا جائے کہ مکان کافی فرش درخشانی اور چھوٹوں سے آراستہ کیا جائے اور جب بارات پہنچے تو اس کی پشوالی کی جائے۔

جہیز | جہیز کا قاعدہ ایک لحاظ سے عہد ہے۔ کیونکہ جب لڑکی رخصت کی جاتی ہے تو اس کو تمام ضرورت کی چیزیں دیکر رخصت کئے ہیں مگر اس میں کچھ اصلاح کی ضرورت ہے جو کہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ میرے نزدیک جہیز سولے تہات فردی لباس کے باقی فضول ہے۔ نقد دینا تاکہ حسب ضرورت اپنا انتظام وہ تو کر سکیں۔ البتہ کچھ چیزیں جو کہ قیمتی ہیں۔ ان کی ضرورت ہے۔ ضرورت

بیوی رات | اکثر اس لڑکی کو شش کجائی ہے کہ مقدر زیادہ زلیو رہتا ہے اور اس مقدر

اپنی نظر ناموری ہے اور ہندوستان کی موجودہ روشنی کے موافق یہ خیال ٹھیک بھی ہے
 مگر جبکہ زمانہ نے تمام باتوں کو بدل دیا تو ٹھکانہ اس میں بھی بہت کچھ اصلاح کرنی چاہئے۔ میں اپنی
 لوگوں سے بھی مخالف ہوں جبکہ خیال ہے کہ زیورات ایک دم سے بیکار ہیں کیونکہ زیورات
 عورتوں کی زیبائش کے لئے ہیں اور زیبائشی اشیا کی جانچ اکائی کے اصول طے نہیں ہوا
 کرتے تھے بلکہ زیورات کی جانچ اسبطہ تعمیر سے کرنا چاہئے جیسے کہ دوسری اشیا خوردوں کی جانچ
 کے لئے ہو اگر کرتی ہیں کیا وجہ ہے کہ ہماری نمٹائی میں ایک ہیرا جڑا ہوا جو تو عورتوں کے کام میں
 نبھانہ ہوا تاکہ گھٹے میں ایک خوبصورت گلوبند ہاتھوں میں خوبصورت کڑے نہوں۔ ہاں
 جو بات قابل اصلاح ہے وہ اس قدر ہے کہ زیورات کی اس قدر کثرت نہ کی جائے بلکہ جب
 ذیل زیورات عورتوں کے لئے مقرر کئے جائیں۔ کان میں بندے یا پتلی سی یا لیاں۔

گھٹے میں۔ ہار گلوبند۔ ہاتھ میں انگلیں۔ چوڑیاں اور کڑے۔ بس اتنے زیورات ہر ایک
 بہت کافی ہیں اور عورتوں کی زیبائش بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ البتہ خیال رکھنا چاہئے
 کہ جو چیز دی جائے اچھی ہو (مگر یہ کون کہتا ہے کہ آپ کی نمٹائی ہو تو اس میں ہیرا ضرور ہو بیشک زیورات
 کی تعداد کم کرنی چاہئے اور ایک دم انکو بند کرنا مضر ہے (ایڈیٹر)

کپڑے۔ جینز میں کپڑے بھی بکرتے جاتے ہیں گو وہ کسی حالت میں خراب نہیں ہوتے
 مگر اس قدر کپڑوں کا دینا فضول ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو کم سے جائیں مگر پر وہ پوش اور پائے
 بیکار اور بے فائدہ اور غیر ضروری کپڑوں کی پٹلیں نہایت لغو ہیں۔ اور یہ خیال ہے کہ گرمی اور
 سردی دونوں موسم کے لئے موزوں ہوں۔

ظروف و دیگر اشیا۔ جو طوفان بے میزی جینز میں ظروف کے جینے میں برتا جاتا ہے شاید کہ
 کسی بارے میں نہ برتا جاتا ہو اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ ظروف اس قدر بیکار اور زائد دی جاتے ہیں
 کہ بجز کوٹھری میں مقفل کرنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ لہذا ان ظروف کا وینا بند ہونا چاہئے
 اور بجائے ان کے ایسے ظروف سے جائیں جو کہ طرز معاشرت کے مناسب ہوں۔ مثلاً چینی اور تام
 چینی کے گلاس۔ لائٹین اور لمپ۔ میز۔ کرسی ویاں۔ قالین وغیرہ وغیرہ۔

مانجھا خانہ۔ یہ دوسرے جگہ ذرا بعد سے نوشتہ کے اجاب ایک مقام پر جمع ہو کر کچھ کہیں گے۔

کہتے ہیں یا شیرینی کہاتے ہیں یہ رسم واقعی ہر لحاظ سے بہت ہی اچھی ہے۔ ہماری بعض لڑکیاں اسکی مخالفت اس بنا پر کرتی تھیں کہ اس میں بہت سے حرکات ناشائستہ مثلاً مارکوت وغیرہ بھی جاتی ہے ہم کہتے ہیں کہ انسان اپنی تمام زندگی میں ایسے ناشائستہ حرکات کہ جو معاف ہونا چاہئے کیونکہ شادی کا زمانہ ایسا ہوتا ہے جہیں ہر قسم کی خوشیوں اور دلچسپیوں میں حصہ لینا چاہئے۔ ہماری طرف یہ رسم نہیں ہے۔ ہمارے دوست یا کہیں۔ بنیا و ظلم و جہاں ان کے بونڈا (ایڈیٹر)۔ دولہا کو میوہ یا شیرینی دلہن کے یہاں لٹیا جاتا ہے یہ دستور اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب بات جاتی ہے تو دولہا دلہن کے یہاں میوہ یا شیرینی لیجا کر اسے اس رتہ کو تقسیم رکھنا چاہئے مگر کثرت سے میوہ یا شیرینی نہ لیجانا چاہئے۔ جیسے کہ دستور ہے بلکہ کچھ لیجانا چاہئے۔

اشاندہ بری سے مراد ہے جو ایک فضول رسم ہے۔ سب ممبرانہ دیویں (ایڈیٹر)۔ دعوت و لیمہ۔ ہمارے یہاں دعوت و لیمہ کی رسم نہایت ہی عمدہ ہے لہذا ان تمام لغویات کو اوڑا کر دعوت اور نکاح کی رسم جاری رکھی جائے۔ (سنت بھی ہے ایڈیٹر) پوشاک۔ ایک چیز جو اصلاح طلب ہے وہ دولہا کی پوشاک ہے معلوم نہیں کہ کونسی شوک ہے جو دولہا کو وقت شادی زیب تن کرانی جاتی ہے۔ لہذا اسکو ترک کرنا چاہئے۔ مگر ترک کرنے کے بعد جو سوالیہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کونسی پوشاک اختیار کی جائے۔ کیونکہ ہماری کوئی قومی پوشاک کسی زمانہ میں مخصوص نہیں رہی۔ ہماری رائے ہے کہ پوشاک نیکہ بالکل دولہا کی طرز معاشرت پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر دولہا انگریزی تعلیم یافتہ ہے۔ مگر کی ٹوپی علیحدگی پا جامہ بہت موزوں ہے اگر دولہا عربی تعلیم یافتہ ہو تو مروجہ لباس عباد عامہ خوشنما ہوگا۔ (میرے نزدیک تو شادی میں عباد عامہ سب کو پہنا چاہئے تاکہ عمر بھر کی فتح تو اپنا اصل لباس پہنے (ایڈیٹر)۔

تہوار۔ مسلمانوں کے اصل میں دو تہوار ہیں۔ عید اور قربان عید اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں موقعوں پر خوشی کرینا حتیٰ ہے۔ مگر وہیں تک جہاں تک جائز ہے کہ صرف اتنی ہی ہو سکتی ہے کہ سب مسلمان ایک جگہ بیٹھ کر اس روز کھانا کھائیں اور یہ ممکن نہ ہو تو ہر ایک قائدان کے لوگ ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھائیں تو مناسب ہے۔

عظمیٰ

۱۱، جو کہانا کہ غمی تقسیم کیا جاتا ہے وہ بکھٹ بند کیا جاوے (۲) تمام وہ مراسم چونکہ سیدہ جنہ
 لڑائیں چہلم اور برسی کے نام سے مشہور ہیں وہ سب بند کیئے جاویں۔ ہاں قرآن خوانی اور فاتحہ
 یکجاوے (۳)، جو خیرات کہ غمی کے موقع پر تقسیم کجانی ہے اسکے استحقاق صرف وہی لوگ ہیں
 جن کا ذکر فصل مستحق خیرات میں ہے (۴)، باقی کی رسم عمدہ ہے اور قائم رہنی چاہیئے اور
 تین دن تک متوفی کے گھر کہانا نہ پکے بلکہ قریب کے اعزاء کا کھانا پکھا کر کھلایئے

محرم

چونکہ محرم کا سیدہ بہت کچھ ناہمی رنگ رکھتا ہے لہذا اس روز کو نہ بڑی خوشی نہ بڑی غم
 اختلاف ہے۔ اس لئے محکم کو اس مسئلہ پر رائے لینی چاہئے۔ اگرچہ اس میں کچھ اختلاف ہے مگر
 ظاہر کرتا ہوں جب پر شیعوں کے سجدہ و تہجد دل کا ضبطہ اور اکثر سنی متفق ہیں۔ روئے بسا
 محرم میں محبس عزاکا ہونا اور اسکو بطور ایک یاد رکھنے کے بنیاد اسلام کو مستحکم کر دیا قاسم
 رکھنا ضروری نہیں مگر ایسی باتوں کا بیان کرنا جس سے کسی فریق کا دل دیکھے یا نہ چھب
 اسلام پر سختی کا اوڑا یا جلے بالکل فضول ہے۔

میلاد شریف | مسلمان اگر حضور سوار کائنات کی پیدائش کی روشنی کریں اور شیرینی تقسیم
 کریں اور محلات مبارک بیان کریں تو کچھ مضائقہ نہیں مگر اعتدال کا اصول نہیں سہی
 برتا جائیئے۔

فہرست اخراجات ایک واسطہ کی آمدنی والے کے لئے۔ یعنی جو کہ شادی میں ۴ ہزار سے
 کم نہیں خرچ کئے۔

۱۲، بلوہ۔ ضروری زیورات سے مطلب۔ گلو۔ کان۔ اور ہاتھ کا زیور مراد ہے قیمت ملاؤ مثلاً
 ۱۳، کہانا مہانداری (۴)، کہانا باہر کی بارات کے لئے۔ (۵)، کپڑا جینر (۵)، ایشیئے و دیگر برائے
 چیز (۶)، متفرقات (۷)، خرچہ بارات اگر یا نہ لیا ہو۔ (۸)، کپڑا شیرینی جو کہ ولہا و ولہن
 کے یہاں لیا نہ ہے (۹)، دعوت و لیوہ۔ فی یکصد روپیہ میزبان التانہ
 مراسم ولادت میں علاوہ اخراجات زندگی و سب سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔

بسم اللہ میں سو روپیہ سے زائد نہ خرچ ہونا چاہیے۔ حقہ میں کئی اخراجات دیکھے سے زیادہ ہو جاتی چاہئیں۔ پھر اگر وہ کسی شخص سے زیادہ خرچ نہ کرنا چاہیے اور یہ شخص شریف میں ہے حقیقہ میں اس سو روپیہ سے زائد خرچ نہ کرنا چاہیے۔

الغلام۔ انعام کن موقعوں میں دینا چاہیے۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ، شادی، نکاح، مستحقین، زکوٰۃ، ملازم، شاگرد، پیشہ جانت، اپنے سے چھوٹے شخص، بزرگ،

حقہ تقسیم انعامات و عادات

مستحقین انعام	عید الفطر	شادی	عید الاضحیٰ	عید الفطر	عید الاضحیٰ
ظہر بن عباس	۸۰	ایک چارہ کرا	۸۰	۸۰	۸۰
حجام	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰
باغ کا مانی	۸۰	ایک تہ کپڑا	۸۰	۸۰	۸۰
دھوبی	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰
خاکروب	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰
چوٹے اعزاز (پکا توکی)	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰
بھائی بہن	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰	۸۰

نوٹ۔ حقیقہ میں ایک روپیہ تصاب کو بھی دیا جائیگا۔

شادی میں عید الفطر اور ولادت میں عید الفطر دو روپیہ دیا جائیگا۔

مستحقین خیرات۔ خیرات کے مستحق وہ لوگ ہیں جو کہ ہر طرح سے محتاج ہوں اور کوئی ذریعہ معاش کا نہ رکھتے ہوں۔ مثلاً اندھے، توکے، ٹنگے، بوڑھے، شریف بہرہ نشین عورتیں، مسافر۔

خیرات کی اصلاح

جو طریقہ خیرات کا ہمارے یہاں رائج ہے، یقیناً وہ سخت مفرا د قوم کو تباہ کر رہا ہے۔ نوٹ لے کر ہم اس سے مراد ڈیوٹی کے نام ہیں۔ لے شاگرد پیشہ میں مالی کوتاہی ناگروب شامل ہیں۔ غریبوں میں غریبوں کی نسبت مردوں کی زیادہ ہوتی ہیں۔

سینے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ غمی کے موقعوں پر خیرات چاروں کو بھنگیوں کو یا اپنے خاصے مضبوط اور تباہ آدمیوں کو دیتی ہے۔ یقیناً تو بے فیصدی ایسے لوگ خیریت پاتے ہیں جو کہ ان کے ہرگز مستحق نہیں ہو سکتے۔ لہذا اگر اس کا تذکرہ مناسب طرح سے کیا گیا تو مصائب ایسی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی جن کا دور کرنا ناممکن ہو گا۔ اگر سب یہ طریقہ اختیار کئے بغیر بہتر ہے۔

دعا، ہر قصہ اور شہر میں لکھنیاں تمام کچیاں (۲) سب لوگ اس بات کا اقرار کر لیں کہ ایسے آدمیوں کو بھی خیرات نہ دیں گے۔ دوسرا ایک جہیز ان لوگوں کا طیار کیا جائے جو کہ واقعی محتاج ہوں۔ (۳) قصے اور شہر والوں کو اپنی لکھنیاں نے پاس نہ رکھو اور خیرات کا روپیہ بھینچنا چاہئے۔ (۴) لکھنیاں کو چاہئے کہ وہ روپیہ ان لوگوں پر نہ اتار دیں جس سے صرف کرے۔ (۵) ان محتاجوں میں جو لوگ کام کرنے کے لائق ہوں دشمنان پر وہ نشین عورتیں ہونے جو کام ان کے موافق ہو لیا جائے۔ ممکن ہے کہ یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ لوگ جو بیکار یا گھوڑے ہیں جب انکی جھیک بند کر دیا جائیگی تو انکی بسر اوقات کہاں سے ہوگی۔

ہمارے لئے میں بہت سے کام ممکن ہیں۔ مثلاً مزدوری۔ زراعت۔ چھوٹی چھوٹی صنعت لہذا انکی طرف توجہ کرنا سب سے ضروری فرم ہے۔

ہماری طرز معاشرت کیا ہونی چاہئے

اگر غور سے دیکھا جائے تو طرز معاشرت میں وہ باتیں شامل ہو سکتی ہیں جو کہ اوپر بیان کی گئی ہیں مگر معنی کو مدد کر کے ہم اس مقام پر طرز معاشرت سے اپنے رہنے کا طریقہ لیتے ہیں۔ زمانہ بخوبی ثابت کر دیا کہ پرانی طرز معاشرت کو اختیار کر کے ہم اپنی زندگی آرام اور عزت سے نہیں بسر کر سکتے۔ لہذا ہم انگریزی طرز معاشرت کو اختیار کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ مگر وہ باتیں ہیں جو ہماری طرز معاشرت میں بہت ——— عمدہ باتیں بھی شامل ہیں۔ اور نئی طرز معاشرت میں بہت سی باتیں ہمارے لئے موجودہ زمانہ میں مضر ہیں لہذا اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے اور پرانی طرز معاشرت کی بری باتوں کو ترک کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے اور دوسرے نئے طرز معاشرت میں پرانی طرز معاشرت سے زیادہ اصلاح ہے لہذا اسکو ترک

کرنا چاہئے۔ نئی طرز معاشرت میں جن باتوں میں صرف ہے وہ درج ذیل ہیں۔
 چیشمن۔ ایک فینل اپل آدمی کو بہت زائد خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ پیچہ پٹر کا کپڑا۔ پیرس کی شا
 جھانٹ۔ ڈانسن کی جونی لندن کا کالز اور نکسانی ایک آدمی کے تباہ کرنے کے لئے کافی ہیں
 لہذا اس طرف ہمارے لئے تعلیم یافتہ کو خاص توجہ کرنی چاہئے۔ اول تو انگریزی لباس
 ہی کچھ عمدہ تقلید نہیں اور اگر ایسا ہی شوق ہے تو کیا وجہ ہے کہ کانپور کے بچے جو نئے جوتے
 دیسی دوکان کے کپڑے نہ استعمال کئے جائیں۔ بلکہ لحاظ کاٹ چھانٹ اور خوبصورتی اسمیں
 اور اسمیں تھوڑا ہی فرق ہو گا مگر قیمت میں گروہ سوٹ تھا، میں لیبار ہو گا تو یہ پچاس میں۔
 دلا متی اشیا کا استعمال نے تعلیم یافتہ میں ایک یہ جذبہ بھی بڑھاتا ہے اور کوشش
 یہہ کیجاتی ہے کہ اگر پاؤں ہو تو وہ بھی لندن ہی کا بنا ہوا ہو۔ یقیناً یہہ جذبہ بھی تباہ کر دے گا
 میری رائے میں لندن۔ پیرس کے اشیا کے استعمال کو ترک کرنا چاہئے اور اگر کسی کی نی ہوئی
 دریاں۔ امرتسر کے خالین۔ بریلی کی کرسیاں اور نیز میں ہمارے آرام اور شوق کو پورا کر سکتی ہیں
 اور خوبصورتی میں بھی لندن اور پیرس سے کم نہ ہوگی۔ فرق کیا ہو گا؟ فرق یہ ہو گا کہ جو مکان
 لندن اور پیرس کی اشیا سے آراستہ ہیں آراستہ ہو گا۔ ان دیسی اشیاؤں میں دو سو ۲۰۰
 روپیہ میں آراستہ ہو جائیگا۔

وٹرنے تعلیم یافتوں کو تباہ کرنے والی رسموں میں سے ایک رسم انگریزی شمشیر کی
 بھی ہے۔ اور یہ اصحاب وٹرنے اسولٹے جیتے ہیں کہ معلوم ہو کہ ہمارے یہاں کلکٹر صاحب
 نے کہا نا کہا یا۔ اول تو اس اصول کو ترک کرنا چاہئے دوسرے اگر وٹرنے بھی جائے تو ہمیں
 انگریزی اور ہمارے اصول کی آمیزش ہونی چاہئے۔ نیز کسی قسم کی شراب باسہکا گوشت نہ ہونا
 چاہئے کیونکہ علاوہ مذہبی ممانعت کے اسمیں بچ بھی بہت ہوتا ہے۔ اگر یہ اصول اختیار کیا
 جائے تو آہستہ سے زائد کی کفایت ہو جائیگی۔ طرز معاشرت کے بارے میں ایک علیحدہ مضمون
 عصر جدید اپریل نمبر ۱۹۰۳ء میں شائع کرا چکا ہوں۔ (جمال احمد)

جدید کتب ماہ گذشتہ

ہمارے پاس مندرجہ حاشیہ کتب لغز لائے وصول ہوئی ہیں جنہیں سے بائبل کا الہام اور فلسفہ قدیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ اصل کتاب بائبل پر عیسائیوں کو لکھا ہے لیکن تمام محققان مذہب اور دہی والہام کے قائل اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قریب قریب پر تعلیم یافتہ شخص پر ایک نانہ آتا ہے جب الحاد کی رو کے ادھر کے گذشتی ہے اگر اس شخص کی فطرت سلیم اور تعلیم صحیح اصولوں پر ہوئی ہے تو وہ محض عقلیت تک ٹہر جاتا ہے ورنہ انکار قیامت و جزا و سزا تک جا پہنچتا ہے مگر اسی کے ساتھ ہر ایک ناز ایسا آتا ہے۔ جب فطرت مذہبی بہ نشائے وظیفہ اللہ الہی فطر الناس علی صلا لا یقبل مخلوق اللہ پر مبنی ہے اور بہت سی باتیں جو لوہہ ماورے طبیعت ہونے کے نامکمل معلوم ہوتی ہیں اب یقین انہر متا جاتا ہے

دومی اور الہام ہی اسے ہی مسائل میں کوئی قائل الہام اس سے انکار نہیں کرتا کہنا کہ مجموعہ محمدیہ اور عہد جدید کا بڑا حصہ خالص طور پر الہی کلام ہے۔ کلام الہی کے کیا معنی ہیں اسکی توضیح اس کتاب میں حکیمانہ طور پر کی گئی ہے۔ بحیثیت ایک مسمان ہونے کے ہم توراۃ اور اہل موجودہ سے بھی انکار

۱۱۔ علمی جہت سے نیا پور۔ بالقویہ باب ۱۵۰ اسمیں ۲۰ صفحہ پر دو کلام ضامیں جہت سے ہیں اور سلاطین روم کا حال مراد فاسس مرخون تک مروج ہے قیمت مراد دل ۷۰۔ بلا مبالغہ صرف تصویروں کی قیمت کئی سو روپے کم ہے اور چارپہ اور کاغذ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ (نامی پریس کانچر سے ملکتی ہے)

۱۲۔ دوخت۔ موالف لار دیوید الی ترشہ تعلیم کی قطع صفحات ۲۲۰۔ کاغذ چارپہ اعلیٰ درجہ کا کئی سو رقم کے درختوں کا بیان تھا کلام کاشت کا حال مقرر مقرر ہے۔ ہر درخت کا علمی نام لاطینی اور انگریزی میں بھی دیا ہے خوشا جلد سے اور مسٹر لے۔ چند کتب فروش دہلی سے بہ قیمت ۷۰ روپے ملکتی ہے اور علمی کتب میں چار اضافہ ہے۔

۱۳۔ فن زراعت حصہ اول مصنف بی فلر کانر جہ ۲۲ صفحہ پر محمد مدین صاحب طاب علم نے کیا ہے کا علمی پرین گروہ میں چھپی ہے قیمت صرف ۴۰ (۲۰) بائبل کا الہام مصنف ڈاکٹر پیسن سمتہ جہ ۲۱۶ صفحہ۔ اصول تربیت کی قطع بہت خوش خطا چھپی ہے چارپہ پریس بک سوسائٹی انارکلی لاہور سے ۷۰ روپے ملکتی ہے۔

۱۴۔ فلسفہ تعلیم مطلوبہ قلع عام پریس لاہور۔ ۷۰ روپے جہ کے حجم تین سو صفحہ نہایت خوشا قلم

منہیں کرتے کیونکہ آخر فیصلہ کی تعریف میں قرآن کہتا ہے کہ تو ان تصدیق کرتا ہے اس چیز کو جو باتوں میں
پہنچ کر نصارہ کے ہے۔ یہی وہ بات کہ اس میں خطبیاں اور غلط فہمیاں ہیں اور ہو سکتی ہیں نصف کو
بھی اس سے الگ نہ نہیں ہے۔ مصنف نے بعض جگہ سب سے لفظ "بہتر" استعمال کیا ہے۔ مگر وہی اعتراض
عیناً متبول ہو چکا ہے۔ اور دونوں فرقوں کے خلاف قابل عملیہ اعتراض ہو سکتا ہے۔

ایک بات ہم ملاقات کی ہے جسے میں نہ بائبل اگر لکھا می ہے تو تثلیث کا اعتقاد لفظاً بلفظ ہے۔ جو
اس کے بعض دوسرے پاک ذمہ سے خدا کے بیٹے کہہ گئے ہیں۔ اس میں سرسبز سچ کی نسبت بھی آیا ہے
یہ ممکن نہ تھا کہ ایسا ضروری مسئلہ صرف ایک الحاق فقرہ میں تذکرہ بیان ہوا ہو۔

تفہیم کی تعریف ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں اور اس کے دو ایک نامکمل نمونے بعد اول اور بعد دوم
عصر جدید میں بھی چھپ چکے ہیں۔ ایک اردو مجنتی اور لائق مترجم نے دو سال کی محنت میں اس
کتاب کا ترجمہ کیا ہے جس کو مصنف نے گویا تمام عظیم عالم پر غور کر کے لکھا ہے۔ یہ سچا وقت اس سے
بہتر نہیں کر سکتے کہ اپنے دوست مولوی سید وحید الدین سلیم پانی پتی سابق ایڈیٹر مہارٹ اور علمی
مزدگار سر سید مرحوم نے جیسے ترجمہ کی نسبت دیکھی اس کو درج کر دیں :-

”اگر کوئی زمانہ ہندوستان میں ایسا ملے کہ یورپ کے عوام جدیدہ کی تمام تہذیبی و ادبی تہائی کتابیں وہ
زبان میں ترجمہ ہو جائیں اور علمی الفاظ کی قمتیں معین ہو جائیں اور علمی اصطلاحوں کی فرہنگیں مرتب ہو جائیں
تو وہ زمانہ اس قابل ہو گا کہ ہر پندہ کی کتاب کی کچھ کچھ کاشش کا ترجمہ روزانہ میں شائع کیا جائے اس سے نتیجہ
صاف طور پر متنبہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مترجم مولوی خواجہ غلام الحسین نے جو کام کیا ہے وہ زمانہ موجودہ کی
قابلیت سے اور اس سے انکی طاقت سے باہر تھا اور جو کامیابی انہوں نے انکی میں حاصل کی ہو گی کوئی فکر اس
زمانہ میں نہیں پاسکتی۔

دیباچہ میں لائق مترجم نے جو مشکلات اس کتاب کے ترجمہ کی بیان کی ہیں اس سے ایک شکل بہتر ہے
کہ انہیں ترقی اردو کے ائمہ و اہل علم کی قیادت کو اپنی زبان میں ادا کرنے ہی پر قانع نہ
ہوں بلکہ اسکی طرز تحریر اور اسلوب بیان کو بھی علمی حالہ رہنے دیں لائق مترجم نے اس قید کو ایسی قیادت
سے بنایا ہے کہ اگر انکو نہیں ہی فتح حاصل ہو تو بہر اس بات کے لئے کافی تھی کہ انکو تمام عمر میں پر توجہ
جائے۔ عربی زبان میں جو نتیجہ علمی کتابوں کے ہماری نظر سے گذرے ہیں حالانکہ عربی زبان میں نسبت

آر دو زبان کے علمی مطالب کو ادا کر سکی زیادہ قابلیت ہے، انہیں سویشہ مترجموں نے اس بات کی کوشش
 کی ہے کہ مصنفوں کے خیالات عربی زبان میں ادا کر دئے جائیں۔ یہ کہ انکی لفظی ترکیبیں بھی بدستور
 قائم رکھ جائیں، کتاب زریخت کے بعض بعض مقامات بھی ترجمہ ہو کر بطور اقتباس کے عربی زبان کی حدیث کتابوں
 میں داخل کئے گئے ہیں وہ بھی ہماری نظر سے گذرے ہیں مگر انہیں بھی کسی جگہ اس مالا پلاق شرط کی گئی
 نہیں گئی ہر پیرٹ سینسر کی سوشیا لوجی (علم عمران) کے بعض مضامین بھی عربی زبان میں
 چھپ رہے ہیں مگر انہیں بھی اس قید کی پرواہ نہیں کی گئی، کتاب ہالکے آر دو ترجمے کو اس قید سے معیت
 نہ کیا جاتا۔ بلکہ لائق ترجمہ اس کام کو غالباً اس کام بہت آسانی سے اور بہت جلد پورا کر دیتے۔ مگر اس
 صورت میں وہ غیر معمولی تعریف انکی ہرگز نہ ہوتی جس کے کہ وہ اہم ترقی ہیں۔

ایکے علاوہ اسفوں نے جوہر پیرٹ سینسر کا تذکرہ کتاب ایچ کیٹن کے مطالب کا خلاصہ۔ فوٹ نوٹ
 مار جنبل نوٹ اور مجمل اور مفصل فہرست۔ مطالب کتاب کی اپنے ترجمہ کے ساتھ شامل کی
 ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لائق مترجم نے ترجمہ ہی کے فرض سے سبکدوشی حاصل نہیں کی
 بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر کام کیا ہے اور الفاظ دیگر سمجھ سکتے ہیں کہ انہوں نے ترجمہ بھی کیا ہے اور اپنے
 ترجمہ کو اوٹ بھی کیا ہے۔

سفقت کی صورت عالم ہمارے ہے مگر ترجمہ کی نسبت بھی اتنی تک زندہ رہی کی امید نہیں
 کیا جاسکتی جیسا کہ انصاف کی معنی دلوں ہی جانتی ہیں۔ ان کے کام کی یہی تعریف اکثر لوگوں کی زبان پر ہو گئی
 لیکن یہ کہ ہندوستان میں کوئی ایسا زمانہ نہ ہو سکتا ہے کہ اگر لائق مترجم جھولی میں آتا تو کوئی لائق
 ذرا بڑھ کر کہتے تو ایسی کتابیں ہمارے ترجمہ کر دیتے اور ان کی زبان پر یہ شہینس کی طرح منفس ہو جاتے
 شاء عام لوگ میرے اس کہنے کو مبالغہ میں داخل سمجھیں مگر صائب نہیں معلوم ہو گا۔ کہ یہ کتاب میر
 قومی ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ اسرار کو لکھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس خالق ترین علامہ اور استاد علامہ
 کی تصنیف ہے جس نے ابتداء سے آفرینش سے آج تک کی معلومات انسانی کو اپنے دماغ میں جمع
 کیے ان پر اپنے لطف کی بنیاد رکھی ہے اور یہ ترجمہ حتی الامکان اس کتاب کا بہتر سے بہتر
 ہے جو زیادہ سے انسانی محنت اور لیاقت سے تیار کیا گیا ہے تو کچھ عجیب نہیں ہو گا آخر
 کار ہر شخص میری رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور ہو گا۔ (ہڈیٹر)

ایڈیٹری نوٹ

التجارت و تجارت | چند سالوں سے اصلاحی خبریں بہ وجہ کثرت مضامین نہیں چھپیں ہم کسلا سکی
تلافی کر رہے ہیں۔ رپورٹ پر دو ماہ میں چھاپی جاتی ہو اور نواب حسن الملک بہاؤ کی خدمت میں بھیجکر
نامہ ارسال کیا۔ کیونکہ امرتسر میں شائع ہوتے ہیں۔ ناظرین اطمینان رکھیں کہ آئندہ آئندہ کام اصلاح کا جاری
میں رہے گا۔ امید ہے کہ آئندہ سب سے بھی اپنے فرائض میں مشغول رہیں گے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ آئندہ اصلاحی
نوٹوں اور خبروں کے چند صفحے بالکل جدا کریں۔

غلط فہمی کا غل | رازا باؤ کے چند صاحبزادے نے رسالہ اصلاح میں چند باتوں سے لید میٹر
کے برخلاف ایک شعور پر مبنی کر کہا ہے اور کہیں تاوان کو کہہ کر ان لوگوں میں ملانا چاہتے ہیں بلکہ وہ
معد اور تہذیب میں مگر ہم اپنے دوستوں اور بزرگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ سوائے اس
کے علماء اور شیعہ علماء کو دو چار دفعہ پچھنے رسالوں میں انکے فرائض کی طرف متوجہ کیا گیا اور کوئی
کلمہ بے دینی ہمارے قلم سے نہیں نکلا۔ اگر کلمہ حق شان علماء میں کہنا خلاف دین ہے تو تمام
شعائر اہل ان بلکہ حضرت علامہ بہاؤ الدین آملی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی میر عباس مرحوم جو فخر
لکھنؤ میں بلکہ عوام کے نزدیک جوائے بھی ہو کر ہیں یعنی میرافض نے اپنی کتب میں ایسا ہی کہا ہے
خواجہ حافظ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں سے فقیہ مدرسے بہت بود و فتویٰ داد۔

کہ سے حرام دے ہر مال اوقات است

اسے حضرات مکرم! دین اور چیز ہے اور مدعیان دین دوسری چیز ہیں۔ توراۃ و انجیل و احبار
اور یہاں میں بڑا فرق ہے جو کوئی شخص دنیا میں اس غلطی بت پرستی کو توڑنا چاہتا ہے
اسکو ہمیشہ معد اور بیدین کہا گیا ہے۔ تاہم ہر بھی یاد رکھئے کہ علماء دنیا داروں کی خدمت ہمیشہ کرتے
رہتے ہیں اور دنیا دار کے مستحق ہی ہیں۔ اگر غفلت یا تعصب یا دنیا طلبی کا رخ علماء میں ہے
اسکو دنیا دار نظر کریں تو مفید نہ ملے گا جتنا چاہیں ہیں یہ جہیں ہیں اور ان ناکر وہ گناہوں پر الفاظ کی
بہرہ نگر ہیں مگر کیتھدران مقدس بزرگوں بھی کہیں کہ اپنی خبر لیجئے اور دنیا میں اگر خادم ہوتے
آپ مخدوم بننے کے مستحق ہونگے۔ ہم تو چھوٹے۔ تاہم مذہب خلاف شرع مصلح ہیں۔ مگر سچے

ہدیان و علمائے ملت بھی تو لوگوں کے لٹوکچہ کریں اور نیکے عادات اور اخلاق کی پرستی میں سعی فرمائیں
ورنہ یہ جم غفیر اہل شیعرت کی غفلت اور اپنے رکھ رکھاؤ اور اہل الحماو کی ضلالت ہر دو کی وجہ
سے قریب ہی میں گر جائیگا۔

گیرم کہ وقت فرج تنہا گناہ من

واللہ دشمنہ تیز نہ کردن گناہ گشت

دشمنی یا دشمنی تحریر کی | بعض اوقات چند معاصر بلکہ واجب التعليم ہرگز جیسے افسران علیگندہ جن کا
ادب ہکول ہو منظور ہے طرز تحریر عصر جدید سے ناراض ہیں اور انکی ناراضی خود ایڈیٹر کو حال ہوتا ہے اپنی
قصود کا اعتراف کر کے صرف اتنا عرض کرنا ضرور ہے کہ یہ ناراضی اگر اسوجہ سے ہے کہ عصر جدید میں کبھی واقعات
خط سچو نہیں تو ہم نہایت خوشی سے اطلاع ملتے ہر تصحیح کر سکیں گے۔ اگر اسوجہ سے ہے کہ طرز بیان شونہ ہے
تو تہذیب الاخلاق کے پرانے پرچے اور شوائے مصنفین کے کلام ملاحظہ فرما کر معذور کہیں اگر ہمارے اصول
میں غلطی سمجھی جاتی ہے تو ہم نہایت خوشی اور ادب کے ساتھ اس پر بحث کر نیکو تیار ہیں کیونکہ چھوٹی امت کی شکست
بازی اور مخالفت سے قطع نظر کر کے ہم قوم کے باور لیڈروں کی خدمت میں اپنے اصول عرض کرنا چاہتے ہیں۔
یہ اصول حال میں سپہ انہاد میں اصلاح کی ضرورت کے نام سے بعد نظر ثانی چھوٹے گئے ہیں اور لکھنؤ
میں اصول مذہب کی رو سے انکی تائید کی گئی ہے یہ مضامین دلچسپ و جدید ہیں یہی شائع ہونگے۔ ہمیں
شک نہیں کہ ان خبروں سے بعض حضرات کو عدم ہوا چھوٹا ہے مگر غور کرنا چاہئے اور اپنے دل سے محاسبہ کریں
کہ یہ صدمہ اسلئے تو نہیں ہوتا کہ ہم سچ بات کہہ کر کچھ پھوڑوں کو جھڑپتے ہیں اور اسلئے وہ بات کہہ سکتے ہیں۔
دیکھنا تقریر کی شونہ کہہ آئے کہا۔ میں نے جانا کہ گویا یہ بھی میرے دلیں ہے۔

انجام دہنی سہری چیز ہے | مولانا حالی مدظلہم کی ایک زبردست غزل میں ایک شعر ہے جو بالمشی

لحاظ سے نہایت گہرا و پر لطیف ہے۔ دوز ہولے دل مال اندیش بکہو و باعرا کاڑا توئے۔

عالم ہمارے امرار عالی تبار اسی اصول پر انجام دہنی کو سخت حقارت سے دیکھتے ہیں اخبار شیعہ و کمن
جو میرا باہکی خلائق اور ریاست کو قہور آچہ نصیحتیں کیا کرتا ہے اور اسے ۲۲ جنوری ۱۳۰۶ء کے پرچہ میں ایک
دوبت بنگال کے متمول ترین مسلمان کی نسبت لکھا ہے جسکو ہم جیسے نقل کرتے ہیں۔ لیکن جو
نتیجہ ہمارے ہر عہد کے لکھا ہے وہ صحیح نہیں۔ ہاری فضول خروچی اپنی حماقت کا نتیجہ ہے۔ لاث صاحب

صاحب کا اسمیں ایسا ہی دھل سے جیسا تختہ و کھج کے شرعی حکم کو یا شہادت سید الشہداء کو ہمارے اہل
 بن داخل ہے۔ ہم خود اور ریا کے بندے ہو گئے ہیں۔ ہم بھانے سے اسراف کرتے ہیں۔ بہ فرض محال والی سرے
 ناراض بھی ہو جاویں تو وہ چند فیض پر راضی ہو سکتی ہیں اور جب انکو معلوم ہو گا کہ رئیس قرضہ سے بچنا چاہتا ہے
 تو خوش ہو گئے مگر ہمارے امرا کی تو یہ حالت ہے کہ وہ پریشانی اور خضداری میں معمولی مہربان قوم
 سے بھی بدتر ہیں۔ کیا فائدہ دولت کا جب اطمینان نہ ہو۔ قرض کا نگر ہو بزدلانی ہو۔ ایسے ہزرگوں نے
 عام لوگوں سے جلد تر زوال ہو گا! سنے مناسب کہ پیچیدگی اور عملیت سے اپنی حالت چھو کر یہ
 منو اب صاحب ڈرامہ پر دعوائے سہنہ پیوستہ کو بائیکورٹ کلکتہ میں مسٹر جسٹس ٹیٹن کے
 اجلاس پر سٹر سنبھالنے درخواست ٹیٹن کی کہ نوب صاحب سے سوالات کر نیکی اجازت دیجائے
 کہ جیروانٹ دے لیڈ لارنے بابت اس سامان آرائش کے "ہزار روپیہ دلا نیکا دعوائے کیا ہے جو آہل
 نے کچھ عرصہ ہوا حضور والیسرے بہادر کی تشریف آوری ڈاکہ کے موقع پر مکنی مذکور سے خرید کیا تھا۔
 اس محلہ کے دائرہ عدالت ہونے سے اس بات پر روشنی پڑے بغیر نہیں رہ سکتی کہ والیسرے بندہ کا اپنے
 اپنے زمانہ میں جو دورہ فطرت اور فطر لٹرائش سے دلہی رئیسوں اور دلہی والیان ملک کے علاقوں
 میں ہوتا ہے وہ نظائر کیسا ہی خوشگوار اور فحرت و اغصاط بخش معلوم ہوتا ہو۔ دلہی رؤسا والیسرے
 مہند کی خاطر و تواضع اور اہلی تشریف آوری کی مراسم کی ادائیگی میں روپیہ بیدار خرچ کرتے ہیں اور
 روپیہ صرف کر کے وقت انکو اپنی مالی حالت کا کچھ خیال نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ نوب صاحب ڈاکہ کو کلکتہ
 کے بائیکورٹ میں مد علیہ بننے کا شرف حاصل ہوا ہے دلہی رؤسا اور دلہی والیان ملک کی حالت اس
 لحاظ سے قابل ہمدردی ہے کہ وہ کہہ اگر حضور والیسرے بہادر کی تشریف آوری پر کچھ ٹیپ ٹاپ اور دیگر
 دیا کرتے ہیں تو انکو اس قسم کے خیال نہ جھگٹنے کے لئے طیارہ ہوائی تر ہے جیسا کہ اب نوب صاحب نے ڈاکہ
 جھگٹ رہے ہیں اور اگر انکی تشریف آوری کے موقع پر کچھ طمطراق نہ کریں تو بات کے ماتھے سے جانے
 رہنے کا دغفہ لگا رہتا ہے۔"

انجام پتی اچھی چیز ہے۔ اسی نیک مقصد کے لئے مولانا روم ایک جگہ فرماتے ہیں۔

آخر یہ گریہ ناخفہ الیست

مرد آخر میں مبارک بندہ الیست

مستغنی شعر معلوم ہوتا ہے لیکن سوچو اور سمجھو تو اس میں بڑے بڑے خواہش ہوتے ہیں۔۔۔
اسی قسم کے چند شعر مولانا حالی کی مشہور ترکیب بند معروف پختہ الاخوان میں ہندوں اور مسلمانوں
کی مال اندیشی کا مقابلہ جہاں کیا گیا ہے درج ہیں چند شعر یہاں قابل بیان ہیں۔

آؤ نہیں سب سود لینے میں یہ دین میں دلیر آؤ نہیں سب لوٹنے پر یہ لٹانے پر نڈا
آؤ تو میں ہیں جہاں مال تجارت بچتی : یہ دیاں گھربار کر تو میں کوٹے برلا
آؤ تنگی سے گزارہ کرنے ہیں آج اسلے : نانہ کل کرنی پڑے غور کی انکالتجا
یہاں کیا ملی کے جہاں گوشت اگر چہ کھانے پر گئی پشتوں ملک بالہا مستی کیا

یہ تصویر بالکل درست ہے اور ہر جگہ صحیح ثابت ہوگی۔ یہاں مال کر کوٹہ میں عموماً ہندو جاٹوں
یا سکھوں کے گاؤں میں بہت کم گاؤں مسلمانوں کے ہیں۔ لیکن جیسا حضور بحث نہ فرمیں نواب
احمد علیاں بہادر ایک بار فرماتے تھے "معاف سرکار ہی اسنے مشکل وصول ہوتا ہے اور مفلوک اور
قرصدا اور خراب حال ہیں۔ ہمارے علماء اہلکار کی حالت تو جو ہے سو ہے۔ خود طالب علموں کا گرو
جو قوم کی آئندہ کمی پیدا قائم کرتا ہے سستی اور اسراف میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسکی حالت کو نبھانا
پر محب قوم کو فرماں ہے اس لحاظ سے آج جبکہ نواب صاحب ڈاکہ کے متعلق لکھ رہا تھا سید قبول احمد صاحب
طالب علم فتح گڑھ کا خط وصول ہوا ہے جسکو بعض جگہ مٹ کر کے یہاں نقل کرنا فروری ہے۔ اول میں
سگریٹ نوشی کی عادت کے متعلق یہ ظاہر کرنا فروری سمجھتا ہوں کہ سال گذشتہ انگلستان میں نوبٹ
لے جو کمیشن مقرر کی تھی کہ اگر نریوں کے جسم اور قومی کیوں کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ اسنے ایک صلاح
یہ بھی دی ہے کہ طالب علمی میں تمباکو اور سگار نوشی بہت مضر ہے کم کیجاوے
اور دانت خاص طور پر صاف رکھے جاویں تاکہ دالسی پر ایک سو لہ شرہ برس کے
لوٹے کو چیکینڈہ سکول میں پڑھنا تھا سگریٹ پیتے اور پینڈ کی خوش ناول روز لیمبرٹ کا ترجمہ ریل
میں پڑھنے پیکر سخت افسوس کیا اور اس عزیز کو سمجھایا اسواٹے پہ خط بھی ایک دستاویز تھا جاتا ہے
ایک طالب علم ممبر صیغہ کی اصلاحی کوشش : آپ نے خط مطبوعہ کے نیچے انگریزی میں
لچے غریب فرمایا تھا کہ "مجھے امید ہے کہ آپ مسلمانوں کو ایک سنجیدہ اور عملی قوم بنانے میں کوشاں ہوں گے
جناب والا۔ میں کانفرنس لکھنؤ کے موقع پر ممبر ہوا تھا جسکو اب ایک ماہ کا عرصہ ہوا۔ وہ

بہتہ سمیت بیمار رہا اور وطن سے باہر رہا ۵ اجڑی کو صحت حاصل ہوئی یہاں اگر میں نے خیال کیا کہ اب مجھے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے چاہئیں مگر چونکہ میرے لئے یہ لازمی ہے کہ پہلے وہ خود کار بند ہو اور نمونہ بنے اور پہلے اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کرے۔ لہذا چونکہ مجھ میں یہ تصور فضول خرچی وغیرہ ہے میں نے اسکو ترک کرکے کوشش کی۔ میں صاف صاف عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں سگریٹ پینے کا بہت عادی تھا یہاں تک کہ روز ایک بکس خرچ ہوتا تھا آپ یقین فرمائیے اب میں نے رفتہ رفتہ بالکل ترک کر دیا اسی طرح اور بھی فضول خرچیاں اور جگہ کہ وقت ضائع ہوتا تھا ترک کیا۔ علاوہ اسکے یہ کوشش بھی کی گئی کہ یہ خیالات جطر سے ہو سکے پسلیں چانچ اتار کو چند اپنے دوستوں کو جن میں زیادہ طالب علم تھے اور چند احباب بھی تھے بلا کر اپنے مکان پر جلسہ کیا جس میں مسلمانوں کی خالیت اور ان کی تمدنی خرابیاں کیس اور صیغہ کے ساتوں مقاصد پر مفصل بحث کی۔ . . . اور سب احباب استعدا کی حتی الامکان اسکے متعلق کوشش کریں اور نیز اسپر کار بند ہوں۔ میں نے زیادہ نور وینا مناسٹ سمجھا کر کیونکہ ہر ایک اتار کو جلسہ ہونا تجویز کیا جا چکا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعض میرے دوست ہرے طور پر اسپر کار بند ہو گئے۔ اور آئندہ اس بات کی بھی کوشش کی جاوے گی کہ ہر ایک صاحب جلسہ کے دن یہ بتا دیں کہ ہفتہ کے اندر انہوں نے عملی کارروائی کیا کی ہے کہ ہر حسبہ عہدہ طریقہ کام کرنے اور اثر ڈالنے کا ہے دیگر میر صاحبان بھی اسپر غور فرما دیں (ایڈیٹر)

یہاں چند میرے دوست ایسے بھی ہیں جو انگریزی اشعار کے استقدر و لذذہ ہیں کہ اپنے ذالہ میں کار وہ بیغائدہ طور پر کثرت کے ساتھ صرف کرتے ہیں میں نے ایسے بھی عرض کیا کہ حضرت اپنی استقامت سے زیادہ فوج نہ کیجئے مگر ابھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ (خدا کی جلی آہستہ آہستہ ہستی ہے آپ کو فکس کنو جائیں ضرور اثر ہو گا۔ ایڈیٹر)

آخر میں یہ خط بغیر جناب کے فکر یہ کہ فتم نہیں کر سکتا ہوں۔ میں عصر جدید کا پہلے بھی خبردار تھا مگر صرف خبردار۔ مگر جیسے میں نے کانفرنس میں جناب کا لکچر سنا ہے سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر وہ اثر ہوا کہ گزر زائل نہیں ہو سکتا یہ کوئی تعریف کی بات نہیں ہے بلکہ ایک سچی بات ہے کہ جس شخص نے آپ کا لکچر غور سے سنا ہو ممکن نہیں کہ اسپر اسکا اثر نہ ہوا ہو۔ اسکا مشاہدہ تو غالباً آپ

کو بھی ہوا ہو گا کہ اس وقت دوران تقریر سامعین کی کیا حالت تھی " صیغہ کا کام | کام کر نیوالے ممبروں کی اور سکریٹری کی ذاتی تعریف کے خط ممبروں کے پاس سے اکثر آتے رہتے اور انکو عمدہ یا نوت شائع نہیں کیا جاتا یا تعریفی حصہ کو نکال دیا جاتا ہے۔ چنانچہ خط بند شدہ بالا میں بھی کیفیت ایسا ہی کیا ہے۔ اس خط کے چھاپنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے بعض اچانچے ایڈیٹر کو اب صرف ایک الزام خود بینی اور ضد کا لازم قرار دیا ہے مگر بات یہ ہے کہ ایسی تحریک چل نہیں سکتی۔ جب تک لوگوں کی سرمدہری اور توجہی کے خلاف اصرار و استقلال نہ دکھایا جائے اور جب اپنی بات پر کوئی نعرہ لگنا تو خود بینی کا عظیم لوگوں کو فرد نظر آویگا۔

لکچر عملی کام کے اظہار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پیسہ اخبار روزانہ نے ایک لیڈنگ آرٹیکل میں لکھا تھا کہ لکھنؤ میں سکریٹری صیغہ نے روزانہ صیغہ بیان کر کے لکچر دیا۔ لیکن صیغہ اصلاح نے اسے سوا کام نہیں کیا کہ لوگوں کے کان لفظ اصلاح سے مانوس ہو گئے۔ مگر سب خیالوں میں یہ خبر غلط شہور ہو گئی ہے کہ سکریٹری صیغہ اصلاح نے اپنے صیغہ کی کیفیت بیان کی۔ یہ بات کہ صیغہ نے کام نہیں کیا۔ یہ درست نہیں اسلئے کہ ہمارے کام کا اندازہ اعداد و حرف سے نہیں بلکہ دلوں کے اثر سے کرنا چاہیئے۔ اور یاد رکھو کہ صرف ایک لکچر اس طرح پڑا گیا جس طرح میل ٹرین جلتی ہے۔ پہر ہی صیغہ اصلاح نے جو کچھ کیا ہے اس میں ایک مقصد پیش نظر رکھا گیا جسکی قوم کو ضرورت تھی۔

ہمارے ادیب معاصر ریاض الاخبار نے لکھا ہے کہ کانفرنس میں صیغہ اصلاح تمدن کا کہیں ذکر نہیں سنا اگر اس کے لائق ایڈیٹر یا ان کے رپورٹرات کے جلسہ میں، یا کو نہیں آئے یا منتظران کانفرنس نے لکچر اصلاح تمدن کا وقت ایسے موقع پر رکھا جب کوئی کام باقی نہ تھا اور بہت سے صاحب رپورٹر چلے گئے تھے۔ اگرچہ رسالے اور اطلاعات صیغہ نے تقسیم کئے وہ ہمارے معاصر کے پاس نہیں ہوئے تو ہم یہ عرض کر سکتے ہیں کہ اس میں صیغہ کی بدتمیزی ہو مگر قصور نہیں ہے بلکہ اُسے یہ کہ وہ اور دیگر معاصر طرہ نامہ مثل معاصرین وکیل اور چودھویں صدی اور قوم کے کر گئے۔ اور اس کو شش کو جو شش ... اُسے معاصرانہ سمجھا کر اسے اس کے اصول قواعد نتائج کو دیکھیں گے۔ نقطہ ایڈیٹر

کتاب مصنفہ مولوی خواجه غلام حسین مٹا سانی لکھنؤ دارالعلوم

۱۔ اصول تربیت۔ یہ رسالہ جدید اور قدیم اصول

کا جامع جو اور تمام والدین اور معلمین کو اور عام اہل علم

کو اسکا پڑھنا ضروری ہے نہایت عمدہ اور اعلیٰ ترتیب سے مضامین

اس میں جمع کئے گئے ہیں جسمانی، عقلی، اخلاقی، تربیتی کے اصول

مقاصد طریفہ حصول ناسکے کے ہیں یہ کتاب نہایت خوشخط اور صفا

چھپی ہے حجم ۱۲ صفحہ قیمت ۸

۲۔ قوانین دولت مشرق کی کتاب لافان و تاج

جسکی قیمت انگریزی میں ۸ روپے اسکا تھنا سیکس شہسہ علی وارچ

کے کاغذ پر رفاہ عام شہر پریس لاہور میں ۶۲ صفحہ چھپا جو دولت

کیا چیز ہے؟ کیونکہ یہ ابھرتی ہے فرض ۷۸ مضامین علم

پولیکل اکائی کو اس طرح بیان ہو گئے ہیں کہ مبتدی اور عام

شاہدین، ماسانی سمجھ سکیں جو طلباء یا مدرسین یا عام شاہدین

اس علم کے ابتدائی اصول کو جانتا چاہیں اس سے بہتر کتاب انگریز

ملک کی موجود ہے بعض مفید و اشیائی دیکھیں قیمت ۸ روپے

۳۔ فن تعلیم یہ کتاب اہل علم اور عام شاہدین و معلمات کے لئے

قدیم سیڑھی جو مفید و قبول شمس العلام مولوی ذکار اللہ صاحب

اردو میں اس سے بہتر کتاب اس مضمون پر نہیں ملے گی کسی قیمت پر

کتاب مصنفہ حافظ عبد الرحمن صاحب ملتان سرائی صاحب

علی پور پالہ کتاب العربیہ کتاب الفہرہ

انسانی اقوام و مذہب مولوی غلام حسین مٹا سانی لکھنؤ دارالعلوم

۷۔ البشر سے مختلف صاحبوں کے لکھے مضامین جن میں تہذیب و تمدن کی ترقی

اکثر سے مختلف نقطہ نگاہوں سے بحث کرتے ہوئے ہیں اور لوگوں کو

آسپاہ جمال مولوی سنی کی کتاب کی گئی ہے اور دیگر مولوی دہرہ

بازری۔ مطلع رفاہ عالم میں نہایت عمدہ ہے جو حجم ۱۷۵ صفحہ قیمت ۸

حیات جاوید۔ یہ پیشہ ور کتاب سر سید احمد خاں صاحب دارالعلوم کی مفصل

سوانحی مصنفہ شمس العلام مولوی الطاف حسین صاحب کمالی قیمت ۸

حجم ۵۰۰ صفحہ پر اردو زبان کو نہایت زبردست اور یکساں اور مفید تصنیف

ہے اس کو کوئی کتاب خانہ خالی نہ رہنا چاہیے

کتاب مصنفہ خواجه غلام تقی صاحب۔ اہل ایمان کی پہلی ایکٹ و ریفرنس

۱۔ اصول و اخلاق اسلام۔ مبین صفحہ کار کا یہ بہت ہی اور خوش

چھپا ہوا۔ کم محسوس اور دیکھوں کو مفید ہو گا کہ یہ کار نظام کے

مارس میں رائج ہو گا کہ ایک ٹکٹ وصول ہوتے ہیں ۲ روپے صحت و مال

دیکھ کر یہ جاوید گئے ۲۰ ماہ سیر اینڈ اپا بھرنہ علی اور فریضہ

مضمون انگریزی میں ہیں یعنی بالائیکس ترتیب۔ کلیم حیات و شامیر

اور یہ مدد کلمات۔ نہایت عمدہ کاغذات و ماسٹریٹری میں حجم

۱۲۵ صفحہ قیمت سابقہ قیمت ۸ روپے ۴۰۔ غفرانہ لطف

جلد چھپی ششما ہی کی لینے والی ۱۲۰۔ ۸ روپے ۴۰۔ غفرانہ لطف

قیمت ۸ روپے ۴۰۔ پڑھنے والے جو غفرانہ کو متفرق فی چھپے ۱۲

اسلام کی صداقت۔ مصنفہ تاج محمد الدین حسین خاں پٹنہ

بڑوردہ ایک خوبصورت کتاب قیمت ۸ روپے ۴۰۔ غفرانہ لطف

مولانا ایضاً جو کائنات خوشخط لکھا ہوا مجموعہ مختلف علمی لطیف

مضامین کا ہے۔ قیمت ۸ روپے ۴۰۔ غفرانہ لطف

چھپنے والے کتابیں دفتر محمد علی لکھنؤ میں مل سکتی ہیں۔

قیمت ہر محصولہ (۱۰۰)
۸ سالانہ

رجسٹرڈ نمبر ایل
۲۱۴

۴۸۶
عقلمند
ایک ماہانہ ریویو
مقاصد

نمبر ۵

جلد ۳

مسلمانوں میں عملیت - صداقت اور کفایت پھیلانا

ایڈیٹر
خواجہ غلام الثقلین - سکرٹری اصلاح تمدن
مئی ۱۹۰۵ء

نمبر	مضمون	صفحہ	مضمون نگار
۱	قبل از وقت رہائے قائم نہ کرو	۱۶۲	مولوی خواجہ غلام الحسن پالی پی متبرعم برہنہ
۲	مردوں کی دعوتیں	۱۶۸	مولانا خواجہ احمد حسین شوکت مجدد العہد شمس
۳	کیا بیاہ شادی میں سب کچھ جائز ہے	۱۷۲	منشی عبدالرحمن صاحب ممبر پیارہ مارڈاڈ
۴	انجمن اصلاح	۱۷۵	سیکرٹری دمبران
۵	شیعہ و سنی میں اتفاق	۱۷۹	ایڈیٹر
۶	رسوم اصلاح طلب	۱۸۲	سیکرٹری انجمن اصلاح معاشہ
۷	ماہ گزشتہ	۱۹۷	ایڈیٹر
۸	نئی کتابیں و عملی خبریں	۲۰۳	ایڈیٹر

مطبوعہ خادم پنجاب پریس امرتسر با تمام منشی نبی بخش صاحب پندرہ چھاپا

غلطنامہ لکچر لکھنو کانفرنس (ضمیمہ جلد نمبر چہارم)

ہر دو بد انتظامی طبع شیوع پلایک مینجور کی مجبوری غیر حاضری کے پچھلے چند پرچہ نامہ لکچر لکھنو غلط چھپے ہم معذرت کرتے کرتے عاجز آ گئے۔ مگر رسالہ ٹھیکاب مرکز پر نہ آیا۔ وقت پر نکال دینا غنیمت سمجھا گیا۔ اب اس کی طبع و تصحیح کا کام ایک لائق و مہمدر وقت بزرگ کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔ کیا محبت ہے کہ آئندہ موقع شکایت نہ رہے فقط ایڈیٹر

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۵	نظر ڈالتے ہیں	نظر نہیں ڈالتے	۱۳	من	من ہو
۶	صمرا	صمرا	۱۸	ان المذنبین	ان المذنبین
۱۳	قرن	دو قرن	۱۱	انسان	انسان
۱۳	مکتب	مکتب	۱۳	تقما	تقما
۱۲	آلیان رائے	آلی رائے	۱۵	انصار	انصار
۸	پتلا	پتلا	۷	وہ بایں	وہ بایں
۲۰	مکتب	مکتب	۱۰	نشدہ	نشدہ
۹	حدیث قدی	حدیث قدی	۱۴	ام الحاص	ام الحاص
۱۵	عبادہ	عبادہ	۲۳	منقاد	منقاد
۱۶	قریبی	قریبی	۱۵	تریت	تریت
۱۰	قبیلہ	قبیلہ	۲۲	لا یفعلون	لا یفعلون
۹	لا یفعلون	لا یفعلون	۱۰	سکس	سکس
۳	لا یفعلون	لا یفعلون	۲۱	ادبائی مذہبی	ادبائی مذہبی
۸	لا یفعلون	لا یفعلون	۱۷	آپ تو	آپ تو

اعلان :- آئندہ سے انشاء اللہ مفصل ذیل طریقے سے عصر جدید کو باقاعدہ حصے ہونگے

- ۱۔ مضامین مستقلہ مثل سابق (اندازاً ۲۰ صفحے)
- ۲۔ انجمن اصلاح موعظ و کتابت متعلقہ (اندازاً ۲۰ صفحے)
- ۳۔ علمی خبریں اور نئی کتابوں پر سری نظر (کم بیش ۲ صفحے)
- ۴۔ ایک اعلیٰ درجہ کا ادب مشرق و مغرب مفید و نفع بخش
- ۵۔ ماہ گوشہ یا ایڈیٹری رائے حالات و معاملات پر (۲ صفحے)

عصر جدید

قبل از وقت کوئی را سے قائم نہ کرو

(ایک تاریخی واقعہ)

خاکسارانِ جہاں را بہ حقارت منکر
توجہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

بہت مدت کا ذکر ہے کہ وارسا یونیورسٹی کے دو طالب علم شہر کے بازار میں اُس جگہ سے گزر رہے تھے۔ جہاں شاہ شچمنڈ کا بنایا ہوا ستون واقع ہے۔ اِس ستون کے ارد گرد بہت سی عورتیں روٹی پھیل۔ ترکاری وغیرہ اشیائے خوردنی راگیروں کے ہاتھ پہنچنے کے لئے بیٹھی ہوئی عموماً دیکھی جاتی ہیں +

اِن دو علمبرداروں کو بازار میں ایک عجیب و غریب صورت نظر پڑی۔ جس نے اُن کی توجہ کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اور وہ اُس کو دیکھنے کے لئے چلتے پلتے ٹھہر گئے + یہ ایک شخص کی صورت تھی جس کی عمر ظاہر بچاس ساٹھ سال کے درمیان تھی۔ اُس کے کوٹ کا رنگ کبھی تو سنہریا ہوا۔ مگر اب تو گھس گھسا کر تار تار الگ ہو گیا تھا۔ اُس کا پورا ٹوپ اُس کے چہرے پر جس میں بھڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ چھایا ہوا تھا۔ اُس کے بدن کا گوشت بہت کچھ اتر گیا تھا۔ اور پوست دستوں باقی رہ گئے تھے۔ مگر وہ ایک مستقل اور تیز قدم کے ساتھ چلتا تھا +

ستون کے نیچے جو دکانیں لگی ہوئی تھیں اُن میں سے ایک دکان پر ٹھہر کر اُس نے دو پیسے کی روٹی خریدی۔ کچھ تو وہیں کھالی۔ اور کچھ جیب میں رکھ کر جنرل زبے اوئزک نائب السلطنت کے محل کی طرف روانہ ہوا جو زار روس الکزانڈر کی عدم موجودگی میں صوبہ پولینڈ میں

۱۔ دارا دھستائی روس کا ایک شہر ہے۔ دربارے دھلا پراج ہے۔ اور ایک زمانہ میں پولینڈ کا دار السلطنت تھا +
۲۔ سمینڈ اول۔ ملک پولینڈ کا بادشاہ تھا۔ ۱۸۰۴ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۰۶ء میں فوت ہوا +
۳۔ الکزانڈر اول۔ شہنشاہ روس ۱۸۰۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۲۵ء میں فوت ہوا +

شاہی استیارات رکھتا تھا *

ایک طالب علم نے دوسرے سے پوچھا۔ تم اس شخص کو جانتے ہو؟

(دوسرا طالب علم) میں نہیں جانتا۔ مگر اس کے پُرانے دھرانے وضع اکیڈروں اور اُس کی ردنی صورت کو دیکھ کر میں گمان کرتا ہوں کہ یہ شخص مردوں کی تجزیہ تکفین کا اقبط علم کرنیوالا ہے۔ (پہلا طالب علم) دوست! یہ بات غلط ہے۔ یہ تو سٹائنس لاس سٹینرک ہے۔ اس وقت جب کہ وہ محل میں داخل ہونے ہی کو تھا۔ دوسرا طالب علم اُس کی طرف دیکھ کر بول اٹھا میں! یہ سٹینرک ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک ذلیل آدمی جو اپنی صورت سے مصیبت زدہ معلوم ہوتا ہے۔ جو بازار میں روٹی کا ایک تلمہ خریدنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے صاحب ثروت حکومت کے اُس کے ساتھی نے جواب دیا۔ کچھ سہی۔ ہے تو وہی شخص؟ اس ظاہری خراب حالت میں ہمارے ملک کا ایک نہایت مقدر وزیر اور یورپ کا ایک اعلیٰ درجہ کا عالم و فاضل چھپا ہوا ہے *

یہ شخص جس کی ظاہری حیثیت اُس کے عہدہ کے بالکل برعکس تھی۔ جو اتنا ہی صاحب اقتدار تھا جتنا بے حقیقت معلوم ہوتا تھا اور اتنا ہی دولتمند تھا جتنا محتاج معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنی تمام دولت اپنی ہی محنت اور لیاقت کی بدولت حاصل کی تھی *

وہ ایک اونٹن خاندان کا آدمی تھا۔ اور بچپن میں تحصیل علم کے لئے اپنے وطن پولینڈ سے نکل گیا تھا۔ اُس نے چند سال لیبنرک اور گاشنگن کی یونیورسٹیوں میں صرف کئے تھے۔ فرانس کے کالج میں تعلیم پائی تھی۔ بعض سے دوستی پیدا کی۔ کوہ اپنٹس اور کوہ اپنی ٹائٹنر کی سیر کی۔ اور آخر کار طرح طرح کے قیمتی علم و ہنر سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس آ گیا *

تھوڑے عرصہ کے بعد ایک امیر نے اُس کو اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے طلب کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ نے اُس کی لیاقت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور سٹینرک درجہ بدرجہ ترقی پا کر سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ گیا *

اُس کی کفایت شعاری نے اُسے دولتمند بنا دیا تھا۔ پانچ سو غلام اُس کی جاگیر میں کاشت کرتے تھے اور بہت سا روپیہ سود پر لگا ہوا تھا *

یہ پولینڈ فرنگستان روس کا ایک حصہ ہے اور اس کے مغرب میں وطن ہے۔ مثلاً ہم میں یہ ملک شاہ روس کے ماتحت ایک عہدہ کا ذیل سلطنت بن گیا تھا۔ مگر بعد ازاں تجارت کی وجہ سے ملک وچ اُس کو سلطنت روس کا ایک صوبہ بنایا گیا۔ اہل پولینڈ بڑے ہمارا اور بڑے وطن ہیں۔ یورپ میں اس قدر بڑی آبادی۔ ان کا نصف حصہ قس پولینڈ میں آباد ہیں *

یہ ملک فرانس کا ایک مشہور صنعت ہولہ ہے۔ مثلاً ہمیں پتا ہوتا تھا۔ اور شیشہ و عین و موت ہوا *

یہ کوہ اپنٹس۔ ملک انکی کے شمال میں واقع ہے *

یہ پولینڈ ٹائٹنر۔ ملک انکی کے شمال ہوتا ہے اس سے اس سے ایک چھپا ہوا ہے *

دنیا کا دستور ہے کہ جس درجہ میں کوئی شخص پیدا ہوتا ہے۔ جہاں اُس کو اصلی درجہ سے زیادہ عروج حاصل ہوا۔ اور حاسدوں نے اُس کو حسد کے تیروں کا نشانہ بنایا۔ میا نہ روی ہمیشہ قابل الزام سمجھی گئی ہے۔ سٹینرک کو بھی اس سے سابقہ پڑا۔ کیونکہ وار سا کے ”بھلے آدمی“ اُس کے تمام کامیوں کو اغراض فاسدہ سے منسوب کرتے تھے +

جہاں یہ دونو طالب علم کھڑے تھے۔ وہاں بہت بے کار آوارہ گرد آدمیوں کی ایک بھیڑ لگ گئی سب کی نگاہ وزیر کی طرف تھی۔ اور ہر شخص اُس کے خلاف کچھ نہ کچھ کہتا تھا +

ایک امیر نے کہا۔ ”کون خیال کر سکتا ہے کہ یہ شخص وزیر سلطنت ہے۔ اگلے وقتوں میں جب کبھی کسی شاہی خندہ داری کی سواری شہر میں سے گزرتی تھی تو سواروں کے دستے آگے پیچھے راکرتے تھے۔ مگر ایک بڑے کنجوس کی کیا توقیر ہو سکتی ہے۔ جس کا اتنا دل نہیں کہ سواری کے لئے ایک گجٹی بھی رکھ سکے۔ جو بازاروں میں کھڑا ہو کر روٹی کا ٹکڑا کھاتا ہے۔ جیسے کوئی فقیر ہو۔“

ایک پادری صاحب بولے۔ ”اجی! اس کا دل ایسا ہی سخت ہے جیسا کہ اس کا صندوق جس میں یہ اپنا بونہ بڑھکھٹا ہے۔ کوئی محتاج اس کے دروازہ پر ہچکچا کر مارتا ہے۔ تو بھی یہ شخص اُس کو ٹکڑا دینے والا نہیں“ +

ایک اور شخص نے کہا۔ ”جناب! دس سال سے یہ شخص اسی کوٹ کو پہنتا ہے + ایک شوخ لڑکے نے جس کے چہرہ پر شرارت برستی تھی۔ یہ آواز نہ کیا۔ ”اے جی! یہ شخص اس خوف سے کہ کڑیاں نہ گھس جائیں۔ زمین پر بیٹھتا ہے۔“ اور جلد حاضرین اس شخص پر قہقہہ میں شریک ہوئے +

ایک سرکاری مدرسہ کا نوجوان طالب علم چپ چاپ کھڑا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا۔ جو اُس کے دل کو نہایت شاق گزرتی تھیں۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ پادری سے مخاطب ہو بولا۔ ”جناب پادری صاحب! جو شخص اپنی فیاضی کی وجہ سے ممتاز ہو اُس کا ذکر ذرا ادب کے ساتھ کرنا چاہیے + اگر وہ اپنی دولت کو اچھے کاموں میں صرف کرتا ہے۔ تو ہمیں اس سے کیا بحث کہ وہ ایسا کھانا کھاتا ہے اور ایسے کپڑے پہنتا ہے“

(پادری) ”ذرا مہربانی کر کے یہ تو بتائیے کہ وہ اپنی دولت کو کس کام میں لاتا ہے؟“

(نومر طالب علم) یہاں کے دارالعلوم کے کتب خانہ کے لئے ایک مکان کی ضرورت تھی۔ اور اتنا سرمایہ نہ تھا کہ کرایہ کا مکان لے سکیں۔ کیسے؟ اس کتب خانہ کے لئے ایک عالیشان محل کس نے عطا کیا؟ یہ شخص سیٹنگ نہیں تو اور کون تھا؟

(بادری) جی ہاں۔ مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تفریق کا ایسا ہی بھوکا ہے جیسے روپیہ کا۔ صاحبزادے! اگر تم کو کسی شخص کا اصل حال معلوم کرنا ہو تو اس کی روزانہ طرز زندگی پر غور کرنی چاہئے یہ نمود یا کجیوس اپنی تصنیفات میں کاشت کاروں کی قیمت پر گریہ زاری کرتا ہے اور خود اپنی وسیع جاگیر میں پانچ سو مصیبت زدہ غلاموں سے سخت محنت مشقت لیتا ہے۔ کسی روز صبح کو اس کے گھر پر جا کر دیکھو تو عجیب کیفیت نظر آئے گی کہ ایک غریب عورت آنکھوں میں آنسو دھیرے ایک مفور سنگدل آدمی سے گر گڑا کر کچھ مانگ رہی ہے۔ اور وہ اُس کو دھتکار رہا ہے؟ وہ سنگدل کون ہے؟ یہی سیٹنگ۔ اور وہ عورت کون ہے؟ اُس کی بہن۔ کیا اس مفور محل غصے والے اور شاندار اسٹیشن بنانے والے کے لئے یہ بات بہتر نہ تھی کہ اپنے مظلوم غلاموں کو آرام دے۔ اور اپنے محتاج غریبوں کی مدد کرے؟

طالب علم نے اس بات کا جواب دینا شروع کیا۔ مگر کوئی شخص اُس کی بات پر کان نہیں دھرتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے مربی اور سیتے دوست کی نسبت ایسی گفتگو سننے سے غلین اور آزرده دل ہو کر اپنے کلیہ احزان کی طرف چلا گیا۔

اگلے دن صبح کو سویرے اٹھ کر اپنے محسن و مربی کے مکان پر گیا۔ تو کیا دیکھتا رہے کہ سچ بچ ایک عورت رو رہی ہے۔ اور اپنے بھائی کی تخت دیا پر وادیا کر رہی ہے۔ بڑے کو یا د رہی ہے۔ قول کی تصدیق ہو گئی۔ اور اُس نے ایک منتقل راستے اپنے دل میں قائم کر لی۔ سیٹنگ ہی نے اس لڑکے کو کالج میں داخل کرایا تھا۔ اور وہی اُس کی تعلیم کا کفیل تھا۔ اب اُس نے یہ ٹھکانا کہ وزیر کا عطیہ آئندہ نہ لوں گا۔ جس شخص کا دل اپنی بہن کی گریہ و زاری سن کر متاثر نہیں ہوتا اُس کے روپیہ سے برگزنا نہ نہیں اٹھاؤں گا۔

عالم و فاضل و وزیر اپنے منظور نظر طالب علم کو اندارتے دیکھ کر اپنے کام سے نہیں رکا۔ بلکہ لکھتے ہی لکھتے بولا۔ ”بھلا۔ اولاً نفی! آج کیونکر آنا ہوا۔ اگر تم کو کتا بوں کی ضرورت ہو تو میرے

کتاب خانہ سے لیجاؤ۔ آلات کی ضرورت ہو تو فرمائش کر کے کسی کارخانہ سے منگالو۔ ادھر مل میرے پاس بیچ دو۔ اور اگر کسی اور شے کی ضرورت ہو تو مجھ سے صاف صاف کہہ دو۔

(طالب علم) جناب! یہ بات نہیں ہے۔ بس تو آپ کی پچھلی غامتوں کا شکریہ ادا کرنے اور یہ کہنے آیا ہوں کہ آئندہ آپ کے غلیظوں کا لینا مجھے منظور نہیں ہے۔
(وزیر) تو پھر مالدار بن گئے ہو گے؟

(طالب علم) میں تو اب بھی ایسا ہی مفلس ہوں۔ جیسا پہلے تھا۔

(وزیر) اور کلج کی بات کیا کہتے ہو؟

(طالب علم) میں کلج ضرور چھوڑوں گا۔

یہ سن کر سٹینرک کھڑا ہو گیا اور طالب علم کی طرف ٹٹکی باندھ کر کہا۔ ”یہ بات ناممکن ہے

تم ہمارے طالب علموں میں سب سے زیادہ ہنر مند ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہونا چاہیے۔
رٹکے نے ہر منہ اپنے دل کی بات پھیلانے کی کوشش کی۔ مگر سہ فائدہ۔ سٹینرک نے

اُس کا سبب معلوم کرنے پر اصرار کیا۔

”اڈالنی نے کہا۔ ”جناب من! آپ اپنے مسیت زدہ خاندان کی حق تلفی کر کے مجھ پر بار احسان رکھتے ہیں۔“

وزیر یہ بات سن کر اپنے جوش طبیعت کو چھپانہ سکا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھرتے

اور گرم جوشی سے نوجوان طالب علم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ ”غریب من! اس نصیحت کا

ہمیشہ خیال رکھنا کہ ”وقت سے پہلے کسی بات پر رائے قائم نہیں کرنی چاہیے۔“

ممکن ہے کہ کسی شخص کی زندگی میں اُس کی نہایت ہی خالص نیکی کو لوگ بدی خیال کرتے ہوں۔

اور سخت سے سخت الزام جو اُس پر لگایا جاتا ہو۔ بے بنیاد ثابت ہو جائے۔ میرا چال چلن حقیقت

ایک تمل ہے۔ جس کو میں مل نہیں کر سکتا۔ یہ میری زندگی کا بھید ہے۔ میرے مرے پیچھے آپ

کھل جائے گا۔“

یہ دیکھ کر کہ اس گفتگو سے طالب علم کا اطمینان نہیں ہوا اور وہ اب بھی پس پیش کرتے ہو

وزیر نے کہا۔ ”جو روپیہ میں تم کو دیتا ہوں اُس کا حساب رکھو۔ اُس کو

قرضہ سمجھو۔ اور جب خدا وہ دن دکھائے کہ تم اپنی محنت کی بدولت
پڑھ لکھ کر دولت مند بن جاؤ۔ اُس وقت کسی غریب اور مستحق
طالب علم کو تعلیم دلا کر میرا قرضہ ادا کر دینا۔ رہائیں۔ میری موت کا
انتظار کرو۔ اُس وقت میری زندگی کی نسبت کچھ راسے فائدہ ہو گا۔
پچاس برس اسی طرح گزر گئے۔ اور اب وقت آتا کہ تیس ہزار باشندگان پولینڈ
اُس کے جنازہ پر اکرج ہوئے۔ اور تابوت کی چادر کو ایک مقدس اور قابل قدر تبرک
سمجھ کر چھونا چاہتے تھے * وارسا کے باشندوں نے جو اس مشہور مصروف شخص کی
اس قدر تعلیم و تکریم کی تھی۔ اُس کی وجہ دوسری فوج کی سمجھ میں نہ آئی۔ مگر غور سے ہی غصہ میں
ظاہر ہو گئی۔ * اُس کے آخری وصیت نامہ سے اُس کی ظاہری طبع کا عقدہ اس طرح

حل ہو گیا کہ

اول

اُس کی وسیع جاگیر پانچ سو حصوں میں تقسیم کی گئی اور ہر ایک حصہ
اُس آزاد کاشت کار کی ملکیت قرار دیا گیا۔ جو پہلے اُس کا غلام تھا۔

دوم

کاشت کاروں کے بچوں کو مختلف پیشوں کی تعلیم دینے کے لئے ایک
توبہ نشہ اور بیسے وسیع پیمانہ پر ایک مدرسہ قائم کیا جانا تجویز ہوا۔

سوم

بیماروں اور بوڑھوں کی امداد کے لئے مد محفوظ میں ایک رقم رکھی گئی۔

چہارم

آزادہ کردہ غلاموں پر تھوڑا سا سادہ نامہ محصول اس غرض سے لگایا جانا
تجویز ہوا کہ اس آمدنی سے آہستہ آہستہ دوسرے غلاموں کو آزاد کرایا جائے

پنجم

جو سخت محنت مصیبت میں مبتلا تھے اور جن کی محنت کی کچھ داد نہیں ملتی تھی
اپنے کاشت کاروں کے لئے اس طرح انتظام کرنے کے بعد سٹیٹس
نے یہ وصیت بھی کی کہ چھ لاکھ ملارن (تخمیناً نو لاکھ روپیہ) سے ایک
منوہ کا اسپتال قائم کیا جائے۔

ششم

بہت سا روپیہ محتاج اور شوقین بچوں کی تعلیم کے لئے چھوڑا۔

ہفتم

رہی اُس کی بہن۔ اُس کو وہی سالانہ گزارہ ملتا رہا۔ جو اُس نے اپنی زندگی

میں اُس کے لئے مقرر کیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک ناعاقبت اندیش اور فضول خج عورت تھی۔ اور جتنا روپیہ اُس کو ملتا تھا۔ سب بے وقوفی سے اُڑا دیتی تھی۔
سٹانس لاس سٹینزک کی قسمت عجیب و غریب تھی۔ عمر بھر شہیدِ محبت رہا اور حجب کے بعد ہزاروں آدمی جن کے ساتھ اُس نے احسان کئے تھے۔ اُس کو دعا و غیر سے یاد کرتے تھے اور ادب سے اُس کا نام لیتے تھے۔
 غلامِ احسنین

مردوں کی دعوتیں

مسلمانوں میں جن اچھو بہ اور رنگ برنگ صورتوں سے مردوں کی دعوتیں کی جاتی ہیں کسی قوم اور مذہب میں اُن کی نظیریں نہ مل سکیں گی۔ ہندو کو اعجوبہ پرست اور بت پرست بتایا جاتا ہے۔ مگر کیا اُن کے مقابلے میں مسلمان مردہ پرست نہیں ہیں؟ وہ یہی ہے کہ مردوں کو زندہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ بھی زندوں کی طرح روٹی کپڑے کے محتاج ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی گھر میں کوئی نئی اور نفیس شے پکتی ہے یا کوئی پھل یا نرکاری وغیرہ بازار سے آتی ہے تو مردوں کا حصہ بھی کسی ملاؤ کھلایا جاتا ہے یا مسجد میں بھیجا جاتا ہے۔ ایسی مٹرفانہ بدعتیں زیادہ تر عورتوں کی طرف سے ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ ضعیف المزاج ضعیف القلب ضعیف العقیدہ ہوتی ہیں اور مردوں کو بھی اپنے دُعب پر کھینچتی ہیں۔ جس طرح زندگی میں بی خیر النساء کا بچہ دودھ کی خاطر پڑا رہتا ہے اور بی خیر النساء کہتی ہیں۔ ”اُسے ہے! بوا بچہ کب سے پبلار رہا ہے۔ یہی اُس کے منہ پر کہتی ہیں۔“

جب کوئی شیر خوار بچہ مر جاتا ہے تو چالیس روز تک اُس کے حصہ کا دودھ مسجد میں بھیجا جاتا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ بھوکا ہے اُس کو دودھ پلانا چاہئے۔ چالیس روز تک اکثر یہی مراعات جوان اور بوڑھے مردوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ چالیس روز تک تو لگاتار۔ اس کے بعد وقفہ جو یکسہ ماہی۔ پھر شش ماہی پھر برسی کی جاتی ہے۔ گویا بچہ کے دنوں میں مردوں کو بھوکا رکھنے کی کچھ پرواہ نہیں کی جاتی اور برسی کے بعد تو وہ بالکل یاد ہی نہیں رہتے۔ مُلکِ عدم میں یا گور میں ہمیشہ بھوکے ہی رہتے ہیں۔

کہ مردوں کو ثواب پہنچے۔ گویا وہ ثواب کے بھوکے اور محتاج ہیں اور جب وہ خود تمہارے محتاج ہیں تو قاضی الحاجات کیونکر ہوئے۔

خدا کے یہاں یہ نا انصافی ہرگز نہیں کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ کرے ڈار ہی والا اور دھرا جلتے موچھول والا۔ پھر کفارہ مسیح کا کیوں انکار ہے ؟

بُت پرستوں کا عموماً یہ عقیدہ ہے کہ اگر ہم اپنے دیوتاؤں کو دکھانا نہ دیں گے۔ تو وہ ہمیں تباہ و برباد کر دیں گے اور جس قدر ہم ان کے لئے مالی اور بدنی تکلیفیں اٹھائیں گے وہ اسی قدر ہم سے خوش ہوں گے۔ چنانچہ بعض بُت پرست کسی دیوتا کے نام سے اپنا کوئی عضو معطل کرتے اور سکھا لیتے ہیں۔ بعض اپنی زبانیں کاٹ کر مندروں میں چڑھا دیتے ہیں بعض خود کشی کر بیٹھتے ہیں۔ بعض اپنے بدلے دوسرے انسانوں کی قربانی چڑھا دیتے ہیں۔ کیا مُردہ پرست مسلمانوں میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ انوس۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون پھر قرض وام کیا جاتا ہے۔ سودی روپیہ لیا جاتا ہے۔ تمام ضروری کاروبار بند کئے جاتے ہیں۔ مگر کیا ممکن ہے کہ گیارہویں کرنا اور عسل وغیرہ کا منانا اور ان میں جانا بند کیا جائے حالانکہ کلام مجید میں ہے۔ **اَلَا یَکَلِفُ اللّٰهُ نَفْسًا اَوْ سَعْبًا** لآیہ

دہلی میں ایک فاتحہ دی جاتی ہے۔ جس کا نام تبارک کی روٹی ہے۔ یہ شیر مال کی قسم سے ہوتی ہے۔ اور اس پر شمشاد اور سولف وغیرہ چھڑکا اور جایا جاتا ہے۔ یہ دعوت رحیم کے پھینے میں ہوتی ہے۔ برادری کے کپنے میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اس سے گویا مُردہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ جلاؤ وغیرہ سے خوش نہیں ہوتے۔ اور طریقہ یہ ہے کہ اکثر حضرات اپنی زندگی ہی میں یہ تقریب کرتے ہیں۔ یعنی اپنے کو مُردہ قرار دے کر آپ اپنی دعوت کرجاتی ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

فاتحہ دینے والو تم نے کیا ہی اعجوبہ کام کیا ؟ آپ پکلیا آپ ہی کھایا مردوں کو بدنام کیا عجیب بات ہے۔ زندہ اپلاچ یتیم۔ بے کس بے بس تو خیر خیرات کے مستحق نہ ہوں۔ اور مُردہ مستحق ہوں۔ غریب لاوارث طالب علموں کی مدد نہ کی جائے اور ایسے پیر عل کا پیٹ بھرا جائے جو مُردہ پرستوں کو مال دولت۔ نوکری۔ بیوی اور اولاد دلوانے پر قادر ہیں ؟

بی نظرفین کہتی ہیں۔ ”بوا! میں تو اپنی روٹی اپنی زندگی میں کرجاؤں گی۔ آدمی پانی کا بلبلہ ہے۔ اور میرے بال تو سن جیسے سفید ہو گئے۔ پیٹھ جھک گئی۔ دانت گر گئے۔ جیتے جی کے سب ہیں۔ موتے کا کوئی نہیں۔ میری روح قبر میں لوٹتی رہے گی۔ نہ کوئی کرے گا۔ نہ کوئی دھریگا۔ اور دنیا ہی میں کون کسی کا ہے۔ اللہ میاں چلتے ہاتھ پاؤں اٹھالے۔ بس اور تو کیا کہوں۔ میں آد بڈا کے سب کو دیکھ چکی ہوں اور جھگت چکی ہوں۔ اور بیٹی سفیرن! جب تمہارا آبا جان خرچ دبا کرتے تھے۔ تو میں اپنی روٹی (اُسی تبارک کی روٹی) کے لئے تنگی پریشی کر کے کچھ بچا لیتی تھی۔ اب میرے پاس کوئی سواستائیس روپے ہیں۔ یہی اور بھنا یہی بچھونا اسی میں سب کچھ کر ا دو“۔

(سفیرن) ”اُوہی آماجنا! بھلاستائیس روپیہ کس کس کی ناک پر دھرو گی۔ اونٹ کے شہ میں زیرہ۔ یہ بھی وہی بات ہوئی کہ ہاتھ نہ مٹتی ہر راقی اُٹتی۔ اللہ رکھے دھائی سو آدمیوں کا تو تمباہ کتبہ اور ہزار آدمیوں کی برادری۔ بتاؤ ستائیس روپے کو کہاں تک بھاگ لگیں گے۔ تنگی کیا نہانے کی کیا پھوڑے گی؟“

یہ سستے ہی بی نظرفین اپنے سر میں دھتر مار کر زار قطار رونے لگی۔ یہ تو میں پہلے ہی جانتی ہوں۔ کہ میرے مردے کی مٹی خراب ہوگی۔ مر گئے مردود۔ فاتحہ نہ دُود۔ تم یہ چاہتی ہو۔ کہ ستائیس روپے بھی جو میں نے سو جنن کر کے جوڑ جاؤں گے رکھے ہیں۔ میرے مرے پر تمہارے ہی تلمھ میں اُتر جائیں اور نہ نو من تیل ہو نہ رادھانا چے۔ اللہ کرے جو میری روٹی کرنے میں بھانجی ماہیں۔ ان کی صورت کو مردہ شو لیجائیں۔ اور وہ بھی دنیا سے روٹی کو اسی طرح ترستی اُٹھ جائیں۔

(احمد حسن شوکت اڈیشہ شہنہ ہند و طوطی ہند میرٹھ)

نوٹ۔ مولانا شوکت نے اپنے خیالات کے مطابق ہدایت درست نصیحت مسلمانوں کو کی ہے میت کے کھانے کے متعلق دو باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اول۔ اُس کی مذہبی حیثیت دوسرے۔ اُس کی دنیاوی حیثیت۔ مذہبی لحاظ سے علماء اور عوام ہر دو میں اختلاف ہے کہ مردہ کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں اور یہ اختلاف اس لحاظ سے جائز ہے کہ مداخل اولیٰ یعنی قرآن شریف میں نہ صاف حکم ہے اور نہ ممانعت ہے

مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ برادری کے بھائیوں کو کھلانا یا مردہ کی وجہ سے اپنی ناموسی کرنا کسی طرح موجب ثواب نہیں ہو سکتا۔ سب سے انسب اور عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ہم لوگ اس قابلِ نفرت نمود اور ناموسی کو چھوڑ کر کسی عزیز کے مرنے پر ایک صد خیرات نکال کر اگے کر دیں۔ اُمید ہے یا تو برادری کے کسی نہایت محتاج اور غریب آدمی کو کام سے لگا دیوں یا یہ نہ ہو تو ان غریب بھائیوں، بیواؤں، یتیموں کو نقد یا جس کی شکل میں بھیج دیں جن کو نان شبینہ بمشکل میسر آتی ہے۔ اس نیک طریقہ سے شاید خدا رحم کر کے ان کے عزیز کے گناہوں میں تخفیف کر دیوے۔ *

یہ منوں کھانا اور پلاؤ پاک کر جو ہٹتا ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ ہر مستطیع شخص اس کو فوراً واپس کر دیوے۔ چنانچہ کئی ممبر صیغہ اصلاح اور سکرٹری ایسا کرتے ہیں۔ فقط ایڈیشن

کیا شادی بیاہ میں سب کچھ جائز ہے؟

تعب اور بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ ایک بات جو ایک وقت شرعاً ناجائز سمجھی جائے دوسرے وقت میں اسی کو جائز قرار دیدیا جائے۔ حالانکہ کوئی اضطراری حالت بھی پیدا نہ ہوتی ہو اس کی وجہ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہماری سمجھ میں یہی آئی ہے۔ کہ رسم و رواج کی پابندی آدمی کو ہٹنے نہیں دیتی۔ اور جو کسی وقت خاص پر مذہب کو جس کے آگے انسان کا دل ہرقت سمجھ کر تار ہٹتا ہے بالاسے طاق رکھ دیتی ہے۔ دنیا میں اگر کوئی زبردست طاقت ہو سکتی ہے تو وہ مذہب ہے۔ مگر حضرت نبی نوع انسان نے مذہبی قیود سے گاہے گاہے سبکدوش ہونے کے لئے رسم و رواج کی نئی نئی صورتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ نئی دھنی الٹا تو ذکر ہی کیا جو سرے سے پردہ کو ایک دھیانہ رسم قرار دیتے ہیں۔ ہمیں سروسٹ ان بزرگوں کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے جو یہ بھی گوارا نہیں کرتے۔ کہ عورتوں کی آواز بھی نا محرم کانوں میں پڑے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ عورتوں کو چار دیواری میں قید کر رکھنا اور سیر و تفریح کے لئے باہر نہ جانے دینا کون انسانیت ہے؟ تو یہ سنتے ہی ان کی رگِ حمیت جوش میں آجائے گی۔ چہرہ تھما جائے گا۔

آنکھوں سے انگارے برسنے لگیں گے۔ اول تو امید ہے کہ کچھ دلاپٹ کے آٹے کا نہیں تو
بڑا تو ضرور سن جائے گا۔ ان بزرگوں کے اس خیال سے تو ہم بھی متفق ہیں۔ مگر دوسری
طرف ہیں سخت تعجب دہاوی ہوتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ شادی بیاہوں میں وہی
بزرگ زنا نچانوں کے معنوں میں زندگیوں کے ناج اور بھنڈیوں کی نقلیں کواتے ہیں خصوصاً
صوبہات متحدہ میں اس کا زیادہ مدح ہے۔ ہم نے خود بیاہ والے گھروں میں دیکھا ہی
کہ زنانہ میں پردہ کر دیا جاتا ہے۔ مہان اور عزیز و اقارب شامیانہ کے نیچے مکلف فرش پہا بیٹھتی ہیں
اب زندگی کا ناچ شروع ہوتا ہے۔ عورتیں جو اندریں یا اوپر شامیانہ کے پاس کوئیں۔ اُن کی عجیب
کیفیت ہے۔ کوئی شامیانہ کا پردہ پھاڑے ڈالتی ہے اور زندگی کی صورت دیکھنے کو اندر سر دیو
دیتی ہے۔ اندر کی عورتیں ہیں جو جھانکتے جھانکتے کو اڑکھولے دیتی ہیں۔ اُس کے حسن و آرائش اور
خوش گلوئی پر آپس میں ایسی چرمیگوایاں ہو رہی ہیں۔ جن کو کان برداشت نہیں کر سکتے۔ اب بھنڈیوں
کی باری آئی۔ وہ نالایق بھی ایسے ایسے موقعوں پر عجیب سوا لگ بھر کر آتے ہیں۔ کوئی زچہ بنتا
ہے کوئی بچہ۔ کوئی زنانہ بھیس میں آتا ہے کوئی مردانہ میں (ایسے جلسوں کے لئے رات کا وقت
ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ جس وقت طبیعت چاہے۔ خواہ صبح ہو خواہ دوپہرا شام)۔ اب مہمان
میں کہ مارے خوشی کے لوٹن کو تر بنے ہوئے ہیں۔ عورتیں ہیں کہ مارے ہنسی کے بھی جاتی ہیں۔
ان تماشوں سے جو بڑا اثر مستورات پر پڑتا ہے۔ ناگفتہ بہ ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ان زندگیوں کے کچھ اور
بھنڈیلے آدمی نہیں ہوتے؟ وہ فرشتے ہوتے ہیں؟ یہ کون سی حمت ہے۔ کہ عورتیں ان کو دیکھیں
زندگی یا بھنڈیلے نفس کے نمونہ ہوا کرتے ہیں۔ تو پس حضرات! مستورات کو نفس کے نمونے دکھانے
کس مذہب میں جائز ہے؟ اب صاحب خانہ میں کہ کھلے پڑتے ہیں کہ ہم نے بھی عورتوں کو عجائبات
دنیا کی گھر میٹھے میٹھے سیر کرا دی۔ یہ نہیں جانتے کہ یہ ایک زہریلی ہوا تھی جو سب پر اثر کر گئی۔
شرم کی بات ہے کہ ہم اُن عورتوں میں جن کو ہمیں پاکبازی کا سبق سکھانا چاہئے ایسے
محترہ اخلاق اور بد تہذیب جلسے کرائیں۔ اگر اُن سے کہا جائے کہ ایسے جلسے خلاف تہذیب ہیں
تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ میری عادت جانتے ہیں ہیں تو خود ایسے جلسوں کو ناپسند کرتا ہوں
مگر لڑکیوں اور مستورات کے اصرار پر میں نے بھی کہا کہ یہ ایک رواج سا چلا آتا ہے۔ کیا مضائقہ

ہے۔ اگر پردہ میں سے وہ بھی سن لیں +

جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ اس میں زیادہ تر قصور ان مستورات کا ہے جو ایسے ماحول پر زور دیتی ہیں۔ مگر اس کی ذمہ داری سے وہ آدمی بھی بری نہیں ہو سکتے جو ان کی یہ خواہشیں پوری کرتے ہیں۔

دوسری بڑی رسم اسلامی کی ہے۔ جب دو لہا اسلامی کے لئے گھر میں آتا ہے تو اس وقت شاید دو لہا کو درشتہ سمجھ لیا جاتا ہے یا شاید اُس کی ہستی کو انسانی ہستی ہی نہیں سمجھا جاتا ایک لطیف وجود خیال کر لیا جاتا ہے کہ سب عورتیں اُس کے سامنے آ جاتی ہیں بلا لحاظ اس کے کہ کنبہ کی ہوں یا غیر کنبہ کی۔ محرم ہوں یا نہ محرم۔ کسی نے بہت احتیاط کی تو عورتوں کو بیچ میں کو ہو کر دُندیدہ نگاہوں سے دو لہا کی طرف ٹٹنگی باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ کوئی ہے کہ چلن کو پھینک ڈالتی ہے۔ لیکن دو لہا کو ضرور دیکھینگے +

بعض جاہل عورتیں تو یہاں تک کہہ دیتی ہیں۔ کہ نوشہ سے پردہ نہیں کیا کرتے + کیا ہمارے بزرگوں کو یہ خبر نہیں کہ اسلامی کی بھی کوئی رسم ہے ؟ اور کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ اس موقع پر پردہ کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر جب اس ننگے انسداد کے واسطے عرض کیا جاتا ہے تو یہ کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں کہ قدیم سے ہوتی چلی آئی ہے۔ گویا اُن کے نزدیک ہم در دلج کئے سامنے مذہب کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ اور مسلمانوں کی ذلت اور ادبار کی بڑی بھاری وجہ ہی یہ ہے۔ کہ انہوں نے مذہب کو پس پشت ڈال دیا۔ اب ہم

اُن سے جن کے ہاں یہ رسمیں جاری ہیں ادب سے پوچھتے

ہیں کہ وہ سب پردے کہاں گئے

سید محمد عبد المجید

ممبر اصلاح تمدن

از کپڑہ تھلہ

انجمن اصلاح

۱) پچھلے پرچہ کے ساتھ جو لکچر تقسیم ہوا وہ اور چند رسالے خاص طور پر برسرِ پپ - اس کی وجہ یہ ہے کہ لوکل مطبع نیا تھا۔ نا تجربہ کار ماتحتوں میں تھا اور پچھلے لکچر میں آیات قرآن شریف کی کتبوی قلیطیاں کاتب نے نہیں بنائیں۔ ایڈیٹر ایک خانگی ضرورت سے دہرنتہ کے لئے باہر چلا گیا تھا۔ شیوع طاعون کی وجہ سے اور کوئی بھی اس قابل باقی نہ تھا کہ تصحیح کر لے۔ جو کچھ کاتب نے چاہا لکھ دیا۔ لیکن انشاء اللہ اس کی تلافی ہو جاوے گی۔ یہ لکچر علیحدہ مہیج اور خوش خط چھوٹی تقطیع پر شائع کیا جائے گا۔ اور آئندہ سے رسالہ کی تصحیح کا مستقل انتظام بالمعادضہ کر دیا گیا اور چھپائی بھی اچھی ہوگی *

۲) سید جمال احمد صاحب کے رسالہ رسم و رواج (مطبوعہ عصا جلیلہ جلد ۱ نمبر ۱) کی بابت کمیٹی حدیث کے ایک لایق ممبر اور سکریٹری انجمن اصلاح موافقہ نے جو رائے بھیجی ہے اس کو ہم ذیل میں چھاپتے ہیں *

سیخ فیض اللہ صاحب کی رائے
بابت اصلاح مراسم
میں بذات خود وہ مراسم جو خلاف شرع اور باعث ننگ و عار ہوں اور جو حسب منشاء و معیضہ اصلاح تہذیب فصول خرچی پیدا کرتے ہوں۔ ان کا قائم رکھنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ رہی یہ بات کہ بہت سارے مراسم ایسے ہیں جس سے ضمناً نام و نمود کا خیال پیدا ہوتا ہے اور باعث ترقی و ترقی اسلام سمجھا جاتا ہے اور جس کو بہت لوگ اسلام کے ظاہری شان و شوکت پر محمول کرتے ہیں۔ کیا اسلام انہیں تباہ کن مراسم کی بدولت اس قدر ترقی پر پہنچا ہے؟ کیا انہیں خلاف شرع و تہذیب اور فضول خرچ مراسم نے اسلام کے ظاہری شان و شوکت کو دوبالا کیا ہے؟ ہرگز نہیں * اسلام میں اور بہت سے ادا و نواہی ایسے ہیں کہ اگر اس پر عمل کیا جاوے اور اس کی شان کا اظہار کیا جاوے تو عالم جاگمگا اٹھے۔ اسلام ظاہر دلیل کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ نہ یہ ریا کا سبق سکھاتا ہے * اسلام نام ہے اخلاقی بُرائی کے دور کرنے اور بھلائی کے پیدا کرنے کا اسلام سکھاتا ہے کہ دل کو صاف رکھو اور دلی جاگمگا ہٹ دکھاؤ۔ اسی اسلام کے جتانے

اور بتانے پر اُس کے پیروں نے ایک آن واحد میں اپنی غفلت و تمکنت کا سہرا تمام عالم کی سامنے باندھ کر دکھا دیا۔ غرض میں ایسے خلاف شرع مراسم کے ادا کرنے اور نام و نمود اور ظاہری شان و شوکت کے رواج کو ترقی دینے و قائم رکھنے کو ہرگز پسند نہیں کر سکتا۔

بسم اللہ۔ بسم اللہ کی رسم مسلمانوں میں بہت عمدہ ہے۔ اُسی روز سے لڑکے کو باضابطہ تعلیم کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ اُم! کیوں مسلمانوں کے یہاں بہت عمدہ رسم سمجھی جاتی ہے؟ کیا دوسری قومیں بھی بسم اللہ یا مکتب کی رسم ادا کرتی ہیں؟ کیا اُن کر لڑکوں کو تعلیم نہیں دی جاتی؟ اور وہ تعلیم یافتہ نہیں ہوتے؟ کیوں ضرورت ہے کہ ایک خاص دن سے بچوں کو شوقِ تعلیم دلایا جاتا ہے؟ اور کیوں نہیں والدین بچوں کو ہمیشہ سے علم کی طرف متوجہ کرتے؟ اور کیوں اُنہیں ایک خاص دن کا پابند کیا جاتا ہے؟ اور کیوں اُن کی تربیت کا زمانہ جب سے شروع ہوتا ہے اُسی وقت سے تربیت و تعلیم نہیں دی جاتی؟ اور کیوں ایک خاص دن کا انتظار کر کے اُن کی تعلیم کا نقصان کیا جاتا ہے؟ کیا جب کہ دوسری قوموں میں مکتب کی رسم نہیں ادا کی جاتی اور ”روشنی“ وغیرہ نہیں ہوتی اُن کی شان میں فرق آجاتا ہے؟ اُن کی مذہبی عزت و عظمت گھٹ جاتی ہے یا اُس میں فرق آجاتا ہے؟ ہرگز نہیں اور اس طرح کوئی مجمع برادری کا ہویا خاندان والوں کا۔ میرے خیال میں جب متوسط درجہ کی شرط لگائی جائے۔ تو یہ لوگ کبھی برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتے۔

میرے قصبہ موائمہ کی وہ فہرست جو آپ عصر جدید کے اسی پرچہ میں چھاپنے والے ہیں۔ اور اُس میں جو رائے ایک شخص کی طرف سے لکھی گئی ہے وہ میری یا میری انجمن کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ وہ رائے براے سہولیت ممبران منتخب شدہ قصبہ موائمہ درج کی گئی ہے چونکہ میری انجمن کے مقاصد میں یہ ہے کہ جو کام کیا جاوے وہ مجمع برادری کی آسانی اور سہولت کی غرض سے ہو اور وہ طریقہ اختیار کیا جاوے جس پر کل لوگ آسانی سے عمل پیرا ہو سکیں۔ اس لئے میں اپنی رائے آئندہ سے اُس میں نہیں دے سکا اور اب جب کہ سید جمال احمد صاحب نے قوم کے سامنے ایک مختصر ہی فہرست پیش کی ہے۔ اور اُس پر آپ رائے کے طالب ہیں تو میرا یہ فرض ہے۔ کہ اپنی ذاتی رائے کا آئندہ کے قصبہ

اظہار کروں۔ میں خود اپنے قول پر فعل کے ذریعہ سے عامل ہوں اور بفضلِ جو کچھ کہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔ اس لئے اس بات کے اظہار کی ضرورت ہے کہ میں انہیں باتوں کو پسند کرتا ہوں اور انہیں سے اتفاق ظاہر کرتا ہوں جو خلافِ شرع نہ ہوں اور جو باعثِ تذلیلِ اسلام نہ ہوں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ جب خلافِ اسلام مراسم ادا کی گئی اور پیرویِ اسلام نہ ہوئی اُس وقت تک کوئی کام ہم مسلمانوں کا انجام پذیر نہیں ہو سکتا اور یہی آوازِ آجکل ہر چار طرف سے آ رہی ہے کہ مسلمان ہرگز اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ پورے طور پر پابندِ اسلام کے احکام کے نہ ہوں گے۔

خیرات کی اصلاح و طرزِ معاشرت کی بابت جو کچھ جناب سید جمال احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ میں اُس سے اتفاق ظاہر کرتا ہوں۔ یہ میری مختصر و بالا لاجال رائے بابت مضمون سید جمال احمد صاحب ہے۔ بقیہ میرا ان کیسی منظمہ صیغہ اصلاح جو راج دیوں اُن کو اختیار ہے اور اُس پر مجھ کو بھی اتفاق کرنا مجبوراً لازم ہو گا۔ فقط شیخ فیضان الدین نوٹ۔ دوسری فہرست بھی پیش ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ بحث انجمن اصلاح کے کالموں میں ماہ دسمبر تک جاری رہے۔ فقط سکریٹری

ایک ممبر کی سالانہ رپورٹ یہ سچ ہے۔ کہ اتنے کی پانچوں انگلیاں مساوی نہیں ہوتیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ ہر انگلی میں کام کرنے کی کچھ نہ کچھ قوت ہوتی ہے۔ بعض صاحبِ حق یہ کام کرتے ہیں ظاہر نہیں کرتے۔ مگر شرعی واجبات کے ادا کرنے میں۔ اور واجبات بھی وہ جس سے علما نے دین اور مشائخ تک غافل ہیں اقتضا بھی لازم ہے۔ ظاہر پرستی اور اسراف کو بند کرنا محنت کا سبق سکھانا میرے نزدیک ایک اعلیٰ تعلیمی فرض ہے۔ سب ممبروں کو مسلسل اس کے لئے کوشش کرنی لازم ہے۔ اس واسطے بطور نمونہ کے میں ایک رپورٹ یہاں درج کرتا ہوں۔ امید ہے کہ سب ممبران اسی طرح عمل فرمائیں گے۔ جناب من!

رپورٹ مسٹر باعلظہ ممبر صیغہ

حب دفعہ ۱۷ ب، دستور العمل صیغہ اصلاح تمدن

جو کام میں نے اذاتما ممبری لغات ۳۰ نومبر ۱۹۱۹ء صیغہ کے لئے کیا۔ اس کی رپورٹ موصول ہوئی

میں غدر خواہ ہوں کہ سالانہ جلسے سے ایک ماہ قبل رپورٹ نہ بھیجی گئی۔ مگر یہ غلط فہمی ہوئی کہ میں سمجھتا تھا کہ عندالطلب رپورٹ بھیجی جاوے۔ اس نے اب تک آپ کی جانب سے طلبی کا متوقع رہا لیکن جب دوبارہ دستور العمل کو غور سے پڑھا تو اس میں مندرجہ طلب کا لفظ نہ پایا۔ رپورٹ حسب ذیل ہے:-

(۱) دسمبر ۱۹۶۷ء میں مندرجہ ذیل اصحاب کو رسالہ اخراجات اور امداد منگوا دیا اور

ابتدائی اور ان کے متغایین کو ان دونوں رسالوں کے پڑھنے کی تاکید کی اور ترغیب دی

(۱) ہر ہائٹس نواب محمد شہیر خاں بابی - والٹی ریاست رادھن پور

(۲) صاحبزادہ جلال الدین خاں متعلم راجکمار کالج راجکوٹ

(۳) جناب فتح الدین خاں صاحب بابی والٹی ریاست مانا دور - کاٹھیا واڑ

(۴) صاحبزادہ کمال الدین خاں بابی متعلم راجکمار کالج راجکوٹ

(۵) شیخ غلام جیلانی رئیس وائی - ضلع ستارا

(۶) میرزا فتح علی خاں آف کھایت - متعلم راجکمار کالج راجکوٹ

(۷) ہر ہائٹس نواب عبدالمجید خاں آف شامپور - دھاڑ واڑ

(۸) صاحبزادہ فیروز خاں آف بجانا - متعلم راجکمار کالج - راجکوٹ

(ب) م روزانہ پیسہ اخبار مطبوعہ ۲۸ دسمبر ۱۹۶۷ء میں گزرا گئے بیٹی کے متعلق بعنوان نمبر ۱

کا نثر کو بیٹی میں کیا کیا دیکھنا چاہئے، ایک مضمون چھپوایا

(ج) ۱۰ فروری ۱۹۶۸ء کو انجمن اسلام راجکوٹ کے سالانہ جلسہ میں انجمن اصلاح تمدن

کے اغراض و مقاصد و مفاد بیان کئے

(د) محرم میں دستور تورگر سوانگ بھرنے والوں کو کچھ نہیں دیا

(ه) عصر حیدر میں مندرجہ ذیل مضامین چھپوائے

(۱) ”میں نے شراب کا خیال کیوں چھوڑ دیا“ فروری میں چھپا

(۲) ”غیر کفو میں شادی نہ کرنا“ مارچ ”

(۳) ”بیابان کے بعد ماں باپ سے علیحدگی“ مئی ”

۴۲) ”لحم الخنزیر کیوں حرام ہے“ نومبر میں چھپا
 (۱) اکثر اصحاب سے انجن اصلاح تمدن کے ممبر بن جانے کی درخواست کی لیکن چونکہ وہ
 اس قدر اخلاقی جرأت نہیں رکھتے تھے کہ دستور العمل پر کامل طور پر عمل کر سکیں۔ اس لئے
 ان کے ممبر بنانے کی کوشش میں ناکامی مابی ہوئی۔ تاہم بھوں سے وعدہ لیا کہ جتنے الامکان
 وہ اصلاح میں کوشش کریں گے

(۲) رسالہ خیرات کو بحروف گجراتی لکھنے میں جناب منشی غلام محمد صاحب بیرسٹراٹ لاکی مدد
 کی۔ گجراتی حروف میں رسالہ خیرات منشی صاحب موصوف نے اپنی جیب سے خرچ کر کے ایک
 ہزار نقل چھپوایا ہے اور مفت تقسیم کرتے ہیں
 نیلم باغ - بھاؤنگر ۱۴ دسمبر ۱۹۰۲ء
 عبدالحافظ باکظ
 نوٹ - دیگر رپورٹیں بھی وصول ہوئی ہیں۔ مابعد انشاء اللہ شائع ہوں گی فقط سکرٹری

سُنی و شیعہ کا اتفاق

(ایک صلاح عصر جدید کو)

جناب میرزا نسیم بیگ صاحب بی۔ اے چغتائی ڈپٹی کلکٹر مردوئی بمدرستہ العلوم کے نہایت
 قائم گریجوئیٹ اور صابنہ اصلاح کے ممبر ہیں عصر جدید کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ ابھی سے
 اس کا اشرا لوگوں پر عہدہ ہونے لگا ہے اور بن اصول کی وہ تعلیم دیتا ہے وہ ان برس میں
 مدرس کی نیک نیتی شبہ کے دائرہ سے بالا ہے۔ اور خدا سے امید ہے کہ آئندہ زیادہ فائدہ ہوگا
 آخر میں وہ ایک تجویز یہ بتاتے ہیں کہ اس رسالہ کے ذریعہ سے سُنی اور شیعہوں میں
 اتفاق کی کوشش بھی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تجویز نہایت عمدہ ہے۔ جب کہ خاص کر اس زمانہ میں
 اتفاق کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ مگر ایک سنجیدہ۔ کفایت شعار اور عاقبت اندیش
 قوم کے مفہوم میں دراصل یہ سب باتیں شامل ہیں سُنی اور شیعہوں میں بالکل علیحدگی

ایسی ہی عجیب ہے جیسے دانت اور گوشت میں۔ اور جب جدا ہوگی۔ دونوں کو کھینچ کر ہڈیوں کے شفا کے اکثر خاندانوں میں بیٹی شیعہ ہے تو باپ سنی۔ اور ماں شیعہ ہے اور بیٹی سنی۔ بھانجا سنی ہے۔ ماموں اور ماں شیعہ ہے۔ باپ شیعہ ہے۔ بیٹی سنی ہے۔ بھانسا سنی ہے۔ سہیل سے کوئی ایک راستہ پر ہے۔ کوئی دوسرے راستہ پر۔ اس لئے نہ تاریخی اور قوم کی اندرونی زندگی کو ہلا دیتا ہے۔

اتفاق کا آسان گریہ ہے۔ شیعہ جو زیادہ تر عجمی اور مشرقی ہیں۔ وہ باہر کی بات کو خوب سمجھ لیں۔ کہ اپنے مذہب کی تائید میں نہایت ہی احمقیاں اور جھوٹاں اور فحاشیاں طریقہ اختیار کریں۔ مذہب کی تائید اور اشاعت ضرور کریں۔ مگر دجا دلاہم نہ ہو۔ احسن کے طریق پر اور اس نفس مقدس کی پیروی کے ساتھ جس نے تیسرا دین بھی خلافت نہ ملنے پر فصیح جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون (سبر نیک کرتا ہوں اور خدا لوگوں کی تعریف سے بے نیاز ہے یعنی ولی اللہ کو لوگوں کی اطاعت کی پروا نہیں ہوتی ہے) کہ کمر مسلمانوں کے اتفاق میں خلل اندازی کے اندیشہ سے باوجود علم و فطیلت و ولایت و شجاعت و اخوت نبی خانہ نشین ہونا پسند کیا۔ ایسی ذات کا نام لیوا ہو کر اب تیرہ سو برس کے بعد ایسی حرکات کرنا جس سے فساد پیدا ہو شاید دینداری ہو مگر عقل مند ی یقیناً نہیں ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سنی اگر ناحق پر بھی ہیں تو اپنے ذاتی فائدے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے سچے یقین کی وجہ سے ہیں۔ اس لئے لائق ہمدردی ہیں نہ کہ لائق عداوت ہیں

دوسری طرف ہمارے سنی دوستوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ شیعہ ہمارے طریق کے خلاف محض اس زائد از اعتدال محبت کی وجہ سے ہیں جو ان کو خاندان رسول اور اہلبیت کے ساتھ ہے۔ ان کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے بلکہ اپنے یقین کی وجہ سے وہ ایک اسی راستہ پر ہیں جس پر ان کے بزرگوں نے ان کو حکم کر دیا ہے۔ اگر وہ کسی بزرگ دین کو برا بھی کہتے ہیں تو وہ اُس بزرگ کو برا نہیں کہتے۔ جس کو سنی برگزیدہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اُس بزرگ کو برا کہتے ہیں۔ جس کا وجود شیعوں کے ذہن میں ہے۔

اس وقت تو سنیوں اور شیعوں کے سامنے انسان موجود نہیں ہیں۔ محض نام موجود ہیں۔ ان کی تعبیر صرف اپنے علم اور عقل کے موافق کرتا ہے۔ پس جب مفہوم میں اختلاف ہے تو ناموں کی وجہ سے جھگڑنا بیوقوفی کی دلیل ہے

مگر ناپیزائیدہ عہد جدید اس اقدار کی کوشش کرے تو کامیابی مشکل ہے۔ اس وجہ سے کہ شیعوں کی اصلاح کے دو تین آرٹیکل جو اس نے لکھے ان کی وجہ سے اعاقت اندیش اور متعصب شیعہ اس کو سنی بلکہ ان سے بدتر یعنی مارتیں کہتے ہیں اور کچھ تعجب نہیں کہ دشمنان اہل بیت کے وسیع مفہوم میں اس مخالفانہ اسلوب کے طریقہ حقہ کو شامل کر کے اس کو بھی عزت تبر میں شریک مہیا پڑے

بعض لوگ جو شخص ان کے مثل تعصبات میں مبتلا نہ ہو اور جو قوم کو گرداب فنا میں جاتے دیکھ کر ان کو متنبہ کرے اس کو مومن صادق نہیں سمجھتے اور صاف طعنہ دیتے ہیں کہ تم میری طرف کیوں نہیں بل جاتے ؟

دوسری طرف متعصب سنی کیسے اس شخص کی نیک نیتی پر بھروسہ کر سکتے ہیں یہ مسئلہ ولایت و امامت کا معتقد ہے۔ غرض لن رضی عنک الیہم والنصاری حتی یتبع ملاحضہ کے باطن معنی پر غور کیا جاتا ہے تو کوشش سے فائدہ نظر نہیں آتا۔ مجاہد امید تھی کہ ہمارے دوست عبداللہ صاحب شریعت جن کے مفسرین سکینہ شامیہ نے ایک زمانہ میں اکثر سنیوں اور شیعوں کو ان کے خلاف ناحق برا بھلا کہہ کر دیا تھا۔ انہوں نے جو اخبار اشخاص و ہندو مسلمانوں کے اتفاق کی غرض سے نکالا ہے وہ اس نیک تعصیب مدد دیں گے۔ مگر ہمارے دوست کے نزدیک شاید مسلمانوں کا فائدہ اس میں ہے کہ ہندوؤں سے گلے بل بل کر محبت میں رویا کریں اور مسلمانوں میں باہم فساد اور موکہ سے اور برہمن و من براہمنادہ قائم رہے۔ انہوں نے چند نوٹ ایسے لکھے ہیں جن سے عصبيت ٹپکتی ہے۔ یہ سچ ہو کہ رسالہ شیعہ جو ایک تعلیم یافتہ شیعہ نوجوان کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے شرع صاحب کی طرح تعصب کا اظہار کیا ہو۔ مگر ایک تجربہ کار نوجوان کے ایک غریبی اور مجدد و رسالہ کی وجہ سے ایک ذی فہم شخص نے اس کا توہین کا موجب

یہ خیال جو تیار کیا گیا ہے محض غلط ہے کہ شیعہ اور سنیوں میں دوستی محال ہے اور نہ ہندو اور مسلمانوں میں ممکن ہے۔ النعم ہو یا کوئی اخبار ہو وہ ایسے خیالات کے اظہار سے محض اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ ہر مذہب کے بے وقوفوں میں دوستی محال ہے۔ لیکن اس فرقے سے کہنے والے لاکھنؤ کے قتلہ انگیز دائرہ سے باہر نکل کر دیکھیں بلکہ فلسطین چلے جاویں وہاں بھی خاصی دوستی ہر دو فریق کے اکابر میں پائیں گے *
الغرض ہر شخص اپنے نفس سے سوال کرے کہ تو نے خاص کر اس اتفاقِ اسلامی کو مضبوط کرنے میں کیا کام کیا ہے اور دوسروں کے تعصب کی وجہ سے اپنے صفراء کو کس قدر ایسے ترکچہ نہ کہ چھو اچھا نتیجہ نکلے گا۔

چاہیے: انہیں امتوالطیع الائمہ و من علیہ ولائنا عنہ فقتلہ فقتلہ فقتلہ کہہ کر
 نبی جان والو خدا اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور انہیں جھگڑنے نہ کرو۔ ایسا نہ ہو
 تمہاری بات بگڑ جائے فقط

اصلاح طلب قوم

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغَيِّرُ مَا فِي قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِالْاَنْفُسِهِمْ
(اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ آپ اپنی حالت نہ بدلیں)

برہانِ فیصلہ جلسہ انجمن اصلاح منفقہ برہان شیعہ محمدی و شیخ محمد عمر صاحبان و نیز علیہ منفقہ
برہان ڈاکٹر محمد فاضل صاحب۔ کل رسوم کی فہرست آپ حضرات کی خدمت میں طیارہ کر کے بھیجی جاتی
ہے کہ آپ لوگ اسے ظاہر فرمادیں کہ ان میں سے کون کونسی ریسیں ترک کی جادیں۔ ہم کو امید
کہ کل حضرات شہید شدہ ضرورت جلد اپنی اپنی رے سے ہم لوگوں کو سرفراز فرماویں گے۔ کیونکہ
تمام ہندوستان میں ایہ اصلاح محاشرت کا کام جاری ہے اور ہر جگہ اس کے لئے انجمنیں اور
کمیٹیاں قائم ہو گئی ہیں۔ اگر آپ لوگ اس میں سبقت کیجئے گا تو بیشک جی اور سبقت کا سہرا
آپ ہی کے سر رہے گا۔ اور آپ کی اصلاح رسوم کی فہرست تمام ہندوستان میں شہرت پاوے گی۔

اس فہرست میں ایک شخص کی رائے بھی درج کی جاتی ہے تاکہ آپ لوگوں کو غور کرنے والا دیکھو اور فیصلہ کرنے میں سہولت ہو۔ یہ کوئی قطعی رائے نہیں ہے بلکہ اس کا ایک معمولی رائے سمجھ کر ہر شخص کو اپنی رائے نہایت آزادی سے ظاہر کرنی چاہیے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس رائے میں ہماری رائے کے خلاف درج ہے۔ رائے لکھتے وقت بن کی باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

- ۱۔ اپنے گھر کی دینر اپنے محلہ کی مستورات اور مردوں سے متنی الوسع مشورہ کر کے رائے دینا چاہئے۔
- ۲۔ ہر شخص کی اصل حیثیت و آمدنی کا خیال رکھ کر رائے دینا چاہئے نہ کہ ناپیشی حیثیت کا خیال رکھ کر۔ یعنی کوئی ایسی بات نہ قرار دی جائے جس سے کسی آدمی سر اتنا بوجھ نہ چاہئے کہ جو کچھ اس کو پس انداز ہوتا ہو اس سے زیادہ خرچ ہو اور ایسی رائے نہ دی جائے کہ جس سے غریب برادری کو زیادہ خرچ کرنے کا حوصلہ ہو۔

- ۳۔ یہ کہ مستورات اور مردوں کے کل محبوبوں کو قطعاً نہ بند کرنا چاہئے کیونکہ اس سے اتحاد و اتفاق کی ترقی ہوتی اور اخوت ظاہر ہوتی ہے اور کچھ نہ کچھ زندہ دلی اور خوشی کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔
- ۴۔ جو رسوم خلاف شرع و تہذیب اور باعث تنگ و غارمیں اُن کو قطعاً نہ کرنا چاہئے۔

فہرست رسوم فضیلتہ منوالہ اصلاح

نام رسم	کیفیت	ایک شخص کی رائے	سکڑیری منوالہ اصلاح کی
چھٹی	یہ رسم پیدائش کے چھٹے یا ساتویں روز ہوتی ہے اس میں برادری کی عورتیں بلائی جاتی ہیں	خاص خاص اعزہ کی عورتیں بلانا کافی ہے	
عقیقہ	یہ رسم درحقیقت بچوں کو نام رکھنے کیلئے ہوتی ہے اکس برادری کی عورتیں بلائی جاتی ہیں۔ برادر یوں کا باہر جمع ہونا ہے اعزہ کی دعوت ہوتی ہے اور شھانی برادری میں بھی جاتی ہے۔ بکری ذبح کٹو جاتے ہیں اور بچوں کی سر کے بال مونڈے جاتے ہیں	اس رسم میں کوئی مصافقہ نہیں ہے بشرطیکہ لوگ اپنی آمدنی و کفایت کا خیال رکھیں	

میں روزگانہان	یہ رسم لڑکے کی پیدائش کے بیویوں کو ہوتی ہے اس میں زچہ غسل کرتی ہے۔ مستورات برادری کی جاتی ہیں۔	اس رسم میں غسل معمولی نہ رہے جو جاوید عورتیں قطعاً نہ ہوں۔
چھلہ یا چالیسویں روز کا نہان	زچہ لڑکے کو پیدائش کے چالیسویں غسل کرتی ہے اس میں بھی برادری کی مستورات بلائی جاتی ہیں۔	حاصل نہان عورت کی عورتوں کی آمدنی کو زیادہ رسوم یا مہمانی میں خرچ نہ ہو۔
زچہ کا اپنے میکے جانا	نہان چالیسویں روز کے زچہ اپنے میکے جاتی ہے اور وہاں بھی برادری کی مستورات بلائی جاتی ہیں۔	ایضاً کسی کو بلائی کی ضرورت نہیں کوئی خاص رسم یا عزیز بطور خود بخود دہر کیلئے آسکتی ہیں۔
نمک حبشی	یہ رسم اسوقت کی جاتی ہے جبکہ لڑکا اولاد نمک چکھتا ہے بعد اس رسم کے لڑکا غذا کھانے لگتا ہے۔	قطعاً بند ہونا چاہیئے قطعاً بند۔
کنچھیدن	یہ رسم لڑکی کے ناک اور کان پھیدن کے لئے کی جاتی ہے۔ مستورات برادری کی بلائی جاتی ہیں اور لڑکے برادری میں تقسیم ہوتا ہے۔	اس میں صرف حقیقی رشتہ دار عورتوں کا آنا کافی ہے لڑکے کے بالکل بند ہونی چاہئے۔
ختنہ	یہ رسم لڑکے کے ختنے کے لئے ہوتی ہے بعد ختنہ شیرینی اور کوڑی یا پیسہ فقیروں کو لٹایا جاتا ہے۔ مستورات برادری بلائی جاتی ہیں۔	اس رسم میں ڈھانڈا وغیرہ وغیرہ اس رسم میں سب لغو ہے حجام کو انعام دیدیوں اور دن سے زیادہ کی آمدنی نہیں ہے خیرات مستحقین کو۔

<p>نکست</p> <p>یہ رسم اس وقت ادا ہوتی ہے جبکہ لڑکا پرنس کے لئے بٹھایا جاتا ہے استاد کو لڑکا دے دیتے دیا جاتا ہے۔ شغائی تقسیم ہوتی ہے برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں</p>	<p>دی جا یا کر کو فدا حققی شہداء کی عورتیں جمع ہوں یہ رسم اس قبیلہ میں ہوتا ہے لڑکا آگے چل کر خواہ رائج ہو۔ صرف دو جا لگوانا اور بھی لگوا کر اکثر میں معمولی طور پر ادا کی جاتی ہے</p>	<p>اس میں مجموعہ دف</p> <p>یہ رسم اس وقت ادا ہوتی ہے جب کہ کوئی لڑکی یا لڑکا پہلی مرتبہ روزہ رکھتا ہے اس میں خاص خاص مستوث جمع ہوتی ہیں اور افطاری برادری میں تقسیم کی جاتی ہے</p>	<p>روزہ کشائی</p> <p>یہ رسم نسبت کے طے ہونے کے لئے کی جاتی ہے۔ اس میں چند چیزیں مثل زبور وغیرہ لڑکی کے لئے ضروری ہوتی ہیں اور شغائی بھی بھیجی جاتی ہیں۔ یہ رسم یہاں بہت کم رائج ہے۔</p>
<p>شگنی</p> <p>یہ رسم نسبت کے طے ہونے کے لئے کی جاتی ہے۔ اس میں چند چیزیں مثل زبور وغیرہ لڑکی کے لئے ضروری ہوتی ہیں اور شغائی بھی بھیجی جاتی ہیں۔ یہ رسم یہاں بہت کم رائج ہے۔</p>	<p>روزہ کشائی</p> <p>یہ رسم اس وقت ادا ہوتی ہے جب کہ کوئی لڑکی یا لڑکا پہلی مرتبہ روزہ رکھتا ہے اس میں خاص خاص مستوث جمع ہوتی ہیں اور افطاری برادری میں تقسیم کی جاتی ہے</p>	<p>روزہ کشائی</p> <p>یہ رسم اس وقت ادا ہوتی ہے جب کہ کوئی لڑکی یا لڑکا پہلی مرتبہ روزہ رکھتا ہے اس میں خاص خاص مستوث جمع ہوتی ہیں اور افطاری برادری میں تقسیم کی جاتی ہے</p>	<p>روزہ کشائی</p> <p>یہ رسم اس وقت ادا ہوتی ہے جب کہ کوئی لڑکی یا لڑکا پہلی مرتبہ روزہ رکھتا ہے اس میں خاص خاص مستوث جمع ہوتی ہیں اور افطاری برادری میں تقسیم کی جاتی ہے</p>

لگن

یہ رسم بارات کی تاریخ مقرر کرنے کیوٹے
 ہوتی ہے۔ اس میں برادری کی حدیں
 بلائی جاتی ہیں باہر مردوں کا مجمع ہوتا ہے
 تاریخ بذریعہ برمن مقرر ہوتی ہے جو نیگ پاتا
 ہے۔ آج ہی کے روز سو لڑکے اور لڑکی
 کے اوٹنا تاریخ بارات تک لگایا جاتا
 ہے اور اسی روز چھلا پہنایا جاتا ہے
 لڑکی کے یہاں سے لگن اور کچھ روپیہ
 وغیرہ لڑکے کے یہاں بھیجا جاتا ہے

شگون

یہ رسم بارات کے دو روز پہلے ہوتی ہے
 مردوں اور عورتوں کا دستور مجمع ہوتا ہے
 باہر قوالی ہوتی ہے

ماین

یہ رسم بارات کے ایک روز پہلے ہوتی ہے
 قوالی ہوتی ہے۔ عورتوں اور مردوں
 کا مجمع ہوتا ہے

بارات دڈال
 لگانا

رسم ڈال بارات کی شام کو ہوتی ہے اس
 میں مردوں کا مجمع ہوتا ہے۔ قوالی ہوتی
 ہے اور جو کپڑا لڑکے کے یہاں سو ڈھن
 کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ مردوں کو مجمع
 میں آراستہ کیا جاتا ہے۔ تمام برادری کی
 مستورات جمع ہوتی ہیں

صرف آج عام برادری کی
 کی مستورات کا مجمع جو رات سے

اس رسم میں صرف ان
 اعزہ کا جمع ہونا کافی ہے ہاری
 ہوتا ہے۔ آج ہی کے روز سو لڑکے اور لڑکی
 کے اوٹنا تاریخ بارات تک لگایا جاتا
 ہے اور اسی روز چھلا پہنایا جاتا ہے
 لڑکی کے یہاں سے لگن اور کچھ روپیہ
 وغیرہ لڑکے کے یہاں بھیجا جاتا ہے

بیشک بند
 ہونی چاہئے

مجھے بھی آپ
 سے اتفاق
 ہے

عورتوں کو مجمع میں کوئی
 مضائقہ نہیں۔ ڈال
 ہے اور جو کپڑا لڑکے کے یہاں سو ڈھن
 کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ مردوں کو مجمع
 میں آراستہ کیا جاتا ہے۔ تمام برادری کی
 مستورات جمع ہوتی ہیں

<p>بدلتا اور جوڑا</p>	<p>اس رسم میں رشتہ کی بہنیں دھوپھی یا اپنے بھائی یا بھتیجے کی شادی میں یا لڑکے کی پیدائش میں جوڑا وسیع وغیرہ لیکر راجے کے ساتھ آتی ہیں۔ جو بیڑیوں وہ لاتی ہیں اس کا معاوضہ نقد بعد میں وداع کرائی کے نام سے دیا جاتا ہے۔ باجو کے ساتھ ناچ بھی ہوتا ہے</p>	<p>اس رسم میں کوئی مضائقہ جو کچھ دینا ہو نہیں البتہ ناچ ہرگز ہونا اس کا حکم حسب چاہئے۔ سواریاں باجو کے ہمراہ آویں۔ اور بچہ کو نام پر جس کا چاہو</p>
<p>دہی دہنیکر</p>	<p>یہ رسم لڑکے یہاں سے ہوتی ہے انہیں دہی وغیرہ بارات کے تھوڑی دیر قبل لڑکی کے یہاں بھیجا جاتا ہے</p>	<p>قطعاً بند ہونا چاہئے اتفاق ہے</p>
<p>بری</p>	<p>اس رسم میں بارات کو تھوڑی دیر قبل لڑکے کے یہاں سے لوگ معہ باجا وغیرہ لڑکی کا کپڑا لیکر دہن کے یہاں آتے ہیں اور وہاں سے لڑکے کا کپڑا لینے جا ملاتے ہیں۔ بری کے ساتھ شکر و سہاگ پوڑا جاتا ہے شکر میں عام طور پر حبشیت آمدنی سے زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اکثر اکیسٹ انیسٹ یا اکاون روپیہ خرچ ہوتا ہے اور بعض گھروں میں ایک سو ایک روپیہ خرچ ہوتا ہے یہ شکر بعدہ تمام برادریوں میں تھوڑی تھوڑی تقسیم ہوتی ہے</p>	<p>اس رسم میں کچھ ہرج بہنیں ہر گز شکر کا بھیجنا قطعاً بند ہونا چاہیے کیونکہ شکر بلیو میں اس قدر تھوڑی تھوڑی تقسیم ہوتی ہے کہ وہ کسی مفرت میں نہیں آسکتی اگرچہ حقیقت اس کی خرید میں بہت بڑا خرچ ہوتا ہے جیسا کہ کیفیت میں لکھا ہے برادری کے گھروں میں پہنچنے تک عام طور پر مقدار شکر کی ایک چٹائی یا آدھ چٹائی تک سے کبھی زیادہ نہیں ہوتی</p>

<p>نوشہ کے مہندی لگانا</p>	<p>بارات کی رات کو نوشہ کے ماتھہ پیر میں مہندی لگائی جاتی ہے</p>	<p>یہ رسم خلاف شرع ہے اسکو قطعاً بند ہونا چاہیے</p>	<p>میرے نزدیک محض مہندی لگانا اس اگر دیگر فہم کے کچھ اسرار ہیں کچھ ہیج نہیں</p>
<p>نوشہ کا جامہ و دیگر اشیاء آرائش</p>	<p>نوشہ کو ایک پیرائے قسم کا جامہ پہنایا جاتا ہے جو بالکل قابل مضحکہ ہے۔ بعد شادی یہ جامہ کسی پر جا کو دیا جاتا ہے بعد دستار بندی ایک قسم کا سنہرا کپڑا جسے گوشوارہ کہتے ہیں نوشہ کی دستا پر چہرہ کے سامنے باندھا جاتا ہے اور نئی یا طلائی چوٹی (ایک گول چیز) دستار میں باندھ کر سر کے دونوں طرف لٹکائی جاتی ہے پھولوں کا سہرا دیا رو بہرہ بھی پہنایا جاتا ہے</p>	<p>جامہ میں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے کچھ تبدیلی ہونا چاہیے معمولی گزرتہ وانگر گھاوا پانچا و عبا و جامہ بہتر ہو گا جو جامہ بالکل بیکار ہے اور بد پر بجائے زیبائش دینے کے بدنام جلوم ہوتا ہے۔ گوشوارہ و چوٹی فضول ہے۔ پھول جاتی ہے سہرا ادا دہی کو بھیج نہیں البتہ بدی بدنام سلو سہتی ہے۔</p>	<p>اس اوٹے اتفاق ہے</p>
<p>سہرا و چوٹی</p>	<p>نوشہ کی آرائش کی بعد اسی وقت اس کے عزیز واقربا دوست و آشنا کچھ نقد اسی دیجیں اور اس رقم کا کچھ حصہ خیرات میں دیا جاتا ہے</p>	<p>اس کو قائم رکھنا چاہیے</p>	<p>پیٹ بھرے کی باتیں ہیں</p>
<p>عورتوں کا شربت پلانا</p>	<p>جب وقت نوشہ گھوڑے پر سوار ہو کر رُکے کے یہاں جانے کے لئے طیار ہوتا ہے اس وقت اس کے گھر کی مستورا اُسے</p>	<p>عورتوں کی بے پردگی کا خیال ہونا چاہیے چتر سے کہ نوشہ خود اندھا کر شربت</p>	<p>قریب شربت ہوں تو مضائقہ نہیں</p>

	شریت پلائی میں اور بلا میں لیتی نہیں اس وقت اکثر عورتیں دروازہ تک چلی آتی ہیں اور بے پردگی ہوتی ہے	پی آؤ یا شریعت باہر بھیج دیا جاوے
بارات	نوشتہ منہ برادری کے گھوڑے پر سوار گشت کرتا ہوا دوہن کے گھڑاتا ہے باجہ وغیرہ ساتھ ہوتا ہے	حسب معمول رہے
نوشتہ کام یا مزار پر جانا	بارات کے گشت کے درمیان نوشتہ کسی مسجد یا مزار پر رسماً جاتا ہے	مسجد پر بضرع ادا کر کے شریعت کے مطابق بار تعلقانی جانے میں کچھ ہرج ہرج نہیں ہر مزار پر جانا فضول ہے
دوہن کے غسل کا پانی	دوہن کے گھر بارات پہنچنے پر دوہن کو غسل کا پانی نوشتہ کو گھوڑے کو نیچو ڈالا جاتا	نوشہ کو آٹا کرنے کو بعد گھر کے اندر زمانہ میں لیجاتے ہیں اندر اس وقت ایک ہلکی پھڑی سے دوہن نوشتہ کو مارتی ہے
لواس	نوشہ کو آٹا کرنے کو بعد گھر کے اندر زمانہ میں لیجاتے ہیں اندر اس وقت ایک ہلکی پھڑی سے دوہن نوشتہ کو مارتی ہے	نوشہ کو آٹا کرنے کو بعد گھر کے اندر زمانہ میں لیجاتے ہیں اندر اس وقت ایک ہلکی پھڑی سے دوہن نوشتہ کو مارتی ہے
لکاح و مہر	لکاح کو بعد شکر ٹوٹی جاتی ہے مہر کے مقرر ہونے کے وقت عام طور پر مقدار مہر کی نسبت تکرار ہوتی ہے	پہلے سے کہ مقدار مہر قبل سے مقرر ہوتی ہے
چھپڑی و چاول مارنا	بارات کی صبح کو نوشتہ مہر پر اجاب دے گا کہ زمانہ میں ناشتہ کے بعد ہلایا جاتا ہے	اس رسم میں اس قسم کی تبدیلی ہونا چاہیے کہ نوشتہ

	<p>ناشنہ میں نوشہ ابر اس کو اسباب کراد پر مستورات چاول مارتی ہیں اس میں نقصان غٹہ و بے پردگی ہوتی ہے گھی و شکر میں چھڑی ہوئی روٹیاں برادری میں تقسیم کی جاتی ہیں</p>	<p>زنانہ میں نہ جاؤ بلکہ باہر ہمیشہ بھیج دیا جاوے چھڑی تقسیم نہ ہونا چاہئے۔ نقصان ہے</p>	
<p>اتفاق ہو</p>	<p>اعتدال کو ساتھ کچھ ہرج نہیں ہے</p>	<p>بارات کی صبح کو نوشہ کے احباب و اعزہ جن کی تعداد اکثر زیادہ ہوتی ہے اس کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں</p>	<p>نوشہ کا کھانا</p>
<p>اتفاق ہو</p>	<p>ست کو را کی رسم قطعاً بند ہونا چاہو۔ محض خلاف تہذیب نہ ناشتہ ہے البتہ رسم سلام کرانی جائز رہنی کچھ مضایقہ نہیں ہو بہتر ہوگا کہ نوشہ نہ ناشتہ عام عورتوں کے سامنے نہ بلایا جاوے</p>	<p>رضعتی سے قورڑی دیر قبل نوشہ زنانہ میں بلایا جاتا ہے وہاں دہن اس کے رو برو بٹھائی جاتی ہو اور دہن کے ہتھ پر چاول رکھا جاتا ہو اور نوشہ کی سالی یا بھانج و غیرہ بمقابلہ نوشہ کے چاول کو دہن کے ہاتھ پر سے پہلے اٹھالیو کی کوشش کرتی ہیں۔ بعدہ نوشہ مستورات کو سلام کرتا ہے اور اس کو سلام کرانی نصیحتی ہو</p>	<p>دہن کی رخصت کے قبل ست کو را وسلام کرانی</p>
	<p>رات کے دوسرے روز شام کو رضعتی کے وقت باہر مرد جمع ہوتے ہیں اور زنانہ میں عام برادری کی مستورات جمع ہوتی ہیں۔ چہیز کی فہرست طیار ہو کہ تمام برادری کو دکھلائی جاتی ہے اور لڑکی باجے کے ساتھ رخصت کی جاتی ہے</p>	<p>رضعتی کے دن عام برادری کی مستورات کا لڑکی کے جہاں جمع ہونا اچھا ہو۔ رسم برستور قائم رہے جہیز کو دیڑ میں حیثیت آونی کا خیال رکھنا چاہئے</p>	<p>رضعتی و چہیز</p>

<p>بارات کا کھانا یا ڈھکنی</p>	<p>عموماً رخصتی کے روز یعنی بارات کی صبح کو لڑکی کے گھر سے عام برادری کو کھانا یا چاول دیکھی تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ چیزیں جس قدر زیادہ تقسیم کی جاویں اسی قدر مستحسن سمجھا جاتا ہے</p>	<p>اس رسم کے قائم رہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن حیثیت آمدنی کا بہت خیال چاہئے۔</p>
<p>ولیمہ</p>	<p>بعد فراغت شادی بعض گھروں میں نوشہ کی طرف سے اعزہ کی دعوت کی جاتی ہے اور عام لوگوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ رسم یہاں بہت کم رائج ہے</p>	<p>یہ رسم بصورت موجودہ قائم رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن اس کو خاص طور پر اب منفعہ کا خلاف مصلحت ہے حد شرع تک جائز ہے</p>
<p>منہہ دکھائی</p>	<p>جب دہن نوشہ کو گھر آتی ہے تو اس وقت نوشہ کی عزیز مستورات جمع ہوتی ہیں دہن کی رونمائی ہوتی ہے اور کچھ نقد یا زیور کی قسم سے دہن کو دیا جاتا ہے اور کبھی دستکڑ میں چڑھی ہوئی روٹی برادری کو تقسیم ہوتی ہے</p>	<p>اس رسم کے جاری رہنے میں کوئی ہرج نہیں ہے البتہ چڑھی ہوئی روٹی تقسیم نہ ہونا چاہیئے</p>
<p>گون تھون و پٹھونی</p>	<p>جب لڑکی نوشہ کے یہاں سے واپس جا کر پھر نوشہ کو یہاں آنے لگتی ہے تو کم از کم تین بار لڑکی کے ساتھ کچھ غلہ وغیرہ آتا ہے</p>	<p>یہ رسم محض ہے۔ منہہ کی تقلید ہے۔ قطعاً بند ہونا چاہئے</p>
<p>چوتھی</p>	<p>بارات کے چوتھے روز نوشہ اپنی سسرال میں موہا پر اعزہ واقربا و دوست و آشنا</p>	<p>یہ رسم محض لغو ہے اس کی وجہ سے نہایت زیر باری</p>

<p>ہوتی ہے۔ اس رسم کو قطعاً ترک کرنا چاہیے</p>	<p>کے دعوت کہا تا ہو۔ بعد کھانا کھانے کے مستورات و غیر مردوں میں بیلاواری وغیرہ کی مارپیٹ بد تہذیبی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی روز پھر دلہن اپنی سسرال جاتی ہے اور نوشہ اور اس کے باپ کو وداع کراٹی دی جاتی ہے</p>	<p>کچھ عرصہ بعد نوشہ کے گھر میں دلہن کھانا پکاتی ہے اور اس روز برادری کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور بعض خاص خاص اعزہ میں رسا دل تقسیم ہوتا ہے شادی کے کچھ عرصہ بعد دلہن سینی میں چرخ لے کر معہ قوالوں اور چند عزیز عورتوں کے باہر نکل کر اپنے گھر سے دوسرے کسی عزیز کے گھر میں جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ رات کے وقت پاپیادہ اپنے عزیزوں کو بیان جانے کی مجاز ہوتی ہے۔ اسی روز تمام گھر میں چراغاں ہوتا ہے</p>	<p>کچھ عرصہ بعد دلہن سینی میں چرخ لے کر معہ قوالوں اور چند عزیز عورتوں کے باہر نکل کر اپنے گھر سے دوسرے کسی عزیز کے گھر میں جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ رات کے وقت پاپیادہ اپنے عزیزوں کو بیان جانے کی مجاز ہوتی ہے۔ اسی روز تمام گھر میں چراغاں ہوتا ہے</p>
<p>یہ رسم بدعت ہے اور اس میں بیحد بے پردگی ہوتی ہے مستورات ہرگز خود نہ جاویں</p>	<p>یہ رسم بدعت ہے اور اس میں بیحد بے پردگی ہوتی ہے مستورات ہرگز خود نہ جاویں</p>	<p>مستورات خوشی کے موقعوں پر یا منت کے لئے مسجد یا مزار قبرستان یا امام بارگاہ پر رحم چڑھانے جاتی ہیں رحم تقسیم کیا جاتا ہے۔ رحم چاول کا مٹھا و گلی دستکر کو باجم ملانے سے بنایا جاتا ہے</p>	<p>رحم چڑھانا</p>

<p>بند کی روٹی</p>	<p>بب مستورات برادری کی تقریب میں بلانی جاتی ہیں تو علاوہ اس کے کہ وہ بلائے والے کی گھر میں کھانا کھاتی ہیں کچھ روٹیاں ان گھروں میں جو بلائے گئے تھے بھیجی جاتی ہیں اس میں بہت خرچ ہوتا ہے اور اکثر لوگ رسم کا خاص طور پر لحاظ رکھتے ہیں</p>	<p>ظاہر ہے کہ جب مستورات کھانا کھا چکیں تو بلائی کی روٹی بھیجنا بالکل فضول ہے یہ رسم قطعاً بند ہونا چاہئے</p>
<p>ستوانہ</p>	<p>یہ رسم اُس وقت ادا کی جاتی ہے جب کسی عورت کو پہلے پہل حل رہتا ہے۔ حل کے ساتویں مہینے کی جاتی ہے اس میں مستورات برادری جمع ہوتی ہیں شیب بیداری ہوتی ہے اور رحم چڑایا جاتا ہے</p>	<p>یہ رسم قطعاً بند ہونا چاہئے</p>
<p>دعوت</p>	<p>یہ رسم عیدین و شبرات و محرم میں نوشہ کے کسٹرا میں ہوتی ہے۔ اس میں نوشہ سے اپنی عزیز و دوست و آشنا کو کسٹرا میں دعوت کھاتا ہے اور واپسی کو وقت عیدی و شبرات کے نام سے کچھ نقد پاتا ہے</p>	<p>یہ رسم اگر اعتدال و کھات کے ساتھ ہو تو کچھ ہرج نہیں ہے</p>
<p>نوالہ عید الفطر عید الفتحہ محرم</p>	<p>عیدین و محرم میں روٹیاں سے سالن نوالہ کے نام سے لڑکی و خاص عزیز کے یہاں بھیجی جاتی ہیں۔ یہی روٹیاں بعد میں بزرگوں کے یہاں تقسیم کی جاتی ہیں</p>	<p>اس قدر روٹیاں جو صرف لڑکے و عزیز کے یہاں کھائے کو کافی ہوں بھیجنا چاہئیں تقسیم بند ہونا چاہئے</p>
<p>شبرات</p>	<p>اس میں بھی نوالہ و حلوا مذکورہ بالا طریق سے بھیجا جاتا ہے</p>	<p>اس میں نوالہ و حلوا مذکورہ بالا طریق سے بھیجا جاتا ہے جو اپنی خاص عزیز کے یہاں تقسیم ہو کیئے کافی ہو</p>

<p>محرم</p>	<p>اس میں روٹی و شربت و تن چوڑی و کچڑا ایک کر پٹے کٹے فقیروں و مجاوروں کو دیا جاتا ہے اور امام باروں پر بھیجا جاتا ہے جو خلاف شرع ہو اور بعض عورتیں نیت پڑی کر نیکی غرض سے چوکی بھرتی میں اپنی ایک رات و دن تغزیہ کو ہمراہ کھڑی رہتی ہیں غرت کی رسم نوڈی باندیوں کے ذریعہ سدا کی جاتی ہے</p>	<p>اس میں مستحقین کو دینا چاہئے ہٹے کٹے فقیروں کو نہ دینا چاہئے۔ تغزیہ پر شربت وغیرہ نہ جانا چاہئے اور چکا قطعاً نہ کرنا بھروسہ نہ چاہئے</p>
	<h2>رسوم میت</h2>	
<p>لحد کھودنا</p>	<p>لحد میت کا کوئی بھائی یا عزیز اس غرض سے کھودتا ہے کہ میت کو غسل کا پانی نہ بہنے پادے۔ بعد دفن میت کے جس جگہ پانی جمع رہتا ہو اس کو صاف کر کے اسی جگہ فرمشن بچھایا ہے جو چٹائی کے نام سے مشہور ہے اور میت کی نہایت قریب رشتہ دار عورتیں اسی فرشن پر جب تک سیوم کے بعد جمعہ نہیں پڑتا بیٹھتی اور سوتی ہیں</p>	<p>یہ رسم سہواً انجمن کے بوجھ سے رہ گئی تھی اس لئے قائم ہے</p>
<p>صدقہ</p>	<p>دفن کی وقت غلہ قبرستان میں گداگر دل اور چاروں میں تقسیم ہوتا ہے</p>	<p>مستحقین کو صدقہ دیا جاوے</p>
<p>یوم موتا دوم بھائی</p>	<p>یہ رسم بطور ہمدردی میت کے بہت قریبی رشتہ دار کی طرف سے کی جاتی ہے اس میں میت کے یہاں دو روز زنانہ میں صرف چاول و دال پک کر اور مردانہ میں معمولی کھانا آتا ہو۔ چاول برادریوں میں تقسیم ہوتا تھا اور میت کے یہاں برادری کی مستورات کھاتی تھیں جو اب بذریعہ انجمن بند ہے</p>	<p>اس قدر بھائی جاری رہی جو بھانہ میت کھانے کے لئے کافی سمجھی جاوے انجمن نے اسی طرح پرے کیلئے</p>

سوم	<p>کل مستورات برادری میت کے یہاں جمع ہوتی ہیں اور کھانا کھاتی بھی ہیں اور تقسیم بھی ہوتا ہے اور باہر مردوں کا مجمع ہوتا ہے جس میں قرآن خوانی ہوتی ہے اور ہفتیوں پر کلہ پڑھا جاتا ہے۔ کچھ خاص اعزہ مردانہ میں میت کے گھر کے لوگوں کے ساتھ کھاتے ہیں</p>	<p>انجن کے طے کرنے پر یہ رسم بند ہوگئی قرآن خوانی ہوتی ہے</p>
چٹائی اٹھانا	<p>یہ رسم سوم کے بعد جب پہلا جمعہ پڑے کی جاتی ہے اس میں فرزند وفات کے روز بچھا یا گیا تھا اور جن پر عورتیں راکرتی تھیں اٹھایا جاتا ہے اس کے بعد عورتیں مجاز ہو جاتی ہیں کہ پلنگ وغیرہ بیٹھا کریں اس لئے جاری ہو بد اس روز بھی بدستور کل عورتوں کا مجمع ہوتا ہے اور کھانا کھلایا جاتا ہے اور تقسیم ہوتا ہے</p>	<p>صرف چٹائی کی رسم اتفاق اس میں فرزند وفات کے روز بچھا یا گیا تھا اور جن پر عورتیں راکرتی تھیں اٹھایا جاتا ہے اس کے بعد عورتیں مجاز ہو جاتی ہیں کہ پلنگ وغیرہ بیٹھا کریں اس لئے جاری ہو بد اس روز بھی بدستور کل عورتوں کا مجمع ہوتا ہے اور میں بند ہو جاوے گی</p>
سستورات کی	<p>چٹائی اٹھانے کی رسم کے ختم ہونے کو بعد عورتیں سال بھر تک دو شنبہ و جمعہ وغیرہ کو میت کے یہاں کثرت سے آیا کرتی ہیں اور کھانا کھاتی ہیں۔ اس میں بہت خرچ ہوتا ہے</p>	<p>انجن کے طے کرنے پر بند ہے</p>
اردی یا	<p>یوم وفات سے چالیس روز کے اندر جو اخیر جمعہ پڑتا ہے اس روز عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ آج میت کی روح گھر میں آتی ہیں۔ اس لئے ثواب پہنچانے کی نیت سے فاتحہ کیا جاتا ہے۔ مستورات برادری کل جمع ہوتی ہیں اور ہر قسم کا عمدہ کھانا کھاتی ہیں اور تقسیم بھی ہوتا ہے</p>	ایضاً
چالیسواں	<p>وفات کے چالیسویں روز مستورات جمع ہوتی ہیں اور فاتحہ پڑھا جاتا ہے جسے مستورات کھاتی ہیں اور وہی برادری میں تقسیم بھی ہوتا ہے۔ اس رسم میں معمولی سو کم خرچ ہوتا ہے</p>	ایضاً

	ایضاً	یہ رسم ساڑھی چارہینہ بعد ہوتی ہے یہ بالکل جگلی کی رسم کے مطابق ہوتی ہے اور اسی قدر خچ پڑتا ہے	ششما ہی اقل
	یہ رسم سہوا وقت تحریر اقرار نامہ رسم میت دیکھی اور جاری ہے	ہاڑ سے چارہینے بعد میت کی قریب ترین رشتہ دار عورت شلا ماں دیوی وغیرہ ایک روز کے لئے اپنے یکے جاتی ہے برادری کی مستورات عام طور پر جمع ہوتی ہیں اور کھانا کھلایا جاتا ہے	عورت کا یکے جانا
	بذریعہ انجن بند ہے	یہ رسم پورے چھ ہینے پر ہوتی ہے چالیسویں کی رسم کی طرح ادا ہوتی ہے عورتوں کا مجمع ہوتا ہے اور کھانا برادری میں تقسیم ہوتا ہے	ششما ہی دوم
	ایضاً	یہ رسم دس یا ساڑھو دس ہینے بعد ہوتی ہے رسم جگلی کی طرح ادا ہوتی ہے عورتوں کا مجمع ہوتا ہے۔ صرف کثیر پڑتا ہے	کمی کی بری
	ایضاً	یہ رسم پورے سال پر ہوتی ہے۔ سال اول میں یہ رسم چالیسویں کی طرح ادا ہوتی ہے عورتوں کا مجمع ہوتا ہے اور کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ جب یہ رسم بر سال ہوتی ہے تو صرف کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ عورتوں کا مجمع نہیں ہوتا اس رسم کا سلسلہ برابر چلا جاتا ہے +	برسی

ذکر
شیخ فیض اللہ شیخ محمد الدین حیدر شیخ محمد محمد سکریٹریان انجمن اصلاح متوہ

ماہ گزشتہ

ایڈیٹری نوٹ

زلزلہ

عذاب کا وہ عظیم الشان چمکارا جس نے پنجاب کے بعض حصوں میں ہزاروں گھروں کو بے چراغ اور کروڑوں روپیہ کا نقصان کر دیا ہے اور بس کی وجہ سے ۴۰ اپریل ۱۹۷۱ء کی تاریخ یادگار رہے گی۔ کم سے کم ہم کو ایک مفید سبق سکھانا ہے۔ وہ ان غفلوں کو جو روزِ موت کا بازار گرم دیکھ کر اس دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں بتاتا ہے کہ عمرِ طبعی کا بلکہ دنیا کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ شہروں کی زندگی اور دنیا میں ۲ منٹ کے زلزلہ کا فرق ہے۔ جہاں ۲ منٹ تک زلزلہ آیا وہ آبادی قائم رہی مگر دہل گئے۔ جہاں ۵ منٹ تک زلزلہ رہا وہاں قیامت آگئی اور قتلے محض ہو گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زلزلہ بظاہر اسبابِ طبعی سے پیدا ہوتا ہے اور جو عذاب قومِ لوط - قومِ نوح اور قومِ عاد اور اصحابِ فیل وغیرہ پر آیا۔ سب قدرتی اسباب سے تھا۔ مگر ذرا تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان اسباب ظاہری کے پردہ میں ایک ہاتھِ بزرگ جس کے بلامنتہا اور مرضی کے تہنیں ہیں آسکتی۔ احادیث میں آیا ہے کہ جب حقِ مطلق ہونے لگتا ہے تب عذابِ الہی علانیہ آتا ہے اور قرآن شریف میں سورہٴ نسا میں آیا ہے کہ اگر تم شکایتِ بزداری کرو اور خدا پر ایمان رکھو تو وہ تم کو عذاب کیوں دینے لگا۔

پنجاب کے ایک گاؤں میں کسی صاحب نے جو دعویٰ مسیحیت اور ابنِ اللہ ہونے کا کیا ہے اُس دعویٰ کی صحت سے ہم کو بحث نہیں۔ لیکن اُن کا یہ اشتہار کہ بندے خدا سے ڈریں اور گناہوں سے توبہ کریں۔ بہر حال مفید ہے۔ اسے کاش کہ بانیانِ مذہب اور گنہگارِ امتِ برہد اس سے سبق حاصل کریں

خطابِ الہی

اعلان کیا گیا ہے کہ خطابات اس دفعہ بہت کم خالی ہیں۔ اسلئے یکم جون کو کسی کو خطاب نہ ملیں گے۔ شروع سال کو لٹو ملتوی ہو گئے

سخت افسوس کا مقام ہے۔ ٹف ہے اُس زندگی پر جو خطابات سے خالی ہو۔ افسوس جو اُس ناپائدار دولت پر جس کا صاحب ۶ ماہ تک امید خطاب سے بھی محروم رہے

۶۔ اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ڈپٹی مہدی علیخان صاحب پرنسٹر ڈپٹی کلکٹر جو ایک لایق مصنف اور

افسوس

مشہور شخص صوبہ جات متحدہ میں تھے اُن کا انتقال حال میں ہو گیا۔

خدا تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ مرحوم نے مسٹر علی اوسط بیرسٹر ایک لایق فرزند چھوڑا ہے

آپ مدرسہ العلوم کے قدیم ٹرسٹی تھے۔ ہمارے نزدیک اُن کی جگہ بہترین انتخاب حامد علیخان صاحب بی۔ اے بیرسٹریٹ لالکھنؤ کا ہو سکتا ہے یا نواب محسن الملک بہادر کے لایق برادر و عزیز جو کونسل اندر میں ممبر ہیں اور جن کی بابت ہم دو سال سے لکھ رہے ہیں۔ ان ہر دو صاحبان کا پچھلے پانچ چھ سال سے منتخب نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ ہمارے معاملات میں صفائی نہیں ہے۔ لیکن قطعی وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان ہر دو صاحبوں میں سے ایک بھی منتخب نہ ہوگا۔ اس عہدہ کی کوشش کے لئے جس تدریسی کمی ضرورت ہے وہ ان حضرات میں نہیں ہے اور انتخاب کرنے میں جبقدر عالی حوصلگی اور بلندی کی ضرورت ہے وہ قابضان مشین میں نہیں ہے۔

”خواہندہ مغربی در صفِ بزازانِ حلب میگفت۔ اے خداوندانِ نعمت! اگر شمارا انصاف بودے و ما را قناعت۔ رسم سوال از جہاں برداشتے“

مگر خوش قسمتی سے مستحقانِ ٹرسٹی شپ میں قناعت ہے گو روساء عالی تبار جن کے ہاتھ میں اس نعمت عظمیٰ کی تقسیم ہے اُن میں انصاف کمتر ہو۔ اسی لئے سوال نہیں ہوتا جہگڑا نہیں پڑتا + نقطہ

کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے

پادریانہ تعصب

کر سچین لٹریچر سوسائٹی نے ایک مینول جاگرفنی

بنایا ہے جو مدارس سرکاری کے نصاب میں داخل ہے اُس میں مذاہب کے بیان

کے متعلق صفحہ ۸۸ سطر ۱۴ و ۱۵ میں جو فقرے ہیں۔ اُن کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

”یہودیت کی بنا عہد عتیق پر ہے یعنی اُس دمی پر جو یہودیوں پر کی گئی مسیحیت عہد عتیق کو منظور کرتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ عہد جدید بھی ملاتی ہے۔ کیونکہ قبول مسیحیت عہد جدید میں وہ کامل تر انکشاف حق ہے جو خدا سے تعالیٰ نے خود ذات مسیح میں اگر ظاہر کیا مہریت کی بنا قرآن پر ہے جس کو محمد نے عہد عتیق و جدید سے تالیف کیا“

یہ معاملہ مولوی بشیر الدین نے سنٹرل سڈنگ کمیٹی کے سامنے پیش کیا۔ اور سب ممبروں کی راج طلب کی گئی ہے۔ سکرٹری صیغہ اصلاح تدن نے جو اسے دمی پر اُس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔ ”یہ عبارت یقیناً مسلمانوں کے مذہب کی تکذیب کرتی ہے۔ یہودیت اور مسیحیت کو تو خدا نے الہام قرار دیا گیا ہے اور اسلام کو یعنی قرآن کو طبعاً تصنیف آنحضرت کی بتایا ہے۔ حالانکہ مسلمان آنحضرت کی تعلیم کو ایسا ہی منزل من اللہ اور پاک اور حق جانتے ہیں جیسا موسیٰ و عیسیٰ کی تعلیم کو۔ چھوٹی عمر میں جب بچے اس قسم کے خیالات پڑیں گے تو اُن کا ذہن سے ٹھکانا سخت دشوار ہوگا۔ ٹکسٹ بک کمیٹی کو کہہ سنا سٹی کی کوئی کتاب بھی مذہبی چاہئے۔ کیونکہ یہ سوسائٹی ہر طرح سے محض اپنے مذہب کی اشاعت چاہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سنٹرل سڈنگ کمیٹی اس کتاب پر اعتراض کرے گی تو مزید کامیاب ہوگی“

ہم لائق پادری مولف سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اسے بزرگ و بزرگ کے کس طرح معلوم ہوا کہ بائبل خدا کی وحی ہے اور قرآن انسان کی تالیف ہے۔ اگر طرز کلام۔ شان عبارت پختگی تسلیم کو دیکھا جاوے تو شاید بے لاگ آدمی اُلٹا نتیجہ نکالے۔ ایڈیٹری

ایک سوال جو اطلب

عصر جدید اپریل کے ضمیمہ میں جو لکچر چھپا ہے۔ اس کے صفحہ

۵ پر ایک اعتراض کیا گیا ہے۔ وہ سوال نہایت غور طلب

ہے۔ میں زور کے ساتھ تمام ناظرین عصر جدید اور ممبران صیغہ اور صاحبان اخبار سے استدعا کرتا ہوں کہ اُس سوال کو تمام علمائے دین اور مجتہدان اور قومی لیڈروں سے کریں اور جواب حاصل کریں اور اس بحث کو جاری رکھیں۔ اس سے بہت مفید اور علمی نتائج پیدا ہوں گے۔ وہ سوال بصورت اعتراض یہ ہے

”مسلمانوں کے مذہب میں کچھ ایسے بیج زوال - بے امدادی اور احاطہ سے موجود ہیں کہ جہاں یہ مذہب جاتا ہے خرابی لاتا ہے۔ ایران یا کشمیر کی آئین زمین نسوں کو اور خوشگوار آب و ہوا کو لو تو - تاناری اور منول کی جبری قوموں پر نظر ڈالو تب - عرب اور افریقہ کے صحراؤں میں جاؤ تو - ہندوستان کی مخلوط النسل اقوام کو لو تو - ہر جگہ آپ کو یکساں بے اعتدالی - جہالت - خرابیاں - سُستی اور پستی ملے گی - پس نسل - آب و ہوا - زبان وغیرہ کے اضافی اختلافات کو دُور کرو اور ان سے قطع نظر کرو تو اصل علت مشترک مذہب باقی رہ جاتی ہے - لہذا مسلمانوں کا زوال اُن کو مذہب کی وجہ سے ہے اگرچہ ناچیز ایڈیٹر نے اپنے نزدیک سارے لکچر میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے - لیکن ممکن ہے کہ وہ تو مجھے غلط ہو - اس واسطے یہ سوال بطور خاص ایڈیٹر صاحبؒ انٹیوٹ گزٹ - وکیل - وطن - اُہدی - ٹائیٹ و اشاعت - جلالتین - اُندوہ - ہمدرد - معالم - الحکم البیان - الخوفان سے کیا جاتا ہے کہ چونکہ اس زمانہ اور نسل کے منفی اور مجتہد اخبار نویس ہی سمجھ جاتے ہیں اور علما میں مولانا محمد حسین - قاری سید سلیمان شاہ صاحب - مولوی تھیر احمد صاحب اور مولوی نظام الدین حسن صاحب اور مولانا سید عباس حسین اور مولانا شبلی اور مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا حالی سے یہی استفادہ کیا جاتا ہے - یقین ہے کہ یہ میں صاحبؒ تکلیف فرما کر اس کا جواب روانہ فرمائیں گے +

مسافرت شہنشاہ ایران

یہ بات کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ ایران کا شہنشاہ باربار یورپ کا سفر کرے - اعلیٰ حضرت کے مشیروں نے اُن کو کوئی اچھی صلاح نہیں دی ہے - خود اُن کی سلطنت میں ہر قسم کی آب و ہوا کے مقامات موجود ہیں اور بے انتہا موقوفہ انتظام اور کام کا منظور الدین شاہ قاجار کو حاصل ہے - وہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں انقلاب ہو رہا ہے - روس میں بغاوت ہے پھر روس کی ریل میں اُن کا سفر کرنا مصلحت کے خلاف بھی ہے - مگر ہمارے بادشاہ سے لے کر گدا تک سب عاقبت اندیشی کو سب سے بڑا گناہ سمجھتے ہیں

نئی کتابیں اور علمی خبریں

پچھلے دو ماہ میں بہ غرض ریویو آٹھ کتابیں وصول ہوئی ہیں۔ کوئی خاص نامور کتاب مثل پروفیسر اقبال کی علم الاقتصاد و باخواجہ غلام الحسین صاحب کی مرتبہ فلسفہ تعلیم کے بارے سے سامنے نہیں ہے۔

پہلی کتاب لڑکوں کے رہنما میں اُن خرابیوں کا ذکر ہے جن میں مبتلا ہو کر بچے اپنی صحت جسمانی اور قوائے عقلی کو بگاڑ لیتے ہیں اور اُن سے بچنے کی تدبیریں اور باتیں خطوں میں مروج کی گئی ہیں۔ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر سلیونیوس اسٹال صاحب ہیں اور ڈاکٹر ناصر سمنٹ سرجن بٹالہ نے اس کا ترجمہ عام فہم کیا ہے۔ لڑکوں کو اور ان کے والدین کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہوگی اور عمدہ نصیحتیں نوجوانوں کے لئے اس میں لیں گی +

دوسری کتاب میں دیسی اور انگریزی صابون بنانے کے نسخے اور مصالحہ صابون سازی کی کیفیت اور ماہیت بہت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس کتاب کی تالیف ملک کے صنعت و حرفت کے نوزائیدہ شوق کو ثابت کرتی ہے۔ جن لوگوں کے یہاں کپڑی بہت

(۱) لڑکوں کا رہنما۔ چھوٹی تقطیع۔ محمد ازبور ڈیپارٹمنٹ سائنس ص ۱۰۰ صفحہ ۱۰۰۔ چھاپہ: پنجاب پبلیشنگ سوسائٹی نے چھاپی۔ قیمت درج نہیں اندازاً ۶ روپے۔

(۲) رسالہ صابون سازی۔ تقطیع ۱۸-۲۲ صفحہ ۴۵۔ مطبوعہ اسلامیہ پریس۔ مؤلف شیخ قائم الدین

سابق محرم دفتر امیر کابل قیمت ۱۰ روپے لاہور موتی بازار میں مترجم صاحب کی کتاب مل سکتی ہے

(۳) نوٹ ضابطہ فوجداری۔ چھوٹی تقطیع پر مولفہ سفید علی صاحبہ کی کتاب جس کی قیمت ایک سال کی ۶ روپے

(۴) نوٹ تقریرات مندرجہ بالا قانون پیشہ صاحبان کو نہیں بلکہ عام لوگ بھی مندرستان کے ان ہر دو مجموعہ کا

قانون فوجداری کے خلاصہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

(۵) بہنودی مصنفہ میر سعادت علی صاحبہ فرید آبادی تقطیع ۱۸-۲۲ صفحہ ۶۴۔ مطبوعہ فضل المطبعہ دہلی قیمت

(۶) حقیقی طبی غذا انسان کی مترجمہ محمد امیر مرزا ممتاز سابق ڈپاسٹر شہزادہ سکول صفحات ۶۴ قیمت ۴ روپے

(۷) رسالہ علاج بے دوا و بے جراح مصنفہ ڈاکٹر لونی جرنی مترجمہ امیر مرزا صاحبہ ۱۸-۲۱ صفحہ ۶۶ قیمت ۱۲ روپے

کثرت سے دھلتے ہیں یا جو صالون بنانا چاہتے ہیں اُن کے لئے یہ کتاب بیشک مفید ہے۔ بہتر ہو کہ خود لایق مولف اس کے مطابق کارخانہ صالون سازی کا قائم کر دیں

رسالہ بہبودی میں عمدہ نصیحتیں ہیں اور فضول رسوں اور فضول خرچی کو ترک کرنے کی نصیحتیں ہیں۔ شادی خلاف مرضی ادا۔ شادی کم عمری۔ شادی میں فضول خرچی زیور میں روپیہ کا خرچ۔ جہیز بلا ضرورت۔ سسرال کے تعلقات۔ رسوم تعزیت۔ خاوند کی بُری عادات کا چھڑانا۔ غرض اس قسم کے اچھے اچھے مباحث ہیں۔ جن کا پڑھنا ممبرانِ صلیبہ اور عموماً مسلمانوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ اصلاحی لٹریچر (مجموعہ ادب و انشاء) میں یہ رسالہ خاصہ اضافہ ہے۔ قیمت اس کی بہت زیادہ ہے۔ عام طور پر سود مند بنانے کے لئے ۴۰ روپے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔

محمد امیر میرزا صاحب سابق ہیڈ ماسٹر شہزادہ ہائی سکول کی دونوں کتابیں جنکی تفصیل ہم نے حاشیہ پر دی ہے ملک کی قدر دانی کے قابل ہیں۔ صاف اور صحیح چھپی ہیں۔ بیماروں۔ حکیموں اور ڈاکٹروں کو خاص کر ایسی کتابیں خریدنی چاہئیں۔ ترجمہ کا نمونہ بتانے اور مضمون کی سودمندگی کے واسطے ہم چند فقرے طبعی انسانی غذا صفحہ ۳۶ سے نقل کرتے ہیں۔

”غذا آجکل بہت نامقول طور سے پکائی جاتی ہے۔ مثلاً جو پانی جوش دینے کے کام میں لایا جاتا ہے اور جو بہت سامقوی مادہ جوش کی ہوئی شے کا جذب کرتا ہے۔ اکثر پھینک دیا جاتا ہے۔ تب پختی ہوئی ترکاریاں کھانے کی میز پر لائی جاتی ہیں۔ یہ بالکل غلطی ہے۔ تمام ترکاریاں جہاں تک ممکن ہوں تھوڑے پانی میں پکانی چاہئیں یا کسی دھانی برتن میں۔ اور پانی ان کے اوپر چھوڑ دینا چاہیے۔“

آٹھواں رسالہ جو ریلوے کے لئے ہمارے سامنے ہے اُس کا نام اصلاح الرسوم مطبع ہلالی شمیم پریس ساڈھو رائیں ۹۲ صفحہ کی بڑی تقطیع پر مولوی محمد یحییٰ صاحب مقيم لال مسجد گنگوہ ضلع سہارنپور نے فرائش کر کے چھپوایا ہے اس کی قیمت صرف ۴ روپے۔ اور اس میں شک نہیں کہ مولانا اشرف علی گنگوہی کی یہ کتاب اُن خاندانوں کے لئے جو احکام و الفاظ شریعت پر قائم ہیں ایک تازیانہ کا کام دے سکتی ہے اور بہت سی غور و

ہٹا سکتی ہے۔ مگر اس کتاب کو پڑھ کر ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی مضر رسم کو دور کرنے کے لئے شرک اور جہنم کی سخت دھمکی سے کام لیا گیا ہے اور زندگی کو ایسا مشکل - ایسا خشک اور مذہب کو ایسا ہیبت ناک کر کے دکھایا ہے کہ بچانوں نے نیکو مسلمان ایسے دشوار طریقے سے دُور رہنا غنیمت سمجھیں گے ہمارے علما کو یاد رکھنا چاہیئے کہ

خدا ہمارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ کہ مشکل کا

خیر کسی طُور سے بے نصیب مسلمانوں کا رویہ اون کی جسمانی دولت یعنی صحت بچے - ہم مشکور ہیں

نئی علمی تجویزیں

ڈا، مس نصیر الدین حیدر صاحبہ تیموریہ جن کی مضمون نگاری - لیاقت اور حب قومی اور یک روپیہ فنڈ کی امداد لئے اُن کو تفریف سے مستغنی کر دیا ہے ہم کو اطلاع دی ہے کہ جناب سہروردیہ صاحبہ نے ایک کتاب کو کب درمی میلاد خاتم الانبیا محمدن المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ السلام میں تصنیف فرمائی تھی اور اس کی کاپیاں حسب قدر باقی تھیں اور کاپی رائٹ ون روپی فنڈ کو دے دیا۔

آپ چاہتی ہیں کہ کوئی صاحب مطبع اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن مفت چھاپ دیں۔ بعض مطالع یڑے بڑے نامی اور دولتمند ہیں۔ سوڈیڑھ سو کے خرچ سے وہ نہایت عمدہ طریقہ سے ناموری - شہرت اور اجر حقیقی حاصل کر سکتے ہیں۔ فقط

(۲) مولوی ممتاز علی صاحب نے اب تک تہذیب الاخلاق نہیں نکالا۔ غالباً اس نام پر انہوں نے بلا اجازت جانشین سرسید مرحوم قبضہ کرنا پسند نہیں کیا۔ مگر تالیف و اشاعت جیسا مفید کام کچھ عرصہ سے بند ہو گیا۔ سنا جاتا ہے کہ مولوی ممتاز علی صاحب کسی اور نام سے کوئی ماہوار مذہبی رسالہ نکالنا چاہتے ہیں۔ خیر وہ رسالہ تو ابھی نہیں نکلا۔ لیکن سید جمال احمد صاحب ایڈیٹر سہمد رو اپنے ماہواری رسالہ کو سماہی کرنا چاہتے ہیں۔ جو ایک سو سے زائد صفحوں پر چھپ کر تہذیب الاخلاق کے بڑے مقاصد کو پورا کرے گا۔ اس کی سالانہ قیمت ڈھائی روپیہ سال ہوگی۔ یہ درخواست کرنا کچھ فغول سا ہے کہ روشن خیال مسلمان اس کی مدد کریں۔ اس لئے کہ روشن خیال اول تو ہیں نہیں۔ ہیں تو پڑھتے نہیں اور پڑھتے بھی ہیں تو اردو نہیں پڑھتے اور اردو بھی پڑھتے ہیں تو رنگین بے مصرف مضامین۔ ہم اپنے دوست کے مضامین کو بہت عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسی واسطے مصلح دیتے ہیں کہ اپنے رسالہ کی سالانہ جلدوں کو بندھوا کر کئی سو کاپیاں محفوظ رکھوا دیں۔ سنجیدہ کتب اور رسالوں کی قدر ہوگی مگر ناقدین کے بعد۔ ایک زمانہ میں یہ کتابیں اور مجلدات مثل دوا کے نایاب ہوں گے۔ وہ زمانہ آہستہ آہستہ آ رہا ہے۔

اس وقت سنجیدہ اخبار و رسالے سب نقصان سے چلتے ہیں۔ بہت محنت و کد کاغذ اور ڈلک و چھپائی کے خرچ نکل آنے کو بھی نقصان ہی سمجھنا چاہئے۔ جو شخص دوری طرح ایک ہزار روپیہ سال کما سکتا ہے۔ تصنیف و تالیف میں سو روپیہ بھی نہیں کما سکتا ایسے ملک میں صرف فارغ البال لوگ یا جن میں ایشیا کا مادہ اعلیٰ درجہ کا ہے یا جن میں کچھ مادہ نہیں علمی اور قومی خدمت پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ بہر حال ہم سہمد رو سے ہمدردی رکھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو۔ فقط

رسالہ الکیمنیا۔ بینے میں دو مرتبہ مولوی حکیم دست محمد خاں صاحب کی ایڈیٹری میں ایئر کوئلہ شائع ہوتا ہے۔ اس میں نہایت اعلیٰ درجہ کے موضوعات حیات تک شائع نہیں ہوتے ہیں اور مفید مضامین شائع کیا و طلب ہوتے ہیں۔ اس کی قیمت سالانہ چھ روپے۔ نمونہ کار پر ۲ روپے ٹکٹ بھیجنے پر مندرجہ ذیل پتہ موہ سکتا ہو

مینجس رسالہ الکیمنیا مالی کوئلہ

رسید کتب مابعد

مفصلہ ذیل چھ کتب خوش خط بڑی تقطیع پر مجلد مولفہ مولوی نظام الدین حسن نوتنوی۔
بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ معین المہام ریاست بھوپال سے وصول ہوئی ہیں۔ رائے مفصل
انشاء اللہ مابعد دیویں گے۔ مولوی صاحب موصوف کی علمی اور دینی خدمتوں کا شکریہ
ادا کرنا لازم ہے۔ قیمت کسی کتاب کی درج نہیں ہے۔ لائق مصنف کے پاس سے
کتاب بل سکے گی

(۱) قرآن مجید۔ مترجم بزبان اردو۔ یہ دراصل مقدمہ ترجمہ کا ہے جس میں
ترتیب آیات۔ سندرات۔ تعداد آیات و رکوعات و اعلاہ و علامات قرأت سے
بحث ہے۔ و نیز فلسفہ پر چھپا ہے

(۲) صحیفہ ذکر اللہ۔ ایضاً۔ خداے تعالیٰ کے سات سو کئی نام مختلف جگہ
قرآن شریف میں جو آئے ہیں ان کی فہرست۔ ہتہ۔ شرح اور تقسیم بمحاذ مختلف مضاف
کے خوبی سے کی گئی ہے

(۳) اوقاف عبارت۔ ضخیم اور خوشنما جلد۔ بہت محنت اور غور سے جو قرآن شریف
کے اوقاف کے متعلق لکھی گئی ہے

(۴) تقسیم علم ادب۔ یہ رسالہ بھی بطور تمہید و تمہانہ ترجمہ کلام الہی کے ہے۔

(۵) بختری عیسوی سنہ ۱۹۰۶ء { نہایت صحیح اور مفصل خبری ہے جس میں سنہ محمدی
(۶) " " " " سنہ ۱۹۰۶ء { بخت بھی شامل کیا گیا ہے * }

اوپر بتائیں کس ہزار مرض کس طرح صحتیاب تھے میں

سورہ حمیرہ کرامانی - مقوی لیسر - محافظہ فیانی
دافعہ نزول الما اور درہند غبار - آبہ دانی فیہ بیوتہ
حب فریاسیٹین - پیشاب کا بار بار آنا اور شکر
تنہستی نصیب ہوئی تو کہہ
حب دائمی فیض - ایک گولی سے دائمی فیض اور
اور تمام عوارض دور وغیرہ کا فور قیمت ...
سیلان الرحم - عورت کی صحت بحال برزی
چہرہ اور کمر درمی - دو ہفتے کے کو ...
جوہر عشہ - سفاتی خون کیلئے پیشاب - گندہ خون کو
نہر سے صاف کرنا اور دافعہ پھول پھٹنی سو بھگتہ خارش
سرخ رو - اس کو لگانے سے چہرہ بارونق چریاں
وغیرہ دور - چہرہ گلہام سا ہو جاتا ہے فی شیشی ...
فور علی نور یہ چند منٹ میں بال دور م تو کہہ ...
حب دفع وجع المفاصل - درد اعصاب
جرڑوں کا درد دور ہو دو ہفتے کے کو ...
حب دفع طحال - تلی یا لف کے دغیہ کیلئے
شرطیہ - دو ہفتے کے لئے
ہمیرا میل - دل یا خستہ کر علاوہ بال بیوقت سفید
نہیں ہونے دیتا - نزلہ کو دور کرتا ہے - صنف داغ
کو سفید - فی شیشی
زود کن - اس کے لگانے سے بال بکثرت
پیدا ہوتے ہیں فی شیشی
دوائی خارش - رافوں کی خارش اور بکھڑکے
دودن میں خشک ہو جاتے ہیں دو تو کہہ ...
تہریق السعال - اخراج بلغم درد سینہ سرنگہ
پرگنا اس کے استعمال سے بند - ہر موسم میں کارآمد
ایک تو کہہ قیمت دور روپے

حب مقام ایون - چاند وانیون بلا تکلیف
اس سے پھوٹ جاتے ہیں - ایک تو کہہ ...
روغن اعجاز - برسوں کا زخم بھر جاتا ہے - حکندر
دنا سور کے لئے کسیر اور عیبالا اور دو تو کہہ ...
دوائی درد کان - دو قطرے ڈالنے سے آرام
ایک شیشی دو سو مرض کو کافی ...
چورن مقوی معدہ - خوش مزہ بھوک لگانا
اور کھانا خوب ہضم کرتا ہے م تو کہہ ...
سمنون مستحکم دندان - ہلکتے دانت مضبوط - دیو
میل دور - م تو کہہ ایک روپیہ
ید اللہ دفع بخار - ۲۰ رتی بھر ...
اور پسینہ خوب آتا ہے ۲ درجن ایک روپیہ
حب دفع بواسیر - بواسیر غلی ہو یا بادی یگی
ہو یا سادی یسون کا درد وغیرہ کا فور - دو ہفتہ
ومہ یا ضیق النفس - سانس رگنا اور بلغم وغیرہ
دور ہو کر صحت ہو جاتی ہے
رعنا - چہرے کے بد مزہ داغ چھپے وغیرہ دور م تو کہہ
مدر حین - باقاعدہ ایام کھل کر مقررہ وقت پر آ جا
ہیں - قیمت دوائی دو ہفتے کے لئے ...
پیشہ مردہ - جب اجابت بار بار آئی اور نور لگا
نکلے - تو یہ سفید ہے م تو کہہ
سفوفہ دگر وہ - دورہ درد اور دیگر مشانہ
بلا تکلیف خارج ہو جاتا ہے - قیمت دوائی
م تو کہہ ایک روپیہ
اک الشفا - دوائی طاعون - بطور علاج یا قہم
السیر - عامل - رمن کے حمل سے محفوظ رہتا
ہے - غنا کو مفت قیمت فی شیشی

حکیم ڈاکٹر علامہ نبی بخشہ الحکماء یڈیر لٹا حافظ صحت ہو موی دروازہ عیوان منزل

اوپر بتائیں کس ہزار مرض کس طرح صحتیاب تھے میں

سورہ حمیرہ کرامانی - مقوی لیسر - محافظہ فیانی
دافعہ نزول الما اور درہند غبار - آبہ دانی فیہ بیوتہ
حب فریاسیٹین - پیشاب کا بار بار آنا اور شکر
تنہستی نصیب ہوئی تولد - - - - -
حب دائمی فیض - ایک گولی سے دائمی فیض اور
اور تمام عوارض دور وغیرہ کا فور قیمت
سیلان الرحم - عورت کی صحت بحال برزی
چہرہ اور کمر درمی - دو ہفتے کے لئے ...
جو ہر عیشہ - سفاتی خون کیلئے پیشاب - گندہ خون کو
نہر سے صاف کرنا اور دافعہ پھول پھٹنی سو بھگتہ خارش
سرخ رو - اس کو لگانے سے چہرہ بارونق چریاں
وغیرہ دور - چہرہ گلہام سا ہو جاتا ہے فی شیشی ...
فور علی نور یہ چند منٹ میں بال دور م تولد ...
حب دفع وجع المفاصل - درد اعصاب
جرڑوں کا درد دور ہو دو ہفتے کے لئے ...
حب دفع طحال - تلی یا لف کے دغیہ کیلئے
شرطیہ - دو ہفتے کے لئے ...
ہمیرا نیل - دلربا خوشبو کر علاوہ بال بیوقت سفید
نہیں ہونے دیتا - نزلہ کو دور کرتا ہے - صنف داغ
کو سفید - فی شیشی ...
زود کن - اس کے لگانے سے بال بکثرت
پیدا ہوتے ہیں فی شیشی ...
دوائی خارش - رافوں کی خارش اور بکھڑکے
دودن میں خشک ہو جاتے ہیں دو تولد ...
تہریق السعال - اخراج بلغم درد سینہ سرنگہ
پرگنا اس کے استعمال سے بند - ہر موسم میں کارآمد
ایک تولد قیمت دور روپے ...

حب مقام ایون - چاند وانیون بلا تکلیف
اس سے پھوٹ جاتے ہیں - ایک تولد ...
روغن اعجاز - برسوں کا زخم بھر جاتا ہے - حکندر
دنا سور کے لئے کسیر اور عیبالا اور دو تولد ...
دوائی درد کان - دو قطرے ڈالنے سے آرام
ایک شیشی دو سو مرض کو کافی ...
چورن مقوی معدہ - خوش مزہ بھوک لگانا
اور کھانا خوب ہضم کرتا ہے م تولد ...
سمنون مستحکم دندان - ہلکتے دانت مضبوط - دیو
میل دور - م تولد ایک روپیہ
ید اللہ دفع بخار - ۲۰ رتی بھر سجادہ تر جاتا ہے
اور پسینہ خوب آتا ہے ۲ درجن ایک روپیہ
حب دفع بواسیر - بواسیر خونی ہونا بادی یگی
ہو یا سادی یسول کا درد وغیرہ کا فور - دو ہفتہ
ومہ یا ضیق النفس - سانس رگنا اور بلغم وغیرہ
دور ہو کر صحت ہو جاتی ہے ...
رعنا - چہرے کے بدن داغ چھپے وغیرہ دور م تولد
مدر حین - باقاعدہ ایام کھل کر مقررہ وقت پر آ جاتا
ہیں - قیمت دوائی دو ہفتے کے لئے ...
پیشہ مردہ - جب اجابت بار بار آئی اور نزلہ
نکلے - تو یہ مفید ہے م تولد ...
سفوفہ درگدہ - دورہ درد اور دیگر مشانہ
بلا تکلیف خارج ہو جاتا ہے - قیمت دوائی
م تولد ایک روپیہ ...
اک الشفا - دوائی طاعون - بطور علاج یا قہر
السیر - عامل - رمن کے حمل سے محفوظ رہتا
ہے - غنا کو مفت قیمت فی شیشی ...

حکیم ڈاکٹر علامہ نبی بخشہ الحکماء یڈیر لیسر حافظہ صحت ہو موی دروازہ عیوان منزل

عصر جدید

ایک ماہانہ ریویو

مقاصد

مسلمانوں میں علمیت - صداقت اور کفایت پھیلانا

آنریری ایڈیٹر
خواجہ غلام الثقلین سکرٹری اصلاح تہذیب
فہرست جون ۱۹۵۶ء

- (۱) ہماری غیرت کا بیجا طریقہ (۲۰۶) مس نصیر الدین حیدر سکرٹری نائن دن پرنٹرز
- (۲) ہندوستان کا پرل اور عام رک (۲۱۲) شمس العلما خان بہادر منشی ذکار اللہ
- (۳) مناکحت میں بے احتیاطی (۲۲۲) مسٹر اکرام عالم بی۔ اے (علیگ)

ممبر مہینہ اصلاح

- (۴) ہمارا فرض اپنے لئے اور ملک کے لئے (۲۲۶) سید نذیر حسین بی۔ اے (علیگ)

(۵) انجمن اصلاح (۲۲۸) سکرٹری اور ممبران

(۶) ماہ گزشتہ (۲۳۸) ایڈیٹری نوٹ

(۷) الحکم پر اسے (۲۴۵) ایڈیٹر

خادم پنجاب پریس امرتسر میں باہتمام منشی نبی بخش صاحبچا

اصول صحیحہ اصلاح

- ۱۔ عدل و اعتدال یعنی میانہ روی پر سیرگاری۔ سادگی
- ۲۔ کفایت شعاری یعنی اسراف دولت۔ اسراف وقت سے بچنا۔ دولت کا صرف مفید کاموں میں کرنا۔ رسمیات کے اخراجات میں کمی کرنا
- ۳۔ سعی و محنت۔ گداگری۔ بیکاری۔ شہستی کو قابل نفرت سمجھنا۔ خود کام کرنا اور ایک شخص کو کام پر لگانا
- ۴۔ اتفاق۔ نیک مقاصد کے حاصل کرنے کو لئے ملکر کوشش کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا

ضروری ہدایات اور قواعد عصر جدید

- (۱) رسالہ کا حجم ۴۴ صفحے سے کم نہ ہوگا
- (۲) قیمت پیشگی یا نقد ہوگی۔ یا بذریعہ ویسوپے ایل پارسل سالانہ معہ محصول ڈاک وغیرہ پیکر
- (۳) نمونہ کی درخواست کے ساتھ ۲۰ روپے کے ٹکٹ آنے چاہئیں
- (۴) خط و کتابت یعنی نام۔ پتہ مضامین سب صاف اور خوشخط ہوں
- (۵) جملہ مناسب مضامین ترتیب اور گنجائش کے لحاظ سے پچھلے جلدوں کے۔ بصورت عدم مانعت ایڈیٹر مضمون کو مختصر کر سکتا ہے۔ مگر مطلب پلٹ نہیں سکتا
- (۶) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ہونا مناسب ہے
- (۷) جو صاحب یکسالانہ پچھلے کی بات نہیں خریدے وہ کی قیمت ادا فرمائیں اگر ایک سالانہ پچھلے کیلئے رسالہ کمیشن میں ملیگا
- (۸) رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت اندرون۔ ۳۰ یوم وصول نہ ہو تو بعد رسالہ بھیجنا لازم نہ ہوگا
- (۹) ایسے معتبر کتب فروشوں کی ضرورت ہے جو ہمارا رسالہ اور کتب پناہیں کہیں مقبول کمیشن دی جائیگی تصفیہ بذریعہ خط و کتابت
- (۱۰) جو صاحب اخبار و رسائل نقد سادی ہماری اشتہار چھاپیں ان کو کچھ اجرت دی جائیگی
- (۱۱) نمونہ کتب یا ادویہ کا اشتہار نہ چھپے ۱۲ اجرت اشتہار فی سطر ۲ روپے اگر ایک روپیہ ہو کم اجرت کا اشتہار نہ لیا جائیگا
- (۱۲) اجرت فی صفحہ ایک بار کے لئے ۱۰۰ روپے ششماہی کیلئے ۱۰۰۰ روپے سالانہ نصف حصہ ایک بار غیر ششماہی کے لئے ۱۰۰۰ روپے
- (۱۳) جب تک اشتہار چھپے رسالہ صاحبان اشتہار کو بلا قیمت ملیگا۔ مگر محدود ڈاک ان کو بھیجنا ہوگا

عصر جدید

ہماری خیرات کا بیجا طریقہ

ہم نہایت خوشی اور شکریہ کے ساتھ اس محترم بیگم کا مضمون چھاپتے ہیں۔ اس دعا میں مس نصیر الدین حیدر اور مس نذر الباقی کی کوششیں اور مضامین نہایت قابل توجہ ہیں۔ جب عام راسے کسی قدر تیار ہو جاوے تو حسب تحریک میں نذر الباقی صاحبہ اصلاح خیرات کیلئے بیشک ایک مستقل علی انجمن نئی چاہئے۔ میں اس معاملہ کو ایسا اہم سمجھتا ہوں اور مذہب اور تمدن اور نظام عالم کے وہ اصول خیرات کے مشاغل پنہاں ہیں کہ اس کی اصلاح کے لئے مومنان مرد اور عورت اپنی زندگی وقف کر دیں تو بھی کام بڑا ہے و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اثیب۔ فقط ایڈیٹر

میں اگرچہ اپنے خیالات اس موضوع پر گزشتہ سال رسالہ خیرات کے ریویو میں لکھ چکی ہوں اور ظاہر کر چکی ہوں کہ میں مرد بہ طریقہ خیرات کی سخت مخالفت اور اس میں اصلاح جوئے کی بڑی آبرو مند ہوں چنانچہ جہاں تک ہوسکا اپنے گھر کی محدود خیرات میں بہت کچھ اصلاح کرنی۔ اور آئندہ ہی کوشش میں ہوں کہ جو نقص میں وہ نکل جائیں۔ نیز اپنے ملنے چلنے والیوں کو حتی الامکان ادھر توجہ کرتی رہتی ہوں۔ مگر چونکہ ہماری سوزہ بہن بنت نذر الباقی صاحبہ نے حال میں مرقوم الصدر عنوان سے ایک مضمون اخبار روکیل میں شائع کر کے ہم سے خواہش کی ہے کہ جو ہمیں اصلاح خیرات پر متفق ہیں ان کو اخبارات میں میرا ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ تاکہ عورتوں کا خیرات کیا ہوا روپیہ فراہم کرنے اور خرچ کرنے کا مناسب انتظام کیا جائے۔ اس لئے میں اپنے خیالات کا اعادہ مناسب سمجھتی ہوں + ہماری خیرات جیسی کچھ بے نیکی ہے ایک زمانہ جانتا ہے۔ قوم کے سمجھ دار افراد۔ اصلاح تمدن کے مہر۔ قومی اخبارات اور سب سے بڑھ کر مینڈا اصلاح تمدن کے سکریٹری صاحب اس پر خوب خوب لکھ چکے ہیں اور اب بھی یہی رونا رویا جا رہا ہے کہ مفت خور سے ادھیڑ بھر سے فیروں کو

نہ وہ اس کے بدلہ وہی روپیہ ایسے مفید کاموں میں لگاؤ جو روپے کے نہ ہونے سے ادھورے پڑے ہوئے ہیں۔ اور قوم کی صلاح و فلاح کے منحصر علیہ ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مسلمانوں میں افلاس عام ہے۔ لیکن افلاس کے ساتھ بخل نہیں ہے۔ سارے دن کی محنت کے بعد جو شخص چننا تو کھانا ہے وہ کم سے کم ایک پیسہ فقیر کو ضرور دیدیتا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے کھلے جن پر سات دن تکست برستی ہے۔ سائل کی آواز کو خالی نہیں جانے دیتے۔ مٹھی بھرا آج یا روٹی کا ٹکڑا ہی بھی پھرے گا فقیر وہاں سے بھرا پیرا۔ اُن افلاس زدہ جموں پٹریوں کی رہنے والیوں پر ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ فقیر دروازہ پر کھڑا بلکے اور وہ کانوں میں انگلیاں دیتے بیٹھی رہیں۔ علاوہ روزانہ کی پیشکل خیرات کے خاص جمعرات کے دن ایک معقول رقم بہتر میں کوڑیوں پیسوں اور کچے ہوئے کھانے کی صورت میں بھی ایک منگوں کو مل جاتی ہے۔ دوسرے شہروں کی نسبت میں زیادہ تفصیل سے نہیں کہہ سکتی۔ ہمارے حیدرآباد میں بفضلہ بعض گھرا بیسے میں جہاں بیسیوں بلکہ سینکڑوں روپے تک فی جمعرات فقرا کو تقسیم ہو جاتے ہیں۔ دینے والوں کو دروازوں پر بلکہ محلوں میں فقیروں کی برات کھڑی ہوتی ہے۔ اگر کسی کو کسی سے زیادہ مل گیا تو آپس میں وہ جوتی پتیار اور گالی گشتار ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ رمضان کے سارے مہینہ میں افطاری وغیرہ تقسیم ہوتی ہے اور یہ امتیاز نہیں کیا جاتا کہ روزہ دار کون ہے اور بے روزہ کون۔ عید الفطر میں اناج پکڑا۔ نقیبی کل فقیروں کو دیا جاتا ہے۔ (مزید یہ ہے کہ اُدھر سے تو فقیروں وغیرہ وصول کرتے ہیں اور دوسری طرف ادبے پوسے بیچ دیتے ہیں) محرم میں نذر نیاز۔ رسم فقری ادا کرنے اور رنگوں (سونا لک) کو انجام اکرام دینے میں بہت کچھ خرچ ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر نہ صرف بلکہ بنگے بلکہ عام طور سے کینہ قوموں کے بچے اور ادبے درجہ کے مسلمانوں تک کے لڑکے ایک نوسا لک بنتے ہیں اور لینے کے لئے بے تحلف ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ ضروری لے مرتے ہیں۔ یہ نہریلی تعلیم اس ملک میں بدو شعور سے بچے کو ہونے لگتی ہے۔ اور انتہائے عمر تک اُن کا ساتھ دیتی ہے۔ گیارہویں کی نیانہ محرم کی طرح عام نیاز ہے تے کہ میسر نہ ہو تو سودی قرض بیکر بلکہ مانگ مانگ کر کی جاتی ہے۔ اور دیکھو تو ان نیازوں کا مصرف اصل مقصود سے بہت دور جا پڑتا ہے۔ ان تمام خیراتی میٹھوں کی قمیص اگر جمع کی جائیں تو معلوم ہو کہ سارے ملک میں خدا کے فضل سے ہزاروں

کیسے لاکھوں کی خیرات ہوتی ہے۔ افسوس اتنی بڑی رقم محض ہماری بیوقوفی سے ٹکڑ ٹکڑ ہو کر
 ہو کر اس طرح منتشر ہو جاتی ہے کہ نہ دیتا بھلا نہ لیتا بھلا۔ ہاں یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ ملک
 و قوم میں نکمٹو۔ چلن اور شورہ پشت لوگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس کا سلسلہ
 ختم نہیں ہوتا۔ اور وہ نیک نجت ہمارے جتنوں نے قومی محبت اور خدا کے خوف سے بڑے بڑے
 مفید قوم کاموں کے انجام دینے کا بوجھ اپنے کندھے پر رکھا ہے۔ روپے کے ہونے سے کھانسی
 ملتے اور ایک ایک کا منہ تھکتے ہیں۔ حضرتنا و محمد و منا قاری شاہ سلیمان صاحب مظلہم کو
 کانفرنس والے و عظیم میں یہ پٹرھکر کیا دل کو صدمہ ہوا ہے کہ اگر مسلمان پابندی سے زکوٰۃ
 نکالیں اور اپنی زکوٰۃ و خیرات کا روپیہ تعلیمی کاموں میں دیں تو ان قومی لیڈروں کو ٹبر پال
 اور ہماری کی حالت میں کیوں درد رکھیں کھائی پٹیں۔ اور ان کی بلا کسی کے آگے
 دست سوال پھیلائے۔ (گو اس دست سوال پھیلانے سے ان کی عزت بڑھتی ہو گئی نہیں)
 ہاں سچ ہے کوئی کس طرح سمجھائے۔ اب یہ ہماری بد نصیبی و کور عقلی نہیں تو اور کیا ہے کہ جو
 قومی عزت و خوشحالی اور لوگ لاکھوں کروڑوں خرچ کر کے حاصل کر رہے ہیں۔ وہ ہم کو ٹبروں کو
 سول نہیں لیتے اور جودلت۔ بے سختی اور بے غیرتی دوسری قومیں مفت نہیں لینا چاہتیں۔ ان کو
 ہم گروہ سے سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کے سیٹے ہیں۔ اللھم ھذا الصراھ المستقیم
 اس وضع کی خیرات سے فی الواقع یہ مقصد بھی تو حاصل نہیں ہوتا۔ کہ بھوکوں کے پیٹ بھر گئے
 تنگوں کے تن ڈھک گئے۔ محتاجوں کی دستگیری ہو گئی۔ استغفر اللہ! وہاں تو جو زیادہ دبکا۔ بچڑ
 اور بے غیرت ہے وہی زیادہ لے نکلتا ہے۔ ہمارے شہر کے ٹکڑ گداؤں کا قاعدہ ہے کہ عورت کا دن
 پاؤں میں دھجیاں باندھ کر ساری خدائی سے وصول کرتے ہیں اور جمعہ کے دن زن و مرد سب مل کر
 باغوں کی سیر مانتے ہیں۔ اور مفت کی کمائی کو دل کھول کر اٹھاتے ہیں۔ کیوں نہ اٹھائیں مال
 مفت دل بی رحم مشہور ہے ہمارے گھر کے آگے سے جو شرک جاتی ہے وہ ایسے مقام کو پہنچتی
 ہے۔ جہاں ان لوگوں کی تفریح گاہیں ہیں۔ بس جاتے وقت ان کی فارغ البالی اور آتے وقت
 ان کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ جس سے ان کی نفیری کی تلخی کھل جاتی ہے۔ اور ہرگز
 دل نہیں چاہتا کہ کبھی کچھ انہیں دیکھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قید کے زمانہ میں پانچواں

نے جو خواب دیکھا تھا کہ سات موٹی گائیں سات دُہلی گاؤں کو اور سات دُہلی گائیں سات موٹی گاؤں کو کھائے جاتی ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس کی تعبیر دی تھی کہ آخر قحط پڑے گا تو اب ایسی ہی حالت ہندوستان کے مسلمانوں میں دیکھی جاتی ہے۔ کہ اُن کے مالدار بیک منگر بے مایہ کمانے والوں کی آمدنی کا خون چوسے پلے جاتے ہیں اور اُن کے کابل فقیر اہل تنوں کا مال دیکھ کر کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ اُس خواب کا نتیجہ قحط تھا۔ اور اس عقلیت کا مال مغسی ہے۔ عبرت! عبرت!! عبرت!!! غضب یہ ہے کہ ہمارے ملک کے اپاج فقیر بھی کچھ کم مرشد نہیں ہوتے۔ منہ کو خاک مل کر چپکے ہی چپکے وہ جبر باندھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اُن کی پونجی دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ بنت نذر الباقرا صہ نے جو واقعات دیئے ہیں ان کے لکھے ہیں کہ اُن کے مرنے کے بعد اُن کے پاس سے مال نکلا۔ بالکل ٹھیک ہیں۔ ہر شہر اور ہر ملک ایسے سراپہ دار منگتے موجود ہیں۔ اور حیدرآباد جیسے متمول شہروں میں تو شاید کوئی فقیر محتاج نہ ہو۔ میرے نزدیک صرف بٹے کٹوں اور خنگروں ہی کے دینے سے ماتہ نہ دو کنا چاہتا بلکہ آجکل کے اپاج اور مزدور فقیروں کے دینے میں بھی احتیاط کرنی چاہئے۔ کاش ہم لوگ طریقہ خیرات میں دوسری تعلیم یافتہ قوموں کی پیروی کریں۔ جس سے اپنے تو اپنے خیرات کے محتاجین تک ٹھکانے لگ جاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے۔ کہ حیدرآباد میں برس دو برس ایک انگریزی مشن نے ایک بنگلہ میں دارالساکنین قائم کیا ہے اُس کے دروازہ پر لکھا ہے "محتاجوں اور ضعیفوں کا گھر"۔ اس محتاج خانہ کا اقتصاے مقصد کچھ ہی ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ہر مذہب و ہر قوم کے لوگ کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اور اُن کی معقول اور باعزت طریقہ سے امداد ہوتی ہوگی۔ دیکھئے ہم لوگوں میں وہ دین کب آتا ہے کہ خیرات کا کل پیسہ اکٹھا ہو۔ اُس سے محتاج خانے بنیں۔ مدرسوں کو امداد دی جائے۔ غریبوں۔ یتیموں اور لاوارث بچوں کو دوا لایہ دے کر اسکولوں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم دلائی جائے۔ اور اس طرح وہ گھرانے جو شریف سے رذیل بن گئے ہیں پھر روپیہ کما کر آبرو پیدا کر لیں۔

بنت نذر الباقرا صہ سچ فرماتی ہیں کہ عورتوں کی نسبت مرد پھر سچ سمجھ کر دیتے ہیں۔ عورتوں کی رحمی کسی طرح فقیر کی حالت جانچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتی۔ فقیر بتنا فریبی۔ کلاماً

اور سہاابی ہوگا اتنا ہی جلد دینے والیوں کی ہمدردی سے فائدہ اٹھائیگا۔ بیشک ان سادہ لوح اور صاف قلب خیرات کرنے والیوں کی بدولت اب تو بعض ایسے شرمناک ایجاد فقیروں اور فقیرنیوں نے بھیک کے فن میں کئے ہیں کہ جن کو بیان کرتے روٹنے کھڑے ہوتے ہیں۔ کئی عورتیں ایسی دیکھنے میں آئی ہیں۔ کہ دن دھاڑے غیر مشروع حالت میں کھڑی بھیک مانگ رہی ہیں یعنی ختم پر کپڑے کا نار نہیں۔ اور یہ بالکل اُن کی بناوٹ تھی نہ کہ محتاجی۔ اندھیرہ ہے کہ اپنے تئیں جن اور ناسرہ بیان کرتی ہیں۔ معاذ اللہ! اس سے بڑھ کر اور کیا شرمناک بات ہوگی اس ڈھنگ سے پیسوں اور کپڑوں کا مینہ اُن پر برس جاتا ہے۔ اگر ایک فرد ایسی حرکت کرنے والیوں کو منہ نہ لگایا جائے۔ اچھی طرح دھتکار دیا جاوے۔ تو دوسری دفعہ اس ناشائستگی کی جرأت نہ ہو۔ ہماری بہنوں کو ذرا عقل سے کام لینا چاہئے۔ ایسے فریبیوں۔ دغا بازوں اور لالچیوں کو ایک پیسہ خیرات نہ دینا چاہئے۔ ایک بات بڑے اندھیرے کے۔ کہ اگر کوئی دینے کے وقت روکر اور ایسے فقیروں کو مال دینے کی ہدایت کرے تو اُس کو کہا جاتا ہے کہ ”داتا دے بھٹاری کا پیٹ پھٹے“۔۔۔ ساتھ ہی اس کے یہ حکم خداوندی پیش کر دیا جاتا ہے۔ کہ

”فاما السائل فلا تمنہی“۔ اسے بلاشبہ یہ حکم الہی ہے۔ مگر وہ اصل سائل میں کہاں۔ اس طریقہ سے خیرات دیکر تم اُسی خدا کے حکم کے خلاف اُنہیں مانگنے کی ترغیب و ہمت دیتے ہو جس کے رسول برحق نے سوال کو حرام فرمایا ہے۔ اگر اُن کی منہ مانگی مراد پوری نہ کرو۔ تو دوسری خصوصیت ہمارے دروازہ پر آنے سے خودی جھپکیں گے۔ اور تم بے محل خیرات سے بچو گے میں اپنی ہم جنسوں کو سنانے کے لئے ایک بزرگ کا ذکر کرتی ہوں جو میرے والد کے بڑے دوست تھے۔ اور مرد و برادر سے خیرات کرنے کے دشمن تھے۔ اُن کا طرز عمل یہ تھا کہ پہلے سائل کو جانچتے تھے۔ اگر وہ جوان تند و تیز ہوتا تھا تو ہرگز مفت نہ دیتے تھے۔ اُس کو کسی کام پر لگایا تھے۔ اپنی ہاں جگہ خالی ہوئی تو مرد کو خدمت گاری پر اور عورت کو ماگاری پر نوکر رکھ لیا۔ نوکری کا موقع نہ ہوا تو اجرتی کام سامنے کر دیا۔ فرض اس وقت کسی نہ کسی حیلہ سے لگا کر اُس کے سوال کو مزدوری کی صورت میں پورا کرتے تھے۔ سائل نے منظور کیا تو فہماور نہ خشک جواب دیدیا نتیجہ یہ ہوا کہ محنت سے جی چرانے والے اور مفت خور سے اُن کے دروازہ پر آنے سے کنیا تے تھے

چرا گیا وہ دھند سے لگ گیا اور بیت سے لوگ اُن کی بدورت و نگار پیشہ اور محنتی ہو گئے ساتھ ہی اس کے اُن کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جو شخص بیمار - معذور - اور واقعی محتاج اور ضعیف ہوتا تھا - نہایت اہل دلی سے اُس کی حاجت روانی کرتے تھے - وہ یہ بھی کرتے تھے کہ غریب پر وہ نہیں عورتوں اور کم معاش کثیر العیال مردوں کو ہر ایک چیز خفیہ پہنچاتے تھے - اُن کا مقولہ تھا کہ ایسے ہی لوگوں کی امداد کرنی خیرات کا مصرف صحیح ہے اور لطف یہ ہے کہ خود صوفی مشرب اور صوفی صورت تھے - مگر بات یہ ہے کہ اصل صوفی تھے ۔

اصل میں ان تمام اصلاحوں کی جڑ تعلیم ہے - جب تک تعلیم نہ ہوگی - پوری طرح نفع نقصان نہ سوجھیا گا - عورتیں ہوں یا مرد کما حقہ اصلاح خیرات پر آمادہ نہیں ہونے کے - لیکن کوشش جاری رہنی چاہئے - جو راہ راست پر آ گیا دی ہی - ہاری بہن بنت نذر الباقی صاحبہ نے لکھا ہے کہ اصلاحی طریقہ سے خیرات ہونے والے روپے کے لئے ایک دفتر قائم کرنا چاہتی ہوں - بمنزہ بہن میری رہا ہے میں آپ کو کسی نئی عمارت کے چتے میں تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے - جبکہ پُرانی عمارت موجود ہے - اس کام کے لئے دن روپی فنڈ کا دفتر حاضر ہے - اس کی تو ضرورت ہے کہ ایک صیغہ کے حامی دوسرے صیغہ کی مدد کریں - اور آپ ہمیں گائے کے گھردے کی طرح الگ نہ رہیں - مردانہ خیراتی روپیہ مردانہ دفتر میں بھیجئے اور زنانہ روپے لگے لئے یہ زمانہ دفتر دامن پھیلائے بیٹھا ہے - دن روپی فنڈ کو خیرات ہی کے روپے سے ہندوینی چاہئے تاکہ عالمیوں کو سہولت ہو - اور فنڈ پر کھیاں نہ بھنکیں - اس زمانہ دفتر کی ہمیشہ سے آرزو ہے کہ جو میگات اصلاح خیرات کی عالمی ہیں اُن کو اور اصلاح تمدن کو تمام ممبروں کی میگات کو دن روپی فنڈ کے زنانہ صیغہ سے ہمدردی کرنی چاہئے - اپنا اپنا خیراتی روپیہ اسی کی موافقت بینک میں بھیجنا چاہئے - تاکہ اُن کا روپیہ ایسے نیک کام میں صرف ہو جو شیات کا مٹانے والا اور نیکیوں کو قائم کرنے والا ہے یعنی تعلیم ۔

(بنت نعیمہ الدین حیدر)

نوٹ :- ہمیں مغز بہن سے اس امر میں کسی قدر اختلاف ہے کہ شرعی زکوٰۃ کا مستحق محمد بن یونس ہی نہیں بلکہ صرف وہ ہے - ہمایہ کی شریف - معذور مفلس یراثیں مستحق نہ ہیں - ایڈیٹ

ہندوستان کا پریس اور پبلک اومنین

جنس العلماء کے اعلیٰ درجہ کے مضمون کا دوسرا حصہ ہم اس پرچہ میں چھاپ رہے ہیں
 حصہ سوم میں نامور مضمون نگار نے انگریزی زبان کے پریس جس کے
 مالک ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی زبان کے پریس
 کے متعلق بحث کی ہے۔ یہ حصہ بھی ہمارے پاس پہنچ گیا ہے اور آئندہ نمبر میں
 شائع ہوگا۔ یہ تینوں مضامین اخبار نویسوں اور اخبار بینوں کے لئے مفید رہنما کا
 کام دے سکتے ہیں۔ فقط ایڈیٹر

دو تین مہینے کا عرصہ گزرا۔ کہ عصر جدید میں مشائستہ و مہذب قوموں کے پریس اور پبلک اومنین
 کے باب میں ایک مضمون لکھ کر شائع کیا تھا۔ اب یہ دوسرا مضمون ہندوستان کے پریس اور پبلک
 اومنین کے باب میں لکھتا ہوں *

مہذب و مشائستہ قوموں کے پریس اور پبلک اومنین کے روبرو ہندوستان کے
 پریس اور پبلک اومنین کو لانا آفتاب کے سامنے چراغ کا جلانا ہے مگر جہاں اندھیرا گھپ ہو رہا ہے
 چراغ کی روشنی سے بہت سے کام چل جاتے ہیں خواہ چراغ میں کیسا ہی برا بھلا کر دیا جائے
 دکھو پرے کا تیل جلے *

ہندوستان میں پریس جب سے آیا ہے کہ برٹش گورنمنٹ نے اس میں پاؤں جمایا ہے
 اس لئے اس کی عمر مشائستہ و مہذب قوموں کی پریس کی برابر دروازہ نہیں ہوئی۔ ہنوز وہ حالت
 طفلی میں ہے مگر وہ روز بروز اپنے ہاتھ پاؤں ایسے نکالتا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ ہونہار برہمہ کے پچکنے پچکنے پات۔ ضرور وہ ایک دن پروان چڑھے گا۔ برٹش گورنمنٹ نے ہی
 پریس کو پیدا کیا ہے اس لئے اس کو وہ اپنا کچھ سمجھتی ہے۔ اس کی غور پر داخست پرورش لائی
 کرتی ہے کہ اس کو وہ کام کرنا آجائے جو مہذب و مشائستہ ملکوں میں وہ کیا کرتا ہے۔ جب
 پریس بھولی بھولی و پیاری پیاری باتیں کرتا ہے تو وہ گورنمنٹ کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔

جب وہ گستاخانہ بے باکانہ شوخی کی باتیں کرتا ہے تو ان کو بھی وہ دیکھ کر مسکرا دیتی ہے۔ مگر جب اپنی شرارت سے شیطنیت کی باتیں کرتا ہے۔ تو اس کو مودب بنانے کے لئے تانیہ زنی سے خبر لیتی ہے۔ حضرت سلیمان کے اس مقولہ پر عمل کرتی ہے کہ نیچے کی پیٹھ سے مچھی کے لگنے کا ڈر دور ہونا نہیں چاہئے ”مگر معلوم نہیں کہ یہ مچھی کا خوف اسے ٹھیک بناتا ہے یا ڈھیٹھ +

(ہندوستان کی قومیت و پبلک اپنی نین کا بیان)

ہندوستان میں کچھ کم تیس کروڑ باشندے آباد ہیں مگر ان میں صرف اعلیٰ درجہ کی پروفیشن (پیشے) رکھنے والے جیسے کہ بیرسٹر۔ وکیل۔ ڈاکٹر و انجینئر وغیرہ ہیں اور سرکاری عہدہ دار اور بڑے بڑے زمیندار یا تعلقہ دار اور ان کے تعلقین و ملزمان و اہل قلم اور مذہب کو پیشوا اور رہنما ایسے ہیں جو پبلک کے معاملات اور گورنمنٹ کے قانون میں چون و چرا کر سکتے ہیں۔ یہ سب آدمی قریب ڈیڑھ کروڑ کے ہیں جو بمقابلہ ساڑھے اٹھائیس کروڑ آدمیوں کے قلیل ہیں۔ آبادی کا جو غیر جاہل ہے۔ ان میں بڑا گروہ صابریٹا کر جاکش کاشتکاران کا ہے جو دن رات محنت کر کے اپنا پیٹ پالنا جانتے ہیں اور کسی اور بات سے خبر رکھنے کی نہ ان میں قابلیت ہے نہ وہ اس کی پروا کرتے ہیں۔ وہ خاموش آنکھیں اور کان بند کئے بیٹھے رہتے ہیں۔ گورنمنٹ خواہ کسی ہی تبدیلیاں اور ترمیمیں و اصلاحیں کیا کرے وہ ان سے ایسے ہنچ بھڑکتے ہیں۔ جیسے گائے بیل۔ بھینس۔ بھیر اور ڈھور ڈنگر۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے کہ ہم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ خشکالی میں آسمان سے چند انچ مینہ برس کر اپنی فصل کو سبز و شاداب کریں ایسے ہم کو یہ اقتدار نہیں ہے کہ گورنمنٹ کے قانون میں کسی طرح دخل دیں۔ پس ہندوستان کے پبلک اپنی نین میں اعلیٰ فرقہ کو تو کچھ دخل ہے کہ وہ پولیٹیکل ایجینشن پیدا کرے۔ مگر پبلک اپنی نین کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس میں سب فرقے خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ شریک ہوں۔ پھر یہ اور خرابی ہے کہ اس فرقہ اعلیٰ میں بھی بہت سے متفق فریق ہیں جو آپس میں ایسا اختلاف آرائی رکھتے ہیں کہ ان میں اتفاق نہیں ہو سکتا۔ پبلک اپنی نین کے نہ ہونے

سبب یہ ہے کہ ہندوستان میں نہ تو ایک قوم یورپ کے کسی ایک ملک کی طرح ہے۔ نہ یورپ کے ملکوں کی طرح قوم کا مجموعہ ہے +

پولیٹیکل سائنس کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ نسل۔ مذہب۔ اتحاد اغراض میں سے ہر ایک قدم بننا ہے۔ ہندوستان میں ہم نسل ہونا یا ہم مذہب ہونا تو قدرت نے ہی ناممکن بنا رکھا ہے۔ اتحاد اغراض کا ایسا زور اور ہونا کہ وہ مذہب و نسل پر غالب آئے ناممکن نہیں تو نہایت ہی شواہد ہے۔ ہندوستان میں اس قومیت کے خیال کے معدوم ہونے کا یہ نتیجہ ہمیشہ ہوا ہے کہ جو قوم اس ملک کے فتح کرنے کے لئے آئی وہ تھمہ ہوئی۔ وہ ہماری حاکم بنی ہم محکوم

ہندوستان کے مختلف حصوں میں مختلف نسل کے مختلف مذہب کے آدمی جدا جدا رہتے ہیں جنہیں کسی طرح کا اتحاد اغراض نہیں ہے۔ اب اس زمانہ میں قومیت کا استوار ہونا سلطنت کی بقا اور ترقی کے لئے لازمی ہے۔ اب دنیا میں کوئی سلطنت نہیں۔ جس میں یہ رشتہ قومیت ایسا استوار نہ ہو جیسا پہلے تھا۔ اس لئے ہندوستان میں رشتہ قومیت کا استوار ہونا روز بروز زیادہ ضروری ہوتا جاتا ہے۔ مگر یہاں اس اتحاد کی جگہ غنا بڑھتا جاتا ہے۔ ایک فرقہ ایسا ہے کہ وہ اوپر کے بیان کے بالکل مخالف راے رکھتا ہے۔ وہ ہندوستان میں ایک قوم کے اور پرنسپلک اپلی مین کے ہونیکا ادعا کرتا ہے۔ جس کا میں بیان نیچے لکھتا ہوں

(انگریزی تعلیم یافتہ فرقہ کا بیان جو ایک قوم اور پرنسپلک اپلی مین کا مدعی ہے)

ہندوستان میں انگریزی تعلیم۔ ہندوستانیوں کا زمرہ سب سے زیادہ علم و فضل میں افضل ہے۔ اس میں قوت منظمہ اور الواغزی عالی حوصلگی مستقل مزاجی روشن ضمیری یہ سب موجود ہیں اس لئے مغربی تہذیب و تعلیم و تربیت کی فوقیت کو تسلیم کر لیا ہے وہ اسی کے طریقہ پر چلتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کے بغیر میں کسی طرح ہندوستان نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب سرکاری عہدوں کے قانون کو اچھی طرح سرانجام دیکر اپنی لیاقت کا سکہ جا دیا ہے۔ ہائی کورٹ کی عدالت کی گڑسی پر بیٹھ کر ایسے فیصلے لکھے کہ لندن کی پریوی کونسل کے ججوں کی رائے لیا کہ اس کے فیصلے کسی طرح ہمارے فیصلوں سے لیاقت میں کم نہیں۔ اس زمرہ کے

آرمیوں نے بالکل انگریزی جامہ پہن لیا ہے۔ ایک انگریزی ضرب المثل ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ سب سے بری خوشامد تقلید ہے۔ پس اس خوشامد میں انہوں نے ایسا غلو کیا ہے کہ وہ انگریزی چیلے بن گئے ہیں۔ جیسے چیلے کو اپنے گرو کا بانا رکھنا لازمی ہے جس سے وہ اپنے گرو کے چیلے سچے جائیں۔ ایسے ہی اس زمرہ نے اپنے انگریزی کپڑوں کا بانا اپنا لباس انگریزی بنا رکھا ہے جو ان کو اور ہندوستانیوں سے ممتاز بناتا ہے اور انگریزی چیلے بناتا ہے۔

ان کی تعلیم انگریزی زبان میں ان ہی مضامین میں ہوتی ہے جن میں انگریزی انگلستان میں۔ اس لئے اس تعلیم کا اثر ان کے دل و دماغ پر وہی ہوتا ہے جو انگریزوں کے دل اور دماغ پر کہ وہ اپنے حقوق کے حاصل کرنے میں مثل انگریزوں کے گورنمنٹ سے ضد اور مخالفت کرتے ہیں اور ہمیشہ آگے بڑھنے کا خیال رکھتے ہیں۔ پس وہ ان باتوں میں بھی انگریزوں کے متقلد پوسے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ چیلوں کو اپنے گرو کی غنائتوں کے سبب سے امید ہوتی ہے کہ ان کے طفیل سے ان کے تمام مقاصد دینی و دنیوی حاصل ہو جائینگے۔ ایسی ہی ان انگریزی چیلوں کو امید ہوتی ہے کہ برٹش گورنمنٹ کے لطف و کرم سے ہماری ساری تنائیں برآسکیں گی۔ قاعدہ ہے کہ جب چیلے اپنے گرو سے ان مراج اور مقامات کے حاصل کرنے کی استدعا کرتے ہیں۔ جن کے وہ اہل اور لائق گرو کے نزدیک نہیں ہوتے تو وہ اپنے چیلوں کو کہہ دیتا ہے کہ ابھی تم ان مراج کے لائق نہیں ہو اور ریاضت و عبادت کرو تو تم اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے اسی طرح جب یہ انگریزی چیلے اپنے گرو گورنمنٹ سے اپنے ایسے مقاصد کو حاصل کرنے کی استدعا کرتے ہیں جن کے لئے وہ نامزا ہوتے ہیں تو گورنمنٹ ان کو گھر گھر و بھر گھر کہہ دیتی ہے کہ یہ درخواست تمہاری بے وقت ہے منظوری کے قابل نہیں تو پھر یہ چیلے اپنے گرو سے برگشتہ ہو کر اس کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ اس گروہ میں سب سے زیادہ سربراہ درہ نیشل کو گریس کی پولیٹیکل جماعت ہے جس کو اپنی قابلیت اور لیاقت کا ایسا زعم و پندار ہے کہ وہ یہ جانتی ہے کہ ہم ان سب کاموں کو کر سکتے ہیں جن کے کرنے سے دنیا میں انگریز قوموں میں زیادہ ممتاز اور

سرفراز ہوئے ہیں بشرطیکہ ہم کو موقع ملے۔ پس یہ موقع ملنے کی شرط بڑی بے موقع ہے۔ اگر حقیقت میں ان میں وہ قابلیتیں ہوتیں جن کے وہ معنی ہیں تو خود موقع نکال لیتے۔ غرض یہ جماعت ادعا کرتی ہے کہ ہم سب ہندوستانی ایک قوم ہیں اور ہم اس قوم کے منتخب و چیدہ ممبر ہیں۔ یہ ایک تحلیل جماعت آیا تو خود بخود ٹھیکراتی ہے جس کی وہ مستحق نہیں ہے اور اپنی رائے کو پبلک اپرینین قرار دیتی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ وہ اس پبلک اپرینین کے بل پر یہ چاہتی ہے کہ رعایا اپنی رائے سے اپنے میں سے آدمیوں کو انتخاب کر کے اپنے ری پری زنٹی ٹو (وکیل) بنائے جو گورنمنٹ کے سارے انتظامات میں دخل و شریک ہو۔ اس عظیم الشان گروہ کی عقل سے یہ بات عجیب معلوم دیتی ہے کہ وہ اپنے ملک کی حالت کو نہیں دیکھتا کہ بڑا ہم فقیران کا اندھا بہرا گونگا ہے۔ اگر اس کو اپنی رائے سے اپنے میں سے ری پری زنٹی ٹو (وکیل) کے مقرر کرنے کا اختیار دیا جائے تو وہ ان تعلیم یافتہ جماعت میں سے شاید ہی کسی کو اپنا وکیل مقرر کریں وہ تو ایسے آدمیوں کو انتخاب کریں گے جو گورنمنٹ کے ساتھ پہلے ہی اجلاس میں گاؤ کشی کا مسئلہ پیش کریں چنانچہ ایجوکیٹو کونسل کے اجلاس میں جو سب سے اوّل ہوا تھا یہی سوال ایک ممبر نے پیش کیا تھا کہ گاؤ کشی موقوف ہونی چاہئے۔ ایسے ممبروں سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اپنے اجلاس میں یہ پیش کریں کہ بنگال کے بندوبست استمراری سے بڑا نقصان ہوتا ہے وہ موقوف کیا جائے۔ ابھی ملک میں جہالت کی تباہی کی ایسی چھاٹی ہوئی ہے کہ جب تک اس میں تعلیم کی روشنی نہ پھیلے پبلک اپرینین کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ نیشنل کونگریس کی جماعت پبلک اپرینین اپنی خوش ہیا تحریروں اور تقریروں اور جوش و خروش سے نہیں پیدا کر سکتی ہے۔ جن باتوں سے کہ پبلک اپرینین پیدا ہوتی ہیں وہ ابھی اس ملک سے کالے کوسوں دور ہیں۔ یہ بات مشکل نہیں ہے کہ ایک گروہ اپنے تئیں نقلی انگریز بنائے۔ مگر وہ اصلی انگریز تو جب بن سکتا ہے کہ اپنی رگوں میں انگریزی خون پیدا کرے۔ جس کا پیدا کرنا اس کے حد اختیار سے باہر ہے۔ اسی خون ہی نے سارے بڑے بڑے کام دنیا میں کرائے ہیں۔ مسلمانوں نے اس خون ہی کے بگاڑنے سے اپنے تئیں مستیاناں بن لایا ہے۔ جن ملکوں کو فتح کیا وہاں آباد ہو گئے وہیں کی عورتوں سے ازدواج کر لئے اپنی نسلوں کو بڑھایا اس سے ان کو یہ فائدہ تو حاصل ہوا کہ انکی تعداد بڑھ گئی۔ مگر ان کی

رگوں میں اسلامی خون نہیں رہا۔ ہندوستان میں ان کی تعداد چھ کروڑ کے قریب ہو گئی۔ مگر ان کی رگوں میں سنسکرت ایشیا کا خون جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے اتنا بھی باقی نہیں رہا جتنا کہ ہومیو پیٹھک کی بوتلیں میں دوا کے قطرے ہوتے ہیں۔ اس خون ہی کے سبب سے جو انگریز کام کر سکتے ہیں وہ ہندوستان سے نہیں ہو سکتے۔ اگر کچھ ہو سکتے ہیں تو ان ہی کی ہدایت اور رہنمائی سے۔ ہندوستانیوں کی لیاقتوں کا انگریزوں کی لیاقتوں سے مقابلہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی گاؤں کی بڑھیا کے چرخہ کا دس ہزار تکہ چلنے والی سوت کا تنے کی کل سے۔ یا کسی ندی کی کشتی کا دس ہزار گھوڑوں کی قوت کے دفاعی جہاز سے۔ ہندوستانیوں اور انگریزوں کی لیاقتوں کا مقابلہ کرنا اس طرح نہیں چاہئے کہ ہندوستانی انگریزی تعلیم پانے سے دیوانی و فوجداری والی فیصلے اور ڈاکٹری اور انجینیری انگریزوں کے برابر کر سکتے ہیں بلکہ یہ مقابلہ اس طرح ہونا چاہئے کہ ان دونوں کو زیادہ عمدہ طرح سے ان کاموں کو کر سکتا ہے کہ بار بار اس کے طوفانوں کی تباہی کو کم کرے۔ بڑے بڑے مارج دریاؤں کی طغیانی کی غارتگری کو گھٹا دے۔ آندھی اور لوٹوں کی آتوں کو کم کر دے۔ آفتاب کی کرنوں کی گرمی کو نرم کر دے۔ یہ کام انگریزوں ہی سے ہو سکتے ہیں کہ وہ زمیں کی تہوں میں گھس پیٹھ کر کے اس کے دبے ہوئے خزانے نکال لائیں۔ بڑے بڑے دریاؤں پر پل بنادیں۔ پہاڑوں میں برموں سے سوراخ کر کے ان کے اندر کی چیزیں نکال لائیں۔ ہندوستان کے تمام حصوں میں مختلف قسم کی چیزوں کو جن کی خبر ہندوستانیوں کے زشتوں کو بھی نہیں باہر لا کر ان سے ہندوستانیوں کو فائدہ پہنچائیں۔ غرض یہ مفید علمی کام انگریز ہی کرنا جانتے ہیں ہندوستانی نہیں جانتے۔ انگریز ہمارے دریاؤں اور پہاڑوں سے ہماری نسبت زیادہ واقف ہیں سمندر کا حال جو ہم کو تین طرف سے گھیرے ہوئے ہے انگریز ہم سے زیادہ جانتے ہیں وہ ہمارے گرد کے درختوں سے ان کے ناموں سے ان کی صورت شکل سے ان کے پھول پتوں کی خاصیتوں سے ہم سے کہیں زیادہ واقف ہیں۔ غرض انگریزوں کو وہ علم آتا ہے۔ جس سے وہ ساری چیزوں کو جو انسان کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں جانتے ہیں۔ وہ ان باتوں میں اپنی خواہ عقلیہ کو خرچ کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کی ریس کچھ کر سکتے ہیں تو ان ہی کی تعلیم کے موافق اپنی خواہ عقلیہ کو کام میں لانے سے۔ ہم اپنے خواہ عقلیہ کے بڑے حصے کو کچھ چیزوں میں

کام میں لا کر ریاد کرتے ہیں۔ بھلا ہم کب کوشش کرتے ہیں کہ ہم کو وہ باتیں آئیں جو انگریزوں کو آتی ہیں۔ ابھی تو ہم ان کی تعلیم سے صرف سائنس کے ابتدائی مضامین سے بھی پوری آگاہ نہیں ہوئے۔ یہ اس ہندوستانی جماعت کا خط ہے کہ وہ اپنے تئیں انگریز سمجھتے ہیں اور ہندوستان کو انگلستان اور اس میں چاہتے ہیں کہ ہم سب کام وہی جو انگلستان میں نہیں کے کنارہ پر ہوتے ہیں گنگا کے کنارہ پر کر لیں گے۔ میری غرض اس اوپر کے بیان سے یہ ہے کہ پبلک اپلیکیشن کے ہندوستان میں پیدا ہونے کی آئندہ مدت تک امید نہیں ہے۔ نیشنل کونگریس کے حامی جسکو پبلک اپلیکیشن کہتے ہیں وہ ایک خاص فرقے کی اپلیکیشن ہے جو پبلک اپلیکیشن کسی طرح سے نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنے تئیں تمام ملک کے رومی پری زنیٹی ٹو بتاتے ہیں۔ جس کی مثل وہی ہے کہ ان زمانہ میں تیرا مہان۔ پبلک کا بڑا حصہ ان کو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ ہیں کون؟

میں اپنے پہلے مضمون مطبوعہ رسالہ عصر جدید فروری مارچ میں بیان کر چکا ہوں کہ پبلک اپلیکیشن کے اظہار کا آلہ پریس ہے سو اس کا بیان لاگتا ہوں۔

(ہندوستان میں پریس کی اقسام)

ہندوستان میں دو قسم کے پریس ہیں۔ ایک انگریزی زبان کے دوسرے ہندوستانی زبان کے۔ انگریزی زبان کے پریس کے مالک یا انگریز ہوتے ہیں یا ہندوستانی۔ ان میں سے بعض میں انگریزی زبان کی کتابیں بعض میں نثری اخبارات۔ بعض میں کتابیں اور اخبارات دونو چھپتے ہیں۔ دیسی زبانوں کے پریس کے مالک اکثر ہندوستانی ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض میں فقط کتابیں۔ بعض میں صرف اخبارات۔ بعض میں اخبارات و کتب دونو چھپتے ہیں۔

(انگریزی زبان کے پریس جن کو مالک انگریز ہیں)

جن پریسوں کے مالک انگریز ہیں اور ان میں انگریزی اخبارات نکلتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے بڑے وسیع کارخانے ہیں ان کی آمدنی بڑی۔ خراج بھی بڑے۔ انگلستان سے:

روزانہ ناموں پر سلسلہ دار ساری دنیا کی خبریں اُن ایجنسیوں سے آتی ہیں جن میں کل دنیا کی ہزار
 خبیث تاروں پر دوڑتی چلی آتی ہیں۔ غرض ان کے پریس کا بڑا عظیم الشان کارخانہ ہوتا ہے
 ان کے مالک متمول اور دولت مند ہوتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے نقصانوں کے متحمل ہو سکتے ہیں۔
 اُن کے منیجر بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں۔ اُن کے دفتر میں کلرک بہت سے ہوتے ہیں اور
 معقول تنخواہ پاتے ہیں۔ اخباروں کے ایڈیٹر اچھی تنخواہوں پر انگلستان سے بلائے جاتے ہیں
 قاعدہ ہے کہ ہندوستان میں انگلستان سے کبھی کوئی کسی پیشہ و ہنر و علم و فضل کا صاحب کمال
 اعلیٰ درجہ کا نہیں آتا۔ بعض متوسط درجے کے اور اکثر متوسط و ادنیٰ درجہ کے درمیانی
 لیاقتوں کے انگریز آتے ہیں۔ ایسے ہی یہ ایڈیٹر ہوتے ہیں کہ ان میں یہ لیاقت ضرور ہوتی ہے کہ
 وہ اپنے اخبار میں کو دنیا کی ضرورتوں سے آگاہ کریں۔ معاملات ملکی میں جو بڑے بڑے
 مہتران ملکی تحریریں و تقریریں کریں ان سے مطلع کر دیں۔ وہ خود جانتے ہیں کہ دنیا میں کھل
 کیا حادثات وقوع میں آرہے ہیں۔ ان کو دنیا کی ایک دو سال کی زمانہ حال کی تاریخ پر عبور ہوتا ہے
 جس کا جاننا ایڈیٹری کے لئے ضرور ہے مگر انگلستان کے اخباروں کے بعض ایڈیٹروں کی قابلیتیں
 وہ نہیں رکھتے۔ اس لئے ہندوستان کے یہ انگریزی اخبار مہذب قوموں میں بڑی وقعت نہیں
 رکھتے۔ ان کی اشاعت بھی وہاں کے برابر یہاں نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں اور انگلستان
 میں بھی یہاں کے بعض اخبار بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کو بعض انگریز
 صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ آزاد اخبار نہیں ہیں وہ ملٹری و سول افسروں کا اور گن ہیں۔
 ان میں وہی لکھا جاتا ہے جو ان کا منشاء ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ مصداق اس شعر کے ہیں

درپس آئینہ طوطی منعقد داشتہ اند آنچه استاد ازل گفت ہماں میگوئیم

اس کے سوا بعض ایڈیٹر یہ بیوقوفہ ناستودہ اختیار کرتے ہیں کہ علی العموم ہندوستانیوں
 کی ساری باتوں کو برا کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی بھلائیوں کو بھی بُلایاں کرتے ہیں۔ ان
 کے نزدیک خدا نے اپنی مخلوق میں کوئی جانور ہندوستانیوں سے زیادہ اذل اور مبتذل
 پیدا ہی نہیں کیا۔ سگ باش و ہندوستانی سباش۔ فاتح کی طرف سے مفتوح کے
 حق میں جو قصہ تذلیل و تحقیر کی باتیں کہی جاتی ہیں وہ بر ملا کہتے ہیں۔ انگریزوں کی خوبیوں کو

ہندوستانیوں کی برائیوں کے مقابلہ میں بیان کرتے ہیں جو کبھی کسی نیک کام کے لئے مفید نہیں ہو سکتیں۔
 ہندو بڑے زیر گردن گر کوئی میری شے * ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو دہی شے
 شریف انگریز کبھی کوئی لفظ ایسا زبان سے نہیں نکالتے جس سے ہندوستانیوں کی تذلیل و تحقیر اس
 سبب ہو کہ انگریز فاتح اور ہندوستانی مفتوح ہیں۔ ایسی باتیں کہنی تو اوچھے اور ذلیل آدمیوں کا کام
 ہوتا ہے۔ پس جب یہ آزار دہنیوالی باتیں ان انگریزی اخباروں میں چھپتی ہیں تو ہندوستانی اخبار نویس
 دل آزدہ خاطر بخیدہ ہو کر ایسے جوش میں بھرتے ہیں کہ آپسے سے باہر ہو جاتے ہیں اور انگریزوں کی
 عیب گیری بیان تک کرتے ہیں کہ وہ انگریزوں کی قوم کو برا کہنے لگتے ہیں اور ان کے نیک کاموں
 پر خاک ڈالتے ہیں۔ جب انگریزوں کے اخبار یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ہندوستانیوں پر یہ احسانا
 کئے ہیں کہ ملک میں بد امنی کی جگہ امن امان قائم کیا۔ کسی مذہب میں مداخلت نہیں کی۔ تو اس کے
 جواب میں ہندوستانی اخبار کہتے ہیں کہ یہ تو اس زمانہ کی برگورنٹ کی معمولی باتیں ہیں۔ انگریزوں
 نے اس پر کیا اضافہ کیا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سرکاریں درمیں بنائیں۔ بڑے بڑے دیوانوں
 پر مگن بنائے۔ نہریں جاری کیں۔ تار لگایا۔ پوسٹ افس کا انتظام کیا۔ تعلیم سے ہزاروں جاہلوں کو
 فیض یاب کیا۔ رفاہ عام کے لئے قوانین جاری کئے۔ عدالتیں انصاف کے لئے رعایا کے گھروں کے
 نزدیک قائم کیں۔ جیل خانوں میں قیدیوں کو کام سکھائے۔ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ سارے کام
 اپنے فائدے کے لئے کئے۔ کوئی کام خالص اور خاص ہمارے لئے نہیں کیا۔ ایسے کاموں کے انگریزوں
 کو بنسبت ہندوستانیوں کے سو درجے زیادہ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ عدالتوں میں انصاف دہی
 ہوتی ہے۔ جس عدالت میں دس آنے خرچ ہوتے ہیں۔ اس میں ایک روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے
 یعنی تقریباً چالیس فیصدی کا فائدہ گورنمنٹ کو ہوتا ہے۔ سڑکوں دریلوں دھڑوں
 کی آمدنیوں کا تو ٹھکانا نہیں۔ پولیس جیسی حفاظت کرتا ہے وہ ظاہر ہے۔ دیوانی عدالت میں جو
 فیصلے ہوتے ہیں ان کی نسبت یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ جو ہمارا وہ ہمارا جو جیتا وہ ہمارا
 جیل خانوں میں چوروں وٹھگوں و بد معاشوں کو پیشے دہنر سکا اگر گورنمنٹ اپنی آمدنی بڑھا کر ان کو
 چوتھیتی ہے اور نیک معاشوں کی آمدنی گھٹاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ اس طرح کے انگریزوں کے
 اخبار ہندوستانیوں کی دل آزاری کر کے ہندوستانیوں سے اپنی قوم کی خدمت کراتے ہیں اور

ان کو احسان فراموش بتاتے ہیں۔ ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان جو بیگمانی کا دریا حائل ہے۔ اس کا پاٹ بڑھاتے ہیں۔ مشکل ہے یہ انگریزوں کے اخبار اور ہندوستانیوں کے اخبار اپنے ان برے شیعوں کو چھوڑیں اور اخباروں کی آزادی جیسی اور ملکوں کے لئے رحمت و نعمت غنمی ہے اس ملک کے لئے بنے۔

ان انگریزی اخباروں سے اینگلو انڈین کو بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ سر ان کو جن باتوں کی شکایت ہوتی ہے ان کے دور کرنے کے لئے ان اخباروں میں تحریروں کے طومار کے طومار لکھ جاتے ہیں۔ انگریزوں کو ہندوستان کی جن چیزوں سے فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ ان کو بتا دیتے ہیں۔ ان کے حقوق کے قائم رکھنے اور ان کے بڑھانے میں وہ بڑے حامی ہوتے ہیں۔ جب ان کے حقوق میں گورنمنٹ دست اندازی کرتی ہے تو وہ گورنمنٹ کی مخالفت میں کسی بات کو اٹھائیں رکھتے۔ اس کی بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال ایڈیٹر بل کی لوگوں کو یاد ہوگی۔ یہ اخبار اینگلو انڈین کی پبلک اپنی نین کا اظہار کرتے ہیں جس کے سبب اس کا اثر انگلینڈ و ہند ہر دو گورنمنٹوں پر پڑا ہے۔ بعض دفعہ اسی پبلک اپنی نین کی طرف داری کے سبب گورنمنٹ کو نقصان پہنچنے لگتا ہے۔ جیسا کہ صفحہ ۱۸۷ کے غدر میں ہوا تھا جس کے سبب گورنمنٹ نے پریس کی آزادی کے قانون کو منسوخ کر دیا۔ انگلش پریس سے گورنمنٹ کا جتنا نقصان ہونے لگا تھا اتنا ہندوستانی پریس سے نہیں ہوتا تھا۔ اس پر انگریزوں کو بڑا غصہ آبا کہ دونوں خواہوں اور نیک خواہوں کو ایک ہی لکڑی سے گورنمنٹ نے ہانکا۔ یہ اخبار عموماً انگریزوں کے جرائم کے بیان کرنے میں صداقت اور عدالت کا پہلو نہیں اختیار کرتے۔ ان کی حاکمیت کرتے ہیں۔ اگر کسی ہندوستانی کو انگریز مار ڈالتا ہے تو جہاں تک ان کا بس چلتا ہے اس کے ملیا میٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پھر بھی یہ اخبار ہندوستانیوں کو بہت سے فائدے پہنچاتے ہیں۔ انہوں ہی نے ہندوستانیوں کو اخبار نویسی کا فن سکھایا ہے۔ وہی ان کو تمام مدبرانہ ملکی کی تحریروں و تقریروں سے واقف کرتے ہیں۔ دنیا کے سارے حال سے جو گذر رہا ہے آگاہ کرتے ہیں۔ یہ اخبارات ہی ان کو زمانہ حال کی تہذیب پر چلنے کے لئے سہاوا کرتے ہیں۔ انگریز

انبار نہ ہوتے تو ہندوستانی یہ نہ جانتے کہ اور توہیں کس طرح سے جہالت کی تائید کی سے نکل کر تہذیب و شائستگی کی روشنی میں آئیں۔ ہندوستانیوں پر اس وقت یہ اخبار مہربانی ہوتے ہیں کہ وہ کوئی کام گورنمنٹ کی بیخبری کا کرتے ہیں۔ حد سے زیادہ ان کی تریف کرتے ہیں

ذکاء اللہ

مناکحت میں بے احتیاطی

نمبر (۱) ذات کی پابندی

برہمنی سے آج مسلمانوں کا کوئی کام ایسا نہیں جس پر اعتراض نہ وارد ہوتا ہو۔ ان میں طرح طرح کی سوشل برائیاں موجود ہیں جن کا رونما دیا جاتا ہے۔ بہت کچھ اس وجہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور قوم کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ ان رسموں میں سے بعض شادی نکاح سے متعلق ہیں اور ان ہی کو میں بلحاظ ان کو دیر پا اثر کے سبب زیادہ مصرت رہاں خیال کرتا ہوں۔ چونکہ مناکحت سے تمام عمر تک کے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں اور زوجین ایک دوسرے کا حتی الامکان مرتے دم تک ساتھ دینے کا گواہ عہد کر لیتے ہیں۔ لہذا اس موقع پر کمر اندیشی و سہل انکاری یا حرم و ہوشیاری جو کچھ عمل میں آوے اس کا اثر برفین کی خوشی و راحت اور ان کی زندگی کی کامیابی یا ناکامی پر بہت گہرا ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات افراد سے گذر کر ملک قوم تک پہنچتا ہے۔ اسی خیال نے مجھ کو اس مضمون کی نسبت فکر و اظہار خیالات پر آمادہ کیا *

مناکحت میں جو بے ضابطگیاں مسلمانوں میں برتی جاتی ہیں وہ چند ہیں۔ ان میں سے اقل یہی نظر پابندی ذات پر پڑی۔ کیونکہ اس کا تعلق آغاز نسبت سے ہے

عموماً قصبات و دیہات میں اور بعض اوقات شہروں میں بھی شادی کے خیال کے ساتھ ہی ہماری ذات پر غور کیا جاتا ہے مثلاً لڑکی خاندان سادات سے ہو۔ تو لڑکا بھی ستید ہو۔ پھر دونوں ایک ہی نسل سے ہوں اس سے بڑھ کر یہ کہ جس شہر یا قصبہ کی سکونت ہے اُس مقام کے لحاظ سے محدث اعلیٰ بھی مشترک ہو اس پر بھی بس نہیں۔ بلکہ یہاں تک مٹول کی جاتی ہے کہ ان ہی فرضی گروہوں میں سے کسی دوسرے گروہ سے

* گواہ اس لفظ جات ہے مگر غلط عام فہم پر عمل کر کے اس کی اردو شکل یہاں اختیار کی گئی ہے۔

کسی زمانہ میں قرابت تو نہ ہوئی تھی۔ اگر اتفاقاً ایسا گناہ ہو گیا۔ تو ذات میں کچی آگئی۔ اس خیال کو اس درجہ وقعت دی جاتی ہے کہ بلحاظ کچی و راستی ذات کے درجہ مقرر کئے جاتے ہیں۔ بیسے مجھے میں ایک بزرگ تھو جی کو اس خیالی صحت نسلی کی اس درجہ فکر جستجو رہتی تھی۔ کہ ہر خاندان کے انہوں نے نمبر مقرر کر دیئے تھے مثلاً برادری کے جو لوگ مدت سے آپس میں مناکحت کرتے چلے آتے ہیں۔ ان کو وہ ”سولہ آہ“ کا درجہ دیتے ہیں اور جس بے نصیب خاندان میں کبھی غیر کف کی عورت سے شادی ہو گئی ہو خواہ کتنا ہی زمانہ گزر گیا ہو اس خاندان کا درجہ بلحاظ اس عورت کی ذات کے ”چھ آہ“ کم ہو جاتا تھا۔ مثلاً پونے سولہ آہ۔ چودہ آہ یا آٹھ آہ۔ ایسے تو ہمارے اس تاریخی و مفکری کے زمانہ کے مناسب ہوں تو ہوں جب کہ تہذیب مردہ ہوتی جاتی تھی۔ قوم ترقی معکوس کر رہی تھی اور ہمارے خیالات محض نمائش و خود غرضی تک محدود تھے۔ اب جی کہ زمانہ ترقی کر رہا ہے تنگ خیالی و تعصب حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ مختلف قومیں اور مختلف ممالک ایک دوسرے سے اتحاد و ارتباط پیدا کر رہے ہیں۔ خود مند و جن سے ہم نے یہ تنگ نظری سیکھی۔ اس کو بڑا سمجھ کر ایسے خیالات کی ایسے زمانہ میں کس قدر شرم و اندوس کی بات ہے کہ ہم خلاف احکام خدا و رسول اور خلاف رواج ممالک اسلام اپنی متحد قوم کو فرضی گروہوں میں تقسیم کر کے اپنی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیں *

ظاہر ہے کہ ابتداً منہود نے ذاتیں (جات) قائم کیں جس کی بنا خاص وجوہ پر تھی۔ یعنی اس زمانہ میں فاتحین و مفتوحین میں اس سے بھی زیادہ علیحدگی تھی جتنی ہمارے یورپین فاتحین کے اور ہمارے درمیان ہے۔ چونکہ فاتحین کا گروہ محدود تھا۔ انہوں نے رذیل پیشے مفتوحین کو دیکر اعلیٰ پیشوں کو خود آپس میں تقسیم کر لیا۔ مفتوحین بے نصیبوں کے بھی رذیل پیشوں پر زعامت کر کے ہمیشہ کو مثل فاتحین کے علیحدہ علیحدہ خاندان یا گروہ سے متعلق کر دیا۔ اس طرح پر بلحاظ پیشہ کے جدا جدا گروہ قائم ہو گئے۔ چونکہ منہدول میں پیشہ منحصر ہو گیا ذات پر۔ پس کسی شخص کا اپنے ہی گروہ میں شادی کرنا اس پیشہ کو ترقی دینے اور ایک گروہ خاص کو اس سے مخصوص رکھنے کے لئے ضرور تھا۔ علاوہ بریں تقاضا بشریت ہے کہ انسان اپنے ہم مشرب کی طرف رجوع کرے۔ اس بنا پر بھی سپاہی پیشہ بچپن سے کس طرح پسند کرتا کہ آٹا دال پیچھے والے بننے کے خاندان سے تعلقات پیدا کرے۔ یا عالم دین برہمن جو اپنی زندگی کتب بینی و یاد الہی میں صرف کرتا ہو اپنی لڑکی کا عقد ایسے نوجوان سے پسند کرے جو ملک ملک سے دوسرے ملک جاکر جنگ جہال میں مشغول رہا کرے۔ غرض اختلاف پیشہ کے ساتھ

اختلاف عادات پیدا ہو گیا اور اسی وجہ سے ایک گروہ دوسرے سے بالکل جدا ہو گیا۔ ایک فرقہ گوشت خوار ہے تو دوسرا گوشت خوری کو گناہ کبیرہ جانتا ہے۔ ایک کو شراب نفرت قطعی ہے تو دوسرا اس کو واجب جانتا ہے۔ اس طرح ہر فرقہ کے خاص خاص رسم و رواج پیدا ہو گئے۔ پس اپنے فرقہ سے باہر قربت پیدا کرنا ایسی ہی مشکل کا سامنا کرنا ہوتا جیسا ہندوستانی کو یورپین لیڈی سے عقد کرنا نہیں ملتا آتی ہے۔ المختصر اہل ہندو کی فرقہ بندی مذہبی و ملکی مصالح پر مبنی تھی اور اس زمانہ میں بالکل ضروری مسلمانوں کی بدبختی کہ خواہ مخواہ اس رسم کے پیرو ہو۔ ان سے کوئی پوچھے کہ خدا رقم میں ان کی کی تفریق نہیں بتائی۔ رسول مقبول نے اس کی ہدایت نہیں کی۔ بلکہ انما المؤمنون اخوة تم کو صریحاً بتا رہا ہے کہ مسلمانوں میں کسی قسم کا امتیاز ایک دوسرے سے نہیں ہے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کی مثال ظاہر کر رہی ہے کہ قربت کے لئے نہ ایک ہی خاندان کا ہونا ضرورت تھا نہ موطن ہونا۔ ان خاصانِ خدا نے اپنی اور اپنی اولاد کی شادیاں نہ صرف غیر خاندانوں میں بلکہ نو مسلموں تک سے کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں میں یہاں تک یگانگت پیدا کی کہ جب مہاجرین مدینہ پہنچے تو اپنے مہاجرین و انصارین میں سے بعض کو ایک دوسرے کے ترکہ کا حقدار بنایا۔ خود جو شادیاں کیں وہ غیر کفو ہیں۔ ہم مسلمانوں میں کون شخص ہے جو دعویٰ کر سکے کہ اس کا خاندان دوسرے خاندانوں سے بالکل الگ تھلک چلا آتا ہے۔ کیا کوئی سید کہہ سکتا ہے کہ بنی فاطمہ کے علاوہ کسی اور گروہ سے اس کے خاندان میں کسی زمانہ میں تعلقات نہیں پیدا ہوئے یا کوئی شیخ کہہ سکتا ہے کہ اس کے اجداد حضرت ابوبکر یا حضرت عمرؓ کی اولاد کے موافق کسی اور خاندان میں مناکحت نہ کی۔ جب حقیقی امت یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ فرضی بندشیں کبھی ہی نہیں بلکہ بارگاہِ ائمہ و علماء و سلاطین نے بالکل غیر ملک و غیر مذہب کے لوگوں سے تعلقات پیدا کئے ہیں تو کیونکر یہ ذات بندی قابلِ تحسین ہو سکتی ہے۔ اس پابندی ذات سے جو نقصانات ہوتے ہیں۔ وہ ظاہر ہیں۔ جب قربت کا دائرہ محدود ہوگا تو برے و بھلے سب اسی میں کس طرح کھیں گے۔ جب کوئی شخص اپنی ہی برادری میں اپنی رشتہ کیلئے دو لہا یا لکے کے لئے وطن تلاش کرے تو ضرور نہیں کہ حسبِ خواہش بہت اوصاف متصف سلجھ جائیں گے بلکہ اغلب یہ ہے کہ مرضی کے موافق نہ ہوگا۔ بُری خرابی جو پابندی ذات سے ہوتی ہے وہ یہ کہ ذات کے مقابلہ میں خیالات و تعلیم و تربیت کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک

شریف طبیعت نیک سیرت عفت آب لڑکی ایسے بدعاش کے پلے پڑتی ہے کہ بیچاری کی تمام عمر اکارت جاتی ہے یا کبھی عقلمند و تعلیم یافتہ لڑکے کا تعلق جاہل و بدتمیز لڑکی سے پیدا کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ مدت تک کے لئے سوختگی طبع و ناموافقیت ہوتی ہے۔ علاوہ بریں خوفناکوں رسمیں یا خاص اخلاقی بُرائیاں خاندانوں میں ہوتی ہیں وہ بدستور قائم رہتی ہیں بلکہ ترقی کر جاتی ہیں ایسی خاندانی امراض جڑ پکڑ جاتے ہیں۔ دوسرے شہروں یا گروہوں کے رسم و رواج۔ عادات و اخلاق کا جو عمدہ اثر کسی خاندان پر پڑ سکتا ہے اُس سے بھی اس پابندی کی بدولت محروم رہتے ہیں بعض اوقات ذات کا خیال ایسی بیرحمی کا باعث ہوتا ہے کہ اپنے خاص عزیزوں سے انسان انتہا بدسلوکی کا مرتکب ہوتا ہے۔ مجھے پانچ چھ شریف زادیوں کی مثالیں معلوم ہیں جو آخر عمر تک جدو کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کی گئیں۔ محض اس وجہ سے کہ اپنی برادری میں بیرنہ ملا۔

اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ دنیا میں ایک قوم بن کر ترقی کریں تو اس جھوٹی شخصیت کو بالائے طاق نہ رکھیں۔ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بنیں۔ ذات کے فضول خیال کو چھوڑ کر قرابت کے لئے تعلیم۔ اخلاق۔ تمیز و تہذیب و نیرمالی حالت پر غور کریں۔ جس شخص سے تعلق پیدا کرنا ہو۔ اُس کی ذات خاص کو دیکھیں۔ خود اُس کے محاسن و مصائب کی تحقیق کریں نہ کہ اُس کے آبا و اجداد کا حال تو دریافت کر لیا اور اس کی اصل ذاتی حالت سے کچھ واسطہ نہیں۔ پدرم سکندر بود مراچہ۔ خاندانی حالت کا اثر ایک گونہ تربیت پر ضرور ہوتا ہے۔ مگر اتنا وسیع کہ اُس کے آگے اور امور کو نظر انداز کر دیا جاوے۔ آجکل تو بسا اوقات یہی دیکھا جاتا ہے کہ جن کے اجداد شریف تھے وہی مسکے زیادہ رذیل حرکات کرتے ہیں تعجب ہے کہ مولوی عبدالحلیم صاحب مشہور مہود و مسلمانوں میں شادی کرانے کی تو کوشش کریں اور خود ان کی قوم کی یہ حالت ہو کہ فرضی بنس و جات قائم کر کے اُسی میں محدود رہنا چاہے *

خاکسار

اکرام عالم

ہمارا فرض اپنے لئے اور ملک کے لڑ

اس میں سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مردوزن کو صرف اپنے ہی دھندوں میں لگے رہنا چاہئے۔ ان لوگوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے جو ان کا سہارا بن گئے ہیں یعنی کنبے کے لوگوں کا۔ ملک بھی ایک طرح کا بڑا کنبہ ہے جس کے ہم سب شریک ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ملک کی یہودی کا خیال رکھیں اور اس یہودی کے خیال کو اور سب خیالوں کے برتر سمجھیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ جب ہم اپنے ملک کی یہودی کی فکر میں بیٹھ جائیں گے۔ تو ہمارے یا ہمارے اقربا کو کچھ نقصان پہنچے گا۔ اگر ہم صحیح طور سے یہ سمجھ لیں کہ ہمارا فرض ہمارے اور ہمارے اقربا کے حق میں کیا ہے اور پھر اس فرض کو پورا بھی کریں تو ہم حقیقت میں اپنے ملک کا فرض بھی ادا کر چکے۔

پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے قوائے جسمانی و نفسانی اس کام میں لگائے جو اس کے لئے نہایت درجہ مفید ثابت ہو۔ یہ خیال اول عمر ہی میں ہونا چاہئے۔ اپنے قوت سے پورا فائدہ اٹھانے کا دھنگ یہ ہے کہ وہ کام کریں جو ہمارے نہایت موزوں ہو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جو شخص پیدائش ہی سے گاڑی چلانے کا کام کرتا ہے وہ منشی ہو کر اور سارے دن گھیس گھیس کر کے اپنے آپ کو وہ فائدہ پہنچا بیگا جو گاڑی چلانے کی صورت میں پہنچا نہ سکتا۔ اس کے لئے ہی بہتر ہوگا کہ وہ دفتر کی بجائے کسی جگہ کو چابی کیا کرے۔ اور ایسے جس شخص کے بازو قوی ہوں اور جسے ابھی طرح ہتھوڑا چلانا آتا ہو وہ اگر لومار ہو جائے تو خود کو اور ہم سب کو زیادہ فائدہ پہنچا بیگا۔ یہ نسبت اس حالت کے کہ وہ درزی ہو۔ وچاس کی مچائی ہے کہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے جس کے لئے وہ نہایت موزوں ہے وہ اس کام کو آسانی سے کر لیتا ہے اور خوبی کے ساتھ کرتا ہے۔ اور جو شخص ایسا کام کرتا ہے جس کے لئے وہ موزوں نہیں ہے وہ اس کام کو بُری طرح کرتا ہے اور مشکل کے ساتھ کرتا ہے ظاہر ہے کہ شخص اول الذکر شخص مغیر الذکر کی نسبت زیادہ مزے کی زندگی بسر کرے گا۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو کام ہمارے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو نہیں مل سکتا۔ پس ایسی صورت میں ہمیں وہ کام کرنا چاہئے جو مل سکتا ہو۔ کوئی موزوں شخص ایسا نہ ہوگا جو یہ سمجھ کر ہاتھ پاؤں

توڑ کر بیٹھ جائے کہ اُسے سمجھو وہ کام نہیں ملتا جس کے لئے میں نہایت موزوں تھا۔
 بیوقوف لوگ کوئی کام اختیار کرتے وقت یہ سوچا کرتے ہیں کہ ہمیں اس خاص کام میں
 محنت بھی کم اٹھانی پڑے گی یا نہیں۔ مگر عقلمند ہمیشہ یہ دیکھا کرتے ہیں کہ ہمارے لئے یہ کام بہت
 زیادہ موزوں بھی ہے یا نہیں اور ہم اس کام میں بڑے سے بڑا فائدہ بھی اٹھا سکیں گے کہ نہیں
 جو لوگ یہ سوچ لیتے ہیں اور پھر سوچ کر اس پر عمل کرتے ہیں وہ اپنا فرض بھی ادا کرتے ہیں اور اپنی
 ملک کا بھی۔ فقط
 سید نذیر حسین

انجمن اصلاح

(رپورٹ نمبر ۱۹-۲۷، مارچ لغات ۱۳۳۱ھ قمری)

آمدنی (چند ممبری مفصلہ صاحبو کا وصول ہوا)	خرچ	خرچ ڈاک بابت روانگی پوسٹ کارڈ
(۲۸) بدولت الدین احمد صاحب بی۔ اے۔ الہ آباد		دلفانے دیکھو ع
(ان کا کام رپورٹ گذشتہ میں پورا دیا تھا)		الاولیٰ محراب بابت مارچ و اپریل ع
(۲۹) سید ریاست علی صاحب انیسٹر آبکاری ضلع چکرا		میزان خرچ ع
(۳۰) احمد علی علی بھائی نویں بانی صاحب ممبئی		خرچ فاضل بموجب رپورٹ ع
(۳۱) مولیٰ طیف صاحبہ بھری آباد ضلع غازی پور		میزان کل خرچ ع
(۳۲) سید محمد حسین صاحب گلبرگ		آمدنی منہا کی گئی ع
(۳۳) سید محمد رحیم صاحب بنوری (علی پٹالہ)		فاضل ذمہ صیفہ بتاریخ ۲۳ مئی ع
کل		

ممبروں نے اس زمانہ میں جو کام کیا ہے اس کی اطلاعیں کمتر وصول ہوئی ہیں۔ سید
 محمد رحیم صاحب واسطے ریاست پٹالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ بعد موم شہدائے کربلا
 قصبہ بنوڑ کے شیعوں نے مندرجہ ذیل تجویزیں طے کیں :-

شادی وغمی کی اصلاح

شادی میں نالچ رنگ۔ چیتہ۔ بری کی نمائش اور دھڑی بالکل موقوف کی جائے اور باقی امور زیرِ تہنیر رہے۔ غمی میں فی الحال صرف قلّ منج آئندہ بعد

اصلاح قائم رکھا جائے۔ اور کل موقعوں پر برادری کا کھانا موقوف کیا گیا۔

موم میں شنبہ ششم کی گشت کو جس میں فقیروں کی طرح در بدر مانگتے پھرتے تھے بند کر دیا گیا ہے اور بھانے اس کے مجلس عزّ اقراردی گئی ہے۔

شادی وغمی کے اخراجات میں جو کمی بزرگان بنوٹرنے کی ہے۔ وہ اُس پر قائم ہیں اور شیطان

جو بموجب کلام الہی کے ہم کو اسراف کے ذریعہ سے افلاس کے واسطے تیار کرتا ہے اس کی اطاعت پکے دل سے چھوڑ دیں۔ اور معاملات میں نامور سچی کی جگہ اصل فائدہ کو دیکھا کریں تو ذہن قسمت اُن کی۔

اور خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اُن کی پیروی کریں۔ لیکن یہ سب اگر عارضی ابال ہو تو اصلاح نہ کرنا اس سے بہتر ہے۔ تاہم جب تک سید غلامدار حسین صاحب دہاں ہیں۔ یقین ہے کہ لوگوں سے عرض کرتے رہیں گے اور سب ممبر اپنے فعلوں میں ایسا ہی کریں گے۔

تید ریاست علی صاحب ممبر صبیحہ نے جامع مسجد چپارن میں وہ لیکچر جو بکر کشی نے لکھنؤ کانفرنس میں پڑھا تھا حاضرین مسجد کے روبرو پڑھا اور اچھا اثر ہوا۔

اصلاح غمی

احمد علی علی بھائی نور بھائی صاحب کے دادا کا انتقال ہو گیا۔ اس پر اس لائق نوجوان نے فضول رسوم ناموری ترک کیں اور صرف کل رسوم موتی میں مشغول ہوئے۔ جو بالقابل سابق بہت کم صرف تھا۔ بمبئی میں بہت سی فضول خرچیاں خیرات کے نام سے ہوتی ہیں ایک مسلمان ایک لاکھ روپیہ ماہوار سے زیادہ بیکار کھوتے ہیں۔ کاش وہ اپنے غیر کو اصول شرع اور عقل کے تابع کریں۔

ایک ممبر کا انتقال

ہم کو نہایت افسوس ہے کہ عدن میں ایک ممبر صبیحہ منشی صاحب الدین صاحب ممبران نیاز علی صاحب ممبران نے بیمار داری میں بہت مددی۔ مرحوم ایک مستقل مزاج نوجوان تھے۔ انہوں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ برادری کی رسوم بد کو دور کر دوں گا۔ خاص کر اپنے میں جو ہونے والی تھی۔ خدام مرحوم کو اپنے جو رحمت میں جگہ دے۔ انا اللہ وانا الیہ مرجعون

اصلاح اوقاف نگون

عبد السلام صاحب فیضی زبردست کوشش نگوں میں کر رہے ہیں کہ وہاں مخدّف اوقاف کے لئے جوڈیئرھ کروڑ روپیہ

کی رقم ہے۔ اس کو متولیوں کی بدعنوانی یا فضول خرچی سے نکال کر مفید کاموں میں لگایا جاوے کام بہت بڑا۔ بہت مفید اور قابل تحسین واعادہ ہے۔ ہم سب اس ٹانگ اوف وا (جہاں بالمقابل) میں نیک نیت مصلح کی فتح کے واسطے دعائے خیر کرتے ہیں *

فیس ممبری کی بحث

ہمارے ممبران کمیٹی بھی سب اسے دینے کی تکلیف نہیں لٹا رہے البتہ خواجہ غلام السبطین۔ مسٹر نیاز احمد (مہجوزان) کی رائے

جواپرل میں چھپی تھی کہ چندہ نہ ہونا چاہیے۔ اس کی بابت شیخ فیض اللہ صاحب کی رائے سنہ ہر ممبر اصلاح تمدن کو لازم ہوگا کہ حتیٰ الوسع ایک روپیہ چندہ ممبری کا ادا کرے اور اگر کوئی میر کسی معقول وجہ سے چندہ نہ دے سکے تو وہ معذور سمجھا جاوے۔ ایسی صورت میں اس کا نام ممبری سے خارج نہ کیا جاوے گا۔ اور کوئی رقم کسی صاحب سے زیادہ وصول ہو تو وہ بہ شکریہ قبول کی جاوے گی *

مسٹر اکرام عالم بی اے چندہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن خاص عدالتوں میں ان کے نزدیک سکرٹری سٹش کر سکتا ہے *

مسٹر ندیر احمد چندہ کو ضروری سمجھتے ہیں

میری رائے میں چندہ نہ ہو تو بہتر ہے اور کثرت رائے جن ۵ ممبر صاحبان نے منجملہ ۲ رائے دینے کی تکلیف اٹھائی ہے اسی کی تائید کرتی ہے۔ لیکن ایک بات کی کمی رہ جاتی ہے۔ یا تو سکرٹری کو دو آدمیوں کے برابر کام کرنے کی طاقت ہونی چاہئے یا کوئی نسخہ کیمرہ سازی کا بنایا جاوے۔ اس وقت تک ۲۴ ممبروں نے چندہ بھیجا ہے پھر بھی لوللے قرضہ میضہ کے اوپر بچھلے ۷۱۷۰۰ میں ہو گیا ہے *

میرے نزدیک شیخ فیض اللہ صاحب کی ترسیم مذکورہ بالا معقول ہے۔ اور اگر کثرت رائے اس کے خلاف نہ ہوئی تو اس کا اعلان رسالہ جولائی میں کر دیا جائے گا۔ فقط *

رپورٹ بابت اصلاح از سید احمد حسین صاحب

میں نے جولائی ۱۹۰۴ء میں بلا کسی تحریک کی نہایت خوشی کے ساتھ محمد انجمن ايجو کیشنل کانفرنس کے صیغہ اصلاح کے ممبر ہونے کی رضامنت کی اور مجھ کو میرے معزز اور مقتدر دوست سیکرٹری صیغہ نے میرے ہونے کی عزت دی۔ اور اس کے ساتھ ہی مجھ کو ”رسالہ عصر جدید“ کی خریداری کا فخر حاصل ہوا۔ مجھ کو جولائی سے اس وقت تک اپنے علی کاموں کے متعلق کوئی رپورٹ بھیجنے کا بوجھ اپنی عظیم الفطرتی کے اتفاق نہیں ہوا۔ ممبر ہونے میں ملی طور سے فرائض ممبری کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوا۔ مجھ کو مناسب معلوم ہوا کہ جن امور کی اصلاح کے واسطے میں تیار ہوا ہوں۔ اس کی ابتدا اپنی ذات یا اپنے خاندان کے رفع چاہئے تاکہ دوسرے میری نہایت سے متاثر ہو کر پورے طور سے سیکر فیالات پائل ہوں اور دوسروں کو کسی بات پر جو میری ذات سے متعلق ہو نہ کہ مینی کا موقعہ بدلے چنانچہ میں نے اپنے علی کاموں کی ابتدا اس طریقہ سے کی

(۱) ”خیرات کا بیجا صرف“

سب سے پہلے میں علی کام یہ کیا کہ ایک خامی بھلی رقم جو سیکرٹری کے ہر ماہ و ہر سال نکلنے والے نوٹوں کے تازے گدا گروں کے ہاتھوں گرم کیا کرتی تھی اُس کا دینا ان لوگوں کو جو اولاد میری رائیں خدائی کے حصہ دار جائز تھے یکم مقام موقوف کیا۔ اور جو مجھ کو اول اول اپنی اس عادت کے روک تھام میں ضرورت وقت ہوئی۔ لیکن آج میری حالت یہ ہے کہ ایسے بھیک منگوں کی آواز تک مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔

چونکہ مجھ کو اپنے صوبہ کے اکثر شہروں۔ قصبوں اور دیہات پر جانے کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ لہذا اکثر ایسے ایسے ڈبل گراں ڈیل اور مسٹنڈے جو گروں۔ فقیروں۔ ساتیوں اور گدا گروں کے ساتھ پڑے جن کی صورت دیکھ کر ہی مارے خوف کے اکثر کمزور مار کھانے کی نشانی کے لوگ اپنی جیب خالی کرنے کو تیار ہو جاتا ہوں گے۔ لیکن چونکہ خیر سے خداوند کریم نے مجھ کو خواہ مخواہ مرد آدمی کی بھی عزت سے ممتاز فرمایا ہے۔ لہذا میں نے ہمیشہ ایسے خدائی جملہ دلوں کو ”لگا سا خشک جواب دیا اور مجھ کو یاد نہیں پڑتا کہ اس قلیل مدت میں جب مجھ کو صیغہ اصلاح کی ممبری یا عصر جدید کی

خریداری کی عزت ملی کسی درپوزہ گر کا منتر بھہر چلا ہو۔ بڑے بڑے ڈبل بھوتوں سے مجھ کو اس عرصہ میں سنا بقیہ پڑا۔ لیکن بھلا اللہ میں کسی کے قبضہ میں نہ آیا۔

میں اپنے تمام اعزا۔ اقارب۔ دوست۔ احباب۔ ملنے جلنے والوں کو صیغہٴ اصلاح کے مقاصد و اغراض سے متاثر کرنے کی کوشش کرتا رہا اور کرتا رہتا ہوں۔ کوئی جلسہ۔ کوئی مجلس۔ کوئی مجمع جس میں میں موجود ہوں اس کا ذکر کئے بغیر نہیں رہتا۔ اور اس قدر قلیل عرصہ میں بہت احباب کو اپنا ہم خیال خدا کے فضل سے کر لیا ہے۔

درپوزہ گروں کو میں نے جب کبھی دیکھا اُن کو اس حقارت آمیز عادتِ نفرت لانے کی کوشش کی اور مزدوری کی جانب بہتوں کو رغبت دلائی جن میں سے دو ایک نے مجھ سے اس قبیح فحلت کو ترک کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ اور ممکن ہے کہ جب وعدہ گد اگری کو ترک کر دیا ہو۔

میں اپنے تجربے و مشاہدے کی بنا پر دثوقِ قیسم کہہ سکتا ہوں کہ اکثر خواتین تقسیمِ خیرات میں نمایاں پارٹ لیتی ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن کی نیچرل رتیق القلبی ان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ جوگیوں۔ بھکاریوں کی دردناک مصنوعی آوازیں سن کر کسی نہ کسی طریقہ سے انکی بھولی بھردیں۔ لہذا عموماً ہمارے ہی خواہاں قوم کا اور خصوصاً ممبرانِ صیغہٴ اصلاح کا سب پہلا کام میری رائے ناقص میں خیرات کے یہاں صرف کے روکنے میں ہے۔ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے اپنے خشتہ داروں اور اپنے احباب و دیگر عوام الناس کی مستورات کو اولاً سنتِ جہرات اور اس کے اصول سمجھا دیں۔ اور اس ذریعہ سے وہ اُن کے ذہن نشین کر سکیں گے کہ دراصل موجودہ طریقہٴ خیرات دہی کا کسی طرح سے زیبا و پسند خدا نہیں ہے۔ اور اس طریقہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی دولت جس میں روپیہ۔ پیسہ۔ غلہ۔ کپڑا وغیرہ سب اجزاء دولت کے شامل ہیں محفوظ کر سکیں گے۔ اس جگہ پر حثیدہٴ دوقتوں کا ذکر خالی از لطف نہ ہوگا۔

میں اپنے ایک عزیز سے ملنے گیا۔ میں اپنی بزرگ خواتین کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک جوگی صاف نے دروازہ پر سے مدد دی۔ مائی خدا بھلا کرے۔ تیرے جملہ مطلب پورے ہوں۔ تیری اولاد زندہ رہے۔ یہ ساقی کئی دن کا بھوکا ہے۔ کسی نے ایک ٹکڑا روٹی کا بھوکہ نہ دیا۔ اب اس گھر پر حاضر ہوا ہوں۔ ہے کوئی حیت کا پیارا! جو حیت کے صدق میں ساقی کو ایک ٹکڑا روٹی کا اور ایک پانچہ کرڑ کا دے

اس کے بعد وہ ذات شریف لگے زوشور سے رونے۔ اب کیا تھا۔ مستورات کے واسطے اس قدر کافی تھا کوئی خاتون ایک جوڑا کپڑا نکال رہی ہے۔ کوئی بی بی کھانے کا انتظام کر رہی ہے۔ کوئی معتمد روپیہ کی ذخیرہ لگانے کی فکر میں ہیں! میں نے جو دیکھا کہ اس مفت خور کا جادو بھولی بھالی خواتین پر پورے طور پر چل گیا۔ اولاً میں نے طریقہ خیرات پر ان حضرات کی خدمت میں ایک مختصر اور پراثر لکچر عرض کیا۔ پھر موجودہ موقع پر ہاتھ روکنے کی استدعا کی۔ چنانچہ میں نہایت خوش ہوا کہ میری عرضداشت اس معاملہ میں منظور ہوئی اور سائیں صاحب کو خشک جاب کہلا بھیجا گیا +

دوسرا واقعہ حال ہی کا ہے۔ ایک ہفتہ ہوا جبکہ میں اپنے ایک نہایت قوی رشتہ دار کے گھر میں تھا کہ دروازہ پر ایک فقیر صاحب کہیں بھولے چو کے آدھکے۔ دروازہ پر سے لگے صدائیں لگانے لگی تھیں کہ اُس گھر میں دو تین معتمد تھیں۔ سب سے بالاتفاق ہمیک دینے کا حکم دیا اور میرے عزیز بھائی نے بھی مٹھی شایع کی۔ میں نے ہر چند اپنے کو روکا۔ لیکن مجھ سے ایک خاصی بھلی رقم اس مفت خور کے ہاتھ میں چلا ہوئے۔ کیکنا کسی طرح سے گوارا نہ ہوا۔ اور بالآخر قبل اس کے کہ کسی خادمہ یا لڑکے کے ذریعہ سے فقیر صاحب کو وہ رقم پہنچائی جاوے۔ میں نے بلا استعراج اپنے عزیز کے کہلا بھیجا کہ کچھ حاضر نہیں ہے۔ خشک جواب کا ملتا تھا کہ فقیر صاحب لگے غل بچانے "ارے بابا! تکیہ کے فقیر میں۔ کہی نہ کہی تیرے دروازہ پر آئے ہیں۔ مجھے خالی پھرتے ہوئے خدا سے شرم نہیں معلوم ہوتی۔ میں تو بلا کچھ لئے ہوئے نہیں بیٹھے کا! بس اتنا بُننا تھا کہ بدن پر آگ ہی تو لگ گئی۔ ادھر جو ان کو دینا تجویز کیا گیا تھا اس کو روک دیا۔ اور خود اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا گیا ہوں کہ فقیر صاحب ایک ۳۰-۳۲ سال کے سن کے نہایت شین اور شند سے ایک سرج کی اچکن نہیں بلکہ شیروانی دربر اور ایک نفیس مثالی رومال بردوش ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان کو اس میت و شکل میں دیکھ کر اور بھی غصہ ہوا۔ اور جو کچھ میری زبان میں آیا وہ جانتے نہیں بلکہ مسیوں مسیدی ٹیڑھی صلاتیں ان کی خدمت میں پیشکش کیں۔ اور آخر کار ان کو ٹھنڈے ٹھنڈے چلے جاتے ہی بن پڑا +

ان دو اور ہیبت اور چشم دید واقعات نے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مستورات کو بھی خیرات کو متعلق افہام تفہیم کی ضرورت ہے۔ المختصر اپنے خیال میں اس غلام اور ضروری شاخ اصلاح میں مجھ کو خدا کا فضل ایک درجہ کامیابی حاصل ہوئی اور امید ہے کہ میری آئندہ دل تو رکوشیں اس سے بھی زیادہ نتیجہ خیز ہوں گی

(۲) پرہیز از مسکرات

میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں نے خود کسی شے از قسم مسکرات کا کبھی استعمال نہیں کیا۔ حتیٰ کہ تمباکو کا بھی کسی طریقہ سے استعمال نہ کیا ہے نہ استعمال کرتا ہوں اور نہ قصد آئندہ کو بھی ہے۔ ورنہ میں اس کی اصلاح کی ابتدا اپنی ہی ذات سے کرتا +

اس قلیل زمانہ زیر رپورٹ میں ایک شخص سے شراب بخوری کا بھوت اُتارنے میں کامیاب ہوا۔ اکثر لوگوں کو افیون و فیرو کے ترک کے واسطے ہمالیش کر کے کمی اور بالآخر ترک کا وعدہ لیا۔ گو کہ نہیں سکتا کہ کس حد تک اُن حضرات کو ایفاء وعدہ کا خیال رہا ہو لیکن قبول سے حافظہ وظیفہ تو دعا لگتن است و بس بچہ در بند این مباش کہ نشنید یا شنید کے میں نے اپنا فرض تو ضرور ادا کر دیا +

(۳) شادی وغیہ کو موقع پر فضول خرچی اور اُس کا انسداد

یوں تو میں اپنے دوست احباب و اعزاء کو ہر ایک قسم کی فضول خرچی سے بچانے کی فکر کرتا رہتا ہوں لیکن اس صیفہ اصلاح کے متعلق بھی علی کارردائی کی ابتدا اپنی ہی ذات سے انسب معلوم ہوئی +

۱۷ سب سے پہلے وہ تمام فضول خرچیاں جو جدید طرز معاشرت کا نتیجہ کہلائی جاسکتی تھیں اور جو اس کے قابل اعتراض میڈنگ میں آسکتی تھیں ترک کرنے کا التزام کیا گیا

(۲) اسی اثناء میں میرے بچہ کے ختنہ کی تقریب ستمبر میں قرار پائی تھی اور اس موقع پر ایک معمول رقم صرف کرنے کا انتظام میرے اعزائے کیا تھا۔ لیکن میں نے ان تمام معارف کو بیجا سمجھ کر علماء کرام سے فتوے لے لے کر تمام تقاریب کو غیر ضروری قرار دیا۔ اور چونکہ یہ پہلا موقع خاندان میں اس قسم کی اصلاح کے عمل درآمد کا تھا۔ لہذا میری تجویز کو جو اکثر رسوم کے بند کرنے اور بہت کم روپیہ خرچ کرنے کے متعلق تھی ہر ایک سیکرٹریز اور اہل برادری نے نہایت کم وقتی اور نفرت آمیز نظروں سے دیکھا اور مجھ کو ہر ایک کے ناوک طعن کا نشانہ بنا پڑا لیکن میں تھا کہ نہایت مستقل مزاجی سے اپنی اسی رائے پر اڑا رہا۔ صرف میری تجویز پر گرد غور کرنے کی غرض سے تقریب ختنہ ایک مدت غیر میں تک ملتوی کی گئی۔ اور میں نہایت خوش ہوں کہ ۱۲ روزہ کچھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء کو میرے بچہ کا ختنہ انہیں محدود معین

روم کے ساتھ کیا گیا جن کامیں نے نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ ابتدا ہی میں فیصلہ کر لیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ اس وقت اُن خرابیوں کے متعلق جو بڑے اکیلے پر فتنہ کرنے سے مصارف کثیر کا نتیجہ ہوتیں۔ میں بہت سے جدید روشنی اور نیر نر نے خیالات کے غنیوں کو اپنا ہم خیال دہم آواز پانا ہوا اور اُن سب کو میسر اصول سے اتفاق ادا اُن کے فوائد سے اعتراف ہے۔ جہاں میں تہ دل سے شکر یا دعا کرتا ہوں میں نے بڑی کوشش اور بڑے بڑے لوگوں کے اختلاف کا مقابلہ کرنے کے بعد ایک مثال تو یہ فتنہ کے موقع پر فضول خرچی سے بچنے اور زائد روم کو ہمیشہ کے لئے خیر یاد کہنے کی اپنے تمام خاندان میں قائم کر دی ہے۔ جس سے نہ صرف میری ہی خاندانی لوگ بلکہ میرے بہت سے مہملین و دیگر خاندان ایک کافی سبق لیں گے اور اس سبب کہ تھوڑے ہی زمانہ میں بہت لوگ اُن رسوم کو جو صرف خلاف شرع ہی نہیں بلکہ ایک متدبرہ رقم صرف کرنے کی باعث ہوتی ہیں۔ ہمیشہ کے واسطے خیر یاد کہنے پر دل سے تیار ہو جاویں گی اسی سلسلہ میں میرا اس قدر کہنا شاید بیجا نہ ہوگا۔ کہ اگر وہ نہیں جلد افراد قوم یا ہر ایک خاندان کا ہر سربراہ آدرہ ممبر یا بزرگان و ہمدردان قوم کمزورت و استقلال فضول رسوم کے مسدود کرانے چرچت باندہ کرنا مادہ ہو جاویں تو قوم کے پیٹے میں بہت تھوڑا وقت صرف ہوگا۔ ہم کو کم سے کم اپنے ملک ہی کی دیگر اقوام سے سبق لینا چاہئے جو روز بروز فضول سے نہایت تشدد اور پارہ دمی کے ساتھ ترک کرتے جاتے ہیں۔ دیگر اقوام میں خاص کر اسی غرض سے اکثر لکھیاں۔ اکثر انجمنیں اور اکثر گروہ قائم کئے گئے ہیں۔ یہ کہہ کر نفوس ہے ہم میں کہ ذرا بھی اپنی حالت زار پر توجہ نہیں کرتے۔ اور لیکر کے فقیر ہو رہے ہیں۔ اور نفع نقصان میں کوئی فرق نہیں کر سکتے

جو رقم بچیکو بڑے اکیلے پر فتنہ نہ کرنے کی بدولت اس موقع پر پس انداز ہوئی۔ اس میں سے کچھ روپیہ اپنے ایک بھائی کو صرف دستکاری و صنعت کا کام سیکھنے کی غرض سے دیا گیا۔ چنانچہ اس نے تجارت و دستکاری کا کام اُس سے شروع کر دیا۔ اور باقی روپیہ بچہ کی آئندہ تعلیم و تربیت کے متعلق علیحدہ کر دیا گیا اور اُس کے واسطے انتظام معقول کیا جاوے گا +

میرے ایک دوست منشی سید محمد منیر صاحب محافظ دفتر محکمہ سرکار متحدہ ضلع ہیر پور اپنے بچوں کی فتنہ کے موقع پر بہت سا روپیہ صرف کرنے والے تھے میں نے اپنے حوالہ سے ان کو کم مصارف کی ترقیب دی۔ جو میرے برہان نے نہایت خوشی سے منظور کی۔ اور جو رقم اُن کو اس طرح سے پس انداز

ہوں۔ اس میں سے حسب استعداد راقم مبلغ چتر سید صاحب نے "عصر جدید" کے نام سے علیحدہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ یکم جنوری سے "عصر جدید" سید صاحب کے نام جاری ہونے کے واسطے میں نے درخواست بھیج دی۔ اور امید ہے کہ رسالہ "عصر جدید" ۱۸۷۶ء کی جاری کا مروج کے نام جاری ہو گیا ہوگا اور بہت احباب و اعزاء کو دیگر تقاریب کے مولف پر ردائے فصول و صرفہ کشیر کے بہنوٹ کرنے کی ہمائش کی گئی اور وعدہ السداد کا لیا گیا +

(۴) نابالغی کی شادی کا ترک اور رضامندی زوج و زوجہ

جہاں تک مجھ کو تجربہ و مشاہدہ نے بتلایا میں کہہ سکتا ہوں کہ اب ہندوستان کے مسلمان بھی ان خرابیوں سے واقف ہونے لگے ہیں جو بلا ترائی فریقین (میاں بیوی) شادی کرنے سے پیدا ہوتی اور ہو سکتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے ماں باپ اس پرانی رسم کے نقائص اور نیز اس کے معائبہ آگاہ ہو کر قتل و جہ لڑکوں کی منظوری شادی کے مسئلہ میں ضروری سمجھنے لگے ہیں۔ جبکہ وہ درجہ کی کیا ضرورت ہے میں بطور نمونہ کے ایک اپنا ہی خاندان پیش کرتا ہوں۔ ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ شرع اور بہت اسلامی خاندانوں کے میرا خاندان بھی اس بلا سے محفوظ اور مستثنیٰ نہ تھا کہ شادی کے متعلق لڑکے کی رضامندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور گو آج تک ہمارے بزرگوں نے ان دنیائے خیالات کی رسم سے کوئی بُرا سبق نہیں ملا تھا جو ان کو اپنے آبائی طریقہ کو چھوڑنے کی جانب مائل کرتا لیکن انگریزی کی بدولت میرے خاندان کے نوجوانوں کو اس ترمیم قانون قدیم کی جانب رجوع ہونے سے ہزرگان خاندان کو بھی اپنی توجہ اس اہم اور ضروری مسئلہ کی جانب متغطف کرنا پڑی +

اپنے خاندان میں خیر سے میں پہلا شخص ہوں کہ جس نے اس رسم جدید کی (جو ہر پہلو سے مروج ہے اور جس کی کوئی شایع کسی طرح سے متعق ہو نہیں سکتی) بنیاد ڈالی۔ گو ابتدا میں ہدف ملامت کا نشانہ بنوا لیکن چونکہ میں اپنے سب بھائیوں میں بڑا تھا لہذا میں نے اپنے تمام بزرگان خاندان کو اہتمام تفہیم کو ہموار کیا اور اب خدا کے فضل سے لڑکوں کو پورا اختیار دیدیا گیا ہے کہ جس مقام پر وہ رضامند نہیں کھلم کھلا اپنی نارضامندی کا جس طریقہ سے وہ چاہیں اظہار کر دیں۔ چنانچہ جو شادیاں ہوئیں لڑکوں کی رضامندی سے اور سائنہ کو اسی طریقہ پر عملدرآمد ہوگا۔ اور بلا امتزاج لڑکے کے کوئی شادی اب ہمارے خاندان میں نہیں ہوتی

امید ہے کہ میرے خاندان کی تقلید سے دیگر خاندان بھی مستفید ہوں گے اور اس رسم کی ترویج سے جو فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔ میں۔ میرے جملہ اعضا اور میرے تمام احباب ہی خوب واقف ہیں یا تمام دیگر خاندان جن میں یہ رسم رائج ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھ کو اس رسم کے اجرا میں بہت سی کوششیں کرنی پڑیں۔ لیکن سب بھلاؤں دانشمندوں اور دراندیشوں کی خدمت میں عرف میرا ایک ہی مرتبہ کا التماس اُن کو میرا ہم خیال کرنے کے واسطے کافی ہو گیا۔ اور جب ایک بار میری اول کی کوشش میں کامیابی ہو گئی پھر تو راستہ صاف ہو گیا چونکہ ہندوستان میں اس رسم کا سلسلہ ایک عرصہ دراز سے چلا آتا ہے کہ شادی میں کوئی ضرورت نہ رکھے اور لڑکی کی رضا مندی کی نہیں ہر ادویہ کہ والدین مختار کل ہیں جہاں چاہیں لڑکوں۔ لڑکیوں کو جھوٹ دیں اور اب تک اس رسم کی پابندی بلا چون و چرا ہوتی رہی۔ لہذا اُس کے خلاف میں کوشش کرنا تو ہر کندن و کاہ برآوردن کا مصداق ہے اور اس رسم کہنے کا دفعیہ بھی ایک چشم زدن میں ناممکن ہے زمانہ جہاں ہماری تمام ضرورتوں کو مہیا کرتا جاتا ہے اور لوگ اپنی اپنی دنیاوی ضرورتوں کو خود بخود محسوس کرتے جاتے اور دمع بالکدر و خدما صفا پر عامل ہوتے جاتے۔ تکلیف دہ رسوم اور اداہم پرستیوں کو غور سے چھوڑتے جاتے اور عقل سلیم جن باتوں کو پسند کرتی ہے وہ اُن کو اختیار کرتے جاتے ہیں۔ وہاں اس رسم میں بھی رفتہ رفتہ ایک نمایاں تغیر ہوتا جاوے گا اور آخر کو ہم یا ہماری اولاد پورے طور سے محسوس ضرورت اس رسم کی بھی عادی اور اُس پر عامل ہو جاوے گی۔ ماں یہ ضروری کہ ہم کو اس کی بڑھاپے سے اس کے فوائد کو جو اظہار حسن الشمس ہیں عوام کی نظر میں لانے اور جو نقائص و نقصانات اس کے برعکس علحدہ آئند میں رونما ہوتے ہیں۔ لوگوں پر ظاہر کرتے رہنا اور کوشش تبلیغ سے کبھی غافل نہ رہنا چاہئے کہ لوگ اُن سے بخوبی واقف ہو جاویں اور پھر ممکن ہے کہ عام طور سے یہ رسم تحسن مافی جاوے شاید بہتر ہوگا کہ شادی کے متعلق آنادانہ ہتمنراج کی اجازت بالفعل لڑکوں ہی تک محدود رکھی جاوے۔ میرے خیال میں اس موقع پر اکثر آنادانش احباب ضرور کہہ اٹھیں گے کہ جب لڑکوں کو اس قدر استحقاق آنادادی سے دئے جاویں تو کوئی وجہ مانع نہیں ہے اور بڑی بے رحمی ہوگی کہ لڑکیاں اس آزادی سے محروم رکھی جاویں۔ لیکن اس کے متعلق جو کچھ مجھ سے میرے اکثر احباب اپنی رائے ظاہر کی ہر انداز پر میری رائے ہو اُس کو میں ابھی ریزرو رکھنا مناسب سمجھتا ہوں فقط سید احمد حسین

ماہ گزشتہ

ایڈیٹری نوٹ

حقہ اور پان اور سگار | آجکل چند اخباروں میں تمباکو اور حقہ کی کثرت کے متعلق مضامین چھپ رہے ہیں۔ ۲۱- اپریل ۱۹۷۶ء کے اہل حدیث امرتسر میں

ڈاکٹر راجداس صاحب نے طبی اور ڈاکٹری طور پر پان کا مضرت و مضریت ہونا اور زیادہ پان خوشی کا نشہ آور ہونا ظاہر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب آخر میں لکھتے ہیں کہ جس حالت میں حقہ پینا شرع کے بموجب مکروہ کچھ بجا گیا ہے تو پان سے ہر وقت منہ سرخ رکھنا بھی منع ہوگا۔ ایڈیٹر صاحب اہل حدیث نے اُس پر نوٹ دیا ہے کہ نشہ آور ہے تو بیشک منع ہونا چاہئے

میں اس معاملہ میں کوئی رائے دینا نہیں چاہتا کہ نہ طیب ہوں اور نہ عالم دین۔ ایک ڈاکٹر کی رائے اوپر لکھ دی ہے اور ایک عالم کی رائے بھی لکھتا ہوں +

شریعت مدارِ علامہ شیخ عبدالحی ہروی طہرانی جو دنیا کے نامور مقررین، علماء اور حکماء میں شمار ہونے کے لائق ہیں حال میں اتفاق سے دو ماہ مالیر کوٹہ میں مقیم رہ کر گئے ہیں۔

ان کا ایک وفظ شکر شمس العلماء مولانا حالی نے فرمایا تھا کہ یہ بزرگ تعلیم قدیم اور حکمت اسلامیہ کا ایک کامل نمونہ ہے خود میں نے کوئی شخص علوم شریعت میں ایسا نہیں دیکھا جو ایک مبلغ جامعیت ان جیسی

رکھتا ہو اور فصاحت میں اُن کا مثل نہیں سنا۔ حالانکہ سید احمد خاں مرحوم اور مولوی نذیر احمد اور محسن الملک اور لاڈل کرزن و مسٹر مینٹ کو سنا ہے۔ البتہ علامہ موصوفی کی نصاحت سچنے کے لئے

خاص علیت کی ضرورت ہے

غیر متوجہ متفرغ تھا۔ ایک ٹریس مجلس عزائم قبل شروع مجلس اپنے دریافت کیا کہ میں حقانہ انداز سے آپ کے کہا کہ میں خود حقہ کو جائز نہیں سمجھتا۔ عزائم میں پنا کجا۔ پانی پت میں علامہ موصوفی نے حقہ اور پان کے متعلق جب اس کے شایقوں نے زیادہ اصرار سے وجہ کراہیت و حرمت پر بھی تو مفصلہ ذیل بیان فرمائی

”تب کو زمانہ نبوی میں نہ تھا۔ نفی یا اثبات اس کے لئے کوئی حکم نبی یا ائمہ کا نہیں ہو سکتا۔ البتہ جن لوگوں کے نزدیک اس حدیث کے سب روایات تو یہ ہیں جس میں آیا ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ آئے گا کہ یا کھلونے اٹھائیں، دیوانے لوگ کھائیں گے وہ تمہارا نوشی حرام سمجھتے ہیں۔ جو اس حدیث کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ اجتہاد اُدھ اس کو اُس وقت مباح بیان کر سکتا ہے جب تمہارا خواہ پان سے فائدہ طبی معیج ہو۔ سوال کیا گیا اس شرط کی کیوں ضرورت ہے جب شارع سے حرمت یا حلت کی تخصیص نہیں کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ ادلہ اولیہ قطعہ یعنی قرآن میں اسراف کے خلاف حکم ہے۔ پس اگر بلا فائدہ کے حقہ یا پان کا استعمال ہو تو اسراف ہے اس لئے خلاف شرع ہے اور اجتہاد اُدھ اس کو جائز نہیں کر سکتا۔“

پان کے ساتھ پھنکا بٹا پونہ آپ نے فرمایا مطلقاً حرام ہے۔ کیونکہ مٹی کی قسم سے ہے۔ فیوین جلیل یا کثیر (مگیدو) جبکہ اور کوئی دوا اس کے سوا نہ ہو) بدیع مسکر ہونے کے حرام ہے۔ اس نوٹ کے لکھنے سے کسی شرعی مسئلہ پر زور دینا منظور نہیں ہے۔ لوگوں کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ لبستر چیزوں سے اُن کو ایسی محبت ہے کہ اُن کے مخالف اگر خدا و رسول بھی کہے تو کبھی یقین نہ کریں۔ اس لئے حقہ یا پان چھوٹا سردست محال ہے۔ مگر سمجھ دار لوگ ڈاکٹروں سے اور طبیبوں سے مشورہ کرنے کے بعد اس اسراف کی مشخ کو اختیار کریں تو بہتر ہے۔ نہ ان قوم میں اسراف و مبالغہ اندیشی کے مانتی ہضم ہو جاتے ہیں۔ اُن میں تمہارا اور پان نہ کچھ کا غائب ہو جانا کیا تعجب ہے فقط

شاعری

نواب میرزا داغ۔ نے (خدا بخشے) اردو زبان میں غزلیت کو جس قدر بانجھا ہے اس کی مثال میر تقی کے بعد ملنی مشکل ہے۔ اُن کے کلام میں چوہا اتھار دہریہ داغ۔ جس طرح میر کے کلام میں درد۔ دلق میں محاورہ ہندی۔ غالب میں حکمت و عقل اور داغ میں تصنع و مشکل پسندی تھی۔ ایک دوست نے اُن کی موت کے متعلق املا عدی، معلوم نہیں طنز ہے یا طرافت ہے یا سچ) جس کو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

”جنازہ کے ساتھ اٹھارہ ہزار شراقتے۔ دو ہزار بے اسی دن خود کشی کر لی کہ استاد کی اصلاح سے محروم نہ رہیں۔ سامنے ایک جھنڈا تھا جس پر نہایت چلی حروف میں لکھا تھا۔“

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دسہوم سے نکلے

پانچ ہزار نقد نہایت دردناک لئے بھیہ شعر پڑھتے جاتے تھے

خانہ عشق بے چراغ ہوا + آج راہی جہاں سے داغ ہوا

قطعے - رباعیاں - مرثیے - نوحوے - ترکیب بند اس قدر لکھے گئے کہ ہندوستان کی کاغذی کمپنیوں نے بیس روپیہ سینکڑہ منافہ کا اعلان کر دیا اور انگلستان سے اس قدر جہاز بھر کر کاغذ کے آٹے کہ روسی بیرے کو کوئلہ پہنچانا بند ہو گیا۔ مسلمانوں کے اکثر نیچے جہاز سال پیدا ہوئے اُن کا نام داغ یا نواب میرزا رکھا گیا

خیر خدا اس پر رحم کرے یہ بزرگ پچھلے زمانہ کی یادگار تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

نہایت زور شور سے بعض صاحبوں نے سکرٹری صیغہ سے

چار غلط فہمیاں

اپیل کیا ہے کہ تمام دنیا کو اسراف سے منع کرتے ہو علی گڑھ کالج نے پتیس ہزار روپیہ جو لکھنؤ میں قوم کے نام سے جمع کیا ہے وہ کرکٹ ٹیم میں مٹانے والا ہے اس کی اصلاح کیوں نہیں کرتے۔ اس اول غلط فہمی کا جواب یہ ہے

لا تغف مالیس لك به علم ان السمع والبص والنفاد کل اولئك کان عنہ مسئولا

نواب علی صاحب براد آبادی کو اور دیگر مضامین نویسوں کو چاہئے تھا کہ اس معاملہ کو اول نواب محسن الملک بہادر سے ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر تحقیق کر لیتے۔ اس خبر کی دراصل جہاں تک کالج کے منتظمین کو تعلق ہے کچھ اصل نہیں ہے اور علی گڑھ گزٹ اس کی تکذیب کر چکا ہے۔ ہمارے جوشیلے اہل مذہب کو یاد ہو گا کہ بدگمانی کوئی اعلیٰ ترین صفت نہیں ہے

دوسری غلط فہمی اُن شیفتگانِ مدرستہ العلوم کو ہوئی ہے جو محض اس وجہ سے

البشیر اور ذوالقرنین میں نواب محسن الملک بہادر سے انہماک ناراضی کر رہے ہیں کہ وہ تاریک خیال علماء کا بہت ادب کرتے ہیں۔ اُن کے درد کا حال دھوم دھام سے

چھاپتے ہیں۔ حالانکہ کالج کی بنیاد اسی فرقہ قدیمہ متعصب کے مخالفوں نے مضبوط کی ہے

ہم کہتے ہیں کہ شاید ایسا ہی ہو۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کرڈرل مسلمانانِ علماء دین کی عزت کرتے ہیں جہاں لاکھوں اُن کو تاریک خیال سمجھتے ہیں۔ پس اُن کی عزت و

احترام پر ناراض ہو یا اُن کی تحریروں کے انسٹیٹوٹ گزٹ میں چھپنے پر فحاشی کا اظہار نہ کرنا نہیں۔ البتہ علماء کے تعصبات سے بچنا لازم ہے۔ لیکن ایسا بے تعصب ہونا بھی ٹھیک نہیں کہ اسلام اور دین محمدی سے بے رخ اور بے پروا ہونے کو انتہائے بردش خیالی سمجھ لیا جاوے۔

مہندار سعدی کہ ماہِ صفا ۛ تو اں رفت جز دپے مصطفیٰ

البتہ ہمارا کام صرف اس قدر ہے کہ رسولؐ کے اصل مطلب اور مقصد اور کلام الہی کو منشاء اور احکام باطنی کا پتہ لگادیں۔ ہماری ترقی اگر اسلام چھوڑ کر ہوئی تو وہ قومی ترقی نہ ہوگی کیونکہ مسلمانوں میں۔ اُسے کلام اللہ اور رسولؐ عربی اور قبلہ کے کوئی ایسی چیز مشترک نہیں جو اُن کو ایک قوم بناتی ہے۔ اسی لئے ہم ان طغیوں کو برداشت کرتے ہیں جو مذہب سے ناواقف نوجوان عصر جدید یا صلیفہ کی مذہبی حیثیت پر کرتے ہیں تیسری غلط فہمی انجمن حمایت اسلام کے متعلق بحث کنندوں میں ہو رہی ہے ایک فریق چاہتا ہے کہ انجمن بحال سابق قائم رہے۔

دوسرا فریق چاہتا ہے کہ انتظام کالج کی باگ نو تعلیم یافتگان کے ہاتھ میں رہے۔ تیسرا فریق اخبار کوئیل اور اُس کے دوست چاہتے ہیں کہ کالج شکست ہو جاوے کیونکہ وہ ادنیٰ درجہ کا ہے اور آمدنی یتیمی کے نام سے ہوتی ہے۔ ایک بہت بڑا یتیم خانہ اور یتیموں کا مدرسہ بنے ۛ

فریق اول قومی خیر خواہ ہے مگر انانیت اور تنگ نظری کے ساتھ ۛ فریق دوم قومی خیر خواہ ہے مگر مغرب کی بے سمجھی تقلید کے ساتھ۔ فریق سوم قومی خیر خواہ ہے اور اسلامی اصول و ایمان کو ہاتھ میں رکھتا ہے۔ البتہ مباحثہ اور تحریر میں مناظرانہ درستی استعمال کرتا ہے اور شاید اُس نے آشتی کے ساتھ بلا طفت فریق اول و دوم کے سامنے اپنی وجوہات نہیں کیے کیا اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے یہ مناسب نہ ہوگا کہ ایک مختصر کمیٹی ایک درجہ تعلیم کی بالکل بجا فہم لکھ دی جاوے اور وہ کچھ انتظام کر دیوے

چوتھی غلط فہمی اور سب سے زیادہ قابل تاسف کیونکہ سب سے اعلیٰ طبقہ میں ہو رہی ہے

کہ قوم میں وہی شخص لائق انہری ہیں اور صیانت رائے رکھتے ہیں جو قوم کے واسطے مطلق کوئی نعمت گوارا نہ کریں۔ چنانچہ سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی کانفرنس نے متفق الرائے ہو کر ایک میسر کی اس تجویز کو نامنظور کر دیا کہ کمیٹی حاکم و منتظمہ بین مرکزی کمیٹی کا ممبر وہی شخص ہو جو پہلے کانفرنس کا ممبر بن جاوے۔

کیونکہ اس کمیٹی کی رائے میں پیش امام ہونے کے لئے مسلمان ہونے لی یا انسان ہونے کے لئے حیوان ہونے کی یا سچا لار ہونے کے لئے سپاہی ہونے کی ضرورت نہیں جب اس فرقہ کی جو بنیاد ہمارے دلغ کے ہے یہ رالت ہو تو ہم جو شیلہ اخباری مضمون نگاروں کو یا مدرستہ العلوم کے سابق طلباء کو یا حاشات اسلام کے منتظموں کو یا صحافیوں کو حالات پر کیسے اظہارِ تعجب کریں

ہر فتنہ بشکفت التادل من ۴۔ اسے وادل من لمے وادل من جو قوم اصول کی جگہ نمود پر قائم ہو اس کو آسمان یا زمین کی کوئی طاقت ہدایت نہیں کر سکتی یا ایھا الذین آمنوا تقواللہ وکولوا مع الصمٰد قین ۵

یعنی اسے وہ لوگو جو خدا پر ایمان لائے ہو۔ خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو نہ کہ محض خطاب یافتہ لوگوں کے ساتھ۔ فقط ایڈیٹری

لاڈکرزن ہبادر بالقابہ ایک فسیح مقرر ہیں اور بعض اوقات دوما تقریر میں ایسے فقرے کہہ جاتے ہیں جو قطع نظر اس سے کہ یہ

خلو دماغ یا بیکاری

ہوں یا غلط ہے وجہ پُر زور ہونے کے بہت سے لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ کلکتہ کے جلسہ عظیم دگریات کے موقع پر چند ماہ ہوئے انہوں نے ہندوستانیوں کو نصیحت کی تھی کہ آپ لوگ مسلمان بنو۔ قولِ فیل میں رستی اختیار کرو۔ اس ملک کے باشندوں کے اور عام اہل مشرق کے دل و زبان میں فرق ہوتا ہے اور ان کو تعلیم بھی ایسی ہی دی جاتی ہے۔ "صحیح فقرے یا دہنیں مگر مفہوم کچھ ایسا ہی ہے اور اس سے بہت ملتا جلتا ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے خلاف مضامین میں سید احمد خاں مرحوم نے شش ماہ ۱۸۸۳ء میں زور سے ظاہر کیا تھا ۴

میں نے اب تک اس غوغا سے قیامتِ موم کے متعلق جس نے ہندوستان کے اخباروں کو

ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلا دیا۔ ملک کے لیڈروں نے پُر غضب جلسے کر کے شروع کر دیئے ایک سطر بھی نہ لکھی تھی۔ اس خیال سے کہ جب جو ش ٹھنڈا ہو جائیگا تو سچ بات سننی آسان ہوگی *

لارڈ موریس کا خیال تین حال سے خالی نہیں۔ یا سچ ہے یا غلط ہے یا اس میں غلطی اور راستی دونوں مخلوط ہیں۔ اگر سچ ہے تو ہم کو خوشی کے ساتھ اس نصیحت سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس کا ممنون ہونا چاہئے۔ اگر غلط ہے تو مسکرا کر ٹال دینا چاہئے کہ ایک غیر ملک کا شخص کیسی ہی لائق و معزز ہو، ہماری حالت کیا جان سکتا ہے؟ ہماری صفائی اور راستی تو مسلم ہے! بہت سے ان غلط خیالات کو کہہ کر چلے گئے اور چلے جاویں گے! اگر اس نصیحت میں ہستی اور غلطی دونوں کے پہلو میں تو کوشش کر کے آئے ہیں سے بھوسا الگ کرنا اور ایسی نصیحت سے سبق لینا اور غلطی سے قطع نظر کرنا ہمارا فرض تھا۔

گوہارے لیڈروں اور خامکر کانگریسی سرداروں نے ایک فضول خوریک شروع کر دی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ نہ ملک کی حالت سے ناخبر ہیں نہ وہ ضرورتوں کو جانتے ہیں اور نہ اپنے وقت کو قوم کی اصلی اور خاموش اصلاح میں صرف کرتے ہیں۔ ایسا کرتے تو قوت اور وقت کو لارڈ کرزن کو الزام دینے میں صرف نہیں کرتے بلکہ جلسے کر کے بحث کرتے کہ ہندوستانیوں میں اخلاقی جرأت اور صداقت کہاں تک ہے اور نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے، رگس طرح پید کی جاسکتی ہے۔

پیر ذاتی خیال یہ ہے کہ ہر کسلسنی نے مشرق کے ایک واقعی عیب کے بیان کیا ہے۔

سچ ہے کہ وہ عیب مذہب میں بھی بہت ہے گو ہم سے کم تر۔ تاہم اس معاملہ کو ایسی قوت دینا ثابت کرتا ہے کہ دماغوں میں ٹھوس تعلیم اور تجربہ کے نفوذ کی ضرورت ہے۔

فوری واپس کے عصر جدید میں ایک تقریر چھاپی گئی تھی

جس میں جاپان کی ترقی کے اصول ہمارے ایک لائق دوست

نے بیان کئے تھے۔ ہم خوش ہیں کہ واپس میں جو جاپان کے

دستور علی گڑھ کے سابق طلباء کا ہوا اُس میں جہاں تک کہ ہم کو غلطی کی طرف متنبہ کرتی ہے اور

جاپان کی ترقی کا
اصلی راز معلوم ہو گیا

انسٹیٹوٹ گزٹ کی تحریروں سے معلوم ہوا ہمارے بعض پُرچوش قومی خیر خواہوں اور قومی ہمدردوں نے غور و فکر، بحث و مباحثہ - استقمال و جواغردی - محبت و ایثار کے ساتھ جو رز ترقی کا معلوم ہوا تھا - اُس پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس کامیابی کا سہرا زیادہ تو ہمارے ایک پیرسٹروٹ کے سر پہ جنہوں نے علیگڑھ اور کیمبرج کے کالج کو اپنے پاس جمع کیا ہے - بات یہ ہے کہ ایک مسودہ خاص مارکولس اٹیو کے ہاتھ کا لکھا ہوا بلگیا تھا - اگرچہ وہ صیغہ راز میں یونیورسٹی آؤکیو کے محفوظہ صندوق میں بند تھا مگر یار لوگوں کے ہاتھ سے کہاں بچ سکتا تھا - کولبس نے امریکہ دریافت کی - نیوٹن نے کشش ثقل کا اصول پایا - کیا ہمارے گزٹ بچوئیٹ اور لیڈرمنش ایک مسودہ (جس میں نوجوانان جاپان نے مارچ ۱۹۱۷ء میں ملک کی ترقی کا زائچہ بنایا تھا) دریافت نہیں کر سکتے؟ بیشک کر سکتے ہیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا - اُس مختصر جلسہ مشورہ کی روئداد کا ایک حصہ ہم چھاپتے ہیں :-

سورج منسی ایٹو (پریڈینٹ) اس سیرے دوستو! پچھلے تین ماہ سے آپ غور کر رہے ہیں کہ یورپ میں وہ کون سی بات ہے جس سے وہ آسمان ترقی پر ہے اور جاپان میں وہ کیا عیب ہے جس سے وہ زمین میں نہیں بلکہ تحت الشریٰ کو پہنچ گیا ہے - صاحبو! میں نہایت زور سے کہوں گا کہ میرے دوست ٹوگو کی رائے غلط ہے کہ یورپ کے لوگ تجارت اور بحری سفر کی طرف آمادہ ہیں - اس لئے ہم سے بازی لے گئے - قدیم رومی تاجر نشتے پھر انہوں نے کیوں ترقی کی سیرا نوجوان دست کروگی نہایت نیک نیتی سے کہتا ہے کہ ہم سائنس کی طرف متوجہ نہیں ہیں اور فنون جنگ زمانہ حال سے بے بہرہ ہیں اس وجہ سے فرانس وغیرہ ہم کو دھمکا لیتے ہیں - حضرات! میں کہتا ہوں کہ سوال یہ ہے کہ آخر ہم کیوں متوجہ نہیں ہیں - کیا ہمارے دماغ یورپ سے کم نہیں (یاسی - ہرگز نہیں) - کیا ہم کمزور ہیں (کردکی - ہرگز نہیں) - کیا ہم میں دقت نکھیں - دوکان - ایک ناک نہیں - کیا زمین ہماری بار آور نہیں - کیا سمندر ہماری کشتی کو پھینک دیتا ہے - کیا ہمارا باشندہ نیک نفس اور دیوتاؤں کا پیارا نہیں؟ (رجی جی شیمو - ہرگز نہیں) - میں کہتا ہوں کہ تین ماہ سے ہماری کمیٹی نے سب مسائل پر غور کیا اور سارے وجوہات کیا بلحاظ تاریخ اور کیا بلحاظ فلسفہ - اور کیا بلحاظ تجربہ فضول معلوم ہوئے - میں جانتا ہوں کہ یہاں بعض نوجوان سیر مخالف بھی ہیں لیکن آپ اجازت دیں اور وعدہ کریں کہ میں نے جو عقدہ حل کیا ہے اس پر عمل کریں گے تو میں آپ کو یورپ

کی ترقی اور جاپان کی تباہی کا راز تبادوں گا "ضرور" ضرور" کی آوازیں اگر حضرات
تھوڑی دیر کے لئے نوا اور بیہودہ نفسانیتوں اور ذاتی کاوشوں سے اور خود بینی سے اپنے دل کو
پاک کر لیجئے اور اپنے دل میں وعدہ کر لیجئے اور حقی عزم کر لیجئے تو میں اس عظیم الشان عقدہ کو
دوبنٹ میں حل کر دوں گا [اس موقع پر آسمان سے ایک زبردست گرج کی آواز آئی۔ جس کو
اہل جاپان خدا کی صدا سمجھتے ہیں اور اُس سے ان بحبان قوم پر بہت اشرموا]۔ یہ صدک آسمانی
اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ آج کا دن جاپان کی تاریخ میں۔ نہیں بلکہ ایشیا کی تاریخ میں نہیں
بلکہ دنیا کی تاریخ میں ایک یادگار زمانہ کا آغاز کرے گا (کمپنی کے ممبروں میں بے تاب آوازیں
بلند ہوئیں "بیالین کرو۔ بیان کرو ہم حل کریں گے")

"اے بندگان قوم! اور اے جاپان کے آئندہ لیڈر! اصل وجہ یودوپ کی ترقی
کی یہ ہے کہ وہ (یہاں پر مارکوس ایڈ نے ایک منٹ توقف کیا) کالر پہنتے ہیں تپوں
پہنتے ہیں۔ بوٹ پہنتے ہیں۔ ہم ان تینوں سے محروم ہیں یا لی و تقویٰ کیا ہو گیا ہماری قوم کو۔
اُس کی خود غرضی کو۔ اُن کی نا اتفاقی کو۔ اُس کے افلاس اور اُس کے حمد کو کہ اس آسان تہذیب
سے وہ دنیا میں مہذب نہیں ہو جاتی۔ اُٹھو۔ اپنے لباس بدلو اور چشم زدن میں مہذب بن جاؤ"
مسودہ نویس اپنے نوٹ میں لکھتا ہے کہ اس تجویز پر غلغلہ مدام ہوتے کے ساتھ ہی یہ
ملک چھ مہینے کے اندر دنیا کا مہذب ترین طبقہ ہو گیا +

ہم اپنے دوستوں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے سخت محنت سے اس قیمتی مسودہ کو
حاصل کر لیا۔ اور ایک رزلیموشن کے ذریعہ سے اُسی نقش قدم پر چلنے کا عزم بھی کیا۔ ایسی
ہی ایسی دریافتیں تو ہم کو مستقبل کے لئے خوش آئند امیدیں دلاتی ہیں۔ بعض بیوقوف کہتے ہیں
کہ قوم اوپر سے نہیں بلکہ اندر سے بنتی ہے مگر کوئی اُن سے پوچھو کہ تم سورج مہنسی ایٹو
بانی جاپان سے بڑھ گئے + بعض خود بین حما سنجیدگی۔ کفایت۔ محنت۔ صداقت۔ عمل
ایمان وغیرہ کے الفاظ کو دہراتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ قومی ترقی کا راز یہ ہے۔ مگر وہ لوگ
قوم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ مضمون لکھنا۔ ظلم حاصل کرنا آسان بات ہے۔ مگر قوموں کو
اصول ترقی دریافت کرنا ایک کٹھن اور مشکل فعل ہے +

الحکم لکھنؤ پریس

[رسالہ الحکم لکھنؤ میں میرزا محمد امدادی صاحب دینی سائنس جو شہور دانش پر روز اور فلسفی مشہور ہیں۔
طریقۂ امامیہ کی تائید میں علمی اور فلسفیانہ رنگ میں نکالے گئے اور قیمت کچھ نہیں، صرف ۶
سال محمولہ لاکھ پر روانہ کرتے ہیں۔ اس میں شک نہ کریں کہ بیکار اور بطلانِ مشرقیہ خوانوں کو
ہزار ہا روپیہ تقسیم کرنے اور اسرافات میں امام مظلوم کا نام لیکر روپیہ صرف کرنے کی جگہ امرایہ
ڈٹنا۔ یہ مشربہ اس رسالہ کی مدد کریں تو بہت بہتر ہوگا ورنہ ایڈیٹر کسی طرح اس کو نہ چلا سکیں گے
تاہم جھکاؤ نہیں ہے کہ ایڈیٹر اس ضرورت کو محسوس کر رہے ہیں کہ بدلتی وقت کو خوش دیکھ
پالیسی ملک گیر فزقہ ظاہر نہ کریں گے بلکہ ناپاک متانت سے اپنے لیے جیساکہ ایک لائق
کو جوئیٹ سے امید ہوئی چاہے بندش کریں گے۔ اس رسالہ کے بعد نمبر ۳۰ پر دو ماہ ہو گئے
میں نے ایک نوٹ لکھ دیا تھا کہ اگر ایڈیٹر اس کتاب کو شرمیلے سے نکالیں گے تو
اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ فیضیہ کے ذریعہ اس کتاب کو پھیل جائے تاکہ
لائق ایڈیٹر الحکم کے پاس بھی پہنچا سکیں تاہم ان کو سنو۔ سندھ میر۔ سندھ کے پاس یا سا
حقائد کے شیعہ یا سنی کچھ بھی ہیں بلکہ قانونی اور دینی اور ملی پائلس کے پردہ
فریق ہیں طظ کافی قوت ہی نہ رہنا چاہئے ورنہ دونوں تباہ ہو جائیں گے
جو رہتے ہیں اور ہو چکے ہیں اور مولوی مقبول احمد صاحب جیسے سخت کلیم دار سنگین
سے بھی میں عرض کرتا ہوں کہ اپنے جوش کو ٹھنڈا کریں اور اس بدن زبان جاہل خدو
کی تقلید نہ کریں جن پر وہ ہنسنا کرتے ہیں]

تنقید کیوں نہیں کی

کی طرف اشارہ کیا ہے کہ باوجود ادعاے دوستی تنقید نہیں کی۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ تنقید آسان کام نہیں ہے اور میں بہت عرصہ کے بعد بہت سے پرچے پڑھ کر اچھی طرح مفاد کو سمجھ کر تنقید کرتا ہوں۔ یوں معمولی ذکر دوسری چیز ہے، ابھی تک میں آپ کے مشن کے بعد نتیجوں

کا مطلب نہیں سمجھا۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ نوع انسانی پر اجتماع اسلامی پر خود فرقہ اثنا عشریہ پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ لیکن اس سے ہرگز آپ کی عالیدہ مافی یا لیاقت پر شبہ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ غور کرنا ہے کہ اصلاح تمدن اور اصلاح قوم پر ان نظریات کا اثر کب اور کیسا ہوگا۔ جن رسالوں پر میں نے رائے دی ہے مثلاً التندوہ۔ الحکم قادیان معلوم نہیں آپ نے کیوں تامل لفظی اس سے پسند کیا؟ البہد کی۔ معالم یا تو ان کے بہت سے پرچے دیکھے ہیں۔ یا وہ ایسے معاملات سے بحث کرتے ہیں۔ جن کے متعلق عرصہ سے رائے قائم ہو چکی ہے

اس عذر کے بعد مجھ کو یہ شکایت آپ سے ہے کہ آپ اپنے مضامین میں رہی غلطی بعض دفعہ فرماتے ہیں جو رسالہ اصلاح وغیرہ

علیگڈہ کالج سے تعصب رکھنا محض غلط ہے

کرتے ہیں یعنی علیگڈہ کالج کو سنیوں کا مجمع سمجھا ہے اور پھر علیگڈہ کے حامیوں کے تصور کو کالج کا تصور قرار دیا ہے اور پھر کسی نے لکھنؤ کے کسی مصنف کو پسند نہیں کیا تو اس کو اکابر لکھنؤ اور شیعوں کے خلاف تعصب کی طرف مائل کر دیتے ہیں مثلاً مولانا حالی کے مقدمہ دیوان سے آپ نے تعلیم یافتہ گروہ کو مذہبی تعصب میں مبتلا ظاہر کیا ہے۔ یہ بعید از قیاس منطق آپ جیسے مسمعی عمر حیرت میں ڈالتی ہے۔ کیا دوسرے لوگ ایسے دُور انداز تعصبات کی تلاش سے خود آپ کو متعصب قرار نہیں دے سکتے؟ مولانا حالی نے نہایت آزادی سے شواہد لکھے ہیں۔ سودا۔ میر۔ حسن۔ انیس۔ شوق کی نہایت توفیق کی ہے خصوصاً میر انیس کی۔ اور یہ سب شیعہ تھے۔ اگر اپنے اصول زبان کے لحاظ مولانا حالی نے چند شعراء کو جو مختلف مذہب کے تھے اعلیٰ درجہ کا نہ مانا۔ مثلاً ناسخ کو جو شیعہ تھے اور امیر کو جو سنی تھے یا گلزار نسیم کے ذہین مصنف کو جو ہندو تھا اور تفتیش کا پابند تھا۔ تو آپ نے کیسے لکھ دیا کہ حالی نے سنی ہونے کی

دوسرے لکھنؤ سے تعصب کیا۔ اگر ایسا ہی نازک مزاج شیعیت کا ہے تو دنیا میں اُن کا خدا حافظ ہے۔ کیا جو شخص ناسخ یا آتش کی شاعری کا قائل نہ ہو وہ ضرور دشمن شیعیاں و مبغض اہل بیت ہوگا یا محبت اہل بیت کے ساتھ گھڑا نسیم کے منصف کی ولا بھی کہیں لکھی ہے۔ رہے مولانا شبلی۔ وہ انہوں نے الفاروقی اُس وقت چھاپی جب ۵۰ کالج سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ مولانا نذیر احمد صاحب نے کوئی کتاب ردِ شیعہ میں نہیں لکھی۔ نواب محسن الملک کی سائنس کی تصنیف میں کبھی تو میں ردِ عارضی ہونی چاہئے۔ جس طرح محسن الملک بہادر نے کبھی سنیوں کی تائید کی اسی طرح میرزا عابد علی بیگ صاحب نے شیعوں کی تائید کی ہے۔ کالج کو اس سے کیا علاقہ ؟

اب شیعوں کو کیا چاہئے

میرزا صاحب لکھتے ہیں کہ عصر جدید نے طبقات الانبیاء کو برا کیا ہے۔ میں نے طبقات الانبیاء

کو کبھی ”کنڈ من“ نہیں کیا اور کوئی فقرہ میرے مضمون کا ایسا نہیں جس کا یہ مفہوم ہو سکے۔ وہ کتاب بے نظیر ہے لیکن یہ میرا خیال ضرور ہے کہ اس وقت حاجت اس امر کی ہے کہ خود شیعوں کا اسراف دور کیا جاوے۔ اُن کی خیرات صحیح راستہ پر ہو۔ محرم میں نامناسب اور خلاف اصول روایات نہ پڑھیں جاویں۔ تنقید احادیث کا کام خود علماء کریں۔ بیکاری اور سستی اور بد چلنی کو غریب اور امراء دور کیا جاوے۔ ان سب کے بدلے ہمارے علماء ہم کو ہمیشہ کتاب الفتن کی تفسیر سناتے رہیں یا حوایات بارہ سو برس سے سنتے سنتے لوگ پکے ہو چکے ہیں وہ دُہرائے جاویں اور اپنی خبر نہ لیں تو یہ فرقہ چند روز کا مہمان رہ جاوے گا۔ آخر اعمالِ حسنہ میں کوئی ممتاز ہزرگی پیروان اہل بیت کی دکھاؤ گے۔ جب لوگ آپ کے مذہب کو عزت سے دیکھیں گے یا محض اسنادِ کتابی کی بنا پر تمہیں دیوں گے۔ اس سے میری مراد خاص آپ

کے شیوہ پر اعتراض کرنا نہیں ہوتا۔ مگر میرے ان خیالات میں نہ الحادیت اور نہ بے دینی ہے۔ بلکہ یہ عین اور سراسر ہمدردی سے پُر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ جب غور فرمائیں گے۔ (اور ضرور غور فرمائیں گے) تو اس نتیجہ تک پہنچیں گے کہ مذہب کی بہترین تائید یہی ہے کہ اہل مذہب کے عادات و اخلاق بہتر کئے جاویں۔ ورنہ ہماری سب کوشش کا نتیجہ وہی ہوگا جو عرب کے شاعر جاہلیت نے اپنی شراب خوری کا بتایا ہے کہ فرضی عزت باقی رہ کر سب چیزیں ضائع ہو جادیں گی +

وَلَقَدْ شَرِبْتُ مِنَ الْمُدَامَةِ بَعْدَ مَا
تَمَكَّدَ الْهَوَا جُرًّا بِالْمَشُوفِ الْمُقْتَلَمِ
فَإِذَا شَرِبْتُ فَإِنَّمَا تُسْتَقْبَلُكَ
مَا لِي وَعِزِّي وَافِرٌ لَمْ يَكَلَمْ

”میں نے اشرفیاں چمکتی ہوئی خرچ کر کے جب دوپہر کی گرمی ڈھلی تو شراب پی ہے۔ پس جب میں شراب پی لیتا ہوں تو مال کو تو ہلاک کر دیتا ہوں۔ اور میری آبرو بڑھ جاتی ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا“

مگر ایسی کارروائیوں سے جس سے مذہب والے مفلس اور مجروح ہوں اور ان کا مال و اخلاق گھٹے۔ دین کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور آبرو بھی کیسے بچ سکتی ہے اور دوسروں کے رُذ کرنے کے لئے ہم اپنی طرف سے غفلت کیوں کریں ؟

آخر میں ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے سب ناظرین خامکے شیعہ اس نڈھیا نہ رہیں۔ کہ جس کی قیمت محصول ڈاک ہے منگا کر دیکھ لیں

ایڈیٹس

دلیسی پیرزاد کا استعمال

سیہ قبل انطورہ: "مختار" ممبر مدینہ، اصلاً بہت بہت روبرو، مدینہ کے
ممبروں کی توجہ سے لئے، روبرو، ایک مضمون یہ تحریر پیش کرتے ہیں کہ

”محض ویسی چیزوں کا استعمال کرنا مناسب ہے“

اس میں شک نہ ہو کہ ہمیں اگر بدستار کے لڑکے ان باتوں پر متوجہ ہوں تو اپنے کارخانوں کو ترقی دے سکتے ہیں۔ لیکن ابھی وہ دلت و درمے موم بنو تابت کہ لوگ اس اصول کو جزئی زندگی قرار دے لیں۔ ہم اس مرض سے جس میں ہندو مسلمان دونوں مبتلا ہیں اس وقت نکل سکتے ہیں جب پاٹار اور سادہ چیزوں کو یعنی سادہ زندگی کو ہائشی زندگی پر فرقی نہ بنو لگید۔ پس ہم نوجوان دوست کو صلاح دیتے ہیں کہ ہر چار مہینہ صیغہ کے لیے بالکل کو شش کرے اور ان مسائل کو آئندہ کے لیے چھوڑ دیں۔ تاہم یہ نوجوان کی پیش کردہ جاتی ہو اگر ممبران کمیٹی صیغہ اصلاح رائے دیوں تو جب صیغہ کے سامنے پیش کر دی جاوے گی ۔

اخبارِ کبیر
 ہفتہ میں تین بار شنبہ دو شنبہ اور چار شنبہ کو روزانہ پریس اور سرکاری شایع ہوتا
 اس کو ریزورڈر آفیکلوں نے ملک کے نامی گرامی ذہنوں اور مشہور معاملہ فہم ناظرین
 کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ دنیا بھر کی غرضی اور دلچسپ خبروں کو ہامیت جلد یہ پہنچا دے گا اس اپنا نظیر نہیں ملتا
 اسلامی دنیا کو حالات معلوم کر کے کیلٹو اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اس کی طرزِ تحریر یہ آندہ ہی بھی
 ہمدردی۔ اعلیٰ درجہ کو لٹریچر نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ ایک اخبار ہے جسکو اردو اخباری دنیا میں لائٹنی
 کا فخر حاصل ہے۔ قیمت پیشگی۔ نمونے کے پرچہ کیلٹو آدہ آنہ کا ٹھٹ قیمت دوسرا سو بیسے عام سے
 ملنے کا پتہ :- میمنجر مطبع روز بازار و اخبار و کبیر، ایشتر

سامان نفیس کی اشتہار

اطلاع شائقین! ہماری کارخانہ میں ہر قسم کا مال ادرال اور مضبوط مٹا ہوا اور کل کام صفائی اور دیانت داری کو ساتھ ہر ایک مرتبہ ضرور کوئی چیز منگائیے۔

زین ہمارے کارخانہ میں ہر قسم کے زین اعلیٰ درجہ کے تیار ہوتے ہیں زین رومی معہ جلا سامان پرزہ ہر مسئلہ قیمت مثلاً مثلاً مثلاً زین گھوڑوں کی مثلاً مثلاً مثلاً زین شکاری معہ جلا سامان

ساز قیمت مثلاً مثلاً زین متوسط مثلاً مثلاً زین فوجی معہ جلا سامان مثلاً مثلاً ہر قسم کے زین مسکوبین ساز فٹ وارنش پرزہ ہر قسم کے مثلاً مثلاً سیاہ و بادامی پرزہ پیل قیمت معہ کرکٹ ساز چمڑا سیاہ و بادامی یا برلن پرزہ ہر قسم کے مثلاً مثلاً ایضاً وارنش مٹا ساز اگلے چل

شوز بادامی یا ساز پرزہ ہر قسم کے مثلاً مثلاً ہر قسم کے ساز مل سکتے ہیں ایس ٹیٹ وارنش سے ہر قسم کے بادامی و سیاہ ہر قسم کے پکڑی ہوئے وارنش معہ برلن سے سیاہ و بادامی ہر قسم کے ہر قسم کے کان وارنش سے برلن سے بادامی و سیاہ سے کرکٹ شوز کئی یا برلن کینوس کا مثلاً فٹ بال شوز ڈبل مول پائڈرٹے مثلاً ہر قسم کے شوز تیار ہیں۔

گھڑیاں گھڑی ہفت روزہ قیمت مثلاً مثلاً جیسی الام وقت پر ہر شیار کر دیگی قیمت مثلاً اس کو ہر قسم کے مضبوط ٹائٹم ہیں تاجدار مع الام قیمت ٹائٹم ہر قسم کے چوڑی کی گھڑی نہایت خوشنما مثلاً ارگن کلاک تہائی میں دل بہلتا ہے مثلاً مثلاً

ہوائی بندوق اس بندوق سے چھوٹے چھوٹے پرزہ جانور شکار ہوتے ہیں بغیر لیسنگس میں رکھنے کوئی کھٹکا نہیں نہایت عمدہ چیز ہے قیمت صرف ۵ روپے

برقی فلیٹر یہ فلیٹر کچن کے گیس ڈنکوں کو دانت آسانی لگاتے ہیں اور طرح کی تیلیاں اور کچن کے مختلف جگہ پر قیمت صرف ۱۰ روپے ہر قسم کے کراماتی انگوٹھی۔ یہ انگوٹھی مسیروں کی ہر قسم کے کھانے اور پوری کاپتہ لگتا ہے آزمودہ قابل گھوڑے کی قیمت بہت کم ہے

المشہر سید محمد عبداللہ علم سوداگر کانپور بازار رام زین گھڑی والی کوٹھی

اول سات کتابیں صرف للہ
میں مل سکتی ہیں

مفید شہار

یکمشت خریداروں کو کیشن
دی جاوے گی

مفصلہ ذیل مفید اور خوشخط عمدہ کتب مندرجہ دفتر عصر جدید مالیر کوٹلمہ پنجاب سے
مل سکتی ہیں اس کے علاوہ مولانا حالی کی سب تصانیف بھی اس دفتر سے ملیں گی

کتاب مصنفہ مولوی خواجہ غلام الحسین سابق انسپٹر مدارس صوبہ گلبرگہ

۱۔ اصول تربیت - یہ رسالہ جدید اور قدیم اصول کا جامع ہے اور تمام والدین اور معلمین کو اہل علم
اہل علم کو اس پر ہر صاف و سہی بہایت غور و اعلیٰ ترتیب سے مضامین میں جمع کو کو نہیں جسمانی عقلی - اخلاقی

تربیت کی اصول - متقاعد طریقہ حصول تہذیب و تربیت یہ کتابیت خوشخط اور مضامین پر حجم ۱۲ صفحہ قیمت ۲
۲۔ قوانین دولت برسرِ دل کی کتاب لازماً قلم و لکھنے کی قیمت لگائی میں ہر سال کی نہایت سلیس و سہ

اعلیٰ دیکھ کا غدر پر رفاہ عام شہر پر بس لایا میں ۱۲ صفحہ پر چھپا ہے دولت کیا چیز ہے کیونکر پیدا ہوتی ہے
کس طرح تقسیم ہوتی ہے ۸۸ مضامین علم پولیٹیکل اکائی کے ہمیں اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ مبتدی

اور عام شائقین آسانی سے سمجھ سکیں جو طلباء یا مدرسین یا عام شائقین اس علم کی ابتدائی اصول
کو جاننا چاہیں اس سے بہتر کتاب ان کو نہیں مل سکتی - مترجم نے بعض مفید حواشی بھی بیو میں قیمت ۲

۳۔ فنِ تعلیم - یہ کتاب اہل علم اور معاتین اور عام شائقین کیلئے ایک تعلیم کی لکھی ہے مفید - بقول شمس العلماء
منشی ذکاء صاحب اردو میں اس سے بہتر کتاب اس مضمون پر نہیں لکھی گئی حجم ۵۰ جزو خوشخط قیمت ۲

کتاب از خواجہ غلام الثقلین بی۔ لے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل ہائی کورٹ

۴۔ اصول اخلاق اسلام بین صفحہ کا رسالہ بہت جلی اور خوشنما چھپا ہے۔ عمر سچوں اور بزرگوں کا
مفید اور مکرر نظام کے مدرسین کیلئے جو کہ کثرت و دل ہونے پر اس کا حصول ایک دیگر بھیجیے جائینگے *

۵۔ لکچر کا نفرنس لکھنو - اصول ترقی پر - قیمت ۲

۶۔ اسیراندا یا تھم علی و فلسفہ مضمون انگریزی میں اپنی پولیٹیکس تہذیب لکچر تھام المشاہیر
اور نہ صد کلمات نہایت عمدہ کاغذ پر چھپے ہیں - حجم ۱۲۵ صفحے قیمت سابق عد قیمت حال ۸

۷۔ حیات جاوید - اس مشہور کتاب شمس العلماء مولانا الطاحین صاحب نے سرمدیوم کی سوانح عمری
لکھی ہے اور تمام قومی اور ملکی مقامات میں مفصل حکایا دیو کی کتاب ہے - اردو زبان کی منیفر بلکہ فخر تصنیف ہے حجم ۵۰ جزو خوشخط

تالیفات نواب صدر الدین خان صاحب شیش بڑودہ

۸۔ گلستہ منافع - عمدہ ادبی اور اخلاقی مضامین - خوشخط عمدہ کاغذ صفحہ ۱۳۰ قیمت ۸

۹۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

میں ساتوں کے برابر سے ۱۴

میں ساتوں کے برابر سے ۱۴

عصا

جس ملک ایک ماٹرن ریویو مقاصد

مسلمانوں میں علمیت - صداقت اور کفایت شعاری پھیلاتا
آئینہ

خواجہ غلام الثقلین - سکریٹری اصلاح نمٹن
[مقام اشاعت مالیر کوٹلہ]

جولائی ۱۹۰۵ء

مضمون نگار

مضمون

- | | |
|--|----------------------------------|
| (۲۵۰) شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکا رائے۔۔۔ دہلی | (۱) پریس اور عام رائے۔ |
| (۲۵۹) خواجہ لطیف احمد بی۔ اے۔۔۔ ایبٹ آباد | (۲) خال یا شگون۔ |
| (۲۶۳) مولوی محمد ادریس۔ تھانوی۔ دکن اور اتھارٹے جوڑو | (۳) محکمہ قضا۔ |
| (۲۶۸) خان صاحب مرزا سلطان احمد خان کٹر اسٹاک اکثر سائنس | (۴) مذہب اور مذہبی فرقہ بندی۔ |
| (۲۶۴) منشی عبدالرحمن۔۔۔ برصغیر اصلاح۔ پیسہ۔ علاقہ ملواری | (۵) ایک عملی خط |
| (۲۶۶) انتخاب انبار پنجاب صنفیہ جامعہ بہادر کھیا لال | (۶) رنجیت سنگھ کے پوتے کی شادی۔ |
| (۲۶۹) سکریٹری صنفیہ جامعہ بہادر کھیا لال | (۷) انجمن اصلاح (ریپورٹ نمبر ۲)۔ |
| (۲۸۳) ایڈیٹر۔ | (۸) اگر گزشتہ۔ |
| (۲۸۹) غلام محمد سکری۔ دکنیل ندوۃ العلماء۔ | (۹) نہ ختم ہونے والی کہانی |

حامی نجات پریس اور اشاعتی ماسٹری بنکس چھپا

اصول صحیفہ اصلاح

- ۱۔ عدل و اعتدال۔ یعنی میانہ روی پر نیز گاری۔ سادگی
- ۲۔ کفایت شعاری۔ یعنی اسراف دولت۔ اسراف وقت سے بچنا۔ دولت کا صرف مفید کاموں میں کرنا۔ رسمیات کے اخراجات میں کمی کرنا۔
- ۳۔ سعی و محنت۔ گداگری۔ بیکاری۔ سستی کو قابل نفرت سمجھنا۔ خود کام کرنا اور ایک شخص کو کام پر لگانا۔
- ۴۔ اتفاق۔ نیک مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ملکر کوشش کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

ضروری ہدایات اور قواعد عصر جدید

- (۱) رسالہ کا حجم ۴۴ صفحے سے کم نہ ہوگا
- (۲) قیمت پیشگی یا نقد ہوگی۔ یا بذیلیہ و یلیو پی ایل پارسل سالانہ مع محصول ڈاک وغیرہ۔
- (۳) نمونہ کی درخواست کے ساتھ ۲ روپے کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔
- (۴) خطوط کتابت یعنی نام۔ پتہ مضامین سب صاف اور خوش خط ہوں۔
- (۵) جملہ مناسب مضامین ترتیب اور گنجائش کے لحاظ سے چھاپے جاویں گے۔ بصورت عدم ممانعت ایڈیٹر مضمون کو مختصر کر سکتا ہے۔ مگر مطلب ہلٹ نہیں سکتا۔
- (۶) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ہونا سنا ہے۔
- (۷) جو صاحب یک سال چھ ماہ کی بابت نہ سخریداروں کی قیمت روانہ فرماؤ گی کو ایک سال یا چھ ماہ کیلئے رسالہ کشین میں ملے گا۔
- (۸) رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت اندرون ہس لوم وصول نہ ہو تو مالدار رسالہ بھیجنا لازم نہ ہوگا۔
- (۹) ایسے مقبر کتب فروشوں کی ضرورت جو ہمارا رسالہ درستی پس کبھی مقبول کشین دیا گیا ہے نصف بذریعہ خطوط کتابت اجرت اشتہار رات :- (۱) جو صاحب اخبار و رسائل بقدر سادی ہمارے اشتہار چھاپیں ان کو چھ اجرت لیجاگی
- (۲) جس کتب یا ادویہ کا اشتہار نہ چھپے (۳) اجرت اشتہار فی سطر ۲ روپے مگر ایک روپیہ سے کم اجرت کا اشتہار نہ لیا جائیگا۔
- (۴) اجرت فی صفحہ یکبار کے لئے ۵ روپے تا ۱۰ سالانہ نصف حصہ یکبار غیر ششماہی پندرہ سالانہ ۵ روپے جب تک اشتہار چھپے رسالہ صاحبان اشتہار کو بلا قیمت ملے گا۔ مگر محصول ڈاک ان کو بھیجنا ہوگا۔

عصر جدید

پریس اور عام رائے

انگریزی کے اخبارات جن کے مالک ہندوستانی ہیں

انگریزی زبان کے پریس جیکے مالک ہندوستانی ہیں اور اخبار نکالتے ہیں۔ وہ کچھ دو تین نہیں ہوتے۔ مگر دو چار اس پریس کی بدولت مرقداً الحال ہو جاتے ہیں۔ ان اخباروں کا سٹاف بڑا نہیں ہوتا۔ اکثر ان کے منیجر اور ایڈیٹر زیادہ تنخواہ نہیں پاتے۔ دو چار انہیں سے انگریزوں کے اخباروں کے ایڈیٹروں کی لیاقت و علم میں ہمسو ہوتے ہیں۔ اکثر اخباروں کے ایڈیٹر وہ نوجوان ہوتے ہیں جو بالجو سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔ انکے دماغ میں یہ خطہ سمایا ہوا ہوتا ہے کہ ہم اپنے حاکمون اور رفارواؤں سے ہندوستان میں سلطنت کے انتظام کرنے کی زیادہ لیاقت رکھتے ہیں اور ہم اپنی استادوں سے بہتر ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ پولیٹیکل سائنس یا پائریٹری سائنس ایسا دشوار و مشکل علم ہے کہ ہندو ملکوں میں سینکڑوں آدمی اپنی زندگی اس میں بسر کرتے ہیں۔ انہیں دو چار اس سے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ وہ پولیٹیکل کام سمجھ سکیں کہ نہیں۔ ان نوجوانوں کو نہ کوئی پولیٹیکل تجربہ ہوتا ہو۔ نہ کسی سٹیشن (مستند) کے گھر میں پیدا ہوتے ہیں کچھ شد بد پولیٹیکل سائنس کی بالجو میں سیکھتے ہیں۔ اور اس میں بھی انکی پوری لیاقت ایسی نہیں ہوتی کہ پائریٹری کے امتحان میں اس سائنس میں پوری تجربہ حاصل کرے ہوئے ہوں۔ مگر اخبار نگار کو وہ ایسے گونجتے ہیں کہ کوئی بڑے تجربہ کار مدیر ملے ہیں اور گورنمنٹ کی کبھی انڈین کے ہاتھ میں ہے ان کے دماغ میں۔ یہ جنوں سمایا ہوتا ہے کہ ہم ڈبرمان پور پ۔ کے بار ہوں یہ انکا تصور نہیں ہوتا بلکہ بیشائی دماغوں کو یہ قدرت ہی لے قوت تنقید کا مخزن بنایا ہے جو فضل خیالات پیدا کرتی ہے۔

جو انکی تحریروں و تقریروں میں فضول باتیں بے سرو پا بھری ہوتی ہیں۔ وہ فقط اس تقلید پر مرتے ہیں کہ انگریزوں میں پولیٹیکل ایجوکیشن ایک مقدس کام اور قومی ہی خواہی سب سے اعلیٰ نیکی سمجھی جاتی ہے ہم بھی انکی پیروی ان کاموں میں کریں۔ اس تقلید سے ہم اپنے ملک کی دوچار نسلوں کے بعد ایسی کیا پلٹ کر دیکھ گئے کہ وہ مذہب ملکوں میں شمار ہوئے لگیگا۔ وہ اپنے اخباروں میں ایسے مضامین کے لکھنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے ملک پر جو بدہنری کے داغ لگ رہے ہیں انکو مٹائیں لیکن انکو تحریروں بتائے گا کہ وہ اپنی سب امیدوں میں بالوں ہو گئے۔ ملک کے آدمیوں میں ابھی یہ لیاقت نہیں پیدا ہوئی کہ وہ نئی نئی باتوں کو جو وہ بتاتے ہیں ایسی وسعت کے ساتھ اختیار کریں کہ جو کچھ فائدہ حاصل ہو جائے لگیں۔

ان کے دل میں اپنے قدیم زمانہ کا اعتقاد جا ہوا ہے وہ جانتے ہی نہیں کہ اپنے خیالات جو موجودہ کا بدلنا کس طرح سے انکے حق میں مفید ہوگا۔ انکا یہ ایمان ہے کہ شیت، انزودی کا ہم کسی طرح متبادل نہیں کر سکتے اور اسکی مشکلات کو کسی طرح آسان نہیں کر سکتے۔ تعلیم بابتہ تا تجربہ کار یہ نہیں جانتے کہ ملک کی اصلاح کے لئے بہترین فرائض ادا کرنے ہونگے۔ اول یہ کہ ہمارے خصائل میں جو قدرتی نقص ہیں اسکے دور کرنے میں تخیلی۔ ابتدائی تعلیم نے جن باتوں کو ہمارے دلوں میں بٹھا دیا ہے انکی بیکلفی کرنی ہوگی۔ اور روزانہ کوئی حالتیں جو اپنے مضر اثر وال رہی ہیں انکا متبادل کرنا ہوگا۔

دوسرا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے معاون پیدا کریں اور انکو ایسا سکھائیں پڑھائیں کہ وہ ہماری کاموں میں دل جان سے شریک ہوں۔

تیسرا فرض یہ ہے کہ خود کام کو منقسم کریں۔ گو ان فرائض کا ادا کرنا کیسا ہی مشکل ہو مگر انکے سہل کرنے میں اگر مثلاً استقلال کے ساتھ کوشش کی جائیگی تو بہت سی نسلوں کے گزرنے کے بعد ساری اصل کے کام درست ہونے لگیں گے۔ وہ اس ضرب المثل کو سمجھ لیں کہ جبیل گروڈو جبیل نہ گروڈو لینی پہاڑ ہل سکتے ہیں مگر خصلت و جبلت کو خنثی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا کر زمین کے کنارہ پر لے جاتا آسان ہے مگر تیس کر وڑ ہندوستانیوں کی آنکھوں کو کھولنا کہ وہ اپنے برے کاموں کو دیکھ چھوڑیں اور پھلے کاموں کو دیکھ کر اختیار کریں اور سمجھیں کہ آج کل کن باتوں کا اختیار کرنا اور کن باتوں کا چھوڑنا مفید ہے نہایت مشکل کام ہے۔

جن کاموں کا کرنا فرض ہے انکو بری طرح بھی کرنا نہ کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ یہ تجربہ کار تعلیم یافتہ جو اخبار نکالتے ہیں اور اسکا عمدہ نام ایسا ہی رکھ لیتے ہیں جیسی مفلس مسلمان اپنی بیوہ کا جہان بانو بیگم یا شہزادہ بیگم۔ اور انہیں بڑے بڑے آرٹیکل پوئی نکل اور سوشل و موریل لکھتے ہیں جن میں یورپ کے جوہر ان سکلی اور دبیران کمال کی انشاء پر دازی کا پورا عکس نظر آتا ہے۔ یہ مضامین انہیں سے مستعار لیکر اپنی انگریزی میں ایسی اچھی طرح بیان کرتے ہیں کہ انکی خوش بیانی کے بڑے بڑے قابل انگریز بھی فائل ہیں۔ مگر یہ ان تعلیم یافتہ آدمیوں کی غلطی ہے کہ وہ اس اپنی بلاغت فصاحت کو عمل کا قایم مقام سمجھیں وہ خوب سمجھ لیں کہ جو باتیں ملک کو اہل فائدے سے اور ترقی کی ہیں انکا کرنا انکو حد اختیار سے باہر ہے۔ وہ ملک اس غلاطت و نجاست کا ڈھیر جو ہالیہ سے بھی زیادہ قدیمی ہو چکیا میٹ نہیں کر سکتے۔ وہ ریلین و سٹرکین و نہرین ملک میں نہیں جاری کر سکتے۔ وہ ان بیمار یوں کو دُور نہیں کر سکتے جو ہمارے جو امانہ زوروں کو ضعیف بناتی ہیں اور ہماری تہذیب و شان و شوکت کو صدیہ بھینچاتی ہیں۔ اخلاقی و تمدنی اصلاح بھی وہ کوئی نہیں کر سکتے جب تک کہ سلطنت انکو سہارا نہ دے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ نظیر و مثال کے بغیر نہیں بڑی فاش غلطیاں کیا کرتا ہے وہ ان تمام شرائط کو نہیں دیکھتا کہ جو مثال نظیر دینے کے لئے ضروری ہیں مثلاً یہ تعلیم یافتہ اپنے اخباروں میں ایسے مضامین لکھتے ہیں کہ یہ کام ہندو ملکوں میں اُٹھ جائے ہوگی ہمارے ملک میں کیوں نہ ہو جائیں۔ انکو خیال کرنا چاہئے کہ ان کاموں کے ہونے میں بڑا سہارا سلطنت کا تھا۔ جب ہماری سلطنت نہیں تو ہمارا سرگٹا چلے ہر مردہ دھڑکے لئے خواہ کیسا ہی زیور و لباس پہناؤ اسپر وہ بچھتا نہیں۔ ہماری سلطنت ایسی قوم کی ہے جو ہم سے صرف انسانیت میں مشارکت رکھتی ہے اور باقی سب باتوں میں غیر محاشات رکھتی ہے۔ رعایا اور بادشاہ میں وہ ہمدردی اور محبت نہیں پیدا ہو سکتی جو اس حالت میں پیدا ہوتی کہ دونوں ہم جنس ہوتے۔ حاکم و محکوم میں علاقہ صرف سیلف انٹرسٹ راہی سود مندی کا ہے ہم محکوم اسلئے ہیں کہ ہمکو حاکموں سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ ہم پر حکومت اسلئے کرتے ہیں کہ ان کو ہم سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں اور کسی طرح کی ہمدردی نہیں اگر ضلع کا حاکم مر جائے تو سارے ضلع میں ایک گھر میں بھی اسکا سوگ اور ماتم ہوگا اور ایسی ہی اگر سارا ضلع و با سے مر جائے تو ضلع کے حاکم کے گھر میں ماتم و الم نہیں ہوگا۔ طرفین سے زمانہ کی رسم کے موافق بعض الفاظ افسوس کے ظاہر ہونے لگے۔

بعض دفعہ انگلیڈ مین ایسی کتابیں اور رسالے و اخبارات بھی چھپتے ہیں کہ انہیں برٹش گورنمنٹ انڈیا کے انتظامات کی خرابیاں بیان ہوتی ہیں۔ اور انکے اصلاحیہ بیان کی جاتی ہیں اور ہندوؤں کے ساتھ بڑی ہمدردی جتلائی جاتی ہے۔ جیسے کہ سپائل آف انڈیا اور دیگر کتابیں ہیں۔ یہی ساری کتابیں اور مضامین ہندوستان کے چند فصحاء و انگریزی دان کا سرمایہ بساط ہوتا ہے وہ انکی ماشینوں اور تفسیروں کے لکھنے میں اپنی ساری ذہانت اور عقل خرچ کرتے ہیں۔ کبھی کوئی بات ایسی نہیں لکھتے جس سے یہ معلوم ہو کہ انکو خود بھی کوئی پولیٹیکل اصلاح سمجھی تھی۔ یہہ علمی مال مسرورہ انکا سرمایہ فخر و ناز ہوتا ہے بھلا انکے ملکی اصلاح کیا ہو سکتی ہے۔ نہ وہ کبھی بھڑکی نہ کبھی ہو۔ البتہ ان اخباروں سے سوشل و مورل ترقی سست و مرل ہوتی ہے۔ ہم ترقی و تہذیب کی راہ میں جوں کی چال چلتے ہیں انگریزوں میں سوار میں اسلئے ہم سے وہ پہلو کے نسبت زیادہ آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ مگر یہ اخبارات انکو پیچھے نہیں ہٹاتے ہیں اور اپنی شین آگے بڑھاتے ہیں اس غلطیانی سے کچھ شرارتے ہیں۔ انگریزی تعلیم بھی ان ہندوستانی فصحاء کے دماغ میں انہی عجیب جلو سے دکھاتی ہے کہ خیالات اور عملیات میں تیز کرنی بھی بھلا دیتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو خیال ہم نے کیا وہ عمل میں آیا۔ ہماری خوش بیانی اور فصاحت و بلاغت ساری کام لے گی۔ زبان کے زور کے سوا کوئی اور زور اسکے ساتھ نہیں ہوتا جس کے کوئی عملی نتیجہ حاصل ہوتا۔ یہہ انگریزی اخبارات یہی جھگڑوں کو بھی لے بیٹھتے ہیں جسکا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کو درمیان آتش و فساد زیادہ بھڑک جاتی ہے۔ ہندو مسلمانوں کی تمام فسادوں کی جڑ اصل میں تعلیم یافتہ ہندو اور قادیانی عالی خاندانوں کے مسلمان ہیں۔ یہہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر مسلمانوں کا یہہ فرقہ روز بروز گھٹتا جاتا ہے اور فریق مقابل بڑھتا جاتا ہے۔ اسلئے مسلمانوں کا زور کم اور ہندوؤں کا بڑھتا جاتا ہے۔ جہاں یہہ دونوں نہیں وہاں ہندو مسلمانوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان اخباروں کو نیشنل کانگریس کی سپہین ویزویشن بڑی رونق دیتے ہیں۔ سال بھر تک انکا ذکر کچھ نہ کچھ انہیں بیان ہوتا رہتا ہے۔

یہہ اخبار حکام ضلع کے کاموں کی بھی خبر لیتے رہتے ہیں جسکے خوف کے سبب حکام اب کام میں پہلی کی نسبت زیادہ احتیاط کرنے لگے ہیں۔ مگر انکی عیب گیری یہہ اخبار ایسی بڑی طرح کرتے ہیں کہ خواہ خواہ انکے دلوں میں ہندوستانیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے دیکھو کہ حکام ضلع تعلیم کی طرف کیسی توجہ

کرتے تھے۔ مگر اب وہ نظرات غافلت نہیں رہی۔

ہندوستانی زبانوں کے پریس

میں بالفعل اس عنوان کے نیچے فقط پنجاب و ممالک متحدہ اگرہ و ادو حصہ کے اردو ہندی اخباروں اور رسالوں کا عام طور پر بیان کر دینا۔ یہ پریس بڑا ست نجا ہے جس میں بھوسہ بہت دانتے تھوڑی ہیں مین دانوں کو بھوسے سے جدا کر دینا۔

اردو زبان کے اخباروں و رسالوں کا مادی عملی کالج ہے اس لئے کئی اخبار اول اول نکالے اور ایک رسالہ محب ہند سب کے اول نکالا پھر اکی تقلید سے اور شہروں میں انکار و لاج ہوا۔ گو ان پہلے اخباروں کے اڈیر علم و فضل میں کمال رکھتے تھے مگر ان کے دماغ میں یہ خط کہی نہیں سمایا کہ ہم پولیسکل مضامین لکھنے کی کیا رکبتے ہیں اب اسکے خلاف کالج کے لڑکوں کو دعویٰ ہے کہ ہم پولیسکل مضامین لاجواب لکھتے ہیں وہ اس ضرب المثل کی کہ تھوڑا علم خوشنماک ہوتا ہے خوب بہار دکھا رہی ہیں۔

اب میں ہر قسم کے اخباروں و رسالوں کا ذکر جدا جدا لکھتا ہوں۔

رسالے و اخبار جو اردو زبان کے ترقی خواہ ہیں

ایک گروہ اخباروں اور رسالوں کو اس نظر سے نکالتا ہے کہ اردو زبان کی ترقی ان ہی قواعد کے موافق ہو جو ان کے بزرگوں نے مقرر کئے تھے کہ عربی فارسی زبانوں کی ساری خوبیاں اردو زبان میں پیدا ہو جائیں۔ ان کے رسالوں اخباروں میں نظم و شرو زبان کے متعلق مضامین اور دہلی اور لکھنؤ کی زبانوں کی لہجہ و لہجہ بیان کیے ہوئے ہیں۔ وہ ان مضامین میں ہر دو ما کو گھل گھل جوت سے سرخو کرتے ہیں اور فالو س بیان کو شمع استدلال سے روشن کرتے ہیں راستی سے کام نہیں لیتے جب تک اسمین پستان سرواکی کی پاٹ نہیں لگاتے۔ کوئی بات نہیں کہتے جس میں نمک پر گل پھول نہیں لگاتے۔ اپنی خود ستانی کو خوشنما کی ساتھ بیان کرتے ہیں خود فراموشی کا بازار گرم کرتے ہیں۔ ساز کو تالوں کی جاتی ہیں مگر انکا سر ایک ہی ہوتا ہے وہ اپنے تئیں جانتے ہیں کہ جہاں ہم چلتے ہیں وہاں خطا کی راہ بند ہے اپنی عبارت کو دور رخ سے فروغ دیتے ہیں۔ مالم خیالات جکی ابتداء ہے نہ انتہا ان کے تصرف میں ہوتا ہے

اس میں اپنی فکر اور اندیشہ کو پر لگا کے اڑاتے ہیں۔ اپنے دماغ کو وسیع سمجھتے ہیں جس میں ساری دنیا کے علوم بھرے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہ چند اساتذہ قدیم و جدید کا تقلید ہوتا ہے اور فقط اپنے ہی زمرہ کی زبان کو نکال کر سمجھتا ہے اور اسی کے معیار پر اردو کی زبان کے کھوٹے و کھرے کو پرکھتا ہے۔ اس زمرہ نے جو اپنی خود مختاری اور خود پسندی سے قواعد اور محاورے مقرر کئے ہیں ان ہی کو صحیح جانتا ہے۔ باقی کو غلط سمجھتا ہے۔ وہ اردو زبان کے لٹریچر سے جو میں طرح کا ہی خبر نہیں رکھتا۔ کوئی کتاب انکی اس خوف سے نہیں پڑھتا کہ زبان نہ بگڑ جائے۔ وہ اردو زبان کے بحر و مارج کو نہیں دیکھتا کہ چاروں سمتوں میں وہ کیا کیا لہریں مار رہا ہے۔ اسنے اپنے تئیں کنوئیں کی میٹھی بنا رکھا ہے کہ کنوئیں ہی کو سمندر جانتا ہے۔ اپنی زمرہ کی زبان کے سوا اردو کی زبان کو کھر کون سے واقف نہیں۔ اپنی ہی مذاق کو صحیح مذاق اور اپنی ہی طبع کو سلیم جانتا ہے اور دن کے مذاق کو غلط اور طبع کو غیر سلیم جانتا ہے۔ اسکے مضامین اور رسالوں اور اخباروں کو اسکے ہم مذاق پسند کرتے ہیں۔ اسلئے وہ چلے جاتے ہیں مگر کوئی انہیں سے زیادہ سربز نہیں ہوتا۔ اور جب طبع بہ زمرہ اردو زبان کی ترقی جانتا ہے زمانہ کا اقتضا انہیں کہ اس طرح ترقی ہو کہ عربی و فارسی کے الفاظ تو اردو زبان میں بھرے جائیں اور اسکے جنم محوم کے ہندی الفاظ اس میں جگہ نہ پائیں علی الصباح و صبح صبح سمجھ جائیں انکے بجائے شمس کا غیر فصیح جانے جائیں۔

اختیار و رسالے جو اصلاح تمدن چاہتے

ان اخباروں و رسالوں میں اصلاح تمدن کے بہت سے مضامین چھپتے ہیں انہیں سے ہر ایک اصلاح کے مضامین کا جہاد ابدایان کرتا ہوں۔

خیرات

ان رسالوں اور اخباروں میں اکثر مضامین یہ لکھے جاتے ہیں کہ اس ملک میں خیرات ایسی بری طرح سے ہوتی ہے کہ اس سے آدمیوں میں کاہلی اور سستی زیادہ ہوتی ہے اور گدائی کے پیشہ کی طرف وہ رغبت دلاتی ہے۔ وہ خیرات کی اصلاح اہل مذہب کے موافق چلتے ہیں۔ یہ خیال انکو یورپ کی خیرات کے طریقوں سے پھونچا ہے۔ ایشیا میں خیرات خدا کی خوشنودی کا کام سمجھا جاتا ہے جو خیرات کرنے والوں کو عقیقی میں اجر و لگاؤ دہ دینا دستورِ ماقبت مشہور ہے کہ خیرات میں خدا نعلے سے عقیقی میں چھ سو فیصد سود ملنے کی امید ہو جو دنیا میں کسی بیخ بیو پار میں اتنا سود نہیں ملتا۔ یہاں

مذہبی احکام کے موافق خیرات دی جاتی ہے۔ اب اسکے خلاف یورپ میں خیرات ایک سوشل ٹیوٹی ہے یعنی اجتماع انسانی کے سبب سے فرض ہے کہ غربا پروری خیرات سے کی جائے۔ اسکے لئے انگلنڈ میں یہ انتظامات ہیں اول سارے ملک سے غربا کی پرورش کا ٹیکس لیا جاتا ہے۔ ورس ہوس بنی ہوئے ہیں جہاں ان غریبوں سے محنت مزدوری کا کام لیا جاتا ہے جنکو مزدوری نہیں ملتی۔ دولت مند لیبر بڑے بڑے چندے دیتے ہیں جنکے سود سے غریبوں کی پرورش ہوتی ہے۔ اگر انگلستان میں کوئی لڑکا کسی انگریز کے گھر بھیک اگنے جائے تو وہ اسکو پکڑ کر پولیس کے حوالہ کر لکا۔ پولیس اسکو ورس ہوس میں پھنچا کر جہاں اسکو مزدوری ملے گی غرض انگلستان میں ایسا انتظام ہے کہ کسی شخص کو دوسرے شخص کے پاس اپنی اشتیاج نہیں لیجانی پڑتی۔ جیسے یہاں ریل پر دیکھتے ہو کہ اگر کسی ریل کے ملازم کا ہاتھ پاؤں کٹ جائے تو اسکو ایک فنڈ سے جو جمع ہے تنخواہ ملے گی اسکو یہ ضرورت نہیں ہوگی کہ وہ لنگڑا یا ہوا دربار بھیک مانگتا پھرے۔ پس یہ انتظامات تو یہاں خیرات کے نہیں ہو سکتے۔ اب مذہب کے موافق خیرات ہونکی کیفیت یہ ہے کہ جس طرح سے خیرات ہو رہی ہے اگر اسکے خلاف ڈس آئین اور عدیثین پیش کی جائیں تو سوائیٹین اور عدیثین اسکے موافق پیش کی جائیگی جسکے سبب اصلاح ہوگی۔ اب یہ کہنا کہ خیرات جس طرح ہو رہی ہے اس سے کاپی ہستی پیدا ہوتی ہے اور گدائی کی طرف رغبت ہوتی ہے جنکے ایک دعویٰ بے دلیل ہے کہ گدائی کے باب میں کوئی قصد اور محنت کرے کہ کوئی رجسٹر ایسا تیار ہو کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ کتنے آدمی اس سبب بھیک لگتے ہیں کہ کسی طرح سے محنت مزدوری سے رہتی نہیں کما سکتے اور کتنے ایسے ہیں جو کاپی اور ہستی کے سبب در یوزہ گری کرتے ہیں اس ملک میں آدمیوں کی کثرت ہے ضرورت سے زیادہ مزدوری پیشہ آدمی موجود ہیں۔ پادری صاحب کہتے تھے کہ اس ملک میں مزدور اس سبب زیادہ مرتے ہیں کہ وہ اتوار کو کام کرتے ہیں اور ہفتہ میں کوئی ایک دن تعطیل کا نہیں رکھتے۔ پادری صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہاں کوئی بڑا خوش نصیب مزدور ہوگا۔ جسکو سال کے ۳۶۵ دنوں میں ۳۰۰ دن بھی مزدوری ملتی ہوگی۔ اتوار سال میں ۵۲ ہوتے ہیں مگر ان کو ۶۔ اور چھپان ملتی ہیں جتنے گدا مزدوری کرنے لگتے اتنے مزدور مزدوری کے نہ ملنے کے سبب مجبور ہو کر گدائی کرنے لگتے۔ بڑا اعتراض اس خیرات پر ہوتا ہے جو مولویوں۔ درویشوں۔ و فقیروں۔ پیروں کو ملتی ہے کہ وہ متوکل ہو کر کمال بجاتے ہیں اور ان کی محنت مزدوری سے پرورش

پاتے ہیں۔ یہ اعتراض غلط ہے کہ یہ بزرگ دینی خدمات کے لئے علم و فضل میں سمجھتے کرتے ہیں عبادت و ریاضت کرتے ہیں انکی دینی خدمات کا معاوضہ کیوں نہ دیا جائے۔ غرض خیرات ہندوستان میں جمہور کے رائے کے مطابق دی جائیگی کوئی اصلاح کی اصلاح نہیں سنے گا۔ +

مراسم شادی و غمی کی فضول خرچیوں کی اصلاح

بعض اخبار و رسالے یہ اصلاح چاہتے ہیں کہ مراسم شادی و غمی میں جو فضول خرچیاں ہوتی ہیں جسے ہزاروں آدمی مخلص متباہ ہو جاتے ہیں وہ منوف کی جائیں۔ اسکا حال یہ ہے کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو ساری دنیا میں اسکے لئے یہی باتیں ہوتی ہیں۔ اول اسکے مرنے کا سوگ و ماتم دردم اسکی تہنیز و تکفین عزت کے ساتھ سوم اسکی یادگار قائم ہوتی۔ اول بات میں تو سارا عالم شریک ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اسکا سوگ و ماتم ہوتا ہے جس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا آنکھوں سے آنسو بہانے میں یا سر پٹینے میں کوٹری خرچ نہیں ہوتی۔ آپس میں امیرو غریب یکساں ہیں۔ دوسری بات میں کہ میت کی تہنیز و تکفین اس طرح ہو کہ جس سے اسکی عزت ہو۔ وہ اہل میت کے مقدور پر موقوف ہے۔ مسلمانوں میں اس عزت کے لئے یہ باتیں کی جاتی ہیں کہ قبر کے لئے کوئی اچھی جگہ تجویز کی جاتی ہے کہ وہ کسی بزرگ کے مزار کے ہمسایہ میں ہو یا درختوں کے سایہ میں۔ جنازہ کی نماز کوئی بزرگ پڑھائے۔ قبر پر حافظ قرآن پڑھیں۔ دفن کرنے کے بعد قبر پر خیرات بہت سی کی جا رسوم میں کھانا بڑا پر تکلف ہاؤن کو کھلایا جائے۔ برادری میں دوست آشناؤں میں تقسیم ہو گوڑ کھلایا جائے۔ مساجد و مدارس میں بھیجا جائے۔ اگر زیادہ امارت ہو تو تورہ بندی ہو۔ ان سب مراسم میں بہت روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے مان بھی آرتھی بڑے تکلف کی بنائی جاتی ہے اور بہت دیا جاتا ہے۔ سوم یادگار کا قیام کرنا یہ اکثر بڑے بڑے آدمیوں میں ہوتا ہے کہ مقبرہ کی عمارت بڑی عالیشان بنائی جاتی ہے اور غیر جاری کے کام اسکے نام سے جاری کئے جاتے ہیں غریب آدمی فقط اپنے مردوں کی یاد کے لئے برسی و شراودہ ہر برس کے برس کرتا ہے۔ اپنے عزیزوں کو یاد رکے کچھ آنسو بہاتا ہے۔ کچھ کھانا بھوکون کو کھلا دیتا ہے۔ ان مراسم میں فی نفسہ کوئی برائی نہیں اگر وہ لوگ اپنے مقدور و استطاعت کے موافق کریں اور اسکو یہ نہ جانیں کہ انکا کرنا ہمارا ایسا فرض ہے کہ جبکہ بغیر مردہ کی نجات نہ ہو۔ انکو اپنے اوپر لازمی کر لینا بڑا ہی شائستہ

ملکوں میں یہ باتیں ہوتی ہیں مگر لازمی طور پر نہیں۔ کوئی قبر میں دفن ہونے کی کوئی آگ میں جلنے کی وصیت کرتا ہے کوئی اپنے جنازہ کی نماز نہیں پڑھواتا ہے۔ یہاں یہ خرابی ہے کہ مراسم مذکورہ سب امیر و غریب کو ادا کرنی پڑتی ہیں بعض مادہ لوح خود شیخی کے لئے اپنے مقدور سے زیادہ خرچ کر کے دے دیتے ہیں جس عزت کے لئے یہ کام کیا تھا اس سے زیادہ مفلسی کے سبب بے عزت ہو جاتے ہیں۔

۳۔ حاکم جدید انکو ان فضول خرچیوں سے باز رکھو میں کوشش کرتا ہے۔ کچھ اسکو کامیابی ہوئی ہو اور آئندہ کامیابی کی امید زیادہ ہے۔

مراسم شادی کی فضول خرچیوں کا حال مراسم غمی کی فضول خرچیوں سے کچھ فرق رکھتا ہے۔ مراسم شادی کی فضول خرچیوں پر بعض فرقوں کی معاش موقوف ہے اگر وہ موقوف ہوں تو ان فرقوں پر دفعۃً بڑی مصیبت آفت آجائے۔ گو تبدیع آئندہ اسکا علاج کچھ ہو جائے۔ چند سال ہوئے کہ سہاگل کے ہاں شادی کے سہاگل دو تین برس کے لئے بند ہو گئے تھے۔ جب کہ سب سے دہلی میں گوڑ کناری کی فروخت کی کساد بازاری ہو گئی تھی۔ گوڑ کناری کے بنانے والوں کی ایسی بُری حالت ہو گئی کہ وہ نان شبینہ کو محتاج ہو گئے۔ انکی صورتیں ایسی بگڑ گئیں کہ کال کے اسے معلوم ہونے لگے۔ دنیا میں اگر فضول خرچیان موقوف ہو جائیں تو اسکے سبب کارخانے درہم برہم ہو جائیں۔ ہزاروں سادیاں لوگ اپنے مقدور کو دیکھ بھال کر کرتے ہیں کوئی فضول خرچی نہیں کرتے مگر بعض آدمی ان شادیوں میں فضول خرچیان کر کے برباد و تباہ ہو جاتے ہیں۔ اسکے لئے عصر جدید کوشش کر رہا ہے کہ وہ ان فضول خرچیوں سے باز رہیں مگر اسکو اسکے ساتھ یہ سہ بتانا بھی چاہئے کہ ان فضول خرچیوں کے نہ کر نیے جو روپیہ لوگ سچائیں اسکو کسی بار آور محنت میں لگائیں ورنہ اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ کوئی شخص پانچ سات آدمیوں کی ہاتھ سے روٹیاں چھین کر اپنے دسترواں میں سٹرنے کے لئے باندھ دے۔ ایسی اصلاحوں میں گورنمنٹ کا سہارا دیتا ہے۔ مہاراجہ ناہر نے ان شادیوں کی فضول خرچیوں کو اپنی ریاست میں ایک حکم سے بند کر دیا۔ انگریزی عملداری میں ایک نیک دل باوقت ہندو سارک ملک میں شادی کی ان فضول خرچیوں کے لئے دوائی دیتا پھر مگر اسکا کچھ اثر نہیں ہوا۔ باقی آئندہ میں ان تمام مضامین کی نسبت جو اردو ہندی اخباروں اور رسالوں شائع ہونے اسی طرح تنقید لکھو گنا جیسے کہ اوپر مضمونوں میں کی ہے۔ نقطہ ذکا و اللہ

نوٹ۔ ہمارے کوششیں علماء کا یہ خیال کہ خیرات کی اصلاح یورپ کی تقلید میں کی جاتی ہے صرف ایک حد تک صحیح ہے۔ ہم خیرات کی اصلاح محض کتاب خدا کے موافق کرتے ہیں۔ البتہ زمانہ موجودہ کے لحاظ طریقے خیرات کے جو بدل گئے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانے کی اصلاح بھی دیتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ نیکی اور پرہیزگاری میں باہمی مدد کریں نہ کہ گناہ اور عدوان یعنی نافرمانی میں۔ اور ہم گد اگری کو گناہ اور ظلم سمجھتے ہیں اور اس کے قوت دہن والوں کو قوم کا جانی دشمن بلکہ ایمانی دشمن خیال کرتے ہیں۔

غمی کے موقع پر نمودارنے کی تائید قابلِ توجہ ہے جب کسی شخص مر جاوے تو اس کو یہ خیال ہونا چاہئے کہ میرے بعد کوئی مستقل نیک کام میری یا میرے خاندان کی طرف سے ہو۔ نہ کہ قابلِ شرم نمودار اور طمرانی سے اس کے جسم مرده کو اٹھایا جاوے اور سست لوگ اس کا نام لیکر اور سست زمین اور گد اگری کو قوت ملے۔

شاری کی فضول خرچی کو یا کسی فضول خرچی کو مستقل ذریعہ معاش کسی گروہ کا قرار دینا مولانا جیسے فاضل علم بالیکل انہی سے تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ نکتہ کہ جو روپیہ بچے وہ کس کام میں لگایا جاوے۔ بہت مفید اور عمدہ ہے۔ پانچویں ایڈیشن کی ماہ سے اسپر غور کر رہا ہے۔ اور دیگر ممبران مینڈ بھی انشاء اللہ سال آئندہ تک کوئی تجویز پیش کیا دے گی فقط۔ ایڈیٹر۔

فال یا شگون

قائل۔ مجھے امید ہے کہ کل کا دن بڑے لطیف کا ہو گا کیونکہ مغرب میں سورج سورج بادل کھائی دے گا۔
عاقل۔ بیشک میل بھی یہی خیال ہے۔ سورج کے ساتھ کچھ ازغوانی رنگ بھی ملا ہوا ہے۔
قائل۔ تو پھر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ رنگ عمدہ موسم کا شگون کیوں خیال کیا جاتا ہے۔
عاقل۔ اسلئے کہ جب ہوا بالکل خشک ہوتی ہے تو وہ آفتاب کی سورج و گرم شعاعوں کو ترجیحاً پھر افق میں نظر آتا ہے۔ مینے اکثر مشاہدہ کیا ہے کہ جب غروب کے وقت آسمان پر زردی یا کبھی

کرتی ہے اور چونکہ شگاف نہیں ہوتا اس لئے ان شعاعوں کا فاسٹ نو

جائے۔ تو بارش ضرور ہوتی ہے۔ لیکن باران کی علامت اس سے زیادہ یقینی کوئی اور نہیں ہے کہ چاند کے گرد لالہ نظر آئے۔ جو پانی کے بخارات کے عمود یہ صورت میں واقع ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جتنا بڑا لالہ ہوگا۔ اتنے ہی زیادہ قریب بادل ہونگے اور اس قدر جلد برسے والے ہونگے۔

قائل۔ مینے اکثر دیکھا ہے کہ یہ مثل صبح ہوئی ہے۔ صبح کی قوس و قزح گڈرے کو متنبہ کرتی ہے اور شام کے وقت کی قوس و قزح گڈرے کو خوشخبری دیتی ہے۔ آخر اس فنگون کا مطلب کیا ہو؟ عاقل۔ یاد رکھو کہ قوس و قزح ہمیشہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ پانی سے بہرے ہوئے بادل اقباب کے بالمقابل ہوں۔ اور شام کے وقت قوس و قزح مشرق میں نظر آتی ہے اور صبح کو مغرب میں۔ اور چونکہ ہمارے ملک میں عموماً پچھوا باران لاتی ہے پس مغرب میں قوس و قزح دکھائی دینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہوا خراب موسم کو لا رہی ہے۔ برعکس اسکے جب قوس و قزح مشرق میں دکھائی دے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بارش کے بادل تم سے دور جا رہے ہیں۔

قائل۔ مینے اکثر دیکھا ہے کہ جب ابابیل آسمان میں اونچے اڑتے ہیں تو عمدہ موسم رہتا ہے یا عمدہ موسم کی توقع ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ نیچے یا زمین کے قریب اڑتے ہیں تو بارش آنیوالی ہی ہوتی ہے۔ اسکا کیا سبب ہے؟

عاقل۔ ابابیل نوکھیون اور چھرون کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اور عموماً مکھیان اور چھرموآ گرم طبقوں میں خوش رہتے ہیں۔ اور چونکہ گرم ہوا ٹھنڈی ہوا سے زیادہ نرم اور ہلکی ہوتی ہے جب ہوا کے گرم طبقے بلندی پر جلتے ہیں۔ تو یہ نہیں ہوتا کہ گرم ہوا سرد ہوا سے مل کر انہی نمی کو قطرات کی صورت میں زمین پر ٹپکا دے۔ لیکن جب گرم اور نرم ہوا سطح زمین کے قریب ہوتی ہے اور سرد ہوا اس میں اوپر سے آلتی ہے تو یقیناً گرم ہوا کی نمی پانی کی صورت میں بدل جاتی ہے۔

قائل۔ مینے اکثر دیکھا ہے کہ جب بگلز زمین پر جمع ہوتے ہیں تو باران اور طوفان کی آمد ہوتی ہے۔ مینے تو اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ پرندے سمندری ہوا کی روانی کو پہچانتے ہیں اور طوفان کے آمد کے خوف سے زمین پر پناہ لینے چلے آتے ہیں۔

عاقل۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ طوفان تو ان کی جان ہے۔ چھوٹے سی چھوٹی سمندری چڑیا بھی

بڑے بڑے طوفانوں سے خوش ہوتی ہے۔ کیونکہ یہہ پرندي چھوٹے چھوٹے سمندری کيرٹون پر گذر اوتا کرتے ہیں۔ پس بڑی لہر کے جاگوں پر تو انہیں اپنے شکار ملنے کا یقین ہوتا ہے اور ایسی وجہ سے تمنے اکثر دیکھا ہوگا کہ بڑے بڑے اونچی لہروں کے سطحوں پر یہہ پرندي اڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ میرے خیال میں نیگلوں اور دیگر سمندری پرندوں کے زمین پر آجانیکا سبب تو یہہ ہوتا ہے کہ انہیں زمین پر اپنی خوراک ملنے کا کامل یقین ہوتا ہے اور تمنے اکثر دیکھا ہوگا کہ یہہ پرندي جب کہی زمین پر آتے ہیں۔ تو زمین کے کيرٹون مکوڑوں کو جو طوفان یا سیلاب سے پیدا ہو جایا کرتے ہیں بڑے شوق سے گر کر کھاتے ہیں۔ کیونکہ پھلیاں جو صاف موسم میں انکی خوراک ہوتی ہیں۔ طوفان کی وقت پانی کے اندر گھس جاتی ہیں۔ پس محض خوراک کی تلاش میں یہ پرندي زمین پر آتے ہیں۔ یا باب چلنے والے مختلف قسم کے پرندے ہمیشہ ایسی وقت زمین پر آتے ہیں۔ جب بارش ہونیوالی ہوتی ہو اور اسی اصول پر گیدہ بھی لشکر کے پچھے پچھے ہوتے ہیں۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بزرگوں کا پرندوں کو شگون لینا بہت کچھ انکی عقل اور عادت کے مشاہدہ پر مبنی تھا۔ اس سبب سے عوام میں او نام پرستی اور ضعیف الاعتقاد ہی بہت پائی جاتی ہے۔ مثلاً بہار کے موسم میں اگر کوئی کانٹے سے مچھلی کا شکار کر لے والا اکیلے ایک مینا کو دیکھے تو وہ اسے نہایت بد فالی سمجھتا ہے۔ اور جوڑے کو دیکھنا وہ ہمیشہ عمدہ شگون خیال کرتا ہے۔ حالانکہ اصلی سبب یہہ ہے کہ سرد اور طوفانی موسم میں عرف ایک ہی پرندہ خوراک کی تلاش میں گھومتے سے باہر نکلتا ہے اور دوسرا اٹدے سیٹا ہے یا بچوں کی نگرانی کرتا ہو۔ لیکن جب جوڑا باہر نکلتا ہے تو یہہ وہی گلابی موسم ہوتا ہے جو مچھلی کے شکار کیلئے مخصوص ہے۔

قابل۔ تو پھر اسطرح اسباب و نتائج کا تعلق جیسا آپ نے بیان کیا عوام کی او نام پرستی کو ذرا بھی تعجب اگیز نہیں رکھتا۔ اور جب دو واقعات جن میں قدرتا کوئی تعلق نہ تھا۔ اتفاق سے ایک ہی وقت میں ظاہر ہو گئے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ تو انہیں اسکا خیال ہو جاتا ہے اور وہ اسے اپنی یاد میں مضبوط کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ لغو سے لغو شگون بھی قابل اعتقاد سمجھا جانے لگا۔ انگلستان کے مغرب میں نصف صدی پہلے ایک محل حاصل سمندر کے ایک طرف کہی کہی ہوا کرتا تھا۔ تو لوگوں نے اسکا سبب ایک جن یا بھوت کو قرار دیا۔ اور جب کہی یہ شور سستے تو یقین کرنے کہ یہہ کسی جہاز کے غرق ہونیکا پیشین گوئی ہے۔ سمجھدار آدمی تو جانتا ہے کہ

آواز کی رفتار ہو کی رفتار سے زیادہ تیز ہے۔ اور یہ آواز ہمیشہ طوفان کے آمد کی خبر دیتی تھی۔ جو اس چٹانی ساحل پر جب کہی پھونچتا تو کوئی نہ کوئی جہاز ضرور ڈوبتا۔

عاقلاً شگون کی جتنی مثالیں آپ نے بیان کی ہیں سب دلیل پر مبنی ہیں لیکن یہ تو بتائے کہ ان لغویات کا کیا مطلب ہے کہ لوگ بدہ کے روز کو (بعض جمعہ کو بعض پیر کے دن کو) محسوس خیال کرتے ہیں۔ یا نماز کے کہہ جانے سے اندیشہ ناک ہوتے ہیں۔ یا کسی بڑبڑا حور کے سامنے آجانے کو بدفالی سمجھتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک باوقت شخص اس قسم کے شگونوں کا نہایت ہی معتقد تھا۔ اور وہ شکار کے لئے کہی نہ نکلتا تھا تا وقتیکہ وہ بگلے کا بچہ ایک بند سے اپنے بٹن کے سوراخ میں نہ باندھ لیتا نہ ہو۔ اس لئے کہ اس کا خیال تھا کہ ایسا کرنا اس کی شکار میں کامیابی کا یقینی سبب ہوگا۔ قائل یہ اور اس قسم کے روایت سے شگون مثلاً مردوں کا دیکھنا۔ خواب دیکھنا وغیرہ غیر ان سب کی بنا محض ایک اتفاقی امر کے وقوع پر ہے۔ مگر نمک کا ماتھ سے بکھرتا کسی غیر معمولی مہم سے میرا جہان تک خیال ہے طبیعت کا فالج کی طرف میلان ہونے کی علامت ہے جو دفعۃً ماتھ کی حس کو زایل کر دیتا ہے۔ اور یہ بلاشبہ ایک خوفناک اور ہلکا علامت ہے۔ علاوہ اسکے جو لوگ پہلے ہی بدفالیوں سے شکستہ دل ہو جاتے ہیں بعض اوقات خود ہی اپنی ناکامیابی کو اپنے لئے تیار کرتے ہیں کیونکہ کامیابی کا یقین بذاتہ کامیابی کے حصول کا بڑا ذریعہ ہے۔ مثلاً فارسیلیا کی لڑائی سے پہلے بروٹس نے جو خواب دیکھا اور جو غیر استقلال اور مایوسی اس خواب نے اسکے دل پر پیدا کی وہ ہی یقیناً اسکے شکست کا موجب ہوئی۔ اور یہ خیال ہے کہ وہ مغز شکاری جس کا آپ نے ابھی ذکر کیا کسی بدفالی کے بعد ہمیشہ برائے نشانہ لگاتا ہوگا۔ کیونکہ ناکامیابی کے یقین کا اثر اسکے دل پر ہی ہوتا ہوگا کہ وہ نہایت بے پروائی سے نشانہ لگائے۔

عاقلاً۔ میں نے اپنی زندگی میں بعض باتیں ایسی دیکھی ہیں جنکی علت عالی کا معلوم ہونا ناممکن ہے۔ اور نہ کسی قدرتی تعلق اور نہ کسی اتفاقی وقوعہ سے انہیں دلیل لائی جاسکتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ کڑے بڑے عقلا بھی انکو تسلیم کرتے تھے۔

قائل۔ میری رائے میں وقایع پسند طبیعتیں انسانی اعتقاد کے حشر چوون کو زیادہ غور کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں اور صرف ایک ہشیار ظاہرین شخص ہی ایسا ہوتا ہے جو ہر ایک بات کا یقین نہ

کر نیکو آواز اور متقل رہتا ہے۔ کیونکہ نظر غامض کرنیوالے اسباب اور تسلیج کا ایک ایسا پیچیدہ عجیب اور لامتناہی سلسلہ دیکھتے ہیں کہ وہ شاید ہی کسی دو واقعات کی نسبت یہ فیصلہ کریں کہ انکا ایک دوسرے سے خود مختار ہونا ممکن ہے؟ اور سائنس نے تو بہت سے ایسے قدرتی معجزے دنیا پر ظاہر کر دیے ہیں (مثلاً غلاؤ آسمان میں ستاروں کے ٹوٹنے سے پتھروں کا گرنا۔ برف کے ٹکڑوں اور ایک سفید دھات کے ذریعہ آگ پیدا کرنا۔ سمندر کے مدوجز کے اسباب کو چاند کی طرف منسوب کرنا۔) کہ طبعی دان تو قدرت کے کسی پیچیدہ مسئلہ کا شاید ہی اقرار کرے اور پہلا پھر وہ اُن اخلاقی تاثیرات اور دماغی خامیات کے نامعلوم تعلق کو تو کیوں ماننے لگا۔
تلفیف احمد

”محکمہ قضا“

شروع ۱۹۰۳ء میں بعض اخبارات نے ”پانیر“ کے نوٹ درباب رجسٹری نکل و طلاق مسلمانوں کی متعلق مضامین شائع کئے تھے۔ مینے بھی اس بارہ میں اک مضمون لکھا تھا۔ چونکہ کچھ غرصہ ہوا سید آغا حیدر صاحب و کمینل کا مضمون درباب شکایت مقدمات دین مہر شایع ہوا ہے۔ لہذا ایسے معاملات کے روک تھام کے لئے میں اپنے اس مضمون کو مغز ”ھصر جلدید“ میں دہرانا مناسب سمجھتا ہوں وہ حسب ذیل ہے:-

بعض اخباروں کی رائے تھی کہ یہ کام سپر قاضیان کیا جائے پس مجھے بھی اس بارہ میں باتفاق رائے مذکور مفصل عرض کرنا ہے۔ زمانہ بادشاہت اسلام ہند میں جملہ ارکان دینی و دنیوی مفتی اور قاضیوں کے تابع فرمان تھے۔ بادشاہی عہد میں مفتی الملکی، مفتی قاضی، خطیب، نائب محتسب، صلائیہ، زرخی ہر ایک ضلع میں موجود تھے۔ مفتی الملکی بطور شیخ الاسلام دارالسلطنت میں رہتا تھا۔ مفتی و قاضی انفعالی مقدمات کے واسطے ہر مقام پر خطیب بھی سبط نماز عیدین کی امامت و خطبہ خوانی کرتے تھے۔ نائب قاضی کی طرف سے نکل خوانی کرتا تھا۔ محتسب بطور کو قوال کے کام کرتا تھا۔ صلائیہ اسکی خدمت عیدین کی نماز کی وقت باؤا د بلند صلاۃ کہنے کی تھی۔ زرخی بازار کے نرخ مقرر کرنے اور اطلاعاتی وغیرہ کا ذمہ دار تھا اور یہ خدمتیں خاص کر شہزادگان، پیراؤگان کی تحت اقدار میں تھیں

کنسری بیرک کی مسلمان بستینوں میں خاندان شیخ زادگان عموماً انہیں مذکورہ عہدوں کی نام نہادی ہی تک پکڑے جاتے ہیں۔ لیکن سوائے نام کے یہہ خدمتیں سرکاری طور پر انجام دہی کے لئے بہت کم باقی ہیں کچھ رد و بدل سے نماز عیدین کی خطبہ خوانی منسلک خوانی باقی ہے۔ قضا کا رتبہ بالکل منسبت بالود ہو گیا۔ ایام غارتگ محکمہ رجسٹری قبائلیات قاضیوں کے سپرد تھا اسکے جلیخ پڑتال صرف سرکار سے متعلق تھی۔ ہر کاغذ وثیقہ پر قاضیوں کی مہر و خاتم شرعی شریف یا خاتم شرعی دین متین قاضی فلان کی عنوان سے ثبت ہوتی تھی۔ لیکن انہوں نے غدر کرنے اور عزت کے ساتھ مسلمانوں کی بیعت عزت بھی کھودی۔

یہ عہد سے ریاست مانے دار الاسلام ہی میں نہ تھی بلکہ ہندوستانی ریاستوں میں ہی ہر جگہ مقرر تھے۔ اس وقت بھی بعض بعض مقامات پر بطور نمونہ و نشان موجود ہیں چنانچہ قصبہ ڈیڈوانہ۔ ناگور شریف۔ ساہیو میٹر تا وغیرہ علاقہ جات مارواڑ اور خاص جو دھپور میں قاضی محتسب خطیب۔ نرخی موجود ہیں۔ اونکو بادشاہی فرمانوں کے ذریعہ سے اس طرح اراضی مافی دوام ملی ہوئی ہے۔ قاضی۔۔۔ بیگہ۔ مفتی۔۔۔ بیگہ۔ خطیب۔۔۔ بیگہ۔ محتسب۔۔۔ بیگہ۔ نرخی۔۔۔ بیگہ جو ریاست بادشاہی خطیب کے اصول پر اس وقت تک داگرا کر رہی ہے۔ ساہیو و ڈیڈوانہ وغیرہ میں کچھ عرصہ پیشتر ہمارے دیکھتے رہے۔ دستور تھا کہ اگر رمضان شریف کے دنوں میں کوئی مسلمان روزہ نہ رکھتا تھا یا دن کو کسی کو گھر میں سے دھوان نکلتا تھا تو محتسب مار پیٹ کرتا تھا اور برتن توڑ ڈالتا تھا۔ لیکن فوجداری کا انتظام ہو جانے سے اب محتسب کی محتسب صرف شاعروں کی کلام میں باقی رہ گئی ہے۔ نرخی کا تو اب بھی قصبہ ڈیڈوانہ میں بہ دستور ہے کہ روزمرہ نرخ بازار کا پرچہ کھٹک کھڑی میں دیا جاتا ہے جو دھپور میں نماز عیدین پر چہرہ ضرب اتواب کی سلامتی جاری ہے۔ ہر طرحی مقام پر سکاری لوازمہ نقارہ۔ نشان۔ چوب۔ نقری۔ تیری کا باجہ۔ سوار و سپاہی۔ اور حاکم پر گنہ بطور جلوس نقالی کی سوارے کے ساتھ آمد و رفت عید گاہ کی وقت ہمراہ ہوتے ہیں۔ حاکم علاقہ قاضی کو نذر دیتا ہے۔

ہماری انصاف پسند گورنمنٹ اپنی طرف سے پرانے اعزاز و حقوق تلف کرنا پسند نہیں کرتی نہیہ مسلمانوں ہی کے عدم توجہی کے باعث ہے۔ چنانچہ اوفاف کی نگرانی شاہان سلف کی عمارات کی

تخلف و برقرار رکھو گا گورنمنٹ کو کیا کچھ خیال ہے۔ ہمارے شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے انقباب کی آخری الفاظ "حامی و دین" میں اس ظاہر ہے کہ وہ اپنے خاص مذہب کے حامی نہیں ہیں بلکہ ہر مذہب کے محافظ ہیں جسکا شاہد خود گورنمنٹ کا طرز عمل ہے کسی مذہب کی خرابی و توہین گورنمنٹ کی جانب سے ظہور میں نہیں آتی۔ وصال کے جامع مسجد کی تکریم و حرمت کے لئے انگریزی جو توں پر موزوں چڑیا نکا حکم دیا جانا لاہور وغیرہ میں مسجدوں کا و اگر اڑ کیا جانا۔ مسجد وزیری لاہور میں لاٹ صاحب باور کا اک خوشنما الیپ نذر چڑانا اور مرمت نیلا روضہ قصہ جھنجھانہ وغیرہ۔ پس ان ہی رعایتوں کے موافق ضروری ہے کہ اگر گورنمنٹ کی حضور میں بادب ہم کو شان ہوں تو بدستور سابق محکمہ قضا تاہم کر دے جس سے مسلمانوں کے شرعی معاملات بسہولیت انجام پا جایا کریں اور گورنمنٹ کے عہدہ داروں کو ہمارے مذہبی معاملات غلط فہمی سے دور و دقتیں اوٹھانے سے بچت ہو دے جس طرح دیہاتی منصف آنریری جج مقرر کر دی گئے ہیں اویسی طرح قاضی مقرر ہو سکتے ہیں جس میں مسلمانوں کو آرام کے سوا گورنمنٹ کو الہکاروں کو نکلنے و طلاق کے مقدمات کے بارہ میں قاضیوں سے تحریری شہادت ملیگی مہر کی کمی بیشی کی نسبت اختلاف واقع نہوگا اور اپنے مذہب کے اک رکن کے پاس اس قسم کو معاملات پیش کرنے میں مسلمانوں کو تامل نہوگا۔ اور دستاویزوں کی طرح نکل و طلاق کی رجسٹری سب ججٹروں کو سامنے کرائی جائیگی (جیسا کہ خیال پانیر نے ظاہر کیا تھا) تو صدر ناظم کی فتین واقع ہونگی چنگا بیان کرنا فضول ہے۔

یوں تو مسلمانوں کے ہر ایک معاملہ و تنازعہ میں مولوی قاضی کی ضرورت ہے۔ شادی میں دستوراتی اقرار و مدار کے لئے ولی کی ضرورت ہے جس لاوارث لڑکی کا کوئی وارث نہو او بسکالی قاضی کو بنانا چاہئے اور جج کو استعفا جو مقدمہ فیصل ہوگا او سکا جو بھی اسلام سے ہونا شرط ہے۔ مسابہد و روضہ ہمارے مشہور عمارات شانان اسلام و اوقات کی کار و بار بھی لائق سپردگی مفتیان و قاضیان ہیں۔ پس گورنمنٹ اگر ہر تھا نہ و تحفیل و ضلع و کشتری و ہائیکورٹ میں قاضی و مفتی مقرر کر دے تو کوئی مشکل بات نہیں ہے خواہ تنخواہ داریا آنریری اس عہدہ آمد سے علاوہ تخلف ننگ ناموس شرفاء مطابق ارکان اسلام و حق الامر انفصال کے مسلمانوں کے لئے زیر باری اخراجات کا بچا و مسجد ہو جائیگا کیونکہ یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ مسلمان اور اقوام سے اس وقت کم مایہ و کشیر الاخراجات ہیں۔

کو سینہ کی قدر مفصل بحث چھیڑ دی ہے جو سب کی سب قابل توجہ و عملد آمد ہو سکتی ہے لیکن اہم نہیں کہ گورنمنٹ اپنے حکام کے اختیارات میں کمی کر کے بہت سے جھگڑے اٹھا کر تحقیقات کرنا اور رعایت دینا منظرِ کر کے علاوہ ازین اس پایہ کو عام و شائع قاضی بھی بالفعل ہر مقام کے لئے دستیاب نہ ہو گئے۔ جو باطمینان و اطمینان داری ایسے اہم کام انجام دینے کی لائق ہو سکیں۔ اس وقت معاملہ رجسٹری نکلج و طلاق ہی زیر بحث ہے۔ یہ کام سب رجسٹراروں کی سپرد ہو چکا یا قاضیوں کے جسکی بابت نیاز منداہنی رائے عرض کرتا ہے۔

سیری نزدیک سب رجسٹراروں کو روبرو تفصیل میں رجسٹری کرانے میں بہت دقتیں ہیں مسترد پورہ نشین کو واسطے اقرار کے لیجانا کوئی شریف گوارا نہ لگے گا۔ نیس سرکاری کا دیا سخت بار ہو گا۔ گواہوں وغیرہ کو لیجا کر سواری وغیرہ کی زیر باری تفصیل تک اٹھانی ہوگی۔ آجین غریبوں کو سخت دقت ہوگی ولس ہیں روپیہ میں تواجکل غریبوں کے بیاہ ہو جاتے ہیں۔ اگر گورنمنٹ جا بجا اس کام کے لئے تیس تیس روپیہ یا ہوا کر سب رجسٹرار مقرر کر دے۔ تو یہ بھی ممکن نہیں کہ بلا فائدہ گورنمنٹ گروہ سے نقصان اٹھائے۔ اگر جا بجا ایک سب رجسٹرار کے ولس آدمی تیس روپیہ میں بٹا ہوا ہر مقرر ہوں تو ایسے ارزان ملازم ملینگے۔ لہذا بہتر ہوگا کہ قاضی ہی اس امر کی ذمہ دار رکھ جائیں جو نکلج پڑھتے ہیں۔ اور چھوٹی قوموں سے کم سے کم عہدہ فی نکلج لیتے ہیں۔

بیت چھینیں جن قبل قاضیوں کی تحقیقات و رمانڈی مسلمانان ہو کر پائے قاضیوں کو مندرجہ سرکار سے دیکھیں جسین جو چھوٹے موجود ہیں ایکٹ ۱۲ قاضیان ۱۸۷۹ء میں شائع ہوا تھا اوسین صرف چار دفعات ہیں۔ ایک تعریف۔ دوسری تہنید تیسری میں امتناع رشوت۔ چہارم بابت غیر حاضری کا خیال کہ قلعہ سے تین ماہ سے زائد باہر نہ ہے۔ یہ ایکٹ بہت ہی محدود ہے آجین نکلج خوائی قاضی نہیں کیا گیا اور یہ امتناع کسوائے قاضیوں کے دوسرے نکلج نہ پڑا سکے۔ جس سے قاضی اینو فرض منصبی میں ذمہ داری و مستعدی نہیں دکھلا سکتے۔ گورنمنٹ عالیہ کو چاہئے کہ نکلج میں نکلج خوائی کا خیال سرکاری طور سے ضروری و لازمی مقرر کر دے جسین سے عہدہ قاضی ۲۷ سال کے ۲۷ قاضی بیاہ کے۔

اس سے قاضی مستعد و ذمہ دار ہو جائینگے۔ قاضی دینیات سے بقدر ضرورت معمولی و اتفاقیہ رکنہ و نکلج خوائی کرانے واقعہ بالچلن کو درست ہو چاہئیں اگر قاضیوں کا امتیاز علم و فضل کیا تھ ضروری ہوگا تو

ایسویں یا قاضی پہنچ کر لئے مقرر نہ آئیگی۔ اگر کوئی عالم کہ درجہ قوم کا ہو گا۔ تو شریف ابا انکو منظور کرے گا اگر کوئی منہ عالم
و قاضی گاؤں میں سکونت پذیر ہو گا تو قصبہ و شہر والوں کو اس کے پاس چلکر جانا منظور نہ ہو گا۔
تکاح خوانی و طلاق کی رجسٹر اسطور پر مرتب ہوں

نمبر شمار	تاریخ اسلامی و انگریزی بتایا گیا ہو	ایم و وقت نکاح۔	نام دروہا اور وقت نکاح	تقدیم	قسم و درجہ و عمل	نام و اسماء کے قلم	دفعہ گرامان و درجہ	دستخط قاضی	شمار رجسٹر	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	کیفیت

نمونہ رجسٹر طلاق

نمبر شمار	تاریخ دن و غیرہ	نام طلاق و درجہ و قلم	نام و اسماء کے قلم	دفعہ گرامان و درجہ	دستخط قاضی	شمار رجسٹر
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷

یہ رجسٹر ہر سال سے مہر شل پڑاویوں کو قاضیوں کو دینی جائیں۔ اور نقل اسکی روزمرہ نہیں تو ہفتہ وار
یا ہوا سرکار میں بھیج دیا جائے اور وہاں بھانٹت رکھی جائے تاکہ وقت ضرورت کام آئے اور حکام وقت
دورہ قاضیوں کی پڑاوی کر لیا کریں۔ جو شرفا معززین بوجہ اپنی شرافت اور اعزاز کے مناج خوانی کی فیس
سے اس وقت مستثنیٰ ہیں اور تبرکات بھیجے قاضی کے کسی شہور عالم یا بزرگ سے اپنی عزیزوں کو بھلا
چاہتے ہیں انکو بدستور مستثنیٰ رکھا جائے لیکن رجسٹر نکاح خوانی میں اور نکاح اندراج ہونا ضروری ہے کیونکہ
گوشت نامین ایسے تنازعات بہت کہہ رہے ہیں لیکن ممکن ہے کہ کسی وقت میں کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے۔
اور وہ بخیر شہادت کارآمد ہو جائے۔

قائمین کے لئے باریت و جہڑ مرتب ہوں اور عام لوگوں کو بذریعہ منادی و شہار مطلع کیا جائے
پس یہی جہڑی ہے اور مقدمات ناجائز کی خاتمہ کرنیوالی تجویز۔
محمد ادریس ازجود پور

مذہب اور مذہبی فرقہ بندیان

جسطرح پولیٹیکل سائنس (علم سیاست مدن) میں حکومتوں اور سلطنتوں کے عروج اور زوال
یا اسباب عروج اور اسباب زوال کی نسبت بحث کی جاتی اور انکے اقسام اور طریقے بیان کئے جاتے
ہیں۔ اسی طرح علم المناہب میں مذہب بھی ایک تاریخ اور ایک قاعدہ رکھتے ہیں۔ اس مضمون میں
ہم ان امور پر بحث کریں گے۔

(۱) ”مناہب کیونکر بنتے ہیں“

(۲) ”انکے عروج اور انکے زوال کن کن اسباب کے تلخ ہے“

(۳) ”اون میں اختلاف اور تضاد کے وجوہ کیا ہیں؟“

(۴) ”اون میں صلیت اور آفاذ کے اعتبار سے شراکت کہاں تک ہے؟“

(۵) ”اون میں فرقہ بندیان اندرونی طور پر کیوں ہوتی ہیں؟“

اس قبیل سے اور بھی چند امور قابل بحث ہیں۔

دنیا میں جیسقدر مذہب اسوقت پائے ملتے ہیں۔ بذقہ وہی مختلف اور مجاہد انہیں ہیں۔ یا
انہیں میں اختلاف پایا جاتا۔ بلکہ مذہب کے اندر جو فرقے یا جو شاخیں پائی جاتی ہیں انہیں بھی
تعارض اور تباہی پایا جاتا ہے۔ پایا ہی نہیں جاتا بلکہ اوکی شناخت ہی اختلاف یا تعارض ہے۔ گویا
فرقہ بندی کی بنیاد یا تعریف ہی تباہی اور تعارض ہے۔

جو موجب یا جو علت اختلاف مذہب کا ہے یا جو سمجھی جاتی ہے وہ عموماً فرقہ بندی پر مصادق اور
چسپان نہیں ہوتا۔ مذہب ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوتے۔ گوکہ اون میں بعض اصولی مسائل کے اعتبار سے گونہ
شراکت اور قریبت ہو پھر مذہب دوسرے مذہب کے ماتحت یا تابع رہنا بزرگ نسبت بھٹتا ہے اور
یہ قرار دیا گیا ہے کہ جب ایک مذہب یا ایک مذہب کا اعداد الفرد و دوسرے مذہب کے ماتحت آجاتا ہو۔

تو اسکی مذہبیت ترک ہو جاتی ہے یا یہ کہ وہ اکیسویں صدی کے مذہب میں منتقل ہو جاتا ہے۔
خلاف اس کے فرقہ بندیان باوجود تعارض اور تخالف کثیر کے بھی ایک مذہب کو زیرِ باب یا تابع
رہتی ہیں اور ایک مذہب کے تحت یا تابع رہ کر انکی فرقہ بندی میں کوئی خال نہیں آتا ہے۔
جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ مذاہب کے اندرونی دائرہ کو اندر سے فرقہ بندیان کیوں ہو جاتی یا فرقے
کیوں پیدا ہو جاتے ہیں؟ کیوں انہیں نشوونما ہونا جاتا ہے؟ کیوں اسکی بنیاد پڑ جاتی ہے۔
تو اسکا جواب ہمیشہ شافی نہیں دیا جاتا اور یہ غور نہیں کیا جاتا کہ دراصل فرقہ بندیان کس اصول پر
ہوتی ہیں اور کیوں ان کے نشوونما میں کوئی روک ٹوک حاصل نہیں ہوتی حالانکہ اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی یہ
بھی خیال کیا جاتا ہے۔

یہ مذہب کے لئے اندرونی فرقہ بندیان ممکن ہیں۔
یہ رو بند ہونی چاہئے۔

لوگ یا مذہب پرست زبان سے تو کہے جاتے ہیں کہ یہ طریق عمل یا یہ تعارض اور تخالف اچھا اور
مفید نہیں لیکن ساتھ کے ساتھ کوئی نہ کوئی فرقہ بھی معرض وجود میں آتا رہتا ہے۔ اور پھر لوگ اس کے
حامی یا مقتدی ہی دوان دوان ہوتے جاتے ہیں۔

ہمین تاریخ اس فقرے پر لے جاتی ہے کہ کوئی مذہب فرقہ بندی کی آفت یا نقص سے خالی نہیں
رہتا ہے اور شاید آگے بھی یہ رو بند نہ ہو۔

جس طرح فلسفہ اور سائنس کے اصول یا مبادیات اور کلیات ہیں اسی طرح مذاہب کے بھی اصول
مبادیات اور کلیات ہیں مگر مسائل حائل کی طرح مسائل مذاہب بھی بہت ہی صاف اور عیان ہوتے
ہیں لیکن پھر بھی ان میں کچھ نہ کچھ الجھن اور پیچیدگی بھی ہوتی ہے یہ الجھن اور پیچیدگی کتنی
مذاہب کے لئے ایک الجھن کا باعث ضرور ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی زمانہ کی رفتار اپنے
ساتھ ہی نئی ضرورتیں لاتی اور نئی نئی راہیں دکھاتی ہے اس واسطے ان دو وجوہ حاملین مذاہب کو
اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔

اگر مسائل فلسفہ میں اجتہاد ایک لازمی روش اور مفید سلسلہ ہے تو مذاہب میں بھی اسکی
ضرورت ہے اجتہاد اصولاً مذاہب کے تابع ہوتا ہے لیکن فروغاً اوس میں ان دونوں ضرورتوں کی

آئینہ نش پائی جاتی ہے۔ یہ جہادات ہے کہ ان ضرورتوں کی بابت اور لوگ کیا خیال کرتے ہیں۔ ہر اجتہاد میں ایک جدت اور نرالا پن ہوتا ہے یا یوں کہتے ہیں کہ جدت اور نرالی پن کا نام ہی اجتہاد ہے جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ ہدایت میں کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں پڑتی ہے اور اجتہاد کرنا ایک بدعت سیئہ یا بدعت حسنہ ہے وہ درست راہ پر نہیں ہیں۔

نفی اجتہاد کے پہلے ہمیں یہ ثابت کرنا چاہئے کہ مذاہب کے تمام اصول بالکل صاف اور سہل ہیں اور ان میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ یا زائد کی رفتار ان پر مؤثر نہیں ہے جب یہ دونوں عوارض موجود ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اجتہاد کی ضرورت نہ ہو۔

فرقے بندیوں کی بنیاد میں اجتہاد ہے کوئی ایسا فرقہ نہیں پاؤ گے جو اس بنیاد پر قائم نہ ہو ہمیں فرقوں کی موجودہ حالت اور موجودہ روش نہیں دیکھنا چاہئے اور ان کے بانی کی ابتدائی مساعی اور تعلیمات پر نظر کرنا چاہئے۔ ہر فرقہ کے بانی کی تعلیمات میں ایک اجتہادی جہلک پائی جاوے گی ایسا اجتہاد جو اسے دوسرے یا بالمقابل کے اجتہادات سے متمیز کرتا ہو۔

یہ بحث کہ ہر اجتہاد میں صداقت یا بطلان کہاں تک ہوتی ہے ایک جدا گانہ بحث ہے۔ اور یہ امر زیادہ تر بانی یا مجتہد کے اپنی رویہ یا خیالات اور تعلیمات سے منکشف اور ثابت ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اس امر کے متصرف ہیں کہ سوائے کسی اجتہاد کے فرقہ بندی ہو جاتی ہے درست اور مطابق واقعہ کے نہیں ہے یہم اجتہادات کی صلیت اور غیر صلیت کی نسبت بحث نہیں کرینگے۔ کیونکہ یہ ایک لٹبا جھگڑا ہے صرف اس پر گفتگو کرتے ہیں کہ ہر فرقہ کی بنیاد ایک مشروع یا جدید اجتہاد پر ہے۔ اب اس کے متعلق دو سراسوال یہ ہے کہ ان فرقوں کا نشوونما کیوں ہوتا ہے اور کیوں ان کی بنیاد بڑھ جاتی ہے۔ اس سوال یا ان دونوں شقوں کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ فرقہ بندی کا نشوونما یا قیام اور عروج ہمیشہ ذہنیات سے ہوتا ہے۔

(۱) اس کی مخالفت عام ہے۔

(۲) اس کی اپنی صداقت یا خوبی اجتہاد کی وجہ سے۔

اگر لوگ واقعات یا امورات کے عروج اور زوال کے اسباب اور وسائل پر غور کرنے کی عادت ڈالیں تو انہیں مان لینا پڑے گا کہ بہت سی مخالفتیں اور بہت سے موافقین خود ان کی کمزوری یا شکست کا

ملکی اور شرعی قانون بھی اسکی مخالفت میں تھا اور اب جیسے اور فرقوں اور بانیان فرقہ کی عزت اور حرمت قانون اور حکومت کی حمایت میں تھی ایسے ہی اسے بھی حقوق ملتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک مذہب کے نام لیوؤں اور مخترم فرقہ میں سے شمار ہوتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اسکی نسبت کوئی برا کلمہ منہ سے نکالے تو ازالہ حیثیت عرفی یا بد مذہبی سمجھی جاتی ہے۔

یہ ہمہ زمانہ فرقوں کے مابین ایک مذہب کے تابع اگر ایک امن اور ایک شہتی کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ پہلی تمام عداوتیں اور دشمنیاں ایک پردہ میں آجاتی ہیں دنیا کے کاروبار اور زندگی کی ضرورتیں ایاب و دم کے لئے سب کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لے آتی ہیں۔

جب کبھی کوئی نیا فرقہ پھر نکلتا اور نئی رفتار پیش کرتا ہے تو پھر اور سب فرقوں کے ساتھ وہ فرقہ بھی شامل ہو جاتا ہے جو پہلے زیرِ عتاب تھا۔ اب اسکا جوش و خروش بھی پورے فرقوں کی طرح ہی ہوتا ہے۔ وہ بھی یہہ سمجھتا ہے کہ یہ جدید فرقہ میری جگہ لیتا ہے اور میرے حقوق میں دست اندازی کرتا ہے۔ میں اسکا مزاحم ہونگا اور دنیا کے صفحہ سے نیت و نابود کر دوں گا۔ حالانکہ اس سے اول وہ خود یہہ صعوبتیں بھگت چکا ہے۔

دوسری صورت میں جس فرقہ کے مولوں اور اجتہادات میں کوئی جدت اور مضبوطی ہوتی ہو اسکی بنیاد اور اسکے زور پر ترقی پاتا جاتا ہے گو کہ لوگ اس کے مزاحم ہوتے ہیں اور اسے مٹانا چاہتے ہیں مگر مٹنا نہیں۔ اخیر پورے سلسلہ میں شامل ہو کر خاموش ہو جاتا ہے۔

اسوقت تک ہر مذہب میں جس قدر فرقے بن دیان ہو چکی ہیں۔ ان سب کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ ان کے ساتھ کبھی کبھی مخالفتیں اور پرناشین ہو چکی ہیں اور اخیر یہ وہی ملعون اور مغضرب فرقہ کس خوش اسلوبی سے اس مذہب کے دائرہ میں شامل ہوئے ہیں۔

ہمیں ابتدائی مخالفتیں ڈراتی ہیں کہ انکا اس دائرہ میں انتقال ناممکن ہے۔ مگر زمانہ دکھاتا ہے کہ وہ باوجود طح طرح کی مخالفتوں کے بھی ایک نئی اجتہاد کے واسطے بھی ایک جگہ محفوظ رکھتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض کے واسطے جگہ محفوظ نہیں بھی رہتی۔ مگر کبھی کوئی فرقہ مخالفت عام سے نیت و نابود نہیں ہوا بلکہ اپنے اصولوں کی کمزوری کیوجہ سے معرض ہلاکت میں آیا ہے خواہ کوئی فرقہ مقدس ہو اور خواہ تقدس سے دور خیال کیا جاوے۔ ایک حالت اور ایک حیثیت ضرور رکھتا ہے۔

اختلافات کی وجہ سے جو فساد اور جو عداوت پیدا ہوتے ہیں وہ گویا بعض کے خیال میں مذہب کی کمزوری کا باعث نہ ہوں۔ لیکن معاشرتی امور میں توسعت خارج ہوتے ہیں لوگ بعض حالات و احوال ترقی سے رہ جاتے ہیں اس صورت میں کیا یہ ضروری ہے کہ۔

۱۔ فرقہ بندیان بند ہو جائیں یا۔

۲۔ سب کے سب ایک ہی فرقہ کے پابند ہو جائیں۔

۳۔ یا کوئی فرقہ ہی نہ بنے۔ یا

۴۔ کوئی جدید اجتہاد نہ کیا جاوے۔

۵۔ یا کسی جدید اجتہاد پر ایمان نہ لایا جاوے۔

یہ سب قیاسات اور فرضی اشکال ہیں یہ نہ ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا۔

جب تک مذہب ہے، نئے فرقے، نئے اجتہادات ہوتے رہیں گے۔ اون پر لوگ یقین بھی لائیں گے۔ اور ان کی مخالفت بھی کریں گے نہ سب لوگ اس کے پیرو ہوں گے اور نہ ہی سب لوگوں میں اس کی مخالفت پائی جاوے گی۔ اگر ایک حصہ انکار کرنا ہو تو دوسرا حصہ اس کا مستطرف بھی ہوگا اگر ایک دشمنی رکھتا ہے تو دوسرا حامی بھی ہوگا۔

یہ صحیح کوشش یا صحیح عمل نہیں ہے کہ ہم اس فرقہ بندی کو بند کر دیں یہ کبھی نہیں ہوگا اور نہ ہی ہو سکتا ہے اگر اس بارہ میں باعتبار معاشرتی امور کے کوئی صحیح کوشش ہے تو صرف یہ کہ ہماری مخالفتیں صحیح بیان نہ ہوں اور اون میں خود غرضی کا حصہ زیادہ نہ ہو صرف مذہب یا مذہب کے اعلان کی خاطر مخالفت کی جاوے نہ کہ باعتبار ذاتی اغراض اور ذاتی نمایاں کے۔

جب اس اصول کے کوشش کی جاتی ہے کہ ہم ایک فرقہ کو صفحہ دنیا سے نیست و نابود کر دیں گے تو قدرت خندہ کرتی ہے کون ہے ایسے فرقے ہیں جو ہماری مخالفت سے دنیا کے پردہ سے نابود ہو چکے ہیں اگر کوئی ایسی نظیر ہے تو پیش کرنا چاہئے۔ ہم تو ایسا نہیں کر سکتے ان اگر خدا کی قدرت اور خود خدا بہ بیروہ اٹھائے تو ہو سکتا ہے۔

ہر مذہب اور ہر فرقہ کے واسطے حالت مذہب اور حمایت فرقہ ضروری ہی نہیں بلکہ لازمی بھی ہے لیکن صرف اس حد تک اور اس پر ایہ میں جو ہماری معاشرت میں خارج اور مزاحم ہو

معاشرت بھی بجائے خود ایک جداگانہ ملت یا مذہب کے اوسکے حدود سے بھی باہر نکل جانا یا اونکا توڑ دینا
اوسکی بے حرمتی کرنا اور خود کو ذلیل کرنا ہے
اگر مذہب ایک فلسفہ یا ایک سائنس ہے تو ضرور معاشرتی اعراض کی خاطر مہین اس مخالفین
سے کنارہ گزین ہونا پڑیگا جو تکلیف دہہ اور شرمناک ہیں۔
سلطان احمد

عملی کام کا خط

اس وقت میں لکھو ایک عملی کارروائی کے بابت ایک مراسلہ روانہ کرتا ہوں امید کہ رسالہ کے
کسی گوشہ میں درج فرما کر ممنون فرمائینگے۔

علاقہ مارواڑ میں قصبہ ناگور شریف نہایت وسیع اور شریفیوں کی بستی کہلاتی ہے۔ زمانہ قدیم میں کیا
بلحاظ علم و فضل اور کیا باعتبار بزرگی و کمال ایک شہر جگہ تھی۔ ابو الفضل اور فیضی اسی خاک پاک کو
رہنے والے تھے۔ سینکڑوں شاہی عمارتیں سرسبز گلاب پرانی جاہ و جلال کو قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہہ
اچھی ہوئی بستی زبان حال سے عجب عبرت خیز منظر کہلاتی ہے۔ اب تک دکان کے قاضی زادے اور
پیر زادے ساری علاقہ میں قابل تقلید نظر سے دیکھی جاتے ہیں۔ ہر دینی امر میں خصوصاً شادی اور غمی کے
تقریبات میں بغیر و ران سے برکت حاصل کی جاتی ہے جو کچھ وہ کر دین یا کہ دین وہی قبول ہے۔

لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ زمانہ کے الٹ پھرنے اس مبارک مرز میں میں بھی اسلامی
مراسم کو اپنے اصل حالت پر رہی نہ بلکہ اور دیگر اقوام کے مراسم کچھ اس سختی کیساتھ مخلوط ہو گئے کہ بیکار
موجودہ مقتدایان اوسمیں ذرہ برابر کسی سے خاندانی شرافت کو بٹھ اور اپنی شان کے خلاف خیال کرتے
ہیں۔ چونکہ انکا شریعت پر کار بند ہونا اس اطراف کی ساری اقوام کے سنورنے اور سدھرتے کا سبب تھا
اسلئے میں نے اپنے والد الحاج سیٹھ غلام احمد صاحب کو ضروریات سے مطلع کر کے ابھی غمی کے موقع پر درپیر زادہ
سجادہ نشین حضرت مخدوم سلطان محمد الہ دین رحمۃ اللہ علیہ صاحب کرم الدین صاحب کے اہلیہ کا ہوا
تھا جس میں وہ بدعتیں اور ناقابل برداشت فضول چھین ہوتی ہیں کہ ابھی تو بہ۔

یہ ایک ایسا درد انگیز مجمع تھا جس میں قدرتی طور پر مختلف اسباب پیدا ہو گئے کہ اجتماع معمول نہ ہوا۔

اگرچہ رسمی طور پر بھی اس موقع پر بہت ہجوم کا خیال تھا چنانچہ جب وقت انبوهہ کو گونکا زور پر تھا میر جو والد صاحب نے اسلام کے اصلاحی امور جرأت سے پیش کئے۔ جتنی زبانیں تھیں اتنی ہی راہیں تھیں اکثر راہیں مسلمانوں کی بدبختی کی طرح اصلاح سے کوسوں دور تھیں زیادہ تر حریت اور ان حضرات کے ہے جو اپنے کو مولویت اور نقصان کے عامہ سے سر بلند خیال کرتے ہیں مخالفت اور دراندازی میں خاص حصہ لیا اور حریف ہے کہ کلیہ کے فقیر بنے رہے عجب برہمن تفاوت رہا از کجاست تا کجیا۔ مگر سخت کوشش اور جان کوشش ملامت حاصل کرنے پر امور مفصل ذیل پر سب حضرات کے دستخط ہو گئے۔ بالآخر جلد رحمت کر نیوالے مقدس حضرات بھی اسلام کی تفریق صورت دیکھ کر شریک اصلاح ہو گئے۔ فالحمداً علی ذالک۔ امور ذیل جنسٹر گل مسلمانوں کے دستخط ہوئے یہ ہیں۔ (۱) شادی کے موقع پر نچاچ۔ گانا قطعاً نہ ہو بلکہ یہ خلاف ورزی تنگب کو کتیس روپے قومی تاوان اور اکرا نہوگا۔ اس سہ پہلی زندگی کا برات میں نہ آنا ایسا ہی تھا جیسا کہ بغیر نکاحی صاحب کے نکاح منعقد ہوا جو قابل اعتبار نہیں اس طرح کوئی تقریب ایسی نہیں جہاں حسب قدرت زندگی نہ بلائی جاوے۔

(۲) غمی میں جو دھواں ہوتا ہے جیسے سارنچی دھواں نہایت فیاضی کے ساتھ کہلائی جاتی تھی حالانکہ ایسا صرف کثیر بغیر قرض کے نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن کدہ بنی کہ پرانی رسمیں نہ توڑی جاویں۔ اب ماغیرین کے سوا دوسروں کو کھانا کھلانا یا بلانا ضروری نہیں۔ ان غریبوں کو کھانا کھلا کر فیاضی اور دیرا دلی دکھلائیں۔ اور چھوٹی چھوٹی یادگارین جو مرحوم کے لئے قائم ہوتی تھیں اور اوسمیں برادری کے حقوق بھی تھے سب یکے کے موقوف ہو گئے۔

(۳) سب سے بڑی بات بیوہ کی شادی یا نکاح ثانی ہے۔ باوجودیکہ شریعت اسلامی نہایت زور دے رہی ہے اور ان مصائب اندوز بیچاریوں کی صورت والدین سے شرمناک ہے مین سوسو التماس و استدعا کرتی ہے مگر والدین ہیں کہ خاندانی عزت پر حرف آنے کے ڈر سے نکاح ثانی نہیں کرتے۔ یہ نکاحیت اسی مقام سے مختص نہیں بلکہ اور دیگر حصص میں بھی موجود ہے۔ اتفاقاً رائے سے پاس ہو گیا کہ ہر شخص کو کلی اختیار ہے کہ وہ کسی بیوہ سے نکاح ثانی کر لے۔ ہرگز قابل ملامت قومی نہوگا۔ اور ان بیچاریوں کے والدین کو تحریک کیجئے کہ قاضی کو بلو کر مناسب طریق سے دوبول کھلا کر اس ضروری امر سے سبکدوش ہوں (مگر یہ شرمناک ظلم اکثر نام کے شرفاً اب تک علانیہ ہوتا ہے۔ ایڈیٹر) +

علاوہ انکے اور امور بھی طے ہوئے جو قومی حقوق سے متعلق ہیں۔ سب میں کفایت شناری ملحوظ رکھا گیا اور حتی المقدور اسلامی اصلاح پیش نظر رہا۔ اگرچہ پوری طرح وہ اتنا تک نہیں جیسا کہ میرا منشا ہے۔ مگر خیر یہاں نجیت ہے سنگ بنیاد تو رکھا گیا۔ (اگر نادر کرنے سے بہتر ہے۔ ایڈیٹر آء) بہمن بڑی سہرت اپنی اس کامیابی پر ہوئی اور سارے مسلمانان مارواڑ اگر ہمارے ہم نوا ہوں تو زیبا ہے۔ کیونکہ شادی اور غمی اور دیگر اسلامی مواقع پر ہمارے حتی الوسع ہم لوگ اپنی زیرگوئی نقش قدم پر چلتے رہیں اور اب اللہ کے فضل سے سارا مارواڑ رہ راست پر انہی کے پیچھے چلیگا۔ جب بھی کسی کو کسی بات سے روکا جاتا تھا یا کسی نیک امر کے اختیار کرنے کی ہدایت کی جاتی تھی وہ ناگورشریف کی سندید کر چٹکرا یا بادشا تھا۔ چنانچہ تا امروز مارواڑ کے سارے علاقوں میں علی صورت سے بھی لوگ شیوا مانے جاتے ہیں اور جگہ مسجد کے ہی امام ہیں۔ امید ہے اور قوی امید ہے کہ اس نئے نظریہ شال کے قائم ہو جانے سے اصلاح کا دور دورہ سارے مارواڑ میں پیدا ہو جائیگا۔ اور دوسری تو میں جو اتنا تک حسن عقیدت اور قدامت پرستی سے جو انقیاد و اتباع کرتی رہیں ضرور اس اصلاحی کایا پلٹ کر مستفید ہوں گی۔ اس خط کو آپ میرا خطہ خیال سمجھئے۔ بلکہ قوم کے ساری افراد کا نیاز نامہ ہے۔ کیونکہ ایسے مقام کی اصلاح کا تذکرہ کیا گیا ہے جو علاقہ مارواڑ کا دینی مرکز ہے۔ راقم عبدالحق تاجر جو ہم میں سے ہے اسے پیار مارواڑ

مہاراجہ نجیت سنگھ کے پوتے کی شادی

انتخاب مفید

[رائے بہار گھمیا لال کی تاریخ پنجاب سے اب کم لوگ واقف ہیں۔ ایک دلچسپ تاریخ ہے۔ انہیں سے مہاراجہ نجیت سنگھ کے پوتے کی شادی کا حال صبح کرتے ہیں تاکہ لوگ غور کریں کہ وجود اس اتہام کے اب کون اس شادی کا ذکر کرتا ہے۔ فقط۔ ایڈیٹر آء]

اس سال میں کنور نوہال سنگھ کی شادی ہوئی اور مہاراجہ کو منظور ہوا کہ یہ شادی ایسی دھوم دھام سے کی جائے کہ زمانہ میں قیامت تک تذکرہ اسکا باقی رہے۔ چنانچہ اس شادی کی بہت تیاری ہوئی اور سر دھنری فین صاحب بہادر کا نڈرا خچیف و سپہ سالار ہند جبراً سوقت مقام فیروز پور تھا اس شادی

میں بلایا گیا۔ اور سنگھ کلاڈ ویڈ صاحب بہادر راجپٹ انگریزی لدھیانہ سے آیا جب سالہا
 بہادر کی آمد آمد ہوئی بڑے بڑے امراء عظیم الشان اسکی پیشوائی کو مامور ہوئے اور جس
 روز سے کہ لارڈ صاحب نے سکھ سلطنت کے علاقہ میں قدم رکھا اُس روز تک کہ پھر انگریزی علاقہ
 میں بعد فراغ کار شادی کے گیا کل صرف ہاتھی گھوڑوں و لشکر کار و زمرہ مہاراجہ کی سرکار سے
 اسکو متارعا علاوہ اسکے تمام جاگیردار راجے و سردار علاقہ پنجاب کے اس شادی میں بلائے گئے
 راجگان۔ تاجپور و پٹیالہ و جہیند۔ فریدکوٹ۔ و تواب مالیر کوٹلہ۔ و سردار نرائن گدہ و
 کاسیا و کپور تھلہ و تواب منگیو و سنگھ و غیرہ بڑے بڑے رئیس اس شادی میں شامل ہوئے
 پہاڑی راجہ مشدی و سیکت و چنبہ و غیرہ بھی بلائے گئے۔ قریب پانچ لاکھ آدمی کے جہان اس
 شادی میں جمع ہو گئے۔ ان سب کو رسد روزمرہ مہاراجہ کی سرکار سے ملتی رہی۔ اس شادی کا
 تمام سامان امرتسر میں ہوا اور امرتسر سے بڑی دھوم دھام سے رات پڑھی سب ہٹا ہاتھیوں
 پر سوار ہوئے مہاراجہ نے بڑی بڑے راجوں اور سرداروں خصوصاً افسران انگریزی کو ہاتھیوں
 پر دو دو ہزار روپیہ نقد اور پانچ پانچ سو روپیہ کی تنگیان نقد رکھوا دیں اور اجازت دی کہ کہنے
 ہاتھوں سے تار کرین اور بیہ روپیہ غریب محتاج آدمیوں پر کہہ دین چنانچہ اسی طرح لاکھوں روپیہ
 نقد ہوتا ہوا برات لڑکی والے کے گھر تقسیم ہو گئے اور دوسرے روز مہاراجہ نے خود
 سوار ہو کر انبوه غرا و فقرا کو عین میدان میں روپیہ کھیرا اور سواروں کو حکم دیا کہ انبوه مسلکین کو
 چاروں طرف سے ایسا محاصرہ کریں کہ کوئی جانے نہ پائے چار دروازہ اُس مقام باڑہ کے مقرر ہوئے
 اور فی نفر دو روپیہ اور چار روپیہ اور پانچ روپیہ حسبِ شہیت دئے جاتے تھے اسکو باڑہ سے باہر
 نکال دیتے تھے اس انتظام سے کسی آدمی کا نقصان نہ ہوا ورنہ بہت آدمی سوار یوں کے نیچے ہو کر
 مرتے اس روز بائیس لاکھ روپیہ محتاجوں کو تقسیم ہوا اور سامان و خراج روشنی و آتش بازی وغیرہ کا
 بھی اسی طرح پریقاس کر لیا جاتے کہ بقدر رہا ہوگا اگرچہ اس شادی میں مہاراجہ کا بیشمار روپیہ
 صرف ہو گیا مگر آمدنی تنہا کی بھی خراج سے کم نہ ہوئی تھی۔ سپہ سالار ہند نے ہند، ہزار روپیہ
 راجہ دھیان سنگھ نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ۔ راجہ گلاب سنگھ و سوچیت سنگھ و دھروپال
 و ظیرہ ایک سو ارکان نے کیا ڈیون ہزار روپیہ غرض تخمینہ تنہا کا قریب پچاس لاکھ روپیہ کے تھا

کہ ہر ایک سردار و جاگیردار و رئیس خورد و کلان نے اپنی اپنی حیثیت سے زیادہ اپنی بڑائی و عزت کو لئے قبول دیا تھا اور جو مہاراجہ نے تمام فوج سوار و پیادہ و توپخانہ کی کیا ہ کی تنخواہ قبول ہن وضع کر لی تھی وہ اس رقم کے علاوہ رقم تھی اس شادی میں ہر ایک سپاہی اور سوار کو شیرینی دی گئی اور ایک ایک منڈیل زردوزی بھی عنایت ہوئی افسران کو بڑے بڑے خلعت بیش قیمت بخشو گئے۔ اور سرداروں اور صاحبوں کو اکی عزت کو مطابق خلعت دی گئے مہانوں کو بھی بعد انجام شادی کے عطایا بیغایات سے ایسا خوش کیا گیا کہ وہ خوش ہو کر اپنے اپنے مکانات کو روانہ ہوئے جب شادی ہو چکی تو مہاراجہ سپہ سالار بہادر کو ساتھ لیکر لاہور آیا اور بلخ شالامار میں سپہ سالار کی دعوت ملنا شادی کی دعوت سے کی اور تمام بلخ میں اس قدر روشنی کرائی کہ رات کا دن کر دیا۔ ہر ایک سخت میں پچاس پچاس ہنڈیا جن میں چراغ جلتے تھے ٹکائی تمام دیواروں کو روشنی سے سُرخ کر دیا تمام رات آتش بازی چھوٹی رہی تین رات برابر یکساں جشن کا ہنگامہ گرم باد و در سے زفاصلہ لوگوں کے طائفوں کے اور سپہ سالار صاحب کو اپنی خدمات سے خوش کیا اس جشن کے دیکھنے والے جو اب تک موجود بھی ہن کہتے ہن کہ ایسا جشن پہلے بھی ہننے نہیں دیکھا تھا فقط۔

اناطین! آپ نے اس شان و شوکت کا حال پڑا۔ یہ شادی ہی جسکے متعلق مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دعویٰ تھا کہ وہ قیامت تک یادگار رہے گی۔ مگر اب جاٹ سکھ بھی کہ ایسے ہن جسکو تو نہال سنگھ کی شادی کا حال معلوم ہو۔ چند روز کے بعد اس شادی کے یار ہو کر رنجیت سنگھ گئے اور برس دن کے اندر بوجہ ہنڈیا ناقابت اندیشی اور کٹا کٹا کر سنگھ اور تو نہال سنگھ گئے یا مار گئے۔

اسی طور پر مولانا غلبنے مآمون اور تو نہال کی شادی کا حال بڑی دہوم سے لکھا ہے مگر اب کون یاد رکھتا ہے اور ان باتوں کی پروا کرتا ہے؟ جو لوگ ایسی یادگار میں لاکھوں کروڑوں روپیچہ کڑو ہن وہ بھی یا تو گناہم ہوتے ہن یا آئندہ بدنامی سے اون کا نام لیا جاتا ہے۔

یہ دولت آپ کے پاس محض امانت ہے۔ اکیوں حاصل نہیں کر اپنے حفظ نفس یا جوئی شیخی کے واسطے یا پہلے زمانہ کی تقلید میں اوسکو ٹاؤ۔ عمل سے اوسکو بچ کر دے۔ ایسا مذہبی سے کس آئندہ اپنی قوت بانڈ سے حاصل کر دے۔ اور بچ کر تو اس طرح کہ تمہارا اور تمہارے بی نوح کا فائدہ ہو اور وہ روپیہ ضائع نہ جاوے۔ دنیا میں جو قوم جو جماعت جو شخص دولت کا بڑا استعمال کرتے ہن۔ وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتے ہن خدا تبارک

دوبن کو اور شیون کو دیکھتا ہے۔ نہ کہ ناموں کو۔ تم کہتے ہو کہ ہم راہ خدا میں لڑتے ہیں۔ ہم غریبوں کو بانٹتے ہیں۔ مگر مطلب ایک شیطانی اسراف ہوتا ہے۔ اس صورت میں کیا امید کر سکتے ہو کہ مطابق حق جاء بالحسنة فله عشرہ مثلہا۔ کوئی اچھا ٹھیکہ۔ ہرگز نہیں پس جانے کہ خبردار ہونے والے خبردار ہوا دین۔ قبل اسکے کہ وہ اپنے آپ کو۔ اپنی اولاد اور اپنی قوم کو تباہ کریں۔ خدا تعالیٰ ایک حد تک ہدایت کرتا ہے لیکن سرف جھوٹے کو تو فتن ہدایت وہ ہی نہیں دیتا۔ فقط ایڈیٹر *

انجمن اصلاح (رپورٹ نمبر ۲)

بعالی خدمت نواب صفی الدولہ حاکم الملک۔ مولوی سید علی حسن خان پریسڈنٹ جلسہ

دو نواب محسن الدولہ محسن الملک بہادر سرکسٹری کانفرنس

(۲۳۔ مئی لغایت جون ۱۹۰۵ء)

جدید ممبران [سلسلہ رپورٹ نمبر ۱۹ مفصل ذیل جدید ممبر ۲۶ راج لغایت جون تک ہوس ہیں۔

(۱۹۶) محمد حسین خان صاحب۔ آرکی لو جیکل سروس شملہ۔

(۱۹۷) سید محمد محمود علی صاحب۔ عدالت جوڈیشل کشنر اودہ لکھنؤ

(۱۹۸) سید عبدالسلام صاحب۔ دفتر کنوینٹنٹ مجسٹریٹ لکھنؤ

(۱۹۹) محبوب علی صاحب۔ علیگڑھ کالج۔

(۲۰۰) وکیل احمد صاحب اعظم گڑھی۔ طالب علم بی۔ اے کلاس میوزٹرل کالج الہ آباد۔

(۲۰۱) سید کلیم اللہ صاحب جاگیر دار۔ راجندر پری علاقہ مدراس۔

(۲۰۲) صفی الدولہ حاکم الملک سید علی حسن صاحب رئیس۔ لکھنؤ۔

(۲۰۳) سید علما حسین صاحب بنوڑ۔ علاقہ ریاست پٹیالہ۔

(۲۰۴) نذیر احمد صاحب۔ سب رجسٹرار۔ اکبر پور۔ ضلع فیض آباد۔

خج

آمد

آمد و خرچ

فاضل بموجب رپورٹ نمبر ۱۹

خج داک از ۲۴ مئی لغایت جون

انودش محمد صفیہ بابت مئی

کل خج

(۲۶) چندہ خواجہ علامہ السبلین بی۔ اے (مد)

فصل نمبر ۱۹

صرف عمر روپیہ سال چندہ وہ بھی ۲۶ ممبروں وصول ہوا ہے۔ حالانکہ اس قاعدہ کی اطلاع سب کو ہو چکی ہے اور صیغہ کے ذمے لکھے روپیہ کا قرض ہے۔ جو صاحب خریدار عصر جدید ممبروں وہ جلد چندہ روانہ فرمائیں اور دوسری ممبروں کو مطلع کر دیں۔

عملی کام (۱۰) چند ایڈیٹر صاحبان کو جو صیغہ کے ممبر بھی ہیں لکھا گیا کہ وہ اپنے اخبار کے ذریعہ سو مقرر صیغہ پر زور دیں۔ انہوں نے وعدہ کیا۔ البتہ مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر جو دوسری طور پر بہت کام کرتے ہیں، انہوں نے لکھا کہ وہ اسراف و خیرات کے متعلق اکثر لکھتے رہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے مگر اصلاح کا دائرہ وسیع تر ہے۔

(۲) محمد مختار صاحب صدیقی جو صیغہ میں پوری سے اطلاع دیتے ہیں کہ وہ اصلاح کے کام میں متوجہ ہیں اور ان کے دوستوں نے اقرار کیا ہے کہ وہ ہٹے کٹے فقیروں کو خیرات نہ دینگے اور انکو کام کرنے کے لیے مجبور کرینگے۔

(۳) سید ابوجوہر صاحب ایم۔ اے۔ گوالیار سے لکھتے ہیں کہ لوگ عصر جدید کی وجہ سے اس نواح میں بھی اصلاح رسوم کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ چنانچہ قواعد دستور العمل حسب طلب آنکے بھیج دی گئے۔

(۴) سید غلام محی الدین جو صیغہ نور محل ضلع جالندھر سے اطلاع دیتے ہیں کہ سکریٹری صیغہ نے بہت توجہ صاحب موصوف جو خط بابو امام الدین صاحب سب ڈویژنل انجیر کو لکھا تھا کہ اپنے بیٹے کی شادی میں اسراف نہ کریں اور سکا اثر بہت اچھا ہوا۔ بابا۔ آتش بازی و دیگر نہایت جسرود پہلے مقرر ہو سکے انہوں نے صیغہ کی تحریک کے بعد ترک کر دیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اس قصبہ میں چرچا اصلاح کا بہت ہو گیا ہے۔ اور نکل ہو گا ان کے متعلق بھی حاضرین شادی نے رضامندی ظاہر کی۔

قاعدہ چندہ ممبری [خواجہ غلام السبطین بی۔ اے۔] جو صیغہ نے بائب چندہ و دیگر امور کے جو تحریک بھیجے وہ مفصلہ ذیل ہے۔ جو کچھ بھی اوس سے عموماً اتفاق ہے۔

عصر جدید ماہ جون سے معلوم ہوا کہ مینے جو فیس ممبری کی موقوفی کے بارے میں رائے دی تھی بعض صاحبان اس سے اختلاف ہے انکی رائے میں فیس ضرور رہنی چاہئے۔ یہ بھی رائے دی گئی ہے کہ بعض حالتوں میں یعنی مفاسد ثابت ہو جانے پر فیس معاف ہو سکتی ہے۔ اس کے متعلق میری گزارش یہ ہے کہ ان حضرات نے

اصلاح کے مسئلہ پر اور اپنی سوسائٹی کی سست لاپرواہ حالت پر گہری نظر سے غور نہیں کیا ہے۔
 میری مراد اس موقعی فیس پر نہیں تھی کہ ممبران ایک روپیہ سال کی قلیل رقم کے بارے میں متحمل نہیں
 بلکہ میرا مطلب یہ تھا کہ فیس لگ جائیے۔ خوئے بد را بہانہ بسیار۔ یا اگر کوئی کہنے کو ٹیلنے کا بہانہ ہو جاویگا۔
 موجودہ تعداد میں سے ایک چوتھائی بھی باقی نہیں رہے گی۔ ابھی تو ہماری سوسائٹی کی وہ حالت ہے کہ اگر
 کچھ لیکر بھی اصلاحی مضامین پڑھ لیا کریں تو ان کا برا احسان ہے۔ قریب چھ ماہ ہوئے کہ فیس مقرر کی گئی تھی
 اس عرصہ میں کل چوبیس یا پچیس روپے وصول ہوئے ہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ فیس کی سکیم چلتی
 نظر نہیں آتی فیس نہ دینے کی حالت میں ممبری سے نام کاٹ ڈالا جاویگا۔ جو تھوڑا بہت فائدہ وہ اتنا
 اٹھاتے رہے ہیں۔ اس پر بھی محروم ہو جاویں گے۔ اور جو کچھ ان کے ذریعہ ہمارے مشن کی آواز لوگوں کے
 کانوں تک پہنچتی رہتی ہے اس کا دائرہ بھی بہت محدود ہو جاویگا۔ مجھ کو فی الحال فیس مقرر کرنے سے
 سخت اختلاف ہے۔ البتہ ممبروں وغیرہ میں سے مشن کر کام کے لئے امداد کی واسطے اپیل کیا جاوے۔
 میرے خیال میں سال ہر مین دو تین سو روپیہ ملنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ علاوہ اسکے میں یہ بھی معلوم کرنا چاہتا
 ہوں کہ کالغرض نے جو ایک سو روپیہ سال دینے کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ کہاں کیا۔

میں شیخ فیض الدین صاحب کی تجویز سے تھوڑی سے اختلاف کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں یعنی یہ کہ ممبروں
 اس پر کیا جاتی ہے کہ وہ حسب استطاعت صیغہ کی کارروائی کیلئے چندہ سے مدد کریں۔ کوئی رقم تعین کیا جاوے
 یا کم سے کم اس کا نام فیس ممبری نہ رکھا جاوے اور نہ یہ کہ غیر متطیع حضرات معاف ہیں کیونکہ اس طرح
 بہت سے لوگوں کی توہین ہوگی۔

یہ قبول احمد صاحب جو تجویز ایسی چیزوں کے استعمال کے متعلق فرماتے ہیں وہ حقیقت میں بہت عمدہ و
 کاش اس کا وقت آگیا ہوتا لیکن افسوس ابھی بہت دور ہے کہ ہم محض ویسی ہی چیزوں کو استعمال
 کر سکیں۔ لیکن اس قسم کی کوشش کرنا محض فضول بھی نہیں ہے۔ البتہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ صیغہ
 ایسی سخت ڈیوٹی ممبروں پر لگا دیوے جس پر عمل کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ میرے خیال میں صیغہ کو
 صرف وہ ہی چیزیں ہاتھ میں لینی چاہئیں جو ممکن العمل ہوں۔ زیادہ اہم کاموں میں اپنے تئیں بھٹسانے

سے اپنا اصل مقصد بھی نوٹ ہو جاویگا۔ میری رائے یہ ہے کہ ممبروں کو چاہئے کہ اس مسئلہ پر مضامین عصر جدید
و دیگر پرچوں میں لکھیں اور ملک کو اس بات کی طرف آمادہ کریں۔ اور شوق فرمائیں۔ فقط

حاکسار۔ غلام السبطین

یکے نقصان بابر دیگرے شہادت ہمسایہ

میں ابھی کہنے کے لئے تھا کہ ان کو تاہ اندیش مسلمانوں کی جہالت کا مختصر ذکر کرنا چاہتی ہوں جو حصول مدعا کو
لئے جعلی اولیاء کے پھندہ میں پھنسنے کی دولت و غرت ضائع کر بیٹھے ہیں۔ کوئی اولاد کا خواہشمند ہے کسی
کی بیوی سے نہیں بنتی۔ کوئی مقدمہ عدالت میں سرگردان ہے کسی کو افلاس کا روزنا ہے۔ غرض سب کی دل
قسم کی حاجات ہیں جو بجائے اسکے کہ فاضی الحاجات۔ قاضی و الجلال سے طلب کی جائیں جو فراموش
میں قریب ہوں بھوکو پیار و قبول کرونگا [ان اندر قریب اشخاص کے سامنے پیش کر کے ناحق روپیہ
ضائع کرتے ہیں۔ مدتوں پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اور ہر گلی مار واپسی دیکھنے گالیاں دیتے ہیں۔ اور سخت
بڑا پہلا کہتے ہیں بعض وقت تو مار بھی بیٹھتے ہیں۔ حج سر تسلیم خم ہے جو مزاج یا زمین آئے +
پھر انکا کیر کڑ دیکھو کہ نماز روزہ کا نام نہیں۔ مسائل شرع سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اسپر کٹنا نہیں۔
شراب پیچھا کر چرس۔ گناہا۔ قیون۔ پوست غرض کوئی مذہب نہیں جو انکے زیر استعمال نہ ہوگا۔
لاہور میں ایک فقیر تھے وہ اپنے مریدوں کو نہ صرف گالیاں دیتے ہیں۔ بلکہ نماز نہ پڑھنے کی تاکید بھی کرتے
ہیں۔ کیا یہ انبال قبیلہ خلاف شریعت نہیں ہیں۔ کیا روزہ خیر الکی پرشش نہ ہوگا۔ اور کیا یہ لوگ اسلام
کو بدنام نہیں کرتے۔ انوس (کو) اولیاء القدا اور تاج الدعوات مانا جاتا ہے حق تو یہ ہے کہ بد رگاو
باری تعالیٰ اگر اعلیٰ رتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو احکام شرع کے قدم مقدم چلنے سے۔ سوائے اسکے اور کوئی
سورج نہیں۔ خلاف شریعت کسے رہ گزیدہ کہ ہرگز بمنزل خواہد رسید + پھر یہ لوگ قدیم
نبرگان دین کی خالقا ہوں پر سال میں متعدد دفعہ میلے لگواتے ہیں۔ طوافوں کا پچ گانا ہوتا ہے
گشتیان ہوتی ہیں مینڈھے لڑتے ہیں۔ بیڑے لڑائے جاتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں
کی گاڑی کمائی سے حسدیں بھری جاتی ہیں۔ ان لوگوں نے بڑی جاہل دین بنالی ہیں نہ میون کے
مالک ہیں۔ نقدی اور زیور بھی بہ افراط ہے۔ قیمتی گھوڑے سواری کے لئے ہیں۔ غذائیں نفیس اور
دگر چاکر سب کچھ تیار ہے۔ خاصا میر ہیں۔ اب ذرا غور فرمائے کہ اتنی دولت کہاں سے آئی؟

انہی سادہ لوح مسلمانوں کے گلے کاٹنے سے۔ بعض سال میں کئی دفعہ شہر شہر اور کچھ کچھ چور میردون کے گھروں میں بعد چند خاص منظور نظر چیلوں کے پھیرے لگاتے ہیں اور میرد خواہ کیسوی مصیبت میں ہوا پناہ نہ دینے بغیر نہیں اٹھتے۔ اگر کل بچا کے لیے بزرگوں (جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں) کی ایک سال کی آمدنی جمع کی جائے۔ تو اسکی مقدار اتنی ہوگی کہ مسلمانوں کا ایک نیا کالج قائم ہو کر جاری رہ سکتا ہے۔ میری اس تحریر کو شاید بعض اشخاص مبالغہ سمجھیں۔ میں سچ کہتی ہوں اگر وہ بظہر تحقیقات دیکھینگے۔ تو میری راستگوئی کی ضرورت اور دینگے۔ آخر میں میں عصر جدید کے روشن نامہ معاون اور انجمن اصلاح کے بیدار فرم ہوں سے التجا کرتی ہوں کہ وہ اسی تجاویز کو عمل میں لائیں۔ کہ نادان مسلمان اپنی دولت ان جلی اولیاء کے ہتھکنڈوں میں ضائع نہ کریں اور جائز طریقہ میں صرف کر کے خدا و رسول کی خوشنودی کے مستحق ہوں۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ اولیاء اللہ بالکل مغفود ہیں۔ ہرگز نہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ کوئی بستی ان برگزیدہ لوگوں سے خالی نہیں۔ اور اکی خدمت سعادت داریں ہو۔ مگر ایسے صالحین کا ملنا ذرا مشکل ہے کیونکہ وہ اپنے چہرہ کو چھپانے اور عوام الناس سے کنارہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فقط۔

ماہ گزشتہ

علیکدھی حالات | ہم نہایت خوش ہیں کہ آریل نواب فیاض علیخان بہادر رئیس پراسونے نواب لغٹ گورد بہادر سرپرست لاٹوں کی یادگار میں ایک بورڈنگ ہوس علیکدھین بنانا شروع کیا ہے جسکی لاگت کا تخمینہ اٹھائیس ہزار روپیہ ہے۔ ہم نواب صاحب موصوف کی اس باموقع فیاضی

(اقتہار برائے عینہ) مثلاًشی روزگار

مولوی ابوالحکیم محمد نجاد حسین کن قصبہ باندہ ہرودی اودھ (سنی المذہب شاگرد شید مولانا اشرف علی صاحب دہلوی) عالم مستند اور سند یافتہ نقیض ہیں نیز یونانی میں مہارت اور تجربہ کامل رکھتے ہیں اور اہل اکبر سے سند حاصل کی اور اہل فرس کا علاج نہایت پسپا کرتے ہیں۔ لہذا اگر کسی رئیس کو کسی عالم تنبیہ لطیف حاذق یا تالین عربی فارسی کسی حد اسلامی میں عالم مدرس کی ضرورت ہو تو مولوی صاحب موصوف کو اور سلام دعا درخواست کریں خواہ فی الحال علاوہ سفر خارجہ اور بہت دور دراز کے لئے فقط۔

کی دل سے قدر کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہمارے دوست صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب سکریٹری کمیٹی تعمیرات کے جن سہمی سے یہ عمارت جلد تیار ہو کر کلج کی رونق بڑھائے گی۔

محمد انجمن کالج نل کانفرنس کے پریسیڈنٹ مشیر الدولہ خان بہادر خلیفہ سید محمد حسین تجوید کو گئے ہیں آپ علیگڑھ کالج انجمنی تحریک کے مشہور مجدد ہیں اور سر سید رحمہ کے دوست اور وجاہت ظاہری میں ایسے ہی بلند مرتبہ ہیں جیسا کانفرنس کے پریسیڈنٹ کو ہونا چاہئے۔ عموماً کانفرنس کی پریسیڈنٹ کا قوم علیگڑھ کی ہمدردی کا انعام خیال کیا جاتا ہے یا ظاہری حیثیت کا حراج۔ دونوں لحاظ خلیفہ سید محمد حسین صاحب موزوں ہیں لیکن اگر محض کانفرنس کی خدمات کا لحاظ کیا جائے تو البتہ اس کا زیادہ حقوق اور بزرگوں کے ہیں۔ مثلاً مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا حالی، اور منشی ذکاء الدین صاحب تاہم اگر یہ حضرات خواہشمند نہیں تو خلیفہ صاحب اس درجہ کے ضرور مستحق ہیں بشرطیکہ بعد میں وہ کلج کے علاوہ کانفرنس سے خاص طور پر لمسی بھی کھیں۔ انکی ذات سے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔

علیگڑھ کالج میں عربی کی تعلیم کے واسطے جو تجوید بنی تھی اس کے واسطے گورنمنٹ نے لکھا ہے کہ تیس طلبہ فی وظیفہ چھپیں انہوں کا انتظام جب ہو جائے تب ایک یورپین پروفیسر انکوارر روپیہ ماہوار کا دیا جائیگا۔ جب صاحبوں کو بہ منظور ہے (اور کس کو منظور نہ ہوگا؟) کہ عربی کی اعلیٰ تعلیم درستہ علوم میں جاری ہو وہ نو ہزار روپیہ سال کے وظائف یعنی ڈائی لاکھ کے سرمایہ میں مدد دیگے۔ لیکن اگر گورنمنٹ اس رقم کے پورا ہونے کا انتظار کرے تو اس سے بہتر ہے کہ صاف جواب دیدے کہ امداد نہ ملیگی۔

اچھے رسالے پہلے بھی کئی بار ہم نے لکھا تھا اور اب بہ خوشی سے اسکا اظہار کرتے ہیں کہ اردو میں اب با وقت اور عمدہ رسالے نکلتے گئے ہیں۔ ہم چند کا ذکر اس مہینے میں خصوصیت کے کرنا چاہتے ہیں کشمیر و رپن۔ بظاہر تو کشمیری پرنٹوں کی اصلاح کے لئے نکلتا ہے لیکن دراصل اسکا اردو حصہ (۴۴ صفحہ کا) زیادہ تر ایسے مضامین سے پر ہوتا ہے جسکا مطالعہ سب کے لئے سود مند ہوگا۔ رسالہ نہایت شگفتا چھپتا ہے۔ اس کے لائق ایڈیٹر نڈت تیج بہادر سپروائل۔ ایل ڈی۔ اسوجہ سے اور بھی قابل تعریف ہیں کہ باوجود وکالت کی مصروفیت کے ایسا رسالہ نکالتے ہیں۔

جو مضامین وہ اصلاً ترجمان کے لئے لکھتے ہیں ان کے تقریباً سب خیالات ہمکو اتفاق ہے مگر یہ امر اہم نکات ظاہر نہیں ہوا کہ وہ اصلاح کس رخ پر کرنا چاہتے ہیں۔ یورپ کی تہذیب خطرناک ہے

اور ایک حد تک جھوٹی نمائش سے ملو ہے۔ قدیم ہندی تہذیب تاریخ سے بہت دور تاریکی میں جا اور زیادہ تر ترک دنیا کا سبق سکھاتی ہے۔ اسلامی تہذیب پر خود مسلمان قائم نہیں۔ قدیم روم کی شائستگی میں ایک مضبوط طبیعت اور سادہ مزاج قوم کی ضرورت ہے۔ اور شاید یہہ نہایت خیال ہمارے کشمیری ہموطنوں کے لئے مفید ہو۔ بہر حال اصول قرار دینے کے بعد باضابطہ محنت کی ضرورت ہے۔

رسالہ قوم جے پور بہت مفید رسالہ تھا اور چونکہ کم قیمت تھا اور ٹیپ لیسے چوڑے عوامی کے شائع ہوتا تھا اسلئے ہم اسکو اور بھی غرت سے دیکھتے تھے۔ کئی ماہ سے اس کے پرچے نظر نہیں پڑے۔

لسان الصدق۔ بہت عرصہ کے بعد نہایت عمدہ اور ضخیم آیا ہے۔ لیکن اس پر رائے اس وقت دیا جیگی جب وہ چند ماہ تک باقاعدہ نکلتا رہیگا۔ اسکا دفتر بلاس روڈ نمبر ۱۲ ایبٹنی ہے اور نمونہ قیمت ضرور دینا چاہئے۔

مدرسہ سے ایک پندرہ روزہ رسالہ قومی پبلش کے نام سے نکلتا ہے نصف صفحے اس کے انگریزی ہوتے ہیں اور نصف اردو خوشخط چھپتا ہے۔ سیٹھ یعقوب حسن (علیگ) ایک نہایت صحیح خیال اور جوشیلے مسلمان اس کے ایڈیٹر ہیں۔ قیمت معہ محصول اک حرف تفسیر سال ہے۔ اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے متعلق اخبارات و رسائل کو کچھ خلاصہ پیش ہوں۔ اور اپنی طرف سے بھی مدرسہ کے مسلمانوں کو جگانے کے لئے رسالہ کے لکھنے والے مضامین لکھتے ہیں ہم اس رسالہ کو مسلمانوں کے اکثر اردو اور انگریزی صحیفوں پر اور صوبہ مدرسہ کے کل اسلامی اخباروں پر ترجیح دیتے ہیں۔ گو اگر ہمارے دوست ایڈیٹر معاف کریں تو ہم ذیل کی تکلیفی پر اس مختصر رائے کو ختم کرینگے کہ ہر مدرسہ کا۔ اخبار کا۔ بلکہ ہر کام کا ایک خاص مقصد پیش نظر رکھنا چاہئے۔ قومی پبلش کہے گا۔ (اور اسی طرح علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ جواب دیگا) کہ میرا مقصد ہے۔ قومی ترقی۔ وہ سطح حاصل ہو سکتی ہے جو جواب۔ تعلیم۔ تعلیم کس چیز کی اور کس طریقہ سے اور کس غرض کے لئے جو جواب۔ یونیورسٹی نے جو نصاب بنایا ہے اسکی اور کالجوں میں جو طریقہ اس طرح اور غرض ہے ڈگری حاصل کرنا۔ ڈگری کس لئے حاصل کی جاتی ہے جو جواب ملازمت کیو اسطو؟

پس معلوم ہوا کہ سرکاری ملازمت اور قومی ترقی ہم معنی الفاظ ہیں ؟ مگر اس نتیجہ کو کوئی ماقبل خوشی سے قبول نہیں کرے گا۔ اسی نامعلوم گورکھ دھندے میں ہم اور ہمارے لیڈر چل رہے ہیں۔ حالانکہ اون کو قرار دینا چاہیے کہ قوم کا دائرہ کتنا بڑا ہے۔ اسکی اخلاقی۔ تمدنی۔ مالی ضرورتیں کیا ہیں۔ انکو کس طرح دور کرنا چاہیے۔ برخلاف اسکے اور تو اور مدراس کے علی اور سہمداد آدمی نہایت آفیشل اور شک طریقے سے لکھتے ہیں ہمارا مقصد صرف تعلیم کو پھیلانا ہے۔ ہم اصلاح تمدن کے جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتے جب لوگ خود اپنا ارادہ نہیں جانتے اور اصلاح تمدن کو تعلیم مراد نہیں سمجھتے تو وہ کیا کرے ؟ صرف وقت کا ضائع کرنا۔ میرا مطلب ان فقرات سے قومی بلچل کے لائق ایڈیٹر یا اعتراض کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مدراس کے اکابر رجنی ساتھ ساتھ خلاف مرضی بھی اونکو چلنا پڑا ہے۔

انجمن رفیق الاسلام امرتسر ایک کام سچی خیرات اور قومی ہمدردی کا کر رہی ہے۔ مفید اور مفت کتب

چھوٹے چھوٹے تقطیع کے رسالے نصاب یا نیرنگان دین کے حالات کے مفت شائع کرتی ہے۔ ہمارے پاس چار رسالے واسطے رائے کے پہونچے ہیں۔

- (۱) ہادی برحق کے مختصر حالات۔ مؤلف میر عباد اللہ لدی۔ ۱۷۵ صفحات۔
- (۲) حضرت علی رضی کی مختصر سوانح عمری۔ مؤلف انجمن۔ ۷۲ صفحات۔
- (۳) گلستان افضل۔ شیخ سعدی کی گلستان کا انتخاب اردو میں صفحات ۱۱۰۔
- (۴) صبح امید۔ مسلمان بچوں کو نیک اخلاق اور اصول میں سمجھانے کی غرض سے ایک قصہ۔ مؤلف میر کر امت اللہ صاحب۔

(۵) نسی گنتی۔ عام واقفیت بڑھانے کے لئے صفحات ۳۰۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسی کتابیں جس قدر زیادہ۔ اور عمدہ چھپو اگر مفت تقسیم کرائی جاویں بہتر ہیں اسلئے عصر جدید کے ناظرین میں جو صاحب اس کام کو اچھا سمجھتے ہوں ٹھوڑا بہت چندہ (بہم ضرور نہیں کڑ بڑی رقم ہو) میر حبیب اللہ صاحب آنریری مجسٹریٹ و سسٹری انجمن کے پاس بھیجا کہ اس تحریک میں شریک ہوں تو بہتر ہے۔ کم از کم صرف لاگت دیکر سوچا پس رسالے سنگا کر طلباء اور کم علم لوگوں کا علم بڑھانے کے لئے تقسیم کریں اور اسکی لاگت کی بابت سے رالہ روپ سیکرٹری کو یہ حدیں تاکہ آئندہ رسالے اسی قدر تعداد میں چھپ سکیں۔ نئے بکڑے مفت ہی سنگا کر پڑھیں۔ فقط

ایک اچھے اخبار کی مالی حالت

ہم کو اس بات کے معلوم ہونے سے سخت ناسف ہوا مگر تعجب نہیں کہ اخبار وکیل امرتسر کے جو ہفتہ میں ۳۰ بار بہت صاف اور خوش خط چھپتا ہے۔ اور جس کی قیمت عام لوگوں سے صرف تینے سال ہے اور جو کم از کم تین چار ہزار آدمیوں کی نظر سے گزرتا ہے کیونکہ اس کی اشاعت ایک ہزار ہے۔ اس سے مولوی غلام محمد صاحب مالک کو بجائے فائدہ کے کئی سو روپیہ سال کا نقصان ہے۔ ہیکو اتفاق سے اس کے حساب کے جانچنے کا موقع ملا۔ اس اخبار کی اشاعت اگر اس کو خریدنا چاہیں تو ایک سال میں پندرہ سو کر سکتے ہیں کیونکہ اخبار کا نقصان زیادہ تر مالک کی رہنمائی اور خوش معاملگی کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے کہ وہ کسی کی خوشامد نہیں کرتا۔ ریاستوں سے کچھ وصول نہیں کرتا۔ صاف گو ہے۔ اگرچہ ہیکو اس کے اصول و خیالات سے نہیں لیکن بعض معاملات میں طریقہ تحریر سے اختلاف ہو مگر بہت مجموعی یہ اخبار اس قابل ہے کہ سب بخیرہ مسلمان اس کو بخیر دیدیں اگر کسی مضمون سے اختلاف ہو تو آزادی سے اس کے کالموں میں بحث کریں۔

نقصان کو دور کرنے کے لئے مالک اخبار غالباً اس تجویز کو پسند کرینگے کہ اردو و فارسی کی تمام اچھی کتابوں کا باگ ڈور قائم کریں جس سے مصنفوں مولفوں کو کتب فروشی کی زحمت سے نجات ملے۔ مگر ہم وکیل کے لئے کیا کہیں۔ دوسرے کسی صفحہ خود عصر جدید کی حالت کے متعلق کچھ یلگا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مسیح کا یہ قول کہ ”تم دولت اور خدا سے ایک وقت میں محبت نہیں کر سکتے“ ہر زمانہ اور ہر حالت کے لئے صحیح ہے۔

اخلاقی حالت

اکثر مقامات پر خالصکر جان ہم خوش حال ہیں۔ بدعظمتی کا زور حد سے زیادہ ہوا امیر لوگ فواہش میں مبتلا ہونا عیب نہیں سمجھتے بلکہ نہ خیال کرتے ہیں۔ متوسط لوگ اوکلی تقلید کرتے ہیں۔ پنجاب میں اور تو اور خود تعلیم یافتہ گروہ شراب اور مسمت کاری میں مبتلا ہو اور انچر جلیسون میں باسپر غرق کرتا ہے۔ ہندوستان کے تعلیم یافتہ زندگی کا منشا مقصد انگریزی فیشن کی تقلید اور کسی سرکاری ملازمت کو حصول کو سمجھتے ہیں۔ اکثر لوگ قومی محبت اور غیر خواہی کا دم بھی فیشن سمجھ کر بھرنے لگے ہیں۔ اور دل میں ان کے اس قدر کم اثر ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے۔ تجارت میں ایماندا آدمی کم تر داخل ہوتے ہیں اور دھیان تجارت و صنعت بد معاملگی کو پتے پائے جاتے ہیں۔

ان سب باتوں کی وجہ یہ ہے کہ خوف خدا دلوں سے دور ہو گیا ہو۔ دنیا کی شرم بھی نہیں ہے۔

کیونکہ دنیا کو خود اون چیردن سے شرم نہیں جو شرمناک ہیں پہلے لوگ گناہ کرتے تھے اور اسکو گناہ سمجھتے تھے۔ اب گناہ کو انسانی عقل کا کرشمہ سمجھ کر تکارا اور خود غرض مولیٰ کی طرح اسے لئے سو تاویلین گھڑ لیتے ہیں۔

لوگ شہید اور غور طلب معاملات سے استفادہ کرتے ہیں جیسے قضا را اپنے قرضخواہ سے بھاگتے ہیں اپنے حماقت آمیز چھپو پرین کی وجہ سے اصول کو ہمیشہ برائے گفتن سمجھتے ہیں اور جو انکو برائے عمل کروں نگاہ کرے اسکو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ انسان کا خالق خدا ہے بزر نہیں بلکہ نیاز اور درزی ہو گیا ہے۔

باوجود ان خرابیوں کے ہمارا یقین یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اندر ہی اندر دنیا کو بہتر حالت کے لئے تیار کر رہا ہے۔ اور طبیعتوں میں انقلاب شروع نہیں ہوا۔ تو شروع ہونے والا ہے۔ البتہ جو لوگ سمجھ گئے ہیں اون پر فرض ہے کہ استقلال منانت سے اپنی ٹرک پر بغیر دائیں بائیں دیکھنے کے چلتے رہیں۔

نوٹ۔ جو کتب و رسائل بہ غرض ریویو و مضی ہوئے ہیں اون پر لگے نمبر میں انشاء اللہ ریویو کیا جاوے گا۔ فقط۔ ایڈیٹر +

رسالہ الکیما

ہمیں میں دو مرتبہ مولوی حکیم دوست محمد خان صاحب کی ایڈیٹری میں مالیر کوئلہ سے شائع ہوتا ہے۔ ہمیں نہایت اعلیٰ درجہ کے نسخہ جات جواب تک شائع نہیں ہو سکے تھے شائع ہوتے ہیں۔ اور مفید مضامین تعلق کیا و طب اس میں ہوتے ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت سہہ محصول اک چھپا ہے۔ نمونہ کا پیرچہ صرف ایک کارڈ آنے پر مفت بھیجا جاتا ہے۔ فقط

مینجر رسالہ الکیما۔ مالیر کوئلہ

نہ ختم ہونے والی کہانی

مخدومی وکرمی مسٹر نیاز احمد۔ گذارش ہے کہ بیشک مسلمانوں میں پیشہ ور گدا گردن کی روز افزون ترقی ہے۔ اور اس ترقی کے چند باعث ہیں۔
اول۔ یہ کہ جب کسی بے محنت و تکلیف تھوڑی سی بے حیائی اختیار کرنے سے اچھی خاصی آمدنی ہو تو وہ کیوں محنت و جفا کشی کرنے لگا۔

دوئم۔ عموماً شریعت سے ناواقفی اور بے پروائی مقدس اور پاک کتاب قرآن مجید کو اول سے آخر تک پڑھ جاؤ کہیں یہ حکم نہ ملیگا کہ بھیک مانگ کر گزارہ کرو۔ حالت منتظرار میں جب بھوک سے دم نکلنے لگے اور کئی روز کا فاقہ موج قرآن پاک نے مردہ اور حرام چیزوں کی کھانے کی اجازت دی۔ [صرف استقدر کہ زندگی باقی رہے نہ شکم سیرا لیکن بھیک مانگنے کی اجازت ہرگز نہ دی (جو یک گونہ سخت ترین حرام خودی ہے) نبی کریم فداہ روحی نے منہ مایا کہ اگر کسی سوار کا چابک گر جائے تو اسکو چاہئے خود اتر کر لے لو کسی سے سوال کرے کہ یہ اوٹھا دو۔ نیز حکم دیا کہ ذلیل ترین لوگ وہ ہیں جو بھیک مانگنے کے عادی ہوں حضرت عیسیٰ کے پاس ایک سائل آیا اور کچھ مانگا اسکی چوٹی میں آٹا وغیرہ تھا آپ نے پھین کر بیت المال کے اونٹوں کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا کہ اب سوال کر ایک وقت کا کھانا بیت المال سے ملیگا۔ کیا ہمارے امرا خیرات دینے کے وقت اس اصول کے پابند ہیں کہ وہ صرف مستحقین کو خیرات دیں۔ انکھ بند کر کے مال کنوئیں میں جھونک دینا اور امر ہے۔ ورنہ مذہبی احکام خیرات کی تعمیل نہایت ضروری ہے جس کی ذرہ پرواہ نہیں کی جاتی۔ کیا جو شخص زکوٰۃ حسب فرمان خدا و رسول ادا کرے

اور تحقیق کو زکوٰۃ نہ دے۔ بلکہ حسب منشا خود غیر مستحق گندے اور ناپاک پیشہ والوں کو دے تو وہ عند اللہ والرسول باجور و سرخرو ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ صدقات دینی کے نسبت ٹھیک بمصر چرخیچ کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ یکے نقصان مایہ دیگر شہا ہمایہ کا مصداق ہوگا۔ آیتہ ذیل سے معلوم ہوگا کہ دراصل مستحق خیرات وہ لوگ ہیں جو خدا کے کسی کام میں لگے رہنے کی وجہ سے اپنی معاش کا خوف کر نہیں کر سکتے ذکر ہٹے کے تندرست جوان پیشہ ور گرد اگر۔ لِّلْفُقَرَاءِ الذِّیْنَ اُحْصِرُوا فِی سَبِيلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ خُضْرًا فِی الْاَرْضِ یَحْسِبُهُمْ اَلْجَاهِلُ اَعْنِیَّوْا مِنَ التَّغَفُّفِ تَعْرِفْتُمْ یَسِیْرَهُمْ لَا یَسْأَلُوْنَ النَّاسَ اَلْحَقَاقًا وَمَا تَنْفَقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔ (خیرات) ان فقر کا حق ہے جو خدا کی راہ میں روک لے گئے ہوں وہ چل پھر نہیں سکتے۔ (زاکہ اپنی معاش حاصل کریں)۔ سوال کرنے کی وجہ سے جاہل لوگ انہیں غنی جانتے ہیں تو ان کو سچا تا ہے کہ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور جو تم خیرات کرو گے یقیناً وہ اللہ کو معلوم ہے۔ آیتہ بالا میں بغور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت مستحق خیرات وہ لوگ ہیں جو کسی قومی یا مذہبی کام میں لگے رہنے کی وجہ سے اپنا فکر آپ نہیں کر سکتے۔ یہ ظاہر ہے کہ سب سے اہم اور ضروری کام تعلیم کا ہے۔ سوال نہ کرنے اور لپٹ کر نہ مانگنے اور عام جہال کا اون کو غنی جاننے اور ان کے چہرہ کی سادگی کے کل فریہ آیتہ بالا میں اس امر کے ہیں کہ وہ جماعت صرف تعلیم دینے یا حاصل کرنے والوں کی ہے۔ نہ اس کے خلاف بیکار رہنے والے انسان۔

سوم۔ ہندوستانی کے ہندو اقوام کے پڑوس کا اثر کیونکہ تفریق ذاتی اور میں اس قسم کے اسباب پیدا کر دئے تھے کہ بعض لوگ جو اپنے آپ کو شندو کہلاتے ہیں وہ امر سے ہانک کر گذارہ کریں۔ چنانچہ مسلمانوں میں بھی زیادہ تر پیشہ ور لگا کر ان ہی۔ نو مسلم۔ اقوام میں ہیں جو پہلے سے گداگری کیا کرتی تھیں۔ جوگی وغیرہ اقوام اسکا شہر میں۔ بلکہ بعض صوفی گروہوں میں بھی یہاں ہی کے سادہ مواد و روشنی فقیر و نکارنگ

چڑھ گیا جو اینک لباس شکل شباهت وغیرہ سے ظاہر ہے۔

اس باہم خاطر بیکار گروہ کا دن بدن رو بہ ترقی ہونا بیشک قوم و ملک و مذہب کو لئے نہایت خطرناک اور بدنام دھبا ہے جس کے دور کرنے کی جلد کوشش کرنی بہت ضروری ہے۔

اس ترقی کے انسداد کی بڑی ترکیب تو یہ ہے کہ غیر مستحق پیشہ ور گدا گروں کو خیرات دینا یک قلم موقوف کیا جائے۔ جب اوں کو یقین ہو جائیگا کہ اب ہم کو مفت کی نیلگی تو مجبوراً کرنا کسی کام سے لگیں گے۔ چنانچہ بعض گروہ بیرون کے جو صرف شکم پر پی کے لئے مرید کیا کرتے تھے وہ توجہ انوں کی بے اعتنائی دیکھ کر ہوشیار ہو چکے ہیں۔ اور ملازمت تجارت وغیرہ کی طرف مائل ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا کون مسئلہ ہوگا جو بے کس ایام و بیوہ و یتیم کو گون کو خیرات دینے سے بند کر دے غرض تو اوں سے ہے جو نسل بعد نسل اپنا پیشہ صرف گداگری قرار دیتے ہیں وہ امیرانہ ٹھاٹھ سے مکانات تعمیر کرتے ہیں بیاہ۔ شاید یوں میں ہزار ہا روپیہ برباد کرتے ہیں بجائے اخذ دیتے ہیں۔ ان سب امور کی اگر تصدیق چاہو تو سہارنپور کے محلہ جوگیان اور لاہور کے قوم سادھوان سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ شکل پر موسم گدا میں گدا گروں کی بھی چڑھائی ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض قسم کے فقیر و گمراہان پولیس قانوناً ٹوکتی ہے۔ پھر بھی اکثر ایسے ہوتے ہیں جو ماہ بیاہ پچاس۔ ساٹھ روپیہ بذریعہ منی آرڈر گھر کو روانہ کرتے رہتے ہیں۔ بعض تو وہاں بھی سودی کاروبار کرتے ہیں جبکہ ثروت سرکاری کاغذات سے بخوبی مل سکتا ہے۔ اور بظاہر ایسے غریب معلوم ہوتے ہیں کہ اسکا گمان تک نہیں ہو سکتا۔

مجبوراً کلکتہ میں ایک مشہور دولتمند تاجر کی زبان سے یہ سُن کر کمال تعجب ہوا کہ اگر ان پیشہ ور گدا گروں کو نہ پایا جائے تو سر بازار بے عزت کرنے کو تیار ہوتے ہیں اور مار پیٹ کو آمادہ۔ یہ گدا اگر کیا ہوئے خاصے ڈاکو ہیں جو مرقہ بالجبر کرتے ہیں۔ غرض ایسے بیکار غیر مفید غیر مستحق گروہ کو ہرگز خیرات نہ دیا جائے

نہ آئے کی چٹکی نہ پیسہ نہ کپڑا۔ نہ اور کوئی شے۔ دوسرے۔ ان کی اولاد کو تعلیم دی جائے تاکہ اور لوگوں کو دیکھ کر وہ بھی حیمت و غیرت کا مادہ پیدا کریں اور اپنی قوم کے لئے نمودین سکین۔

تفسیر ہے میرا ایک فقیر کو غیرت دلائی جائے تاکہ وہ کام کی طرف راغب ہوں اور جہاں تک ممکن ہوا ورنہ واسطے کام نکالا جائے۔ کسی قانونی امداد کی امید کرنا بہت مسلمانوں کو نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے نصیب ایسے کہاں کہ مشکل انگلستان گداگری قانوناً ناجائز قرار دیکھتی ہے۔

فنگ باشد کہ بہ پیش شہ و در ویش شویم
والسلام

چارہ آنست کہ خود چارہ گر خویش شویم
آخرین دعا کرتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔ اور آپ کی ہمت و استقلال میں کمی نہ آئے۔ اور آپ سچے خوش سے کام کرتے رہیں۔ نقطہ رافتم غلام محمد شملوی۔ وکیل ندوۃ العلماء

اہم ترین اصلاح تمدن

جناب اڈیٹر صاحب عصر جدید السلام علیکم۔
اصلاح تمدن جس کا آپ نے بڑا اہتمام ہے۔ خدا کی ہمت میں برکت دی ایک نہایت ہی متمم باشند اور استقلال طلب قومی کام ہے۔ اسکے لئے ملک کی جتنی توجہ و اعانت درکار ہو اس سے ظاہر ہے کہ خود ملک ہی بوجہ علمی غفلت بہت سی افسوسناک تباہ کاریوں میں گرفتار ہو رہا ہے۔ آپ لاکھ سعی و جانفشانی سے کام لیں۔ اگر ملک آپ کی چٹکی بیکار پرکان ہی نہ دھری تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ یا اس قابل قدر خدمتیں کیا کام میں لائے جلیقینا معدود چند ہیں کیا کر سکتے۔ کیونکہ اور کھانٹک کامیاب ہو سکتے ہیں؟ لیکن مثل ہو کہ لگانا رلوئین پڑتے رہتے رہتے پتھر بھی نشان پڑ جاتا ہے۔

پس ہمیں ذرا شک نہیں کہ میرا صیغہ کو اپنی طرف سے تو جتنا کہ دم میں دم ہوا پنا فرض ادا کر ہی جانا چاہئے۔
خدا کو منظور ہوا تو لوگوں کے دل آپ کے گرائے ہوئے کبھی نہ کبھی پسچیں ہی گئے۔ اور ضرور ہو کہ وہ ایک دن
اپنی اصلاح حال کی جانب خاطر خواہ بھی متوجہ ہوں۔

مگر میرا پنا خیال اس بارہ میں یہ ہو کہ کوئی کام خواہ ملکی ہو یا قومی۔ دینی ہو یا دنیوی اسکی کارروائی انہذا
ہی سے نہایت مستحکم اصول پر اور بہت ہی سچ سمجھ کر شپ بائی شپ اپنی تدریج سمونی چاہئے اور اصلاح
تمدن کو اہم کام میں کمیر و نزدیک مستحکم اصول یہ ہو کہ پہلے اس امر کی تحقیق و تشخیص کی جائے کہ پہلے
اس وقت کس کن برادر کن خرابیوں میں مبتلا ہو چکے دفعیہ یا انسداد و اسکی حالت سنو سکتی ہے بعد
اسکے یہ دیکھا جائے کہ سب متقدم کون کون سے امور توجہ طلب ہیں؟ جب یہ بھی ہو گا تو پھر ایک ایک
کر کے ان خرابیوں کے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ آپکار سالہ خدا اسکی ضرورت کرے اور اسوجہ سے خواہ
ترقی دی گوا اسکے نام اور مقاصد و صراحتیہ بات نہ پائی جاتی ہو تا ہم ضرور وہ صیغہ اصلاح کا اگر کن ہے
اور جہاں تک مجھ کو علم ہے ایک اکیلا اگر کن ہے۔ ثواب ہونا یہ چاہئے کہ اسکی تمام تر توجہ اصلاحی مضامین پر ہی
مبذول ہو کہ تو تمدن کا لفظ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہو اور شاید ملک ملت کی ہر قسم کی اصلاحات اسکی
ذیل میں آسکیں۔ مگر ہم لوگوں تو اور بہتر ہی سمجھیں۔ سوسائٹیاں اور اخبارات بھی کسی کسی طرح اور
کسی نہ کسی حد تک ہی خدمت اصلاح انجام دے رہی ہیں صیغہ اصلاح تمدن اور آپکار سالہ اسکی کیا
تختہ ہوئی؟ معاف کیجیے گا میں ضمنی خیالات کو لیتا ہوں اپنی اصلی مقصد فراد و راجہ پڑا ہوں۔ ان تو میرا
مدعا یہ ہو کہ آپکار سالہ آپکا صیغہ اور اسکے تمام گرجوش میرا بالکل یکسو اور ہمہ تن مقصود ہو کہ کام کریں اور
اصلاح کی ایک ایک شے کو باری باری قابو کریں۔ جتنا کہ ہمیں مخدبہ اور قابل طہینان کامیابی ہو جائے
اور کسی طرف مطلقاً رخ ہی نہ کریں۔ نہ نہیں کہ بیجا طریقہ خیرات پر بھی جج قبح ہو رہی ہو اور اسکو سمجھ
ہی پہلے و پسین اور ریس کو بھی رگڑے ہیں اور نخل کی بے احتیاطیوں کا بھی گستاخ ہو رہا ہے۔
تو گویا میری رائے میں آپکے صیغہ اصلاح کیلئے اہم ترین اصلاح و اصلاح تو یہ ہے جو میں نے اوپر عرض کی۔
اور یہ میں انشاء اللہ اگلے پچھپن بتاؤں گا کہ اہم ترین اصلاح تمدن میں کس کس تختہ ہوں جسکی
جانب صیغہ اصلاح کو توجہ دلائی مقصود ہے۔ والسلام

راقم خاک را احمد حسین فرید آبادی میجو رفیق کینبی اسٹنٹ ڈیر اخبار دیل امرتسرہ

اشہد سید محمد عبد اللہ علم سوداگر و مولف علمی جہتہری بازا را امیر نازین گھڑلوالی کو بخشی کا پتہ

پکشت خریدارون کو کمیشن
دی جاوے گی

اول سات کتابیں مفہوم اللہ
میں مل سکتی ہیں۔ قابل قدر اور سستی پختا بین

منفصلہ ذیل مفید اور خوش خط عمدہ کتب منیجر دفتر عہد جدید مالیں کو ملے گا ہے

ملکتی ہیں۔ اسکے علاوہ مولانا حامی کی سب تصانیف بھی اس دفتر سے ملین گی۔

کتاب مصنفہ مولوی خواجہ غلام الحسنین سابق انسپکٹر مدارس جوہاگرہ

(۱) اصول تربیت۔ یہ رسالہ جدید اور قدیم اصول کا جامع ہے اور تمام والدین اور معلمین کو اور عام اہل

علم کو اسکاٹھ حاضر فرمادی ہے نہایت عمدہ اور اعلیٰ ترین مضمین اس میں جمع کئے گئے ہیں جو مافیہ عقلی حقائق

تربیت کے اصول و مقاصد طریقہ حصول تہائے کسب ہیں۔ یہ کتاب نہایت خوشخط اور صاف جھیم، ۱۲۸ صفحہ قیمت ۱۰/-

[illegible]

(۲) ان لوگوں میں سے کئی لوگ لاراف ویلیج میں رہتے ہیں۔ اس کا نہایت سلیس نام ہے۔

اعلیٰ درجہ کاغذ پر رفاہ عام شہیم پریس لاہور میں ۶۴ صفحہ پر چھپا ہے۔ دولت کیا چیز ہے؟ کیونکر پیدا ہوتی ہے؟

کس طرح تقسیم ہوتی ہے؟ ۲۸ مضامین علم و لٹریچر، انسانی کے اس میں اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ مبتدی اور عام

شائقینِ آسانی سے سمجھ سکیں جو طلباء یا مدرسین یا عام شائقین اس علم کے ابتدائی اصول کو جاننا چاہیں۔

اس سے بہتر کتاب اُن کو نہیں مل سکتی۔ مترجم نے بعض مفید حواشی بھی دیئے ہیں قیمت ۴۴

(۳) قرنِ تعلیم - ہیکتا الہی و علم و احسان اور عارفانہ تقدیر کیلئے جس کا تعلق ہے۔

(۲) من کیونکہ یہ کتاب اس علم اور غلام تالیفین کے لیے جن کو تعلیم سے محرومی ہو رہی ہے، مقید ہے۔ بقول اہل علم و فضلہ:

مشتی ذکا و اللہ صاحب اردو میں اس سے بہتر کتاب اس مضمون پر نہیں لکھی گئی حجم ۵ جزو نو خط قیمت ۲۰

کتاب از خواجہ غلام الفلین بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ

(۴) اصول اخلاق اسلام۔ بنی بنی صغیر کا رسالہ بہت جلی اور خوشنما چھپا ہے۔ کم عمر بچوں اور لڑکوں کیلئے

غیر ہے اور سرکار نظام کے مدرسہ میں رائج ہے ۲۰ کے ٹکٹ وصول ہوئے ۳۰ رسالے موصول آئے مگر کچھ نہ جانینگے

(۵) لکڑی کا لفٹ رکھو۔ اس وقت قمر تیار ہو رہا ہے۔

(۵) پچھرا شریس کھو۔ اصول ترمی پر۔ میت ۲۔

۶۷) اسیرانید ایاھم۔ علی اور فلسفیانہ مضمون انگریزی میں اپنی پوشیدگیس تہذیب کے چرخ حیات کے شاہیر

در صد کلمات نہایت عمدہ کاغذ پر چھپے ہیں۔ حجم ۱۲ صفحے۔ قیمت سابقہ ۸ روپے۔

۷۔ حیات جاوید اس مشہور کتاب شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب عالم نے مرید مرحوم کو سونپ دی تھی

اور یہ تمام قومیں اور ملکہ معاہدات میں منعص حکمرانوں کو کہ اس سے زیادہ زمانہ کے انتظار یا غفلت سے جسکو یہ قومیں

عصہ برید

ایک ماہانہ ریویو

مقاصد

مسلمانوں میں عملیت - صداقت اور کفایت شعاری پھیلانا

ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین سیکرٹری اصلاح تمدن

(مقام اشاعت مالیر کوٹلہ)

نمبر ۸

اگست ۱۹۵۷ء

جلد ۲

(۱) مسلمان روٹس اکیورل تباہ حال ہیں (۲۹۴) مولانا احمد حسین شوکت مجدد السنہ مشرقیہ

ایڈیٹر شبنہ ہند

- | | |
|------------------------------|--|
| (۲) صیفہ اصلاح تمدن کا کام | (۳۰۰) مسٹر نیاز احمد ممبر صیغہ - میرٹھ |
| (۳) قومی اخلاق (جان برانش) | (۳۰۳) سید نذیر حسین بی۔ بی۔ ڈیٹا سٹوڈنٹ سکول مالیر کوٹلہ |
| (۴) قوم کے لئے کیا ہو رہا ہے | (۳۰۴) خواجہ غلام الثقلین |
| (۵) ایمان بالقدر | (۳۱۶) شمس العلماء مولانا حافظ نذیر احمد ایل - ایل ٹی |
| (۶) اتفاق | (۳۲۳) سید منظر علی - اشہر |
| (۷) علمی خبریں اور کتابیں | (۳۲۵) ایڈیٹر |
| (۸) ماہ گزشتہ | (۳۲۸) ایڈیٹر |
| (۹) بحث و تکرار | (۳۳۵) سید احمد خاں صاحب مرحوم |

منطبع خادم پنجاب پریس امرتسر میں ماتما نمشی نبی بخش صاحب چھپا

اصول صحیفہ اصلاح

- ۱۔ عدل و اعتدال یعنی میانہ روی۔ پرہیزگاری۔ سادگی۔
- ۲۔ کفایت شعاری یعنی اسراف دولت۔ اسراف وقت سے بچنا۔ دولت کا صرف مفید کاموں میں کرنا۔ رسمیات کے اخراجات میں کمی کرنا۔
- ۳۔ سعی و محنت۔ گداگری۔ بیکاری۔ بستی کو قابل نفرت بنانا۔ خود کام کرنا اور ایک شخص کو کام پر لگانا۔
- ۴۔ اتفاق۔ نیک مقاصد کے حاصل کرنے کیلئے ملکہ پیشکش کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

ضروری ہدایات اور قواعد عصر جدید

- (۱) رسالہ کا حجم ۴۴ صفحے کو نہ کم ہوگا۔
- (۲) قیمت پیشگی یا نقد ہوگی یا بذریعہ ویلیو پی ایل یا رسل سالانہ منہ محصول ایک وغیرہ۔
- (۳) نمونہ کی درخواست کے ساتھ ۲ روپے ٹکٹ آنے چاہئیں۔
- (۴) خط و کتابت یعنی نام۔ پتہ مضامین سب صاف اور خوش خط ہوں۔
- (۵) جملہ مناسب مضامین ترتیب اور گنجائش کے لحاظ سے پہلے جاویں گے۔ بصورت عدم ممانعت ایڈیٹر مضمون کو مختصر کر سکتا ہے۔ مگر مطلب پلٹ نہیں سکتا۔
- (۶) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ہونا مناسب ہے۔
- (۷) جو صاحب یک سال یا چھ ماہ کی بابت ۴ ڈیڑھ روپیہ قیمت وافر فرمائیں اور ایک سال یا چھ ماہ کی بابت ۸ روپیہ قیمت نہ ہو تو باقاعدہ رسالہ سبوتاژ نہ ہوگا۔
- (۸) رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت اندرون ۳۰ یوم وصول نہ ہو تو باقاعدہ رسالہ سبوتاژ نہ ہوگا۔
- (۹) ایسے معتبر کتب فروشوں کی ضرورت ہے جو ہمارا نام اور کتاب اپنی پاس رکھیں۔ مفت کو ایشیا کی کتاب دکانیں وغیرہ۔
- (۱۰) اجرت اشتہارات جو صاحب اخبار و رسائل بقدر مساوی ہمارے اشتہار چھاپیں ان سے کچھ اجرت نہ لی جائیگی۔
- (۱۱) خوش کتب یا ادویہ کا اشتہار نہ چھپے گا۔
- (۱۲) اجرت اشتہار فی سطر ہرگز ایک سو پچیس روپے کم اجرت کا اشتہار نہ لیا جائیگا۔
- (۱۳) اجرت فی صفحہ ایک بار کے لئے چھ۔ ششماہی کیلئے چھ۔ ساٹھ۔ نصف حصہ ایک بار۔ پندرہ ششماہی۔ پندرہ سالانہ۔
- (۱۴) جب تک اشتہار چھپے رسالہ صاحبان اشتہار کو بلا قیمت ملیگا۔ مگر محصول ایک ایک کو بھیجنا ہوگا۔

عصر جدید

مسلمان رؤساء کیوں تباہ حال ہیں

مولانا شوکت کے اس خیال سے ہم متفق نہیں کہ کم عمری کے اختیارات تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ اول تو اختیارات عموماً ۱۸ برس میں پورے نہیں دیئے جاتے۔ دوسرے جیب مذہب اور قوم کی زبردست رکاوٹ نہ ہو تو ۲۸ سال میں بھی اختیار دیئے جائیں تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک خوف خدا اور ذمہ داری کا خیال پورے طور پر رؤساء کے دل میں ڈالنا لازم ہے اور اُن کو یہ سمجھانا چاہئے کہ جیسے تم کسی کے افسر ہو ایک اور اعلیٰ طاقت جو عالم غیب ہے تم کو ہمیشہ دیکھتی رہتی ہے اور ضرور سرا دے گی۔ ڈپٹی کلکٹری وغیرہ کا تجربہ اچھا ہے مگر زیادہ سودمند نہیں۔ میں نے چند ڈپٹیوں کو بھی فرعون بے سامان پایا ہے محض چند روزہ حکومت کی وجہ سے۔

بڑی اصلاح ہے مذہبی تربیت اور خوشامدیوں کو علیحدہ کرنا۔ یہ دوسرا کام زیادہ مشکل ہے کیونکہ ہزار ہندوستانیوں میں سے فوسوناوے خوشامدی ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ پچارے قرب رؤساء کے مادر استین اپنے ذاتی فائدے کی وجہ سے بجاتے ہیں اور سچوں کے دشمن رہتے ہیں۔ سچائی کو چھپنے نہیں دیتے۔

رہے چھوٹے زمیندار امیر جو حاکم نہیں ہوتے اُن کی حالت اور بھی بدتر ہے کیونکہ اُن کو نہ رعایا کا اندیشہ ہے۔ نہ گورنٹ کا خوف ہے۔ کچھ عام رائے کا خوف ہو سکتا ہے مگر عام رائے ایسی بزدل اور ناپاک ہے کہ وہ لپچے آدمی کو بگاڑ دیتی ہے

ہم جب اس عام رائے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو چاروں طرف سے تبرا کی آوازیں سنتے ہیں۔ مگر سب انسانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ نصرت الہی اور فتح کے معنی دولت اور تعریف کے نہیں ہیں بلکہ وہ ایک خفیہ تائید اور ایمانی قوت ہوتی ہے جو بار بار نیک کام کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ہم اس کو حاصل کر لیں تو پھر کسی شخص یا پبلک کی ناراضی کی پروا نہیں کر سکتے۔ فقط ایڈیٹ

ہندی مثل ہے کہ سات پشت کے بعد پوتروں کے امیر بھی فقیر ہو جاتے ہیں لیکن یہ مثل بہ نسبت دیگر ایشیائی ممالک کے ہندوستانیوں خصوصاً مسلمان رؤساء کے مزاج اور طبائع پر زیادہ موزوں ہے۔ یورپ والے تو یہ مثل سنکر تعجب کرینگے اور شاید قہقہے لگائیں۔ ریاست یا جائیداد کی آمدنی تو وہی گنی ڈیاں اور پنا شوربا اور توالت ناسل کی کلیں رات دن جاری۔ اسپر عیش پرستی اور فضولیوں کا طرہ۔ قاروں کا خزانہ بھی ہو تو چند روز میں ایک دو یہ تین۔ اور ضعیف الاعتقادی کی یہ کیفیت کہ اوہ! کیا پرواہ ہے جو آتا ہے اپنا رزق ساتھ لاتا ہے۔ وہ بھوکا سلاتا نہیں۔ ہاں بھوکا اٹھاتا ہے۔ اللہ میاں چھپرہ پھاڑ کر دیتے ہیں۔ بتی کے بھاگوں چھینکے ٹوٹتے رہتے ہیں اور خدائے تعالیٰ قرآن مجید اور فرقان حمید میں فرماتا ہے *و فی السماء مزنکم و توعدون* اس آیت کا ایک جملہ تو یاد رہا اور دوسرا جملہ *وما توعدون* حافظہ سے غٹ بود ہو گیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا رزق آسمان میں ہے اور وہ شے بھی جن کے لئے تم وعدہ کئے گئے ہو اب غور کرنا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن میں کیا وعدہ کیا ہے اس کا وعدہ تو یہ ہے *ثلاث امة قد خلت لہما ما کسبت و لکم ما کسبتم* یہ تو میں گزر گئیں ان کو وہی ملا جو انہوں نے خود کیا اور تمہیں بھی وہی ملیگا جو تم خود کرو گے اور فرمایا *و ابغفون من فضل اللہ* یعنی اپنا رزق خدا کے فضل سے ڈھونڈو مطلب یہ ہوا کہ خدا کے فضل پر بھروسہ رکھ کر کوشش کرو خدائے یہ وعدہ نہیں کیا کہ کچھ نہ کرو اور اتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہو۔ وہ مومن بھوگ اور ملو اور آسمانی متن و سلوا غیب سے تمہارے منہ میں ٹپکا دیگا اور تم گاؤ نکیہ لگائے نادیا بل بنے ٹوٹیاں لگاتے رہو وہ تمکو جس کے بھاؤ لیدہ دیگا۔ حضرت غالبؒ نے کیا خوب کہا ہو *ضعف ہر نے قناعت سے یہ ترک جستجو + میں دباں تکیہ گاہ ہست مرداد ہسم*

خدا ہی اپنی صفت رزاقی سے مال و دولت بھی دیگا کہ رنگ لیاں مناؤ عیش و عشرت وہوس مانی کے میدان میں بکرو دچاؤ اور خدا ہی اپنی رحمت سے بد اعمالیوں پر نظر نہ کر کے قیامت میں بخش بھی دیگا۔ جب سب کچھ خدا ہی کرے دھر لگا تو اُس نے تمہیں پیدا ہی کیوں کیا۔ مناسب ہے کہ تم اپنے حسبِ حال یہ شعر پڑھو ۵

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ ثمر نہ سایہ دارم ۶ در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا
اسلامی گورنمنٹ نے جو فیصدی سالانہ ڈیٹائی روپیہ زکوٰۃ کا مقرر کیا ہے تو اس میں یہ حکمت ہے کہ ایک سچا دانا مسلمان جب یہ دیکھیں گے کہ مجھ پر گراں ٹیکس لگ گیا ہے تو وہ اپنا سرمایہ بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس شخص کے پاس لے دیکر کل ۴۰ روپیہ ہوں وہ سال بھر میں ایک روپیہ جبراً و کرہاً ادا کرے اس صورت میں تو زکوٰۃ اصل سرمایہ کو اس طرح کھا جائیگی جس طرح سُرمیری اناج کو ادر گھن اندھ ہی اندھ لکڑی کو خدا کا عالم نہیں کہ انسانوں کو تکلیف مالا یطاق دے یا اپنا ٹیکس و اگر ادا کر دے جس سے بی نوع کو فائدہ نہ پہنچے کیونکہ جس شخص کے پاس صرف چالیس روپے ہیں جب اُس نے ایک سال زکوٰۃ کا ایک روپیہ دیا تو ۲۹ ہی روپے رہ گئے چلنے زکوٰۃ معاف ہو گئی کیونکہ شرط زکوٰۃ تو پورے چالیس روپیہ کا ہوتا ہے

پس غور سے دیکھو تو زکوٰۃ کسب معاش اور تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مال منگنے میں برکت ہونے کی یہی وجہ ہے ورنہ اصل سرمایہ میں جو بڑایا نہ جائے اور مدفون خزانے میں ہرگز برکت نہیں ہو سکتی کیونکہ دینیہ اندے بچے نہیں دیکھتے۔ خدا سے تعالیٰ فرماتا ہے المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا والباقیات الصالحات خیر مہذبہ ثوابا للآلہ یعنی مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہے اور اچھے کام جو ہمیشہ باقی رہیں ۵۱ محمد تیرے رب کے نزدیک از روے ثواب (اجرا کے سب سے بہتر ہیں)۔ مال کو تو تجارت وغیرہ سے بڑھائیں نہیں اور اولاد کو اعمالِ صالحہ اور عمدہ تعلیم و تربیت پر لگائیں نہیں اور اُن کو اچھی راہ پر چلائیں نہیں تو دنیا کی زندگی کی زینت کیونکر ہوگی وہ تو ہر طرح بے رونقی اور ذلت کا باعث ہوگی اور پھر باقیاتِ صالحات کا ثواب کیونکر ملے گا۔ کیونکہ باقیاتِ صالحات کو خدا تعالیٰ

نے مال بکھڑا دیا وہی میں منحصر کیا ہے۔ باپ دادا کے ترکے، درجائیداد پر اپنا سچ بکسر بیٹھنا۔ ہنا اور خود کچھ نہ کرنا سخت دونہی اور مردوں کی ہڈیاں چبانا ہیں۔ اگر باپ دادا بھی ایسے ہی کاہل الوجود اور نفس پرست اور عیش پرست ہوتے تو تم کو یہ اللہ تلے (وہ بھی چند روز کے لئے) کیونکر نصیب ہوتے کیا باپ دادا کی روحیں اپنے ایسے پست ہمت تباہ کار فرزندوں سے خوش ہو گئیں کہ انہوں نے تو سخت اور مشقت اور طرح طرح کی مساعی جمیلہ اور تباہی و مائبہ کے مال و دولت اور جائیداد کی اور مسرفوں اور مبذروں نے غفلت اور کاہلی اور شہوت رانی کو دوزخ میں جھونک دی۔ بالیاد کی روحیں تو یہ شعر پڑھتی ہوئی

س

تو بخوشی تن چہ کردی کہ کنیم امید از تو + بخدا کہ واجب آنا ز تو احترام کردن
 موجود زمانے میں سرمایہ یا جائیداد کو محفوظ رکھنا اور اس کو ترقی دینا ایسا ہی واجب اور فرض ہے جیسی زکوٰۃ کی فرضیت۔ کیونکہ مسلمان معاشرت بڑھ گئے ہیں اور ہر شے گراں ہو گئی ہے۔ یورپ کی شائستگی نے مہذبانہ طرز زندگی اور تمدن کو گراں کر دیا ہے جس سے ہمارے روٹا پر کچھ اور بھی اثر پڑا ہے۔ یورپ کا طرز معاشرت دیکھ کر ان کی آنکھیں چوندھیا گئی ہیں۔ ترقی و ترقی کے طریق زندگی، اسٹائل آف لائف و آرائش خورد کے پوشاک وغیرہ میں یورپین کی تقلید مگر مہذبانہ زینت بسر کرنے میں ان کی تقلید نہیں۔ اگر ہزاروں روٹا کو عیش پرستی نے تباہ کیا تو سینکڑوں کو یورپین تقلید نے ظاہری ٹیم نام تو مہذبوں کی مگر خوارق وحشیوں کے۔ کیا طاقت کہ یورپین کے منضبط مصارف میں فرق آجائے۔ انکی فطرت میں ایسا جائز نہیں ہے کہ شبانہ روزی اوقات کو بھی فضول نہیں جانے دیو۔ کسی بات میں فضول کا آجانا ان کے نزدیک قیامت سے فضولیاں جائز رکھنا مہذب سوسائٹی سے خارج ہے برفلاف ان کے ہماری مرحوم روٹا کا پیچری گویا فضولی بن گیا ہے نہ مصارف کا انضباط نہ اوقات محدود۔ آیا سوڈا یا چیل اپنے گھولندہ میں باسی گوشت نہیں چھوڑتی کس کی رہی اور کس کی رہ جائے گی۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ اپنی اپنی سب بھگت جائیں گے۔ کھایا سو اپنا رہ گیا سو پرایا

س

ساقیاں لگ رہا ہو چل چلاؤ + جب تک بس چل سکے ساغر چلے

کہتے ہیں کہ انگریزی تعلیم وحشیوں کو انسان بناتی ہے اور ہوا پرستی اور دام پرستی دودھ کر دیتی

مگر ہمارے رؤساء تعلیم پا کر اور بھی بگڑ جاتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا وہی پوڑا اور تہذیب کی وہی لائش جو یورپین فطرت کو زیادہ چمکدار اور دلکش بنانے کی وجہ سے کہ ہمارے رؤساء کی فطرت کو اور بھی بد نما اور اسودالوہ کر دے۔ یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔ معلوم ہوا کہ تعلیم کا تصور نہیں ہے

لان الماۃ فی الاصداف دُمًّا ۛ وفی فم الافاۃ صاما ستم
کیونکہ وہی پانی جو سیپیوں میں موتی بنتا ہے سانپوں کے منہ میں آکر زہر ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے
ایک ہے صرف ظرف کا فرق ہے

انگریزی تعلیم عالمگیر ہو رہی ہے اگر وہ ناقص اور خراب ہوتی تو قبولیت عامہ کا درجہ حاصل نہ کرتی مگر تعجب ہے کہ دنیا تو یہ تعلیم پا کر مذہب بخور اور مسلمان رؤساء زاد کو یک بدتر ہو جائیں۔

وجہ یہ ہے کہ وہ تعلیم نہیں پاتے بلکہ کھیلتے ہیں اور اُس کو لہو و لعب کا مشغلہ سمجھتے ہیں وہ کالجوں میں پڑھتے ہیں اور بڑے بڑے لائق فائز یورپین آتالیق پیش قرار تمنخوا ہوں پر بطور سپرائیٹ بھی تعلیم دیتے ہیں مگر ہم نے نہیں سنا کہ کسی رئیس زادے نے پرائمری تعلیم کی بھی ڈگری پائی ہو اسلی تعلیم تو کجا۔ بس بگڑ جانے کے یہی سینک ہیں دنیات کی تعلیم بھی ملتی ہے علماء اور فضلاء و ملازم ہوتے ہیں مگر خدا نے چاہا تو چھوٹے بڑے استخفا کرنے کے مشلے سو بھی ناواقف ہوں گے ۛ

جب تک نابالغ رہے جوں توں کر کے کچھ سیکھ سا کھ لیا۔ جہاں ذرا انجن میں اسٹیم بھری محلوں میں داخل ہو پھر کیا تھا آزادی کی ہوا سمائی۔ اور زبان حال سے یہ شعر پڑھنے لگے ۛ
وفاقرق ابالت اذا ما ابالت ۛ وتمد شبابت وصد من صبح

یعنی اگر تیرا باپ بھی تجھے ہوا پرستی سے روکے تو اُس سے جدا ہو جا اور اپنا جال پھیلادی اور جو سامنے آئے شکار کر لے۔ اور جب چند خود غرض ذلیل خوشامدی ساتھ ہوئے تو ہڑائیس کو خرچ پر پڑھا کر گرد گٹھا ہی بنا دیا۔ اور ہی چاٹ لگ گئی تعلیم سے جی اُچاٹ ہو گیا قواء کمرد زبو گئے۔ دل و دماغ کی قوت اپنے مرکز سے گر گئی۔ اب قوت مدبری و انتظامی کہاں آئے۔ اور جب خود مختار ہو کر آزادی کا لائسنس ل گیا۔ پھر تو خوب ہی کھل کھیلے۔ بیسیائی تیرا آسرا۔ ادھر آپ عیش پرستی کے غلام بنے۔ اُدھر حاشی نے اپنے ہاتھ رنگنے شروع کر دیئے

اہلکاروں کی بن آئی۔ بٹری پٹری۔ قرض بڑھا اور چند روز میں ایک دو یہ تین۔ ہمارے رؤساء زادوں کی تعلیم وہ نوڑے نوری ہوئی ہے کہ باید و شاید۔ خوشامدی حواشی تو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ نواب بہادر یا ٹیکا صاحب یا کنور صاحب بہت انگریزی پڑھ گئے ہیں اور پیروں جو دوبار ہوا تو سرسبز طور پر ایسی گٹ پٹ انگریزی بولی کہ لاٹ صاحب دنگ رہ گئے۔ حالانکہ وہاں گڈاننگ کے سوا کوئی کلمہ زبان مبارک سے نہیں نکلا اور اتالیق صاحب بہادر نے انگریزی میں بات چیت کرنے کی ڈیوٹی پوری کر دی۔

گورنمنٹ کا پیچھ لینا کہ ۸ برس کی عمر تک پہنچنے پر ہندوستانی رؤساء اس لائق ہو جاتے ہیں کہ ریاست کے کاروبار سنبھال لیں پس اُن کو اختیارات عطا کر دینے چاہئیں سخت غلطی ہے۔ ہندوستان تو پیران نابالغ کا کھتا ہے یہاں تو یہ مصر عاقل آتا ہے ۶

گوسالہ ما پیر شد و گاؤ نشد

پس نوجوانی یا عنوان شباب میں رؤساء کو اختیارات دینا گویا کسی بچے کے ہاتھ میں دودھاری تموار دیدینا ہے تاکہ وہ خود کشی کرے! سکولوں اور کالجوں میں جیسے امتحانات مقرر ہیں کیا رؤساء کے لئے بھی کوئی ایسا محکمہ امتحان ہے جس سے معلوم ہو کہ وہ ۸ سال کی عمر میں بڑے تجربہ کار اسٹینٹین بن گئے ہیں اور اب اُن کو یہ کہہ کر کہ عطاء تو ہلقائے تو اختیارات کا پٹلہ دینا چاہئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ رئیسوں کے معاملات میں زیادہ مداخلت گوارا نہیں کرتی وہ اپنا ناموس آزادی ملحوظ رکھتی ہے مگر یہ ایسی ہی ناقابل اندیش رعایت ہے۔ جیسے بیوقوف والدین تربیت کے معاملے میں اقتضا و محبت سے جو حقیقت عداوت ہو اولاد کے ساتھ کرتے ہیں۔ لیکن جب رئیسوں کی شہرہ میں حد سے گزر جاتی ہیں تو گورنمنٹ مداخلت پر مجبور ہوتی ہے اور جسم کا ایک عضو ناف جس میں پائٹرن آگیا ہو کا ٹٹا پڑتا ہے تاکہ وہ پائٹرن تمام جسم میں دوڑ کر ہلاک نہ کر دے یعنی بدعل رئیس کو معزول کرتی ہے تاکہ ریاست تباہ نہ ہو اور پھر چار طرف غل مچتا ہے اور رؤساء میں ناراضی پھیلتی ہے اور گورنمنٹ کی حیثیت پر حملے ہوتے ہیں۔ اگر پہلے ہی ملک تمام کی جائے تو یہ نوبت ہرگز نہ آئے۔

میں ذیل میں گورنمنٹ اور ریشیوں کی رفاہ کی تدبیر تباہوں امید کہ اس پر غور کیا جائیگا۔
(۱۱) ریشیوں کو پوری تعلیم دی جائے جیسی کالجوں میں دی جاتی ہے۔ ان کو لاکلاس
میں بھی رکھا جائے اور امتحان لیا جائے۔

(۱۲) امتحان میں پاس ہونے پر ان کو گورنمنٹ کے مشینوں اور محکموں اور علاقوں
میں آنریری عہدے دیئے جائیں مثلاً پہلے ڈپٹی کلکٹری پھر کلکٹری پھر کشنری اور
ججی وغیرہ۔ ۲۰ سال کی عمر تک عملی تعلیم دی جائے تب اختیارات ریاست عطا کئے
جائیں اور اس عرصہ میں ریاستوں کا انتظام کونسلوں کے تحت میں ہو۔ اس میں گورنمنٹ
کا بھی فائدہ ہے کہ تنخواہ نہ دینی پڑے گی اور رؤساء زادے ہر طرح لالچ و فالتین
مدبر و منتظم ہو کر تباہی سے بچیں گے۔

اگر رؤساء کو کامل تعلیم دی جائے تو چھٹ بھیتے رؤساء جن علاقے ہمیشہ کورٹ ہوتے
ہیں اور ان کو نقصان پہونچتا ہے گورنمنٹ اس دردسری سے بھی بچے ۴
احمد حسین شوکت ایڈیٹر شمعہ ہند و طوطی ہند میرٹھ

صیغہ اصلاح تمدن کا کام

میں تسلیم کرتا ہوں کہ صیغہ کا کام بالفعل کافی قوت اور زور سے نہیں چلتا اور بجائے
اس کے کہ دوسروں کی سر دہری کا الزام دیا جاوے اور یہ الزام صحیح ہی اُس کی جڑ کو
دیکھنا پابستہ۔ جڑ یہ ہے کہ جیسی خود فراموشی اور بہتہ کن کوٹش ایک ایسے کام کے سکڑی
کو لازم ہے وہ عمل میں نہیں آتی۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ جلد (ایک سال خواہ دو سال میں) اس
کام کو اُس بیج اور زور سے اٹھایا جاوے گا کہ ہمارے دوستوں کو شکایت کا موقعہ نہیں ہوگا فقط
(سکڑی صیغہ)

مسید ابو محمد صاحب ایم۔ اے (جو خوشی کی بات ہے کہ علیگڑھ میں تحصیلدار مقرر ہوئے ہیں)
حال میں میرٹھ آئے تھے اور اثنائے گفتگو میں کہتے تھے کہ جب سے خواجہ غلام الثقلین جیسا

بالبکولہ گئے ہیں صیغہ اصلاح تمدن کا کام سُست ہو گیا ہے اور بہت سے لوگوں کا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ لیکن اصلیت معلوم ہونے کی وجہ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ خواجہ صاحب اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ انہوں نے بالبرکولہ کی ملازمت اپنی بہت سی امیدوں کو خیر باد کہہ کر صرف اس وجہ سے اختیار کی ہے کہ اصلاح تمدن کے کام میں وہ زیادہ وقت صرف کر سکیں اور میں بخود دیکھا ہے کہ وہ ایسا ہی کرتے بھی ہیں۔ پھر آخر کیوں یہ کام سُست ہو گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قوم کی اصلاح کا کام صرف ایک شخص کی محنت سے سرانجام نہیں ہو سکتا ایک شخص تحریک کر نوالا ہوتا ہے اور ضرورت ہے کہ اور لوگ اس کی مدد کریں۔ چنانچہ انہوں نے ہے کہ قوم کا تعلیم یافتہ حصہ بھی اصلاح تمدن کے کام میں خواجہ صاحب کی معاونت نہیں کرتا بلکہ ایسے ضروری کام کو بالکل فضول اور غیر ضروری سمجھتا ہے۔ جب روشن خیال گروہ کا خیال ہو تو عوام الناس کی امید ہو سکتی ہے۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ مبعوثان مبعوثان اصلاح تمدن بھی وہ مدد نہیں دیتے ہیں جس کی اُن سے امید تھی۔ حتیٰ کہ خواجہ صاحب کے خطوط کا جواب بھی نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں صد آفرین ہے کہ خواجہ صاحب نے بہت نہیں ماری اور وہ گرجوشی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں۔

خیر اب سوچنا یہ ہے کہ اس کام کو کس طرح پھیلانا چاہئے اور یہ ایسی بات ہو جس پر کم سے کم ہر ایک ممبر کو غور کرنا چاہئے۔ اس کے متعلق چند باتیں میں عرض کرتا ہوں۔

(۱) خواجہ صاحب کے اور ممبران صیغہ کو ہر سال شیکایت باقی رہتی ہے کہ کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں اُن کو کافی وقت نہیں دیا جاتا اور یہ ایک نہایت منقول شکایت ہے۔ لہذا ہم کو غور کرنا ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے یا نہیں کہ ایک سوشل ریفارم کانفرنس علیحدہ قائم کی جاوے

(۲) کیا ممبران صیغہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے چند ہم خیال پیدا کر کے مقامی انجمنیں قائم کریں جو وقتاً فوقتاً بڑے بڑے جلسے کریں یا کسی اور طرح عوام الناس کو اپنی مقاصد کا آگاہ کر کے اُن کو آنے والی تباہی سے بچادیں۔

(۳) کیا اب وہ وقت نہیں آگیا ہے کہ صیغہ کی طرف سے ایک یا دو واعظ نوکر رکھ جائیں جن کا یہ کام ہو کہ وہ تمام ملک کا دورہ کر کے مسلمانوں کو سمجھادیں اور انکو اصلاح کی طرف راغب کریں

(۴) کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ سال بھر میں کم از کم دو تین رسالے اصلاحی مقاصد کے چھاپ کر ٹاکس میں کثرت کے ساتھ مفت تقسیم کئے جائیں اور ان کو عوام تک پہنچایا جاوے۔

(۵) کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ خواجہ صاحب خود اور چند اودھمبران جیسے ہر سال مختلف مقامات کا دورہ کیا کریں اور اپنے لکچروں اور تقریروں سے قوم کو راہ راست پر لادیں۔

(۶) کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ "عصر جدید" کے خریدار کثرت کے ساتھ پیدا کئے جائیں اور اس کی جلدیں ہر سینے متفرق مقامات پر مفت تقسیم کی جائیں تاکہ اور کچھ نہیں تو اصلاح تمدن کا نام لوگوں کے کانوں تک پہنچے

(۷) کیا یہ مفید نہیں ہے کہ تیوٹاروں کے موقعوں پر ہیکٹ یا چھوٹے چھوٹے اشتہارات عوام الناس میں تقسیم کئے جائیں جو ان کو بیجا اخراجات کی معرفت بتادیں اور ان سے باز رکھیں (۸) جہاں کوئی شخص فتنوں خرابی کرتا ہو یا کرنے والا ہو اور شرانگیزی یا آوارگی کرتا ہو اس کو بار بار خطوط بھیج کر متنبہ کیا جاوے کہ وہ اپنی حرکت سے باز رہے۔

(۹) کثیر التعداد اخباروں اور رسالوں میں مقاصد صیغہ اصلاح تمدن کے متعلق مضامین لکھے اور لکھوائے جائیں تاکہ متواتر پڑھتے رہنے سے ناظرین کے دل پر ان کا اثر ہووے۔

(۱۰) اخیر میں یہ بات غور طلب ہے کہ ان سب باتوں کے لئے روپیہ درکار ہے اور وہ کہاں سے اور کس طرح ہم پہنچایا جاوے۔ میری یہ رائے ہے کہ خواجہ صاحب اور ان کو ہمراہی

جو ہر سال دورہ کریں وہ خاص خاص آدمیوں سے چندہ بھی وصول کریں مگر صرف اس قدر جتنا کہ اُس سال کے بجٹ کی موافق ضرورت ہو اور پھر یہی روپیہ ان کاموں میں صرف کیا جاوے

میرا خیال ہے کہ یہ طریقے وسیع پیمانہ پر اختیار نہیں کئے گئے ہیں اسی وجہ سے صیغہ اصلاح تمدن کا کام سُست ہو گیا ہے اور بغیر ان کے چلنا بھی مشکل ہے ورنہ خواجہ صاحب کی طرف سے

کچھ کوتاہی نہیں ہوئی ہے اور ان کے جوش و امید ہو کہ آئندہ بھی نہیں ہوگی۔ فقط نیاز احمد مندرجہ ذیل کتب دفتر عصر جدید مالیر کوئلہ سے مل سکتی ہیں۔

کتب مصنفہ مولوی عبدالرحمن امرتسری مشہور مصنف و سیاح مصر و شام وغیرہ
کتب بالعرف۔ کتاب الخ۔ عربی بول چال۔ مجموعہ نظم حالی۔ اس مجموعہ میں شمس العلماء مولوی الفضل حسین صاحب
حالی کی نہایت عمدہ نظمیں ہیں۔

قومی اخلاق

جان براٹ مروجہ افکار کا ایک مشہور مدبر اور فقیہ البیان گزرتا ہے۔ ذیل کا مضمون

اُس کی ایک شاندار تقریر کا اقتباس ہے

میرے نزدیک کسی قوم کو دائمی عظمت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اُس کی بنیاد اخلاق پر نہ ہو فوجی عظمت یا شہرت کی بجھے پروا نہیں۔ ہاں جو تو اُن لوگوں کی حالت کی ہے جن میں اُس بود و باش رکھتا ہوں۔ انگلستان بھر میں کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ تاج شاہی کا ادب ملحوظ رکھتا ہو۔ مگر تاج و تخت۔ فوجی کر و فرجنگی ساز و سامان۔ وسیع نوآبادیاں عظیم الشان حکومت و سلطنت یہ سب میری نظر میں بیچ ہیں جب تک اُن کے ساتھ عامہ ناس کو کافی آرام و آسائش۔ آسودگی اور شادمانی نصیب نہ ہو۔ محلِ فلے چورے چکے مکان شاندار جوئلیاں اُن سے قوم نہیں بنتی۔ قوم کا گھر ہر ملک میں بھڑ پڑا ہے۔ پس جب تک تمہارے قانون و آئین کی روشنی دیاں نہ چلو۔ جب تک تمہاری فدا بلط کی خوبی اور تمہاری مدبروں کی برتری دیاں کے لوگوں کے دلوں کی نفس نہ ہو تب تک۔ یا درکھو تمہیں یہ سیکھنا باقی رہیگا کہ حکومت کو فرائض کیا ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اِس ملک کو ممانعت کے آلات و وسائل کی ضرورت نہیں (مدبر کا یہ فرض ہے کہ معروف اصول اور خلقت کی صحیح رائے پر عمل کر کے نہایت اعتدال اور خوبی کے ساتھ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی تدابیر کرے) مگر جو روپیہ لوگوں اور جہازوں کے مہیا کرنے ساز و سامان کے ہم پہنچانے میں صرف اِس مطلب کے واسطے صرف ہوتا ہے کہ دوسرے ممالک کو کاروبار میں دخل و مداخلت کیا جائے اور ایک ایسی سلطنت کی حدود کو وسعت دی جائے جو پہلے ہی اتنی بڑی ہے کہ شاید بڑے سے بڑے مدبر کے سنبھالنے سے بچنے والی نہیں۔ میں اُس روپے کو نہایت تنگی کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ پہلے زمانے کے مورخ لکھتے ہیں کہ ستھین قوم بڑی جنگجو قوم تھی۔ اِس قوم نے ایک اچھے چوتھے پر کسی وقت کی ایک پُرانی تلوار ٹکرا رکھی تھی جس پر قوانیناں چڑھا کرتی تھیں۔ میں اکثر اپنے دل سے سوال کیا کرتا ہوں کہ کیا ہم لوگوں نے کسی ایک بات میں بھی اہل ستھین سے بڑھ کر ترقی کی ہے؟ ہماری غیراتی تعلیمی اخلاقی مذہبی عدالتی اور انتظامی جگہ

بلاشبہ سچ میں اُن مصارف کے سامنے جو ہم جنگ میں خرچ کر دیتے ہیں۔
میرے سامنے خدا کے فضل سے اس وقت وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے
جن کے دماغوں میں علم و عقل کی روشنی ہے جن کے ہاتھوں میں ملک کی قوت اور ملک کا
اقتدار ہے۔ بس میرے ہم وطنو تم خلقت کی رایوں کو سانچے میں ڈھال سکتے ہو۔ تم
ملکی قوت عدم سے وجود میں لا سکتے ہو۔ مگر افسوس اس مضمون پر کبھی غور نہیں کرتے کبھی
اپنی صحبتوں میں اپنے جلسوں میں اس معاملے پر بحث نہیں کرتے۔ کیا میں تمہیں سمجھاؤں
کہ قانون اخلاق صرف افراد خلق کے لئے نہیں ہے بلکہ قوموں کے لئے بھی ہے۔ بیشک جو قومیں
اس قانون کی تضحیک کرتی ہیں کبھی نہ کبھی اس کا نتیجہ دیکھیں گی آج نہیں تو کل اور
کل نہیں تو پرسوں۔ فقط
سید رحیم

قوم کے لئے کیا ہو رہا ہے

قادیانی تحریک | اگست ۱۹۱۹ء میں آج سے کابل ایک سال ہوا کہ ہم نے قوم کی
مختلف انجمنوں اور قومی ہیئوں کی مختلف تحریکوں کے متعلق (عصر جدید
جلد ۲ صفحہ ۳۵ پر) اپنی رسالہ کی تھی۔ لیکن اصلاح قوم و مذہب کی ایک جدید اور مشہور
تحریک کے ذکر کو کسی اور وقت کو لئے چھوڑ دیا تھا۔ آج ہم اُس ارادہ کو پورا کرتے ہیں کیونکہ ہمارے
پاس ایک کتاب بنام نہاد چودھویں صدی کا سیح موصول ہوئی ہے اور اُس کے
پبلشر کا سخت تقاضا ہے کہ کتاب موصوف پر رائے دی جاوے۔ اس لئے کتاب کے
موضوع پر رائے دینے کی ضرورت ہوئی۔ ہم اگر فرصت پاویں تو ایک دلچسپ بحث تاریخ
و حکمت کے اصول پر غور کر کے اس امر کے متعلق کر سکتے ہیں کہ اس کتاب کے لائق اور
انشا پرداز ہیرو کے مشن کو کن اسباب سے یہ جزوی کامیابی ہوئی۔ ہے مگر یہ بحث زیادہ مشکل
اور گہری ہوگی اس لئے ہم اصلاحی اور عقلی نظر سے اس تحریک کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں
اور تاکہ مضمون طویل نہ ہو جاوے صرف موٹی باتیں مختصر طور پر لکھتے ہیں۔

اَدل ہمارا ارادہ تھا کہ یہ کتاب جس کا ذکر نوٹ میں ہے اس کا معمولی ذکر کر کے ایڈیٹر
بوجھ نہ سبکدوش ہو جائیں۔ چنانچہ جہاں تک اس کتاب کو تعلق ہے اس پر ہم نے
حاشیہ پر سبک دیدی ہے۔ لیکن کئی وجہ سے ہم اپنا فرض خیال کرتے ہیں کہ جناب میرزا
غلام احمد صاحب قادیانی الملقب بہ امام زمانہ و مسیح موعود و مہدی مہود و نوح و آدم و
عیسیٰ و ابراہیم و کرشن علیہ السلام و احمد رسل و بروزی محمد اور ابن اللہ اور ابواللہ اور محمد
و مجدد اور نبی تبلیغی و حضرت اقدس وغیرہ جن کو بہ وجہ اختصار ہم آئندہ میرزا صاحب لکھینگے
اُن کے متعلق بالکل سنجیدگی اور نیک نیتی سے اپنی رائے مفصل طور پر ظاہر کر دیں۔ نہ اس
وجہ کہ میرزا صاحب سے ہم کو عقیدت ہو کیونکہ ہم کئی بار اُن سے اختلاف ظاہر کر چکے ہیں
نہ اس وجہ کہ اُن کو کوئی عناد اور کینہ ہے کیونکہ ہم کو اُن سے مخالفت کی کوئی وجہ نہیں
نہ اس وجہ کہ عموماً مسلمان اُن کے خلاف ہیں کیونکہ ہم اکثر اُور خلاف مرضی پبلک اور اکابر
ظاہر کر چکے ہیں۔ بلکہ محض اس وجہ کہ اب تک حضرت میرزا صاحب کے متعلق جو لکھا گیا
ہے وہ مذہبی حیثیت سے لکھا گیا ہے۔ اگرچہ اصلاح تمدن اور مذہب دراصل ایک چیز ہیں
مگر عام لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے اس لئے ہم اپنے سینہ کے اصول کی رو سے میرزا صاحب
کے دعوے اور تبلیغ پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں اور اس نظر ڈالنے سے قبل اُن کی عام تعلیم اور
ادب و ثبوت مسیحیت کا بھی مختصر ذکر کریں گے۔

اولاً ہم صاف دلی سے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ ہم بے تعصب ہیں اور بے لاگ طور پر
میرزا صاحب کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ
بَشَرِاٰبَادَالَّذِيْنَ اٰذِيْعْتَهُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اِحْسَنَهٗ لِيْنِ فَوْشَيْرٍ وَّ اِنَّ بَشَرًا لَّكُودٍ وَه
کوئی قول سنتے ہیں تو اُس میں سے بہترین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ کلام الہی ہے اور کلام الہی
ایسا نہ بھی ہو تو انسانی عقل بھی یہی کہتی ہے کہ ہم کو کسی لکیر کا فقیر نہ ہونا چاہئے بلکہ
بے تکلف صحیح اور سچ بات کو ہر جگہ اور ہر شخص سے لینا چاہئے اور غلط بات کسی نے
کہی ہو اُس کو ردی میں پھینک دینا چاہئے۔

بہ چودہویں صدی کا مسیح جس میں میرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی مسیحیت اور مہدیت کی زندگی کی
حالات زمانہ طاعت کی آج تک یہ طرز ناول و عجیب۔ مرتبہ محکم مطبعہ حسین صاحب کن پناہی لکھنؤ
مطبعہ مطبع اہل حدیث امرتسر۔ صفحات ۵۱۲۔ تقطیع ۲۲ x ۱۸ کی جہاں کاغذ معمولی۔ یہ کتاب بلحاظ
مجموعہ اور علمی و فنی مباحث کے خاص پسند ہو سکتی ہو اور بعض جگہ عام قارئین کا ناولانہ مجموعہ ہیں اور خوشنما
کی تقطیع ۱۸ x ۲۲ کی جہاں کاغذ معمولی۔ یہ کتاب بلحاظ

ہم کو نئے انبیاء سے کوئی بغض نہیں

میرزا صاحب اور اُن کے حواری اور واعظ اور اخبار نویس اس بات کو دہراتے ہیں کہ مسلمانوں کی حالت نہایت یقیم ہے اس لئے ایک جدید رسول اور مجدد اور دُدی اور مرسل نیز دانی کی ضرورت ہے۔ اس دعوے کے پہلے حصہ سے ہم کو پورا اتفاق ہو اور جس شخص نے ہمارے گروہ کو رسالے اور لکچر اور کتابیں ملاحظہ کی ہوں گی اُس کو قبول کرنا ہوگا کہ اس قومی اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرنے میں ہم ایک قدم پیچھے نہیں ہٹنا چاہتے۔ اور اگر صاف صاف دلائل اور مفید اور برحق تعلیم ہم کو ملے تو ہم بے تامل ایک ہادی اور ایک رسول کو لینے کے لئے آمادہ ہیں۔ خواہ وہ ہادی مستقل رسول ہو یا کسی رسول کا اوتار یا بیروز۔ خواہ وہ اپنے الہامات سے اصلاح عالم کرے یا مابیوں اور دوسرے فرقوں کے انتخابات کو اپنی طرف سے شائع کرے اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی حقیقی رسول مجاوری تو ہم اس کو سامنے اپنی پُرانی احادیث اور روایات کو بھول جانے پر آمادہ ہیں۔ ہم پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس متواتر اور صحیح اور متفق علیہ حدیث سے انکار کرنے یا اُس کی تاویل پر آمادہ ہو جاویں گے جہاں آپؐ غزوۂ تبوک میں چلتے وقت علیؑ ابن ابی طالب سے فرمایا تھا۔ یا علی انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا اندک لا نبی بعدی۔ اے علی تو میرے ساتھ میں ایسا ہو جیسا ہارونؑ نبی موسیٰؑ کے ساتھ تھا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس سے بھی زیادہ ہم قرآن شریف کی اس آیت کو سن کر وہی لے لیوں گے جو میرزا صاحب لیتے ہیں کہ رسول اللہ و خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ پہلے انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔ نبیوں کے مہر کے بھی معنی یہی۔ اور یہ بھی یہی کہ مہر آخر میں نہیں ہوتی بلکہ مہر کے بعد بھی عبارت ہوتی ہے۔ مگر قرآن اور حدیث کے اُن معنیوں کو جو تیرہ سو برس سے مسلم ہیں اور اجماع امت محمدی کے چھوٹے وقت کم از کم ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ہم کو دین و دنیا کے فائدہ کی کوئی ایسی چیز ضرور دے۔ جس کی وجہ سے ہم اپنا یقین و اعتقاد قربان کر ڈالیں۔

ہاں ہم بیار ہیں۔ کم زور ہیں۔ ہم کو شفا چاہئے

ہدایت ہر جگہ سے لینے پر آمادہ ہیں

اور ہم کو طاقت کی حاجت ہو ہم نے کوئی عہد

نہیں کیا کہ انگریزی طب یا یونانی طب یا ویدک ہی ہم کو اچھا کرے تو اچھے ہونگے۔ اگر نیچم صاحب یہ ثابت کر دیں کہ اُن کی گولیاں طاعون اور زلزلہ اور قحط کو دفع کر دینگی تو ہم آج طب اور ڈاکٹری اور طبقات الارض اور پولیٹیکل اکنامی کی تمام کتابوں کو دریائیں ڈبو کر نیچم صاحب کی سبے اور علما اور اطباء پر خدا کی مار پکارتے پر آمادہ ہیں کیونکہ ہم نے اولاً یہ بیان کیا ہے کہ ہم تعصب کے راستہ سے حق تک پہنچنے کو محال سمجھتے ہیں

دلائل نبوت

وفات مسیح | اول ہم میرزا صاحب کی نبوت کے دلائل پر غور کرتے ہیں۔ پہلی دلیل اور نہایت زبردست شہادت اُن کی یہ ہے کہ مسیح ابن مریم وفات پانے کے اس لمحے

غلام احمد مسیح موعود ہو سکتا ہوں۔ ہم ان دونوں دعوؤں کو بہت آسانی سے قبول کر لیتے ہیں آپ بیشک مسیح موعود ہو سکتے ہیں جیسے آپ کر پڑتی یا ممبر پارلیمنٹ یا شہنشاہ جرمن ہو سکتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ آپ ایسے ہیں بھی؟ جو پیہر محال نہیں وہ ممکن ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک امتی مسلم کا مسیح ہونا ممکن ہے مگر اُس کی صفات اور آیات دیکھنی چاہئیں۔ سرسید احمد خاں مرحوم بیشک نپولین بونا پارٹ ہو سکتے تھے کیونکہ نپولین مرحکا تھا اور مسلمانوں کو ایک نبوت جرنیل کی ضرورت تھی۔ مگر کیا سید احمد خاں نپولین تھے؟ ہرگز نہیں۔ پس جب تک اپنی کوئی خصوصیت ظاہر نہ ہو میرزا صاحب کا مسیح ہونا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کسی اور مولف یا مضمف کا

معجزات | ہر مذہب کے پیرو عام طور پر حقانیت مادی کی دلیل معجزات اور آیات کو سمجھتے ہیں۔ معجزات کی نسبت میرزا صاحب کا عقیدہ مرحوم سرسید کے عقیدے

کے موافق ہے اور ناچیز ایڈیٹر عصر جدید کے نزدیک محض غلط ہے۔ ہر معجزے یا خرق عادت کو محال سمجھنا اول درجہ کی نادانیت حقائق الہیات سے ثابت کرتا ہے۔ میں اگر چاہوں تو ایک کام ایسا کر سکتا ہوں جو میں نے برسوں میں نہیں کیا تھا۔ میرا قلم اگر چاہے تو وہ مجھے ایسا کام نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ اگر چاہے تو وہ بموجب اپنی مصلحت یا بموجب قوانین کے جو خاص اُس کے علم میں ہیں ایسے حالات پیدا کر سکتا ہے جو ظاہر میں لوگوں کو حیرت میں ڈال دیں

مگر انسان خدا کو مجبور کر کے اسے معجزہ نہیں دیکھ سکتا۔ یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ قل انما الايات عند الله۔ کہہ کر نشانیاں خدا کے پاس ہیں یعنی اُن کا اظہار خدا کی رائے کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ بندہ کی خواہش کے موافق۔ نبی کا کام دنیا کو تیک راہ بتانا ہے اور بس۔ البتہ خدا تعالیٰ خود اُس کی تاثیر مناسب موقع پر معجزات سے کرتا ہے۔ دوسرے ہمارا علم قوانین قدرت کا اس قدر محدود ہے جیسے ایک چمچر کا علم بمقابل افلاطون کے قلیل ہے۔ جس طرح چمچر کو حق نہیں کہ افلاطون کی باتوں کا انکار اپنے علم کے گمنڈ پر کرے اس طرح ہم کو انکار معجزات کا حق نہیں کہ یحیطون بنبی من علمہ الا بما شاء۔ بد اس کے علم ہیں ذرا سی چیز کا تا بھی نہیں کہتے ہیں مگر خدا تعالیٰ یہ بات نہایت کھلی ہوئی ہے اور اس لئے سرسید مرحوم اور میرزا صاحب سے تعجب معلوم ہوتا ہے۔ پھر بھی سرسید صاحب تو کل انبیاء کے معجزات کی تاویل کرتے تھے۔ میرزا صاحب مسیح علیہ السلام کے احیاء موتے کو تو شعبدہ اور پیاروں کے اچھا کرنے کو مسمیٰ یزم کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم کے اس قصہ کو جس کا ذکر پرندوں کو زندہ کرنے کا قرآن میں ہے کہتے ہیں کہ وہ پرند زندہ نہیں ہوئے تھے صرف پرندوں کو پرچایا گیا تھا۔ مگر اپنے لئے بڑے بڑے معجزات کو قائل ہیں چنانچہ اپنے ایک پسر مردہ کو زندہ کرنے کا دعویٰ بھی اُن کے اخبار نے بشہادت اُنکی زوجہ کے شائع کیا ہے۔ اگر میرزا صاحب ایسے معجزات دکھا سکتے تو دوسرے انبیاء کے لئے کیوں منکر ہوتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں قوت معجزہ نہیں ہے اور انہوں نے یا ان کو تنخواہ یاب قصیدہ خوانوں نے لو مردہ زندہ ہو گیا کا دعویٰ غلط طور پر گھڑا ہے۔

پیشینگوئیاں | پیشینگوئیاں بھی جب کہ صاف اور بلا شریط کے ہوں اور پہل اور محل الفاظ سے بری ہوں جن سے کہانت کا شبہ ہو ایک قسم کا معجزہ ہوتا ہے۔ میرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ میری کئی ہزار پیشین گوئیاں سچی ہوئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ چوتھیں صبح سے شام تک دس حکم موچکر بلا علم غیب کے لگا دیگا۔ ان میں سو چار ضرور صحیح ہو جاویں گے۔ مگر یہ امر حیرت انگیز ہے کہ جس قدر مرکز کی پیشینگوئیاں بطور تحدیٰ کو میرزا صاحب نے کی ہیں سب کی سب (سوائے ایک پیشینگوئی کے جس کے حالات شک سے خالی نہیں اور جو انسان کے ہاتھ کی پوری ہوئی) اس قدر صریح غلط نکلیں کہ تاویل انکو معنی پہنچا دینا تو

شرمانے لگی۔ یہاں تک کہ میرزا صاحب کو وہ دتیر اختیار کرنا پڑا جو حد درجہ خطرناک ہے اور جسکی وجہ سے ہم کو خاص طور پر اُن کے اوپر شبہ کرنا پڑا۔ اس شبہ کا اظہار اس قدر صاف کے ساتھ ہم نے اس غرض سے نہیں کیا کہ حاضرت میرزا صاحب یا اُن کے حواریوں اور داعیوں کی وہ جماعت جو مشاہرہ یا بے متنبہ ہوں گے۔ اُن لوگوں سے ہم کو نہ کچھ امید ہے اور نہ ہمدردی ہے۔ البتہ مسلمانوں کا وہ خاصا بڑا گروہ جو جال میں پھنس گیا ہے اور جسکو یہ تنخواہ یا جاہ طلب گروہ یہ کہہ کر لوٹتا ہے کہ زندہ اسلام کا نمونہ دیکھنا ہو تو قادیان میں چلو اُن سے ہم کو ہمدردی ہے۔ ۱۰۱۔ جہت ہم یہ مضمون لکھتے ہیں۔ اگر ہم ایک منٹ کے لئے جی یہ سمجھتے کہ میرزا صاحب اگر بے مذہبی ہے تو کبھی اس بحث میں نہ پڑتے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ کارخانہ محض ایجاداری ہے۔ اس لئے بغرض اصلاح معاش سلین متنبہ کرنا ضرور ہوا۔ مذہبی معاملہ میں ہم کو دخل دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ معتقدات کا فیصلہ قادر مطلق اپنی بارگاہ میں کرے گا۔

متمہایں نبوت | میرزا صاحب نے جب دیکھا کہ وہ اپنی صداقت اور محجرات اور پیشینگوئیوں کی صحت کی وجہ سے نبوت کے سارے تک نہیں چھوڑ سکتے تو انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے درجہ پر نیچے گسیٹنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ گستاخیاں کیں اور اُن کی اور اُن کے رشید شاگرد بیا لگوئی کی بے ادبیاں اس نبی معصوم کی نسبت اب تک جاری ہیں۔ شاہ ولایت علی ابن ابی طالب کی سچو اُن کے ایک منہ بھٹ اور بے تمیز حواری نے شائع کی۔ حسین ابن علیؑ کی شہادت اور منزلت کو اپنے سے بہت کمتر بتایا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک کریشان کی بابت حتیٰ اور موقت موت کی پیشین گوئی کے غلط ہو جانے پر سید انبیا۔ محمدؐ المصطفیٰؐ کو بھی مثل اپنے خاظمی اور غلط فہم ظاہر کیا۔ جس سے خود آنحضرتؐ کی نبوت پر شک واقع ہوتا ہے سب مسلمان قرآن کو کلام الہی کہتے ہیں۔ قرآن میں جس خواب کو پیغمبرؐ نے دیکھا اس کی صریح تصدیق آئی ہے۔

لقد صدق الله الرسول له الردیا

میرزا صاحب اور اُن کے حواری مولوی نور الدین صاحب نے اپنی تاویل سے تصدیق الہی کو

غلط قرار دیا۔ یا قرآن کو انسانی گھڑت قرار دیا یا انہوں نے نبیؐ کو جس کی اطاعت مثل اطاعت خدا ہے کج فہم قرار دیا کہ وہ وحی کے معنی سمجھنے میں غلطی کرتے تھے۔ غرض انہوں نے آنحضرتؐ کی خبر فتح مکہ کو جو بالکل راست تھی میرزا صاحب کی موت آتھم کے برابر کر دیا جو درحقیقت غلط تھا پس اپنی پچھت کے لئے میرزا صاحب نے عظمت انبیا و انبیاء دین میں ایسی سرنگ لگائی ہے اور بعض انبیاء اولیا کی نسبت ایسی بدزبانی کی ہے جس کی وجہ سجدہ جرأت کے ساتھ اعمال ناشائستہ کرنے لگے اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو اس طرح پرچانی لگے کہ یہ سب منہاج نبوت ہو۔ جیسے وہ تھے ویسے ہی ہم ہیں یا ہم کو بھی مانو یا ان کو بھی مکار کہو !!!

ایک بڑا مذہبی خطرہ | میرزا صاحب نے جو دعویٰ اکثر انبیا کے اوتار ہونے کا کیا ہے یا مستعار طور پر ابن اللہ وغیرہ کا بلکہ ابواللہ کا بھی کیا

ہے اس کو میں مذہبی خطرہ نہیں سمجھتا کیونکہ دس پندرہ برس میں بعد ان کی وفات کے یہ باتیں سب منقود ہو جاویں گی۔ سب سے بڑا صدمہ میرزا صاحب کی مشن اور زیادہ تر ان کے مریدوں سے یہ پہنچا ہے کہ موجودہ نسل کے لامذہب اور لمحد گروہ کی انہوں نے نامعلوم طور پر سرپرستی کی ہے۔ جب یہ لوگ ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ افعال (۱) خلاف عدالت

(۲) خلاف اجتماع قومی

(۳) خلاف کفایت شعاری

(۴) خلاف سعی و محنت

یعنی برخلاف ہر چار اصول اصلاح اور اصول دین کے کرتا ہے۔ مگر اپنے افعال کو نمونہ دوسرے انبیا کا قرار دیتا ہے اور سوائے ایک کے کل انسانوں سے اپنے آپ کو افضل بتاتا ہے مگر جب اُس پر اعتراض ہوتا ہے تو اُس ایک ہادی کو بھی مثل اپنے خاظمی و غلط فہم ظاہر کرتا ہے۔ جب یہ لوگ ایسا دیکھتے ہیں اور پھر ہزاروں آدمیوں کا اعتقاد اُس کی طرف دیکھتے ہیں اور اخبارات و کتب و رسائل اُس کی مدح سے

مہلپاتے ہیں۔ تب یہ لوگ بغیر جانچ کے یہ سمجھنے لگتے ہیں ”اجی پہلے زمانہ میں بھی ایسے ہی ڈھکوسلے اور کرایہ کے حواری اور تعریف کرنے والے ہوں گے۔ جب اس تعلیم و تہذیب کے زمانہ میں ایک معمولی شخص نبی بن گیا تو اُس وقت نبی بنجانا کیا مشکل تھا“ نفوذِ باللہ میں جو سچے دل سے سلسلہ انبیاء علیہم السلام کو بس کا ذکر قرآن میں ہے سچا اور منزلِ سن اللہ مانتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ غلط نمونہ نبی و مرسل کا یہ تعلیم جسکی غرض ذاتی تعلیٰ اور جلبِ منفعت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک درد انگیز صدمہ دینداروں کے لہجہ و شکریہ کے متواتر پیشینگوئیوں کے غلط ہو جانے سے اس دہشتِ جدید کی وقعت نہیں ہونے پائی۔ ورنہ جہلا جو یہ نہیں جانتے کہ کامل انسان میں اور افضل ترین نمونہ انسانی میں کیا صفات ہونی چاہئیں۔ دین کو بھی اشتہاروں کے ذریعہ سے خرید لیتے جس طرح وہ مہلک امراض کی دواؤں کو اشتہاری تبلیغ سے بیچتے ہیں۔ دراصل ان لازمی طبیب و اشتہاری بیلیاں اسوشیا بنیہ بہت ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ صحت دہر کو بیچتے ہیں اور ایمان و زر کو

حصہ اصلاح کے اصول کی لحاظ سے مرزا صاحب پر نظر

میں نے لکچر اصولِ اصلاح میں قومی ترقی کے لئے چار اصول قرآن شریف سے اخذ کئے تھے۔ اگر میرزا صاحب کی زندگی میں اُن کا ظہور دیکھا جاتا تو ہم نہایت خوشی کرتے جہاں ہم نے اُن پر اعتراض کئے ہیں وہاں عملی اخلاق کے لحاظ سے اُن کی تعریف بھی کرتے مگر نہایت افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ تقدس کے لیے چوڑے و عطلوں اور دعاوی کے ساتھ قومی ترقی کے اصل معاملات سے میرزا صاحب اور اُن کے حواری بالکل بے پروا ہیں (۱) عدالت، یا انصاف ایک لازمی شرط انسانی ترقی کی ہے۔ اُس کا یہ حال ہو کہ میرزا صاحب نے ایک بالائے عورت کے نکاح کرنے کی غرض سے (جس میں اُن کو ناکامیابی ہوئی) اول تو خود اس لڑکی کی رضامندی حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی جو لازمی چیز میرزا صاحب میں ہے۔ دوسرے جس لڑکے کو اُس کا عقد ہوا اس کو موت کی دھمکی دی جو باوجود گزرنے مقررہ میعاد پوری نہیں ہوئی۔ تیسرے اپنی بیوی کو طلاق کی دھمکی دی اور اپنے ایک بیٹے

کی زوجہ پر تشدد کیا کہ اس نکلح میں کوشش کرے اور اگر دنیا زوجہ خود کو طلاق نہ دی تو میر کو عاق کرنے کی حکمی دی اُن کے ان پرائویٹ خطوط کی نقول بلاتریدیک مولوی غلام احمد صاحب رسالہ الہامات مرزا میں چھاپ چکے ہیں۔

(۲) اتفاق قومی نبوت کے دعوے سے جو اختلاف پڑا اُس سے میں قطع نظر کرتا ہوں مگر میرزا صاحبؒ علاوہ اس کہ قوم کی بدخواہی میں کوئی کمی نہیں کی۔ اڈل انہوں نے خود چہا سیف سے انکار کیا۔ اپنی اور مولویوں کی مخالفت کی یہ وجہ بہت اُن کہ ملما جہاد کے اد خونی مہدی کے قائل ہیں۔ لویا ایک غیر مذہب اور غیر قوم گورنمنٹ کی نگاہ میں اپنی تئیں خیر خواہ اور عام مسلمانوں کو ایک خونی مذہب کا قائل اور بدخواہ سرکار کا ظاہر کیا۔ صرف یہ کوشش ظاہر کرتی ہو کہ میرزا صاحب کوئی نیک نیت ہی خواہ مسلمانوں کے نہیں ہیں دوسرے امام مہدی علیہ السلام کو خونی قرار دینا درپردہ جہاد نبوی کی تہک اور ذلیل نام اُن کا مقابلہ سرسید کی خیر خواہی سے کیا جاوے جس نے دہائیوں کو بچانے کے لئے اعلان کیا کہ میں خود دہائی ہوں تب فرق معلوم ہوگا۔

دوسری دلیل اس بات کی کہ میرزا صاحب اپنی ذرا سے آرام کو قوم اور انسانوں کی ہونے و اتفاق پر ترجیح دیتی ہے یہ ہے کہ وہ خاص مسلمانوں کی موت اور ہلاکت کی برائش چاہتا کرتے رہو اور اس میں کسی کے قلبی تکلیف کی پروا نہ کی۔ کیونکہ بقول خود خدا کی طرف مامور ہو چکے تھے مگر ایک مجسٹریٹ درجہ اول کے دہکالنے اور مچکالنے پر صاف وعدہ کیا۔ کہ آئندہ ایسا نہ کر دوں گا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی نبی الہامات کی اشاعت ایک ادنیٰ مجسٹریٹ کے دھمکانے سے کیسے بند کر سکتا ہو۔ عوام الناس دہکانہ لکھاویں کہ بنی یا دلی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مسیح نے تنہا مصلوب ہونا اور حسینؑ نے یقیناً دن کی بھوکے پیاس میں ہزاروں غموں سے شہید ہونا قبول کیا اور کلمہ حق کو نہ چھوڑا اگر ایسی مثالیں نہ ہوں تو لوگ مذہب اور خدا سے منحرف ہو جائیں۔ اور اگر ایسی لوگ نہ ہوں جو جناب میرزا صاحب کو مسیحؑ اور حسینؑ سے افضل سمجھتے ہیں تو دنیا میں دین اور عقل کو کارگزاری اور ہدایت کی گنجائش نہ ملے۔ نبی اور مصلح کی ضرورت اس صبح

ہے ہر کہ اکثر لوگ کم عقل ہوتے ہیں اور متکاروں کی جال میں پڑ جاتے ہیں
 (۳)۔ کفایت شکاری۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو کچھ دولت یا قوت بندوں کو ملی ہو وہ خدا
 کی طرف سے امانت ہو اس کو نہایت احتیاط سے صرف کرنا چاہئے۔ بخلاف اس کے اپنی دولت
 نہیں بلکہ چندہ کے روپیچے جو مسلمانوں کی گاڑی کماٹی سے آتا ہے میرزا صاحب علانیہ اس پر
 کرتے ہیں۔ ایک ظاہر ثبوت وہ عرضی ہے جو بعض نیک نفس غریب مریدوں نے میرزا صاحب کے
 نام بھیج کر لکھا تھا کہ چندہ بے دردی سے خرچ ہوتا ہے۔ نگر خانہ جو مسافروں کے لئے ہوتا ہے
 آپ کے ذاتی ملازم خانگی باغ کے کھانا کھاتے ہیں۔ اس کا جواب انکم میں میرزا صاحب نے
 شائع کیا ہے کہ میں کوئی بنیا نہیں کہ حساب رکھوں جس طرح میں چاہوں گا
 خرچ کروں گا۔ العجب۔ ہر شخص امانت کو روپے کے لئے بنیا ہوتا ہے۔ منہاج نبوت
 پر میرزا صاحب اس قدر زور دیا کرتے ہیں۔ کیا انہوں نے وہ قبضہ نہیں پڑھا کہ انیس نے علی کی موت کی
 تھی۔ تین دن کی خوراک میں سو بچا کر چند روٹیاں کیں تاکہ اپنی مفلسی کو ظاہر کریں حضرت
 علی نے اسی نسبت ان کو روزینہ میں کی کر دی۔ کیا ان کو خلیفہ دوئم کی چادر کا قصہ نہیں
 معلوم۔ پھر ایک شخص کس جرأت سے کہتا ہے کہ میں بنیا نہیں۔ یہی فقرہ سمجھداروں کے لئے
 کافی ہے۔ ہم کو سخت افسوس اور حیرت ہے مولانا نور الدین پر جو اپنی زعم میں یہ سمجھتے ہوں کہ
 کہ ہم نے ایک ایسا رسول اور ایک ایسا منہاج بنا کر اسلام پر یا مسلمانوں پر احسان کیا ہے
 بڑے سے بڑا دشمن اسلام کو اس سے زیادہ سبک کیا کر سکتا ہے کہ ایسے شخص کو ایمین
 خاتم النبیین محمد بن عبداللہ کا بروز بنا دو۔

(۴) سعی و محنت۔ ہمارا صیغہ گداگری اور سستی کا سخت مخالف ہے اور یہ چاہتا ہے کہ سب
 لوگ محنت اور سعی سے گزر کریں۔ یہی تعلیم اسلام کی ہے۔ گداگری اس لئے منع ہے کہ وہ انسان کو
 دوسرے پر بار کرتی ہے۔ کہنے کو گداگر کہتا ہے کہ مجھ کو دو تو دنیا و دین میں آرام پاؤں مگر چونکہ وہ
 اپنے نفس کو لئے مانگتا ہے اس لئے برا کرتا ہے۔ ربا کی حرمت کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اس سے
 توکل جاتا رہتا ہے کیونکہ توکل تو جائدا و سکنی و زرعی کافی ہو اس وقت بھی نہیں رہے گا
 بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہر وقت محنت اور سعی جو انسانی ترقی کا لازمہ ہے اس میں کمزوری پیدا

ہو جاتی ہو۔ جائداد و تجارت کے باقی رکھنے کے لئے بہت توجہ درکار ہو۔ اسی لئے مسیٰ فرض ہو
جناب میرزا صاحب نے سب مولویوں اور پیروں اور فقہروں کو زیادہ دوسرے کی محنت کو
گزر کرنے اور اپنی جائداد پڑانے کی مثال قائم کی ہے۔ ہم نے قرآن و حدیث و تواتر و کتب
میں تلاش کیا۔ مگر کہیں پتہ نہ ملا کہ کسی نبی یا امام برحق نے اپنی تعلیم کی وجہ سے اپنی مالی
حالت درست کی ہو۔ برخلاف اس کہ ہم میرزا صاحب کا اشتہار کشتی نوح سے ۶۰ روپے بہت
ہیں جس کے پڑنے سے ہم پر اس قدر حقائق اُن کی تعلیم کے ظاہر ہوئے ہیں جن کے بیان کرنے کو انہوں
ایک بڑا مضمون درکار ہے۔ وہ اشتہار ذیل میں نقل کیا جاتا ہے نہ
اس کو مفصل ذیل امور معلوم ہوئے

- (۱) میرزا صاحب کا گھر کشتی نوح ہے اور طاعون سے محفوظ رہے گا
- (۲) میرزا صاحب کے جہاد گھر قریب ہیں وہ بھی شامل ہو جائیں تو کشتی نوح بن جاؤنگی
- (۳) میرزا صاحب کو مریدوں کی طرف سے کشتیہا سے زر و ہجادیں تو وہ اس قاعدہ کو روکو
اپنے مکان کو وسیع کرتے کرتے ایک دُنیا کو طاعون سے بچا سکتے ہیں
گویا طاعون اس لئے بھیجا گیا ہو کہ لوگ میرزا صاحب کا مکان وسیع کر کے اس طاعون سے
بچ جائیں اور چونکہ طاعون بقول اُن کے ایک عذاب الہی ہے جو اس وجہ سے آیا ہو کہ لوگ
اُن کی نبوت و سمیت سے انکار کرتے ہیں اس لئے اُن کی نبوت اس وجہ سے ہوئی ہو کہ اُن کو
مکان اور جائداد میں رحمت ہو کیونکہ (۱) سمیت علت طاعون (۲) طاعون علت نوح کا
(۳) توسیع مکان - علت چندہ - پس سمیت کا مقصد تحصیل زر ہو۔

سچہ چونکہ آئینہ اس بات کا اندیشہ ہو کہ طاعون ملک ہے چادری اور ہار گھر میں جس کو بعض حصوں میں مردہ ہان رہے ہیں
اور بعض حصوں میں ترس سخت تنگی واقع ہو اور اپنے گھر میں کہ اللہ جل شانہ ان لوگوں کو جو اس گھر کی چادر دیاری کا اثر
ہو جو حفاظت کامل کا وعدہ فرمایا ہو اور اب یہ گھر جو غلام جید متوفی کا تھا سیس ہمارا حصہ ہو اس کی نسبت ہمارے شریک باطن ہو گئے ہیں
کہ ہمارا حصہ میں اوقیت پر باقی حصہ بھی میری میری نسبت میں چھوٹی جو ہمارے مکان کا جو کچھ کشتی جو دروازہ کشتی پر چھوٹی ہو کہ
خلفہ کہ طاعون کا زائے ترویج اور یہ گھر دوسری الہی کی خوشخبری کی سبب ہے کہ طاعون میں کشتی کو گلو نہ مسلم کہ گلو اس کے
دوسرے حصہ کا اس کے یکم بہت علی کی جو خدایہ ہو کہ جو طاق اور نازق ہو اور اعلان حال کو کہ کشتی کو کشتی کرنی چاہیے جسے بھی دیکھا
یہ ہمارا گھر بطور کشتی کو تو ہے۔ مگر آئینہ اس کشتی میں کسی مرد کی گھانٹا ہو نہ ہو کشتی اس لئے توسیع کی ضرورت پڑی
وہ اسلام علی من تبع الہدیٰ - اللہ تعالیٰ مرزا غلام احمد فادائی

(اور فرما سکتا ہے کہ ہرگز نہ ہوتا ہے کہ طاعون ملک ہو)

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کو زیادہ عجز گداگری کیا ہوگی۔ شاید یہ شبہ غلط ہو اس لئے میں صاف صاف طور پر بذریعہ اس مضمون کے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یوم دعویٰ الہام کو اب تک میرزا صاحب نے اپنی یا لواحقین کی جائداد بڑائی یا نہیں اور جو جائداد خریدی ہو وہ وقف ہو یا ذاتی ہو۔ وقف نامہ رجسٹر شدہ ہو یا نہیں۔ اس کی نقل شائع کی جاوے۔ اس معیار پر اگر میرزا صاحب صبح اتریں (بشرطیکہ بے لاگ شمس تحقیق کریں) تو ہم بہ معذرت اس چوتھے اعتراض کو واپس لیں گے ورنہ سب مسلمانوں کو کہیں گر کہ اصلاح تمدن چاہتے ہو تو ایسے مدعیوں سے بھاگو۔

(خلاصہ)

الغرض اس تمام غل و شور سے جو جدید مسیحیت کا پھیلا ہوا ہے نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بغیر کسی توفیق فائدے کے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ انبیاء کی ہتک ہوئی۔ مذاہب الہامی پر اعتراض کرنے کا بلحدید کو بہت اچھا بہانہ ملتا آیا۔ بہت لوگوں نے دین کے نام سے اپنی اچھی تنخواہیں وصول کرنا اور روپے پیدا کرنے کا شیوہ کر لیا۔ ایک شخص کی تعریف میں خدا و رسول کی تعریف کو گرد کر دیا۔ کیونکہ خدا و انبیاء الواعزم کی تعریف بھی ایسی نہ ہوئی ہوگی بدناماویلات اور بدنام کن مقدمہ بازیاں ہوئیں۔ اگر یہ سب باتیں کسی تمدنی منفعہ پر تک پہنچنے کی واسطے ہوتیں تب بھی ایک تسلی تھی۔ مگر یہ سب اس لئے ہوا کہ چند آدمیوں کو ایک مشغلہ ناموری اور حیلہ رزق درکار تھا۔ مگر کیا یہ تحریک محض بیکار ہے ہرگز نہیں۔ اس سے کم از کم لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں میں زود اعتقادی بہت ہے اور اس کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے جب دین کی پختہ اصول پر وہ قائم ہوں۔ اس سے سمجھداروں کو اطمینان ہو گیا کہ استقلال کے ساتھ ہر کام میں خاصی کامیابی ہو سکتی ہے کیونکہ ذاتی اور شخصی تحریک میں جب یہ رونق ہو تو قومی تحریک میں کیوں نہ ہوگی بعض لوگ جو اس مذہبی تحریک کو (اپنی بدگمانی یا گہری فراسختی) زرکشی اور مذہب کی ہنسی اڑانے کا ایک ایسا جال سمجھتے ہیں جو چند شخصوں نے جن کو دل میں نہ خوف تھا

یقین قیامت کھڑا کیا ہو۔ اُن کو بھی اطمینان ہو کہ الہی قوت ضرور موجود ہے جس نے اس تحریک میں کوئی بڑی کامیابی نہ ہونے دی۔ ہر سمجھدار آدمی کو تین چار انگلی کی باتوں میں ایک آدھ صحیح ہو جاتی ہے اس تحریک کے بانی یہ بھی نہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی لامٹی بغیر آواز اپنا کام کرتی رہتی ہے۔

آخر میں اُس بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری میرزائی دوست اور متقدم اس مضمون کو پڑھ کر برا فہم نہ ہوں کیونکہ یہ اُن کی حیر خواہی کے لٹو لکھا گیا ہے۔ اگر اُن کو تکلیف پہونچے تو معاف کریں جس طرح وہ جراح کو معاف کرتے ہیں جو زخم سے آلائش دود کرتا ہے۔ وہ ٹھنڈی دل سے غور کریں کہ آیا ایسا انسان افضل ترین عبادِ خدا بعد رسولِ عرب کے ہو سکتا ہے۔ وہ غور کریں کہ ہم نے کونسی غلط بات اس مضمون میں لکھی ہے اور پھر بھی اگر اُن کو کوئی فائدہ اس مضمون سے نہ ہو تب بھی وہ اس کو نیک نیتی پر محمول کریں فقط غلامِ اقلین

ایمان بالقدر

(انجس العلماء مولانا ندیر احمد صاحب - ایل - ایل - ڈی - دھلوی)

مشلہ تقدیر تو ایسا مشکل مسئلہ ہے کہ عوام تو عوام اکثر خاص بھی اُس کو نہیں سمجھ سکتے۔ سارا اشکال خود آدمی کی خاص طرح کی بناوٹ کا ہے کہ آدمی نہ تو لنگر پتھر کی طرح مجبور محض ہے جہاں پڑا ہے کوئی اُس کو جگہ سے ہلا کر تو ہلا کر اور نہ با اختیار مطلق ہے کہ جو چاہے گزیرے آدمی کی اس حالت کو پیش نظر رکھ کر تقدیر کے معنی سمجھنے کی ہیں۔ تقدیر کی نسبت لوگوں کا عام خیال تو یہ ہے کہ آدمی کو بھلا بُرا جو کچھ پیش آتا ہے اور جو کچھ پیش آتا ہے پہلے سے خدا نے اُس کو لٹو ٹھیکر دیا ہے یہاں تک کہ اُس کا جتنی اور دوزخی ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہیں کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے اختیار سے نہیں کرتا اور اسی لٹو ٹھیک کی جزا کا مستحق اور بدی کی سزا کا مستوجب بھی نہیں بیشک کٹ جتنی کو لئے بڑی گنجائش ہے اور اس خیال کی تائید میں بہت سی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے انسان کی مجبوری ظاہر ہوتی ہے۔ مگر یہ لوگ انسانی

زندگی کر دوسرے پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہیں اور نہیں دیکھتے کہ انسان کچھ اختیار بھی رکھتا ہو اور اسی اختیار کی بنا پر وہ دنیا میں اپنی افعال کا جواب دہ سمجھا جاتا ہو۔ دنیا میں یہ قاعدہ جاری ہے تو آخرت میں کیوں نہ ہو۔ دنیا اور آخرت میں نقل اور اصل کی نسبت ہے اور ایک کا دوسرے کے مطابق ہونا ضروری۔ اچھا پھر تقدیر کو کیا سمجھنا چاہیے تو لفظ تقدیر لفظ قدر سے جس کے معنی انداز کے ہیں پس تقدیر کے معنی اندازہ ٹھہرانے کے ہوئے جو معنی انا کل شیء خلقنہ بقدر کے ہیں وہی معنی تقدیر کے ہیں۔ اس کو ایک مثال سے آسانی سمجھو گی۔ ہم فی ایک رزمی کو کپڑے کا تھان دیا کہ اس میں سے پتے بن سکیں ہمارے کرتے بنا دو۔ تو درزی پہلے آگاہ سمجھیا کلیاں چو غلہ آتین ہر ایک چیز کا اندازہ کر لیتا ہے تب قطع کرتا ہے۔ لغت کی رو سے اسی کا نام ہے تقدیر۔ مگر تقدیر سے پہلے مکان کا نقشہ بنانا ہے۔ مٹھشی چو کی کے لٹکڑی کی تراش کا اندازہ کرتا ہو۔ یہ سب تقدیر ہے اسی طرح خدا نے جو چیز بھی پیدا کی ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کی یہی اُس چیز کی تقدیر ہوئی۔ دوسری مخلوقات کے ساتھ ایک تقدیر انسان کی ہے کہ اُس کی دو آنکھیں ہیں دو کان دو ہاتھ دو پاؤں ایک ناک۔ وہ خاص ایک خاندان میں خاص ملک میں خاص زمانے میں پیدا ہوتا اور ایک خاص وقت تک خاص حالت میں زندہ رہ کر آخر کو دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے انسان پر جو حالتیں گزرتی ہیں اُن میں سے بہت سی باتیں ہیں جن میں انسان کے امداد و انسان کی رے انسان کی تدبیر کو کچھ دخل نہیں ایسی ہی باتوں میں اس معنی کے تقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں بندگی میں چارگی فطرت اللہ میں نکتہ چینی کرنا ضد عقل اور کرپری کی دلیل ہے۔ مثلاً یہ کہ آدمی کو پرندوں کی طرح پرواز کی قدرت کیوں نہیں دی یا جیسا کہ نیز خرد میں دیکھا جاتا ہے کہ کمی کے چھوڑے جسے میں ہزاروں آنکھیں ہیں آدمی کس لئے اس نعمت کو محروم رکھا گیا۔ پس اس صورت میں تقدیر پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ مخلوقات عالم کو خدا نے جیسا چاہا بنایا اور بہت درست بنایا۔ اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی۔ لیکن اس میں تو کچھ جھگڑا نہیں۔ جھگڑے کی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ کر لے خدا کرتا ہے وہ عقیدہ ہے جس میں پانی مڑا ہے۔ اسی عقیدے نے مسلمانوں کی دنیا کو تباہ اور برباد کیا ایک وقت تھا کہ مسلمان روم زمین پر کوس ملک الملک الیوہ بجاتے تھے اور تہذیب اور

ہم نے تمام چیزوں کو ایک انداز سے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

ہر مخلوق کو اُس کی خاص طرح (بناوٹ عطا فرمائی پھر اُس کو دائرہ اغراض خاص کی ہدایت کرنے کی راہ دکھائی

شائستگی اور فضایل میں کوئی قوم ان کا لگا نہیں کھاتی تھی یا اب یہ وقت ہو کہ دوسروں کو غلام میں اور غلام بھی میں تو کسے نہ کہو۔ انہیں لا یقین علی شکوت وھو کل علی مؤلہ انہما یوجہ لایات بخیر برائے نام محدود چند سلطنتیں بھی میں تو اگر باندھتے ماندھے دیگر نے ماند یہ سب اس کو کہ مسلمان تقدیر پر بھروسہ کر کے حسب اتتمنائے وقت اپنی زمینیں نبھانے کی کوشش نہیں کرتے اور عقیدہ تقدیر نے ان کو مایوس اور اپانج اور ازکار رفتہ کر دیا ہے۔ اگلے مسلمان جو مولج الکمال ترقی پر پہنچ گئے تھے وہ بھی تقدیر کے قائل تھے۔ مگر کوشش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ کامیابی ان کی تقدیر میں تھی اور تقدیر ہی ان کو کوشش کرانی ہے۔ اس پر بھی ایمان اگر ان کی سچی نامشکور ہوتی تھی تو ناشکوری سچی ہو کر ہوتی تھی سچی بزدلی۔ غرض وہ کسی حالت میں ہمت نہیں ہارتے تھے۔ ان یحسبم قرع فقد متی القوم قرع و ثلاث آلاہم مداد لھما بین الناس۔

اب کے مسلمان پہلے ہی اس توڑ بیٹھے اور پہلے ہاتھ پاؤں ہلائے سمجھ رہے ہیں کہ خدا ہی انکی بہتری نہیں چاہتا۔ مرن فال بد کا درد حال بد۔ مبادا کسے کو زندہ فال بد مہینے ملوں اس کو سوچا کہ مسلمانوں نے تقدیر کا محل غلط کہاں سے لیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن میں ایسی بھی آیتیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہدایت اور فضالت دونوں خدا کی طرف سے ہیں آدمی کے اختیار کی بات نہیں جیسے

تَآتٰی لَا تَخْذٰی مِنْ اَحْبَبْتَ وَاَلٰتِنَ اللّٰہُ یَخْذٰی مِنْ یَّشَآءُ ۝

اور تَعْلٰی یَفْضَلُ مِنْ یَّشَآءُ وِیَخْذٰی مِنْ یَّشَآءُ

اور مَنْ یَخْذٰی مِنْ اَضَلَّ اللّٰہُ

اور یَخْذٰی اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَآءًا

۱۔ گوئیگا اور گوئیگا ہونے کے علاوہ پرانا غلام کہ خود کچھ نہیں کر سکتا اور گونگے ہو کر دیہی وہ اپنا کار با خاطر

میں کہ جہاں کہیں اس کو بھیجیں اس کچھ بھی نہیں کر سکتا

۲۔ اگر تم کو (اس لڑائی میں شکست کی) کھوشی ملے گی تو (بے دل مت ہو کیونکہ جنگ بدیں) طرف ثانی بھی اس طرح

کی کھوشی ملے گی کہ جو یہ اتفاق وقت میں جو ہر حکم کو نوبت بنو (سب) لوگوں کو پیش آئے ہوں میں

۳۔ دایہ منبرانی خواہش کو مطابق تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دی سکتی بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہو ہدایت دیتا ہے

۴۔ جس کو چاہتا گمراہ کرنا اور جسکو چاہتا ہدایت دیتا ہو ۵۔ جو میں گمراہ کر دوں اسکو کون سا شہر لا سکا ہو

۶۔ ان کے دلوں پر بوردن کا لوں پر اللہ نے ہر گلا دی ہے اور انکی تکبوں پر پردہ (پڑا) ہے

اور اُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فاصْطَفِهِمُ وَاعْلَمِي النَّسَاءَ هُنَّ

اسی طرح ایسی بھی آیتیں ہیں جن سے آدمی کا باختیار ہونا پایا جاتا ہے جیسے

إِن تَكْفُرُوا نَعْمَ وَمَنْ فِي الْآرِضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَفِيْرٌ حَمِيْدٌ

اور تھے ولفس و ما سوٹھا فاعلمھا فجوہرھا و تقوھا

اور اناھدیناھ السبیل اما شکرا و اما کفورا

اور من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر

اور بل الانسان علی نفسه بصیرة و نزلنا نورا

دونو قسم کی آیتوں کو ملاؤں سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہوتی ہے جو کجا خلاصہ یہ ہے کہ انسان فاعل یا اختیار پر مجبوری پر تو یہ ہے کہ نہ وہ اپنا ارادہ سے پیدا ہوا اور نہ اس نے اختیارات کی جیسے کچھ بھی ہیں درخواست کی۔ دوسرے کہ آدمی ارادہ کا اختیار رکھتا ہے ارادہ کا نافذ کرنا اس کے بس کی بات نہیں نتیجہ جو وہ چاہتا ہے سو بھی اور نہ بھی ہو مثلاً آدمی نے چوری کی نیت سے ایک گھر کو تاکا آلات سرقت سے پتلا دیا ہاں باکرہ دیکھا کہ لوگ جاگ رہے ہیں ناکام واپس آیا حاکم ظاہر اس کو سزا نہیں دے سکتا کیونکہ چوری نہیں ہوئی۔ مگر وہ چوری کا ارادہ کرنے سے عند اللہ چور ٹھیسرا۔ یہ ہیں معنی

إِن تَسْبُدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوا كَيْتَحَابِكُمْ يَلَهُ اللَّهُ فَبَعْضُ الْمَنْ إِشَاءَ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ
کے ایک شکل خدا کے عالم الغیب ہونے کی ہے کہ وہ اس سے پہلے کہ آدمی دھنہ بتی میں آئے ایک ایک فرد بشر کے جزو کل حالات سے واقف ہے کہ فلاں آدمی فلاں بیک فلاں ناناں میں فلاں وقت پیدا ہوگا اتنے دن جوگا اور اس کو یہ یہ واقعات پیش آئیں اور آخر کار تانوں الہی یعنی قرآن کی رو سے جنتی ہوگا یا دوزخی یہ ظاہر ہے کہ خدا کا علم غلط نہیں ہو سکتا مزدور ہے کہ ایک ایک بات خدا کے علم کے مطابق واقع ہو اس سے بھی لوگ انسان کی مجبوری

سے یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور انکو (حق بات کہنے سے) باز اور ارادہ راست بردہ ہوئی، لیکن کچھ لوگ انکو
عالم اگر تم اور جن لوگ دوزخ میں ہیں وہ سیکے سب لڑکے بھی خدا کی ناشکری کرو تو خدا کو (ذرا بھی) بردہ نہیں کہہ سکتے
وہ بے نیاز (اور بر حال ہیں) سزا دار محمد (رشتا) پر (۱۳) اور انکی اور (آیات کی قسم) است و علو ایسا است
منیا چہ اس کی بے کاری اور پرہیزگاری و دود باتیں، اوسکو سبھاری (۱۴) چہ ہم انہی کو دین کا لارہ۔ سی، اکھا
دھارہ دوسم کے آدمی ہیں، یا تو شکر گزار ہیں (یعنی مسلمان) یا ناشکر (یعنی کافر) وہ پس ہو چاہے تازی اور چاہے تازی
مگر بخود انسان اپنے متقابل میں جنت یا دوزخ میں ہے قصور ٹھانہ کر کے (نہی) کہتے ہی پہانے ہیں لایا کر

استنباط کرتے ہیں۔ ایک جوتن ہندو نے ایک دونا کہا ہے کہ سہ
نیاؤ نہ لگیں کیں ٹھکرائی + بن کینے لکھ لیں بُرائی

لیکن یہ استنباط غلط ہے ایک طبیب حاذق بھی ایک مریض کی نسبت جانتا ہے کہ وہ
بد پرہیزی و ضرور بد پرہیزی کرے گا اور مرے گا اور وہ بد پرہیزی کرتا اور مرنے کا حکم نہیں دیا۔ غرض تقدیر کی بحث بڑی دقیق
طبیعت اُس کو بد پرہیزی کرنے اور مرنے کا حکم نہیں دیا۔ غرض تقدیر کی بحث بڑی دقیق
اور اسی وجہ سے شائع نے اس میں گمراہی کرنے کی سناہی بھی فرمائی ہے ہم نے قرآن کا ترجمہ
کرتے وقت تین مقام پر تین فائدہ بھی لکھے ہیں اُن تینوں کو اس جگہ نقل کُو دیتے ہیں
شاید فہم مطلب میں ان سے کچھ مدد ملے۔

پارہ تکالسل کے آغاز کی آیہ ولو شاء اللہ ما اقتتلوا لکن اللہ یفعل ما یرید
کے ذیل میں لکھا ہے۔ مع مطلب یہ ہے کہ خدا چاہتا تو تمام بنی آدم کی طبائع ایک ہی طرح
کی ہوتیں تو اُن میں اختلاف بھی نہ ہوتا لیکن اُس نے حق و باطل دو چیزیں بنائیں۔ آدمی کو
حق باطل کی تمیزی، اختیار کو علاوہ اختیار کہ وہ حق سے اختیار کرے یا باطل کا۔ آدمی کا اختیار پیدا
کرنا خدا کا فعل ہے اور حق و باطل کی تمیز کرنا اور ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑنا آدمی کا
دوسرا فائدہ پارہ والمحصنت کے آیہ ما اصابا من حسنۃ فمن اللہ وما اصابا
من سئۃ فمن انفسہا کے متعلق لکھا ہے اور وہ یہ ہے اس سے پہلی آیت میں فرمایا کہ
(رفع نقصان) سب اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں فرماتے ہیں کہ فائدہ اللہ کی طرف سے
اور نقصان بندے کی طرف سے ظاہر اِن دونوں باتوں میں مخالفت سی معلوم ہوتی ہے
اور کلام الہی میں یہ ہونہیں سسکتا کہ ایک سانس میں کچھ اور دوسرے سانس میں کچھ
چنانچہ تھوڑی دُور آگے چل کر فرماتے ہیں۔ ولو کان من غیر اللہ لَوَجَلَّ وَفِدَا اختلاف اکثر
سوجو لوگ انسان کو فاعل شمار نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ آدمی بُرا یا بھلا جو کچھ بھی
کرتا ہے خدا کے کرانے سے کرتا ہے۔ یہ لوگ اِن دو مخالفت باتوں میں اس طرح وجہ توفیق
پیدا کرتے ہیں جیسے حافظ شیراز کہہ گئے ہیں کہ سہ

گناہ اگرچہ نمود اختیار ما حافظ + تو در طریق ادب کو ش و گو گناہ مست

یعنی نفع ہو یا نقصان۔ ہر تو سب کچھ خدا کی طرف سے مگر ادب کا تقاضا یہ ہو کہ بندہ نفساً اور گناہ کو اپنی طرف منسوب کرے اور بادبہ دبے اختیار ہی کے تصور کا معترف ہو لیکن یہ بات ہمارے دل کو تو لگتی نہیں۔ ہم تو آدمی کو فاعل مختار اور نیک و بد کا ذمہ دار مانتے ہیں اور اس قاعدہ کو دنیا و دین دونوں کے انتظام کا مدار سمجھتے ہیں۔ ان دو مخالف باتوں میں وقتی وجہ توفیق پوچھو تو یہ ہو کہ خدا نے دنیا کے انتظام کا ایک قاعدہ ٹھیسرا دیا جو ہر چیز اور ہر واقعہ کا ایک سبب ہوتا ہو اور ہر سبب کا ایک نتیجہ۔ اور اسی سے یہ جہان عالم اسباب کہلاتا ہو۔ جیسے مثلاً حاکم ظاہر بنے ایک قانون بنا دیا اور اس میں چور کی سزا تجویز کر دی۔ اتنے برس قید۔ زید نے چوری کی۔ اور جیل خانے بھیجا گیا۔ کہنے میں تو یوں آتا ہے کہ حاکم نے قید کیا مگر حقیقت میں زید نے آپ اپنی کو قید کیا نہ چوری کرتا نہ جیل خانے بانا پس حاکم کا زید کو قید کرنا اور زید کا خود اپنے تئیں قید کرنا اپنی اپنی جگہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں

تیسرا فائدہ سورہ الفہم کے رکوع ۱۴ آیہ قل فلله الحجة البالغة قلوا شاولکم جمعین کے ذیل میں لکھا ہو کہ کفار مکہ جب لیل سر عاجز آتے تو مشیت الہی کی بحث نکال کھڑی کرتے لیکن وہ مرضی اور مشیت میں فرق نہیں کرتے تھے۔ خدا نے اس آیت میں مرضی اور مشیت کا فرق نہایت عمدہ طور پر دکھایا ہو کہ جو خدا کی مرضی تھی وہ پیغمبروں کو ذریعے سے ظاہر کر دی گئی اور لوگوں کو اختیار دیا گیا کہ نیک راہ اختیار کریں یا بُری راہ چلیں۔ بُروں نے پیغمبروں کو بھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بُری راہ اختیار کی تو وہ ملزم ٹھیسرے اور خدا کی محبت اُن پر تمام ہوئی۔ مشیت الہی سے اور اس سے کچھ تعلق نہیں۔ مشیت الہی بالکل دوسری چیز ہو اس میں شک نہیں کہ خدا چاہتا ہو تو سب راہ راست پر چلتے۔ مگر اُس نے چاہا کہ لوگ اپنی راہ سے سو راہ راست اختیار کریں تو لوگوں کو افعال کی مشیت الہی متعلق نہیں ہو بلکہ اُن کی مشیت متعلق ہو یعنی مشیت الہی تھی کہ لوگ اپنی مشیت سے بُرا یا بھلا کریں

ان سب باتوں کے اخیر میں ہم آپ کو ایک نہایت ضروری بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ایمان اور اسلام دو لفظ ہیں پورے میں مراد یکساں ہو جاتے ہیں یعنی ایک ہی معنی میں ان کا استعمال ہوتا ہو مگر جو فرق ایمان و اسلام میں ہو وہ اس آیت کے ظاہر محتاج ہے

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تَمُوتُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا مَا كُنَّا قُلُوبُكُمْ
 (عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اسے پیغمبران سے) کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لاؤ (انہوں نے)
 یوں کہہ دو کہ ہم مسلمان ہو گئے اور ایمان کا تو ہنوز تمہاری دلوں میں گہر تک نہیں ہوا
 اسلام اعمال ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان دل سے پس جو شخص ظاہر میں مسلمانوں کے سے
 کام کرتا ہو مثلاً ہماری قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو۔ ہمارا ذبیحہ کھاتا ہو یعنی اس کا ظاہر مسلمان ہو
 چاہئے کہ ہم اُس کو مسلمان سمجھیں یہی مضمون شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے نہایت عذرا سے
 اس قطعہ میں ادا کیا ہے **قطعہ**

ہر کرا جامہ پارسا بینی + پار سادان و نیک مرد انگار

دردانی کہ در نہانش چیت + محتب رادرون خانہ چکار

اور اسی مضمون کی توضیح ہماری اُس تحریر سے بھی ہو سکتی ہے جو ہم نے قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا الخ کو فائدہ میں کر کے
 چنانچہ وہاں لکھا ہے کہ ایمان دل سے علاقہ رکھتا ہے اور خدا کو سوا دوسرے کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی اور اسلام
 افعال ظاہر سے تعلق رکھتا ہے ایک شخص مسلمانوں کی ہی وضع رکھتا، اور مسلمانوں کے ساتھ کھاتا پیتا اور اپنی باتیں
 کہتا ہو شرع جو ظاہر پر حکم کرتی ہے اسکی سوا وہ مسلمان سمجھا جاوے گا مگر اس کے دل میں ایمان ہو اس آیت میں اسلام
 اور ایمان کا فرق بتا مقصود سخت افسوس ہے کہ آج کل کے مسلمانوں میں فساد کثرت سے شائع ہو گیا ہے کہ باتیں مسلمانوں
 کو کافر بنا دیتی ہیں حالانکہ شریعت کی رو سے کسی حق نہیں کہ مسلمان بھائی کو گروہ اسلام سے خارج کرے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
 علیہ وسلم ساری عمر مسلمانوں کے گروہ بڑھانے کی تدبیر میں لگو ہو اور وہ مسلمانوں کے گروہ میں داخل کر کے گروہ کو بڑھاتا ہے
 حقے اور دنیا کا رتھو ابابھی کم اہم کہ تمام پیغمبروں میں میں ایسا پیغمبر کیوں ہے کہ امت آخرت میں سب امتوں سے زیادہ بڑی
 اس کے برخلاف مسلمانوں کو گروہ مسلمانوں سے خارج کر کے گروہ بڑھاتا ہے وہ بین قادیان اور کجاست کیجاست
 خدا کو نزدیک مسلم سے مومن کا درجہ بڑا ہے کیونکہ اعمال ظاہر بھی دکھائے گئے ہیں اور مادی ان مقبول
 میں بہت سے لوگ ایسی بیٹنگے جو حق اور برادری کو خوف مسلمانوں کا سا ظاہر رکھتے ہیں مگر حقیقتاً کہتے ہیں کہ اُن کے
 دل میں نہیں بلکہ برعکس لوگ ظاہر بظاہر ایمان پاد بھی پاؤ جاتے ہیں لیکن چونکہ شریعت ظاہر پر حکم کرتی
 ہے ہم تو لوگوں کے ظاہر ہی پر فیصلہ کر سکتے ہیں اور باطن کی خبر خدا کو ہی جلیج آتا اور اسلام دوجہ میں اس طرح
 کو بھی دیکھ کر کو غافل نہ رہو باطن غیمن کی غیاب ظاہر کو اسلام کے خلاف دیکھ کر اُن کو سمجھنا یا کافر دینا بڑی خطرناک
 بات ہے **فقط فذیر احمل**

اتفاق

دولت سہہ ز اتفاق خیزد

بے دولتی از اتفاق خیزد

دنیا کے جو مسائل قوموں کی فتح اور شکست - ہستی اور نیستی - ترقی اور تنزل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ وہ سینکڑوں برس کے تجربات کلی کے نتائج ہوتے ہیں۔ جیسے ایک چھوٹا سا بیج بہت بڑا درخت پیدا کرتا ہے یا مٹھی بھر بیجوں سے بڑے سے بڑا باغ تیار ہو سکتا ہے ویسے ہی عقلاء قوم کے تجربات کے ایک ایک لفظ میں بہت بڑی طاقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور اُس کے کام میں لانے اور قوت سے فعل میں آنے سے عجیب طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے اور تجربات کی ڈکشنری کا ہر لفظ اپنی قوم یا یوں کہہ دو کہ تمام ملک کی رہنمائی کو زبردست دستور العمل کا کام دے سکتا ہے

ان میں سے ہم یہاں صرف ایک پنج حرفی لفظ کو بیان کرتے ہیں جسکو اگر آپ ایک چھوٹا سا بیج تصور فرمائیں تو اس سے بڑی سی بڑا عالیشان درخت پیدا ہو سکتا ہے اور اس کے چند دانے قوم کو ہرے بھرے باغ کا مصداق بنا سکتے ہیں وہ لفظ کیا ہے ؟ اتفاق ! ہم آپ کے سامنے چند مثالوں سے اس لفظ کی پوشیدہ طاقتوں کا اظہار کرتے ہیں جن کے تسلیم کئے جانے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

عقل پتہ بتاتی ہے کہ ایک جنس کے دو افراد کا مجموعہ بہ نسبت ایک کے زیادہ طاقتور ہے اور دس کے مقابلہ میں سو اور سو کے مقابلہ میں ہزار زیادہ قوت رکھتے ہیں پھر ان کی یہ طاقت عاقلانہ رہنمائی سے اور زیادہ ترقی کر سکتی ہے جیسے کمان کی مشق کہ ایک تیر معمولی کبار سے سو گز کے فاصلہ پر دھبہ مار سکتا ہے تو دہی تیر اور دہی کبارہ ایک عاقلانہ مشائی سے ایک ہزار گز پر شیر کو مار سکتا ہے۔ سو ت کے چند تار جن کو ایک ہیچ آسانی کے ساتھ توڑ سکتا ہے بٹے جانے پر ایک قوی ہاتھ سے بمشکل ٹوٹ سکیں گے۔

اسی طرح جب ہم نیچر کے اسبابِ علل میں غور کرتے ہیں تو اتفاق کا قدرتی مشاہدہ عام مثالوں میں نظر آتا ہے۔ ہماری جسم کا تار و پود اتفاق کی بدولت قائم ہے۔ عناصر اربعہ ایک دوسرے کی ضدیں مگر قدرت کے حسن تدبیر سے اپنے فرائض ادا کرنے میں متفق ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بے حقیقت انسان کی طاقت بڑی بڑی فتوحات حاصل کر سکتی ہے اور ذرا سی نا اتفاقی رنج-بیاری-تکلیف اور آخر کو موت کا باعث ہو جاتی ہے۔

مبارک ہو وہ قوم جس کے افراد آپس میں اتفاق رکھتے ہوں جو موت کی طرح کچے ہونے پر بھی آپس کی پیوستگی سے بڑی طاقت کا اظہار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جب دنیا میں اسلام آیا تو اس کو ہر اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سر و جہرہً - لفظاً و معنیاً اتفاق کی دہائی کرتا ہے اور تمام مسلمانوں سے ایک ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا خواہشمند اور ادائے اعلیٰ - امیر غیب - فقیر بادشاہ سب کو ایک ساتھ دیکھنا چاہیے۔ نماز جماعت کی تاکید اسی اصول کو استحکام کے لئے فرض کی گئی ہے۔

جب تک مسلمانوں نے اقتداء و امامت - اتفاق و جماعت کے جبل التین کو مضبوط پکڑا وہ دین اور دنیا میں آپ ہی اپنا نظیر سمجھے گئے اور انکو اتفاق کی طاقتوں نے وہ حیرتناک اثر ظاہر کیا جس سے تاریخ میں بھری پڑی ہیں۔ لیکن اکثروں کو جبل یا ملح نفسانی نے اس اتفاق کی طاقت عظیمہ کو جو اختیار کو مقابلہ میں کام آتی ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس کو مجاہد میں صرف کیا اور بڑی طاقت چھوٹوں کو کھاتی گئی۔ یہاں تک کہ طوائف الملوکی کی حالتوں نے اسلام کے اتفاق کی مجموعی طاقت کا ستیاناس کر دیا اور دوسری قوموں نے استاد اسلام یہ سبق پڑھ کر اتفاق کو اپنے قومی لشکر کا نشان بنایا۔

آپ بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ انگریز - جرمن - فرانس - جاپان اور اور قوموں کے باڈے بندیوں پر اڑتے نظر آتے ہیں اور دنیا کی تاریخ پر نظر کرنے سے اس باب میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ ہر ہم کو سر کرنے کے لئے اس پنج حرقی لفظ اتفاق سے بڑھ کر ایک بڑی سے بڑی کتاب بھی کوئی اصول تیم نہیں کر سکتی * منظر علی اشہر

علمی خبریں اور نئی کتابیں

شمس العلماء مولانا ذیر احمد صاحب ایک کتاب حقوق العباد کے متعلق لکھ رہے ہیں اور شائع ہونے والی ہے۔ ضخیم اور دلچسپ کتاب ہے۔

دفتراخبار وکیل نے حال میں عربی کو دونوں ترجیمہ کر کر شائع کئے ہیں۔

فتاۃ غسان کا مصنف جرجی زیدان سچی ایڈیٹر ملال ہے۔ ہمیں اسلام کو ابتداء کے حالات ایک عربی قصہ میں بیان ہوئے۔ کتاب بہت دلچسپ ہے اور تاریخی معلومات کے لئے مفید ہے۔ فخر حصہ اول ۲۶۴ صفحہ پر ابھی شائع ہوا ہے۔ جو لوگ نواقص اور بے نتیجہ ناول پڑھنے کے شائق رہتے ہیں ان کے لئے ایسی کتابوں کا پڑھنا ایک سودمند مشغلہ اور دل کا نہیملانا ہو سکتا ہے (قیمت غیر)

ارمانوسہ ایک اور قصہ اسی مصنف اور محمد عظیم صاحب انصاری کا مترجمہ فتح مصر کے متعلق ہے کتاب دو ترجمہ دونوں عمدہ ہیں۔ حجم ۳۵۸ صفحات (قیمت عام)

تہذیب اسلام مصنفہ جرجی زیدان (صفحات ۲۷۶ قیمت غیر) یہ بھی مولوی غلام محمد صاحب نے صاف اور خوش خط چھپوائی ہے۔ مسلمانوں کے خیالات اور طرز معاشرت اور طریقہ سلطنت کے متعلق اوائل اسلام بلکہ جاہلیت سے لیکر اوسط زمانہ عباسیہ تک یہ کتاب ایک عمدہ ذخیرہ معلومات کا ہے جو ایک غیر مذہب عربی مسلمانوں کے لٹریچر سے محنت کر ساتھ اخذ کیا ہے۔ بعض حصے اس کے خاصکر جہاں آغوش کی مشکلات اور بے نفس الواعظی کا بیان ہے بہت دلچسپ ہیں۔ ہم کسی پرچہ میں بطور نمونہ چند صفحے اس کتاب کے نقل کریں گے۔ ہم کو امید ہے کہ مطبع دیکل امرتسر کی اس محنت کی قدر کی جاوے گی اور مطبع کتاب ہمارے دوسرے حصے کے ترجمہ کو بھی بعد تیاری جلد شائع کرے گا

رسالہ بیکاری مصنفہ ایڈیٹر عمر جدید اور لکچر لکھنؤ (جسکی غلطیاں خود درست کی گئی ہیں) کسی قدر باقی ہے۔ مینہ کیلبرٹ یہ دونوں مفت تقسیم ہو رہے ہیں۔ سر کے ٹکٹ ڈاک وصول ہونے پر انہیں سے ایک سال یا دونوں بھی خرید کر جاویں گے بشرطیکہ منگانیوالے صاحب آوروں کو بھی دکھادیں۔

شاہجہاںپور سے ایک سالہ شطرنج۔ ایڈیٹری حافظ سید نور احمد صاحب ہماری پاس رائی کیلئے لائٹ ایڈیٹر نے بھیجا ہے۔ ہم ایڈیٹر کی دماغ سوزی اور جدت کی داد دیتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ رڈسا اور صاحبان فرصت اور بیکار وقت کھونے کے شائق اور لہو و لب کے دلدادہ اور زندگی کو ضائع کرنے والے اور پُرانی اور نئی تہذیب کے بگڑے اس سال کی قدر کریں گے۔ ہمارا تو یہ فرض ہے کہ قوم کو صحیح اور پائدار فائدہ کی طرف بلا دیں (قیمت عوام سے غیر سالانہ)

علمی دنیا کے لٹویہ بات پچھی سے خالی نہ ہوگی کہ میرزا غلام احمد صاحب نے ایک کتاب اعجاز المسیح جو لکھی ہو اور حکوودہ اپنا ایسا ہی مجنہ سمجھتے ہیں جسبا قرآن شریف پیغمبر اسلام کا مینی کوئی ایسی کتاب نہیں لکھ سکتا وہ اکثر بابوں کی کتاب البیان وغیرہ سے لی گئی ہے۔ چند رسالے اس حصہ میں نئے لکھیں۔ گوہر شاہوار لکھنے سے دلگداز کی قطع پر

۳۲ صفحہ پر نکلا ہے۔ اس کے ایڈیٹر سید زار حسین صاحب طرہیں اور طرار پریس سے نکلتا ہے اگرچہ دعوے اس سالہ میں بہت بڑی بڑی ہیں یعنی (۱) اُس کی بدولت کوئی لڑکا یا لڑکی جاہل نہیں ہو سکتے (۲) چھ بیٹے کی عمر سے بچوں کی تعلیم کے طریقے (۳) ضروری تعلیم نوان کی عملی تحریک بلحاظ وقت و عصمت (۴) چستان حیات کے لامل عقدوں کا حل

پھر یہی مضامین کو پڑھو معلوم ہوتا ہے کہ ایڈیٹر کے دماغ میں ایک روشنی اور جدت ہو اور اگر استقلال ہو جاری رہے تو عمدہ رسالہ ہے قیمت عوام سے چار سال۔ رڈسا سے ۵ سال۔ اگر رسالہ اب تک جاری ہے کیونکہ ہماری پاس ایک ہی نمبر آیا ہے تو ہم ایڈیٹر صاحب سے عرض کرینگے کہ عبات آرائی سے قطع نظر کر کے اصل مطالب پر زیادہ تحریر فرمادیں کہ تو وہ اچھی خدمت قوم کی کریں گے اس زمانہ میں یہ امر موجب مسرت ہے کہ اخبار و رسالے خاص خاص مضامین اور مباحث کے لئے مخصوص ہوتے جاتے ہیں

معلم صحت جس میں ورزش اور تندرستی وغیرہ کے متعلق مضامین چھپتے ہیں اصول تربیت کی قطع پر شاہوار رسالہ گورگانوال ملک پنجاب سے ۲۶ صفحہ پر نکلتا ہے قیمت سالانہ معہ محصول یہ مقرر ہے جو نمبر نمبر نمبر بہرہ لی شہنہ ۱۶ ہمارے سامنے ہو اس میں انگریزی و یونانی و ہیک ہر قسم کے نسخے بھی ہیں۔ مگر ہماری نزدیک مولوی حکیم اجل حسین کا مجلہ طبیبہ و حکیم احمد حسین

کا الشفا اور دیگر مختلف رسائل طبی کے ہوتے ایک طبی رسالے کی اردو میں گنجائش ابھی نہیں ہو اگر وہ حفظانِ صحت اور ورزش جسمانی میں محدود رہے تو بہتر ہو۔ ایڈیٹر رسالہ کا نام کہیں نہیں ملتا۔ اردو زبان کی درستی اور صحت کے واسطے مشروطنظم میں ۱۸-۲۲ کی تقطیع پر ایک جدید گلدستہ شمس الملک کے نام سے لاہور میں نکلا ہے۔ دلغ جیسے مقبول اور خوش بیان شاعر کی یادگار میں یہ سالہ نکلا ہے۔ ۲۲ صفحہ پر ہر شیا چھپتا ہے۔ ایک مقصد زبان اردو کی درستی جو اس نے دکھا ہے علی پہلو بھی رکھتا ہے ورنہ ہر کس قسم بدیاں چہ غریزہ اس کے خورد۔ جو شخص جس چیز سے مذاق رکھتا ہے وہ اس کو دنیائیں سب سے زیادہ ضروری سمجھتا ہے۔ ہم ایسے رسالوں کی ضرورت اس زمانہ میں نہیں سمجھتے۔ وہ دودھ آماد اور خوش طبعی اور خوش گوئی کا مفت کی دولت اور بزرگوں کی ثروت کے ساتھ گیا۔ اب تو کام اور غور کا زمانہ ہے۔ ہم کو اب استماد کے ان شعروں میں بھی کیا خاک لطف آتا ہے

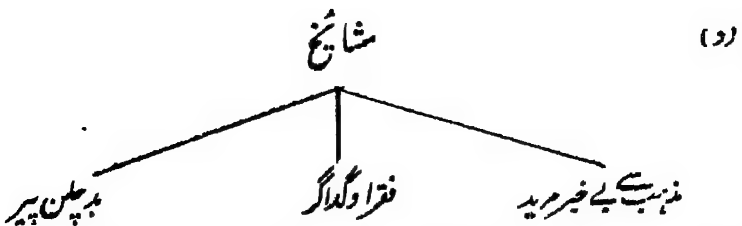
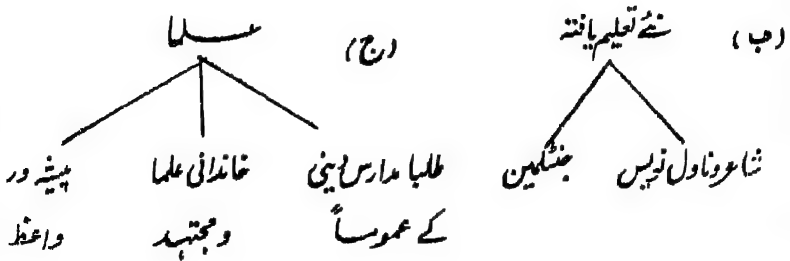
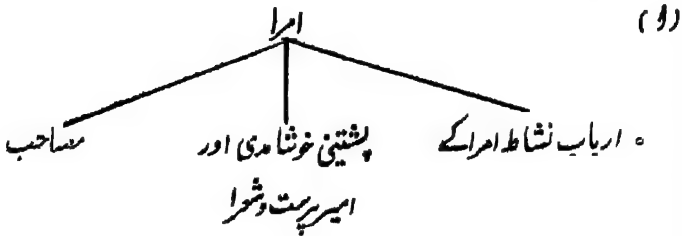
تری گلی میں ہو کیا جمع دل جلوں کی خاک۔ کہ خلق راہ سے دامن کشاں نکلتی ہے
رتیب آپ کی محفل سے یوں نکلتے ہیں۔ کہ جیسے بارغ سے فصل خزاں نکلتی ہے
پس فنا بھی اثر ہے یہ بے فزاری کا۔ کہ میری قبر سے ریگ ہواں نکلتی ہے
ہماری رہ جب اُستاد داغ کی نسبت یہ ہے تو وہ ہزاروں متشاعر جو چاروں طرف سے
نکل کر ہمارے اخباروں اور رسالوں میں طوفان برپا کر رہے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے
کی توفیق کی وجہ سے آسمان پر دماغ رکھنے ہیں۔ اُن کہ بھلا ہم اس نسل کے۔
کیسے مفید کہیں گے؟

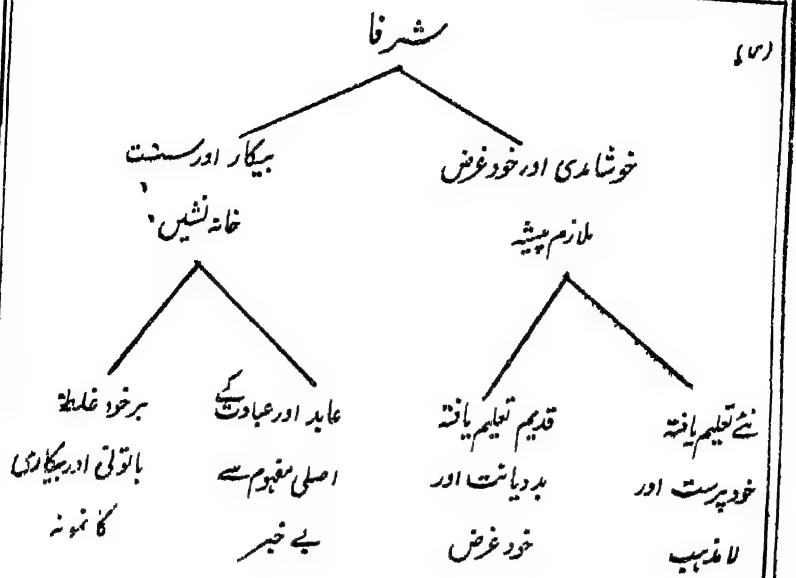
مولوی عبدالحی صاحب وکیل چندوسی نے مولانا شوکت کے مضامین مردوں کی دُعا کی تعلق ایک کھلی چٹھی میرکام لکھی ہے۔ دراصل میرا مطلب ہرگز یہ نہ تھا اور نہ ہے کہ حنفی یا
غیر وہابی کی دل شکنی کی جاوے۔ مولانا شوکت نے بھی جہلا کے عقائد کو لٹاڑا تھا نہ کہ علماء کو
بہر حال ایسی بحثوں میں سے جو بات مفید اور کام کی ہو وہ اختیار کر لینی چاہئے۔ انسان سے اگر
کوئی غلطی یا افراط تغریط ہو جاوے تو اُس پر زیادہ غصہ نہ کرنا چاہئے۔ کون کاش ہے؟

ماہ گزشتہ

۵ - ۸ - ۱۲
ایڈیٹری نوٹ

ہماری تباہی کے سبب | چند گروہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کی سوسائٹی زیادہ تر
پست ہمت - ڈھیلی - تنگ نظر - خوشامدی الغرض بے مصرف
ہو گئی ہے۔ ۱۹۵۷ء کے عصر جدید میں ناظرین کو ان کے حالات ملیں گے۔ گرم اس وقت
ان کا مشجرہ پیش کرتے ہیں تاکہ سمجھدار نوجوان ان سے برکنا رہیں۔ ان پستی کے اماموں
کو ہم پانچ طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں اول امرا - دیوئم علما - سوئم شایخ - چہارم
جدید تعلیم یافتہ - پنجہم شرفا





آپ غور کریں تو بعد اصلاح اور توسیع کے ان پانچوں فہرستوں میں اپنے گرد کے اکثر آدمیوں کو رکھ سکیں گے۔ یہ سارے گروہ اس قابل ہیں کہ ان کو درست کیا جائے کہ ان کی تقلید یا نقل کرنے کو سرمایہ عزت سمجھا جاوے۔ ہم آئندہ بتا دیں گے کہ ہر گروہ نے تمدن اسلامی پر کیا خراب اثر ڈالا ہے۔ فقط

سلطان معظم کی سلامتی | ہم غوثی اور شکر کے ساتھ اس خبر کو لکھتے ہیں کہ حضور سلطان عبدالحمید خاں غازی یورپ کے بے نظیر مدبر کی جان بال بال بچ گئی۔ اگرچہ افوس ہے کہ آپ کے ہمراہی کسی مفسد کے ڈائنامیٹ کے گولہ سے قریباً ۵۴۵ مقتول اور پچاس مجروح اور بچپن گھوڑے ہلاک ہوئے۔ جو یہ قوف یہ سمجھتے ہیں کہ بعد سلطان عبدالحمید خاں کے ان کو اس سے بہتر زمانہ ملے گا ان پر تعجب ہوتا ہے ممکن ہے کہ بعد میں قومی سلطنت اور اجتماع بھی نہ رہے۔ جب کہ ایسے فرزانہ حکمران کا سایہ جاتا رہے۔ بہر حال ایسے زبردست حملے سے بچنا خاص عنایت الہی سے ہو سکتا ہے۔ ظالموں سے سب کو نفرت اور غریب مقتولین سے ہمدردی ہے۔ ٹھیک معلوم نہیں ہوا کہ کن لوگوں کا یہ فعل تھا۔ اب معلوم ہوا کہ ملباریوں کا فعل تھا۔

حساب کا ایک مشکل مسئلہ | ہمسرا البشیر نے اپنے اخبار مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۱۹ء میں آریخ کے معزز آرگن آریہ گزٹ سے ایک لطیف فقرہ نقل کیا

ہے۔ جس سے اٹھارہ ممدوح نے اکبر کی بے تعصبی کو الفاظ ذیل میں غلط ظاہر کرنا چاہا ہے۔
”اکبر سے ٹیک بادشاہ نے اتنے ہندوؤں کو قتل کر لیا جن کے جیو سے ۱۴۷ کنوئیں بھر گئے تھے۔“

میر خیال یہ ہو کہ کنوئیں پورے پچھتر بھر گئے تھے۔ آدھا کنواں اس لئے خالی تھا کہ کانگرہ کے زلزلہ سے زمین دھس گئی تھی۔

اصل یہ ہے کہ علم تاریخ ایک گہرا علم ہے۔ مگر یہ علم تحقیق نہیں بلکہ الہامی ہے۔ آریہ گزٹ کے فاضل دلائق ایڈیٹر اگر کوئی جدید کتاب تاریخ ہندوستان کی لکھیں تو اس مخزن علم و حقائق کے ایک نسخہ کے لئے ہمارا نام بھی درج رجسٹر کر لیں۔ البتہ چونکہ ہم مسلمان ہیں اور علم حساب میں کافی مہارت نہیں رکھتے۔ اس لئے متعجب ہیں کہ کتنے جیو قتل ہوئے ہوں گے کہ دو جنیوں کے جیو سے اس قدر کنوئیں بھر گئے۔ ہم نے بعض دوستوں سے دریافت کیا کہ بھلا کتنے مظلوم مقتول ہوئے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول جنیو کتنا بڑا تھا۔ آیا لاڈکشی کے رے سے کم تھا یا زیادہ یا کنواں ٹین کا تھا جو بچوں کے کھیلنے کے لئے بساطی بچا کرتے ہیں یا مارواڑ کی عالیشان باولیاں تھیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہماری معاصرین دونوں سوالات کا جواب بھی اسی الہامی تاریخ سے دیکر ہم کو ممتون کریں تاکہ حساب بکا یہ عقدہ حل ہو جاوے۔ دنیا میں رہ کر انسان نے اپنے علم سے دوسرے کو فائدہ نہ پہونچایا تو بات ہی کیا ہوئی۔ خیر ہم اس مجوزہ تاریخ کے لئے خاتمہ کی چند سطریں تجویز کرتے ہیں

”ای پوٹرو بزرگ آریا ورت۔ تیری مہا ہو۔ تو نے کیسوی غلم ہو۔ مگر کیسوی جابروں کو انجام کا ہضم کر لیا۔ اب تیری دن پھر آ رہی ہیں کیونکہ تجھ میں محقق اور فاضل اور ملہم اور بے نصیب لیڈر ایسے ایسے پیدا ہونے لگی ہیں جیسے ناچیز آریہ گزٹ۔ خوش قسمت تھا وہ لمحہ جب کہ ایک خیر خواہ انسانیا سی ڈیجہ ہیں اس مقدس سراج کی بنیاد رکھی جسکی جہوان پاپی دھوکا بمیکشوں کا قلع قمع ہو گیا۔“

ہم سب جانتے ہیں | ہماری ایک درست اپوزیٹ ملاقاتیوں کا ایک فقرہ لکھا ہے کہ وہ **عصر جدید** کی ضرورت نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اس میں جو باتیں لکھی ہیں وہ ہم سب جانتے ہیں

اگر ہم انکسار کو کام میں نہ لادیں تو کہیں گے کہ اسے مہربان دوستو۔ تم ایک بات بھی نہیں جانتے اور یہ کہنا کہ ہم سب جانتے ہیں خود ظاہر کرتا ہے کہ تمہاری طبقہ کے لئے ایک درست تعلیم اور تحریک کی ضرورت ہے۔ **عصر جدید** جس ضرورت کی واسطے اپنا آپ کو وقف کر چکا ہے ان میں سے بعض کو ہم ذیل میں بیان کر کے اپنے واقف کار ناظرین کو عرض کرتے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ ہماری ناظرین اکثر واقف کار ہیں کہ ان معاملات کی طرف مسلمان پاک کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہی یا نہیں ؟

۱، مسلمانوں کی تمدنی زندگی نہایت درجہ قابل اصلاح ہے۔ اس وجہ سے کہ اُس میں وقت و قوت اور دولت کا صحیح استعمال نہیں۔

۲، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طبقہ بھی سنجیدگی اور ایمانداری کے ساتھ اصول عمل پر غور نہیں کرتا اور اسلام کے صحیح مفہوم کو زور اور فصاحت کے ساتھ سامنے نہیں لاتا۔

۳، صحیح مفہوم اسلام کا یہ ہے (اور اسی مفہوم کی وجہ سے یہ مذہب خاتم ادیال اور نمونہ اعتدال کا ہے) کہ یہ زندگی محض ایک امانت ہے اور یہ دُنیا ایک کیفیت ہے۔ جیسا ہم یہاں بیچ رہے ہیں اُسی کے مطابق عاقبت میں کاٹیں گے

۴، اسلام و ہریت اور الحاد کے خیالات کا دشمن ہے جو اسی زندگی تک ہم کو محدود رکھتے ہیں اور عاقبت سے بے خبر رکھتے ہیں

اسلام ترک دنیا کی تعلیم کو ختم دیکھتا ہے اور عمل اور کوشش کو اور محنت خلق کو ذریعہ نجات قرار دیتا ہے اور گدگاری اور سستی کو عبادت شیطانی سمجھتا ہے

اسلام نفس کی پاکیزگی اور ایثار کی تعلیم کرتا ہے۔ اپنی آسائش اور نمود اور شہنی اور رسم پرستی دولتِ خدا کے لئے کو حرام۔ گناہ۔ خلاف منشاء خداوندی۔ شیطان کی دوستی اور تباہی کا باعث قرار دیتا ہے اور تمدن کو سادہ اور عملی رکھنا چاہتا ہے

غرض وہ چاہتا ہے کہ ہم اس دنیا کو پوری طرح بریں گمر یہ جان کر کہ موت ہماری سامنے ہے اور خدا ہم پر محیط ہے اور گناہ اور تاریکی محض بچنے اور مقابلہ

کے واسطے دئے گئے ہیں۔ وہ قومی ترقی کو منشاء پیدا ئیش انسان کے
تحت کرتا ہے۔

عصر جدید اس اسلامی تعلیم کو خاموشی اور طریقہ طریقہ سے سبکے سامنے لاتا ہے
کبھی خوشامد سے نفرت دلاتا ہے۔ کبھی اعتدال و کفایت کی تعریف کرتا ہے۔ امراء علماء
فقراء جنٹلمینوں کا بڑا گروہ جو تعصب اور صلح کے عملی انکار کو دینداری یا روشنفرمیری
سمجھتے ہیں۔ اُن پر متانت سے۔ طنز سے۔ قہر سے۔ نرمی سے صحیح اثر دین کا ڈالنا
چاہتا ہے۔ اُس نے نہ کبھی یہ دعوئے کیا ہے کہ میں عبارت کی دلفریبی میں استاد
زمانہ ہوں۔ اور نہ وہ کاغذ اور چھاپہ کے خوشنما لباس سے دلربائی کرتا ہے
بلکہ خاموش سادگی کے ساتھ دل میں گھر کرنا چاہتا ہے۔ جہاں پچاس اس کی طرف آنکھ اٹھا کر
بھی نہیں دیکھتے وہاں پانچ اُسے پسند بھی کرتے ہیں۔ مگر وہ گہرے اور سچے اثر کو اُس قابل مکتا
طمطراق پر ترجیح دیتا ہے جس کی پرستش یہ نسل کر رہی ہے۔ وہ امیروں کو صلاح دیتا ہے کہ
دولت کو اس طرح خرچ کرو کہ غریبوں کا فائدہ ہو اور مستحق غریبوں کا۔ اور تم بھی بر عزت
قائم رہو۔ بعض غریب عصر جدید کی وجہ سے امیروں کی تقلید کو حماقت سمجھنے لگے ہیں۔ یہ سب کچھ صحیح
یاسب کچھ غلط۔ مگر وہ اپنے دشمن پیدا کرنا جانتا ہے۔ ہم بعض دوستوں کی یہ صدا گویا سُن رہے
ہیں۔ براے خدا تم ایک جدا پارٹی نہ بناؤ۔ نرمی سے لکھو تاکہ اثر ہو۔

اے کاش ہم اپنے ایمان اور صداقت سے اور وقتی مصلحتوں سے ایسی مصالحت
کر سکتے جس سے سب دوست خوش ہو جاتے۔ مگر اپنے فرائض کے خیال سے مجبور ہو کر ہم کو
گھسیکے۔ ڈھیلے۔ نیم نیم۔ مذہب اور مہانت کے طریقے سے بچنا پڑتا ہے اور حق کی عظمت
مجبور کرتی ہے کہ باطل کی تعمیر کی جائے۔

ہم اپنے ضمیر ایمانی پر غائر نظر ڈالتے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے واقعات و حالات و اشخاص
کو خیال کی پیرید میں گزارتے ہیں تو سچائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ کسی متنفس سے بھی ہم کو
مطلق کاوش نہیں ہے نہ کسی کے نقصان سے ہم کو فائدہ ہے نہ فائدہ ہونے کا خیال ہے
مگر یہ جنگ آئیڈیل اور خیالات احوال کی ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاوے گا

یہ لڑائی وسیع تر ہوتی جاوے گی۔ یہ سچ ہے کہ ہم طرزیان میں ایک وکیل کی طرح بیٹھ کر اور یکطرفہ سختی اور شوخی استعمال کرتے ہیں۔ مگر وہ وکالت حق کی ہوتی ہے۔ جس اصول کی تائید و حمایت کی جاتی ہے اس کے متعلق اگر بحث کا موقع ہو تو ہم نہایت مہمانت سے اس کی تائید کو موجود ہیں

خلاصہ اس تمام کا یہ ہے کہ عصر جدید شائد نئے دوست کم پیدا کرتا ہے۔ شائد وہ اپنے دشمنوں کو زیادہ کرتا ہے مگر ایک بات وہ ایسی کرتا ہے جس کی داد صرف الٹا دل کسی قدر دے سکتے ہیں وہ کسی انسان کو بیکاری یا بدکاری کی طرف نہیں لیجاتا بلکہ اس کے خلاف کیا خلعہ کی روانگی بند کی جاوے | ہندوستان کے بعض حصوں میں قحط کے آثار بیان کئے جاتے ہیں اور اکثر ملکی اخبارات کی خاک

وکیل کی یہ رائے ہے کہ غلہ کا باہر جانا بند ہونا چاہئے۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ تجارت کو روکنے کا کیا اثر ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غلہ کا جانا اگر روکا گیا تو وہ سستا ہو جاوے گا اس وجہ سے غلہ بونے والوں کو فائدہ کم ہوگا۔ اس وجہ سے آئندہ بجائے غلہ کے بہت آدمی دوسری چیزوں کی کاشت کریں گے یا جن زمینوں میں بوجہ دوری یا کمزوری پیداوار بہت کم ہوتی ہے وہاں کاشت یہ وجہ کی منافذ بالکل نہ کریں گے۔ جب غلہ کم پیدا ہوگا تو پھر اناج مہنگا ہو جاوے گا۔ روکنے سے باشندوں کو تو فائدہ نہ ہوگا اور مالکان غلہ کو نقصان ہوگا۔

مگر ہم اس مسئلہ پر دوسرے طور پر نظر ڈال سکتے ہیں۔ فرض کرو کہ ہندوستان کا غلہ ایک ارب روپیہ کا باہر جاتا ہے۔ وہ باہر جانا بند ہو گیا اور اس ملک میں اشی کروڑ میں فروخت ہوا بیس کروڑ کا نقصان بونے والوں کو ہوا۔ اس کا موازنہ اس طرح ان کو ہو جاوے گا کہ بہت ارزائی غلہ مزید کسی قدر سستی ہو جاوے گی۔ خود وہ۔ ان کے متعلقین فائدہ سے بچیں گے اور جو روپیہ ان کو کمتر ملے گا۔ اس کی کفایت اس طرح ممکن ہے کہ لباس و سامان آرائش میں جو بہ عوض غلہ یورپ و امریکہ سے آتا ہے ان اخراجات میں کمی کریں۔ غرض ہمارے نزدیک کم سے کم ایک سال معمول برآمد پر لگا کر نتیجہ دیکھنا تو چاہئے کہ جبکہ رسالہ مطبع کو جاری ہے ہم کو افسوس ہے بارش بہت کم ہوئی ہے۔ خدا رحم کرے

ہم جاپان سے کیا سیکھیں

ہندوستانوں میں عموماً یہ غلط خیال پھیل گیا ہے کہ چونکہ جاپان نے ترقی کر لی ہے اس لئے ہم بھی آسانی

سے کر سکتے ہیں۔ مگر ہم اس منطق کو نہیں سمجھ سکتے۔ بیشک جاپان نے چالیس سال میں اپنی ترقی کا حیرت انگیز نمونہ اس طور پر دکھایا ہے کہ ایک ہندو قوم کو بند و قوں اور توپوں سے بھون دیا اور سی وجہ سے یورپ کے ظاہر میں اظہار پرست اُس کی تعریف اور خوشامد کرنے لگے اور اُن کی تقلید میں ہمارے نیم تعلیم یافتہ ہم وطن بھی۔

مگر یہ بھی تو دیکھو کہ دنیا کی فتح سے پہلے اپنے نفس کی فتح بھی لازم ہے۔ تجارت کی ترقی کے لئے خوش معاملگی فرض ہے۔ جو نتیجہ ایمانداری کا ہے۔ صنعت و حرفت کے لئے محنت لازم ہے جو اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ تقدیر کا غلط خیال (نہ کہ صحیح مفہوم) ہندوستانوں کے دل سے دُور نہ ہو۔ علم کے حصول کے لئے اعلیٰ ارادے۔ دولت کا خرچ اور فضولیات میں گفٹ لازم ہے۔ اور سب زیادہ آئندہ پر بھروسہ۔ جمعی ترقی کے لئے ایشیاء اور خود فراموشی ابجد کو طور پر ہیں اور دنیا کو میں نہیں جانتا۔ ہندو دسویں زیادہ حافظ نہیں لیکن مسلمانوں کی نسبت توین و ثبوت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں ظاہر پرستی اور خود غرضی اور نفس پرستی اور کاہلی اس درجہ کی ہے کہ صرف مذہب اور وہ بھی اسلام ان کو مغالی کی طرف بلند کر سکتا ہے اور اُس کا پہلا علمی اصول یہ ہے کہ تنالو البہ حتی تنفق مما تحبون یعنی نیکی بغیر ایشیاء کے خیال محال ہے۔ اس وقت تھوڑی سی تکلیف آئندہ کی راحت کے لئے اٹھانی انسان کے فطری فرائض میں داخل ہے۔ یہ ایشیاء۔ یہ محنت۔ یہ خوش معاملگی مسلمانوں میں صرف مذہب کے صحیح مفہوم سمجھنے سے آسکتی ہے۔ پس میرے نزدیک ہم کو جاپان سے یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ ہم جھوٹے اور نام کے مسلمان نہ بنیں بلکہ اُس کے اصول پر صداقت سے کار بند ہوں۔ میرا پختہ یقین تو یہ ہے کہ جب اسلام کا اصلی چہرہ نظر آئے گا تو جاپان بلکہ تمام دنیا آہستہ آہستہ مسلمان ہوتی چلی جاوے گی کیونکہ یہی مذہب دُنیا اور آخرت کو بیچ میں ایک مناسب پل بناتا ہے۔ دوسری جگہ یا ترک دنیا ہے یا دنیا پرستی ہے۔ فقط ایڈیٹس

بحث و تکرار

چونکہ آنجکل مذہبی مناظروں کا خاصکر مسلمانوں اور آریاؤں میں - نیچریوں اور مسیحیوں کے
 مسلمانوں میں بہت زور ہے۔ سنیوں اور شیعوں میں - اور بعض لوگ ہندو ریڈیوئی
 اور بے تہذیبی کا استعمال کرتے ہیں۔ اس واسطے صیغہ انتخاب مفید میں ہم مرحوم
 سر سید احمد خاں کا ایک مضمون تہذیب الاخلاق کی پرانی جلد سے اخذ کر کے
 چھاپتے ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ بحث یا مناظرہ کرنے والے اگر غور کریں گے تو ان کو
 معلوم ہوگا کہ پُر زور لکھنا اور بدکلامی - علمیت اور ذباں درازی میں بہت فرق ہے
 کیا یہ بہتر ہے کہ ہم چند کم علم اور بے تمیز آدمیوں کو خوش کریں؟ یا سنجیدہ اور
 عالم اشخاص سے داد لیں؟ البتہ جن مذہبی اخبار نویسوں کا مقصد جالوں کے
 سامنے مذہبی جوش کا جھوٹا اظہار کر کے روپیہ کمانا اور اپنی قوم کو ٹوٹنا ہے ان کے
 لئے کوئی نصیحت کار گرنہ ہوگی۔ مگر یہ کہ قوم ان کی مکاری کو سمجھ جاوے فقط ایڈیٹ
 جب کتنے آپس میں لڑ کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ
 سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز ان کو
 منتھنوں سے نکلنے لگتی ہے۔ پھر تھوڑا سا جڑا کھلتا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں
 اور حلق سے آواز نکلتی شروع ہوتی ہے۔ پھر باچھیں چر کر کانوں سے جا لگتی ہیں اور
 ناک سمٹ کر ماتھے پر عنیف آواز کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے
 چٹ جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اس کے گلے میں اور اس کی ٹانگ اس کی کمر میں اس کا
 کان اس کے منہ میں اور اس کا بیٹھا اس کے چہرے میں۔ اس نے اس کا ٹانہ اور اس نے
 اس کو پچھاڑ کر جھینٹا دیا جو کمزور ہوا دم دبا کر بھاگ نکلا۔

نا مذہب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح پرتکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب
 سلامت کر کر آپس میں لڑ بیٹھتے ہیں۔ پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے

ایک کوئی بات کہتا ہے۔ دوسرا بولتا ہے۔ واہ یوں نہیں یوں ہی۔ وہ کہتا ہی واہ تم کیا جانو۔ وہ بولتا ہے تم کیا جانو۔ دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے رخ بدل جاتا ہے۔ آنکھیں ڈراونی ہو جاتی ہے۔ باچھیں چرجاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تنوک اڑنے لگتا ہے۔ باچھوں تک کف بھرتے ہیں۔ سانس جلدی چلتا ہی۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ بھول۔ ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرتے لگتے ہیں عذیف عذیف آوازیں نکلتی لگتی ہیں۔ آستین چڑھا ہاتھ پھیلا۔ اس کی گردن اُس کے ہاتھ میں اور اُس کی ڈاڑھی اس کی مُٹھی میں لپا ڈوکی ہوئے گئی ہے کسی نے بیچ بچاؤ کر چھڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر چلا گیا اور ایک ادھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور نے پٹ کر کپڑے بھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی

جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اسی قدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے کہیں غرض ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن توں تکارت تک نوبت آ جاتی ہے۔ کہیں آنکھیں پٹنے اور ناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گزر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنی دوستوں سے کتوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے۔ انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اُس کے پرکھنے کو لڑ بحث و مباحثہ ہی کوٹی ہے اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھسکی ہے۔ مگر مباحثہ اور تکرار میں تہذیب شائستگی۔ محبت اور دوستی کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیے۔

پس اے میرے عزیز ہم وطنو۔ جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ہاتھ سے مت دو اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو چہرہ۔ لہجہ۔ آواز۔ وضع۔ لفظ اس طرح پر رکھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو

مگر ناوٹ بھی نہ پاٹی جاوی۔ ترویدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہی مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین دفعہ بات کا الٹ پھیر ہو اور کوئی نہ بدلے نو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر کہ میں اس بات کو پھر سوچوں گا یا اُس پر پھر خیال کروں گا۔ جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اُس دو تین دفعہ کے الٹ پھیر سے تمہاری دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہو اور نہ تمہارا مطلب باتوں کو اُس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا۔ کیونکہ جھگڑا یا شبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی غریزہ چیز (جیسکے دوستی) ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔

جب کہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملتے ہوئے تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے۔ جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہو تو جس قدر جلد ممکن ہو اُس کو ختم کرو اور آپس میں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہم وطن اس بات پر غور کریں کہ اُن کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے۔ فقط سید احمد

جناب من !

مہربانی فرما کر خط ذیل کو غور سے دیکھئے اور معمولی نہ سمجھئے۔ میں نے کبھی خاص طور پر اُن مشکلات کا اظہار نہیں کیا۔ جو اول اول عصر جدید جیسے رسالے کو پیش آنی ضرور ہیں اور پیش آتی ہیں۔ مگر ہمارے اکثر خریدار لائق اور تعلیم یافتہ بزرگ ہیں اور اس بات کو ضرور سمجھتے ہیں کہ یہ سالہ مذاق عام کی خوشامد نہیں کرتا بلکہ سیکار اور مضرت ذاق کی اصلاح کے درپے۔ نہ علما کے گروہ سے۔ نہ امرا کے طبقہ سے۔ نہ فیشن کو وابستگان سے۔ نہ اوپر سے تعلیم یافتگان سے اُس کو امید قدر دانی کی ہے۔ لہذا اُس کے خریدار اور قارئین کم ہیں اور وہی ہیں جن کے دل میں۔ روشن خیالی کے ساتھ درود قومی ہے یا جن سے ایڈیٹر کی ذاتی دوستی ہے

رسالہ کی ظاہری حالت اگرچہ چند ماہ سے خراب رہی ہے۔ لیکن اب کافی کوشش ظاہری حالت کے درست کرنے میں کی جائے گی۔ بلحاظ پرمطلب اور مفید ہونے کے شاید ہی کوئی رسالہ ایسا نکلا ہوگا۔ اگرچہ خود تو لےنا کرنا سزاوار نہیں ہے۔ مگر جس سال کی آمدنی سے اُس کا خرچ مشکل سے چل سکتا ہو اس کو عمدہ کاغذ پر چھپوانا اور دیگر آرائش کرنا خود اسراف ہے۔ حالت یہ ہے کہ تبادلہ کی فہرست بہت وسیع ہے۔ چونکہ اکثر اخبار اس کے تبادلہ چاہتے ہیں۔ عایتی خریدار بھی مختلف وجوہ سے زیادہ ہیں پس صاحبان اخبار سے ہم عرض کرتے ہیں کہ اس سالہ کو فوائد کو ہلاک کے سامنے پیش فرمائیں۔ رعایتی خریداروں سے خواہشمند ہیں کہ وہ قیمت دیکر باقاعدہ فہرست میں آجادیں۔ قیمت خریداروں سے مستدعی ہیں کہ مہربانی کر کے مسئلہ ۷ کے تقم تک ایسی کوشش جاری رکھیں کہ اس سالہ کے خریدار دو چند ہو جائیں۔ اس وقت نہ صرف رسالہ بہت بہتر اور عمدہ مرتب ہوگا بلکہ صیغہ اصلاح کا معمولی خرچ بھی اُس سے نکل آویگا جو کہ اب سرکاری کذبہ۔ فقط

غلام الثقلین

ہم عصر جدید کیوں خریدیں

- (۱) اس لئے کہ یہ رسالہ ماہواری ہے اور صیفۂ اصلاح تمدن کا آرگن (آلہ) ہے *
 - (۲) اس لئے کہ جلسۂ اصلاح تمدن بمبئی نے ۳۱- دسمبر ۱۹۱۹ء میں یہ قرار دیا ہے کہ عموماً ممبر اس کو خریدیں اور عام مسلمانوں میں پھیلائیں *
 - (۳) اس لئے کہ یہی ایک سالہ ہے جس نے مسلمانوں میں اصلاح کا چرچا اس وقت پھیلایا ہے *
 - (۴) اس لئے کہ یہی ایک سالہ ہے جس کو پندرہ کر آدمی کفایت شعار اور عاقبت اندیش بن سکتا ہے اور جس نے مسلمانوں کے اصل مرض کا پتہ لگایا ہے یعنی وقت اور روپیہ کا ضائع کرنا *
 - (۵) اس لئے کہ یہی ایک سالہ ہے جو قوم کو تمام بڑے معاملہ پر بے لاگ رائے ظاہر کرتا ہے *
 - (۶) اس لئے کہ یہی ایک سالہ ہے جو مسلمانوں کو علمی قوم بنانے کا ہتھکنڈہ ہے *
 - (۷) اس لئے کہ یہ رسالہ مسلمانوں کو فضول قصوں اور بیکار بحثوں سے بچاتا ہے اور اُن کو مفید راستہ دکھاتا ہے *
 - (۸) اس لئے کہ یہی ایک سالہ اُن باتوں پر بحث کرتا ہے جو آج کل زندگی کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہیں *
 - (۹) اس لئے کہ یہی ایک سالہ ہے جو باوجود بے تعصبی کے قومی خیر خواہی کا پورا حق ادا کرتا ہے *
 - (۱۰) اس لئے کہ سال بھر میں ۳۰-۲۶ جزدیتا ہے اور قیمت مہ محمولہ تک صرف چار سالہ ہر علاوہ اس کے خریداروں کو اصلاحی رسائل و کتب مجداً مفت دیتا ہے *
- دفتر عرصہ بدید مالیر کوئٹہ سے طلب کیجئے

دین و دنیا کا منبر

عصب سید

ایک مامانہ ریویو

مقاصد

مسلمانوں میں علمیت صداقت اور کفایت شعاری پھیلانا
ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین سکریٹری صاحبزادہ تھل
(مقام اشاعت مالیر کوٹلہ پنجاب)

نمبر ۱

اکتوبر ۱۹۰۵ء

جلد ۳

- | | |
|--------------------------|---|
| ۱- خانداری | (۳۸۲) بنت نعید الدین حیدر صاحبہ تیموریہ |
| ۲- ہماری ناک | (۳۹۳) سید عہد احیدین واسطی عمر صیفہ |
| ۳- بیٹی کا دشمن | (۳۹۸) مسٹر عبد الحافظ باکظہ صیفہ میرٹھی یاست بہادرنگر |
| ۴- ہمارے مدارس عربیہ | (۴۰۸) مولانا عاقظ احمد حسین شوکت مجدد الحسنہ شریقیہ |
| ۵- سپیدی میں سیاہی لگانا | (۴۱۳) مولوی فاضل سعد الدین حیدر نعمتار |
| ۶- رپورٹ انجمن اصلاح نبر | (۴۱۹) سکریٹری صیفہ |
| ۷- ماہ گزشتہ | (۴۲۱) ایڈیٹر |

مطبع خادم پنجاب پریس اور ٹرسٹین ہتھام نشینی نئی بخش جیلہ چپا

صُولِ صُنْیۃِ صَلَاح



- ۱۔ عدل و اعتدال یعنی میانہ روی۔ پرہیزگاری۔ سادگی۔
- ۲۔ کفایت شعاری یعنی اسراف دولت اسراف وقت سے بچنا۔ دولت کا صرف مفید کاموں میں کرنا
- ۳۔ سعی و محنت۔ لگاؤ۔ بیکاری۔ سستی کو قابل نفرت سمجھنا خود کام کرنا اور ایک شخص کو کام پر لگانا۔
- ۴۔ اتفاق نیک مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ملکر کوشش کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

ضروری ہدایات اور قواعد عصر جدید

- (۱) رسالہ کا حجم ۴۴ صفحے سے نہ کم ہوگا
 - (۲) قیمت چنگی یا نقد ہوگی یا بذریعہ ویلو پے یا پیل پیل سالانہ معہ محصول ڈاک وغیرہ
 - (۳) نمونہ کی درخواست کے ساتھ ۲۰ روپے کے ٹکٹ لٹے چاہئیں +
 - (۴) خط و کتابت یعنی نام پتہ مضامین سب صاف اور خوش خط ہوں +
 - (۵) جلد مناسب مضامین ترتیب اور گجائش کے لحاظ سے چھپائے جاویں گے بصورت عدم ممانعت اور اگر مضمون کو مختصر کر سکتا ہے تو مطلب ملت نہیں سکتا۔
 - (۶) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ہونا مناسب ہے۔
 - (۷) جو صاحب ایک سال یا چھ ماہ کی بابت نہ ہو خریداری کی قیمت متوانہ فراموش کرنا ایک سال یا چھ ماہ کیلئے سالہ کمیشن میں لپکا
 - (۸) رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت اندرون ۳۰ یوم وصول نہ ہو تو بالبعد رسالہ بھیجنا لازم نہ ہوگا۔
 - (۹) ایسے مشیریت فروشوں کی ضرورت ہے جو ہمارا رسالہ اور کتب اپنے پاس رکھیں معقول کمیشن دیکھاویں
- تصفیہ بذریعہ خط و کتابت۔
- (۱۰) اجرت شہنشاہی: (۱) جو صاحب اخبار و رسائل بقدر سادگی ہمارا اشتہار چاہیں ان کو کچھ اجرت نہ لیا جائیگی۔
 - (۱۱) غرض کتب یا ادویہ کا اشتہار نہ چھپے گا۔ (۱۲) اجرت شہنشاہی بطور ایک سو سے کم اجرت کا اشتہار نہ لیا جائیگا
 - (۱۳) اجرت فی صفحہ ایک روپے کے لئے مارشال ہی کیلئے ۱۰ سالانہ معہ نصف حصہ اخبار غیر شہنشاہی ہے رسالہ ۱۰ روپے
 - (۱۴) جب تک شہنشاہی چھپے رسالہ صاحبان اشتہار کو بلا قیمت لپکا کر محصول ڈاک اکو بھیجنا ہوگا۔ +

محکم دلائل

خانہ داری

دنیا میں حکومت کے مختلف درجے ہیں۔ جیسے شاہنشاہی۔ بادشاہت۔ ریاست۔ جاگیر اور زمینداری۔ انہی درجے حکومت کا تختانی درجہ گھر ہے۔ اگر ادا علی درجے سے ملک و قوم کے بڑے معاملات کا تعلق ہوتا ہے تو گھر سے فردی و خانگی تعلقات ایسے وابستہ ہوتے ہیں جنہیں بعض کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ اور چونکہ اشخاص کے مجموعہ کا نام قوم ہے۔ اور ان کی منزلت کے مجموعہ کا نام تمدن اور ملک ہے۔ اسلئے گھر اور اس کے تعلقات ہرگز ناچیز نہیں خیال کئے جاسکتے۔ اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں اس گھر کو اعلیٰ پیمانہ پر جاپان نے جانچ لیا ہے۔ وہاں کی یونیورسٹیوں میں جو جس طرح پولیٹیکس کی اعلیٰ تعلیم دیکر ان کو عہدہ پولیشن بناتی ہیں اسی طرح ایکٹو ایکس (علم الانتظام) کی اول درجہ کی تعلیم سے لگا گھر دار بنادیتی ہیں۔ گویا پولیٹیکس اور ایکٹو ایکس وہاں آپس میں برابر کا پہلو دباے ہوئے ہیں۔ بلکہ ایکٹو ایکس اگر بنیاد ہے تو پولیٹیکس اس کی عالیشان عمارت۔ فی الحقیقت جب تک گھر اسی عقل اور حوصلہ سے نہ رہتا جائے جو ایک گھر کے بڑا وے کے لئے درکار ہے۔ گھر ہونے کی پوری شان نہیں پیدا کر سکتا۔ اور تا وقتیکہ گھر کے برتنے والوں میں وہی صلاحیت نہ ہو جو رب البیت اور اہل بیت میں ہونی چاہئے۔ وہ گھر والے اچھے گھر والے کہلانے کے مستحق

نہیں ہو سکتے۔ ہماری بڑی بڑھیاں لفظ ”گھر داری“ سے ایک بڑے مزے کا غلطانہ اور لطیف مضمون پیدا کرتی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں عموماً اور اب بھی جو سمجھدار ہیں وہ گھر داری یعنی اپنے فرائض کی اہمیت کو خصوصاً خوب سمجھتی اور نباتتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں ”گھر دار یعنی گھر سولی“ ہے۔ گویا گھر والوں کو انہی سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے جن مشکلات کا سولی پر چڑھنے والے کو۔ اور گھر والوں کو اپنے مراتب کے فرائض بجالانے پر اسی طرح بے حد آزمادہ رہنا چاہیے جیسے ایک سولی پر چڑھنے والے کو جان دینے پر۔ فی الواقع یہ لفظی نزاکت نہ ا لطیفہ نہیں بلکہ صہلیت کا معرکہ ہے۔ جان دیتے وقت بیم و یاس کی جو تلخی انسان پر گزرتی ہے اُسکے آگے ٹین سے مر جانا کوئی چیز نہیں۔ پیغام موت۔ موت سو بدتر ہے۔ اس تلخی سے نجات دلانے والی کو نشی چیز ہے؟ وہی پوری استقامت اور آمادگی۔ ”انکھ بند کی۔ اور فیصلہ! علیٰ ہذا گھر کی سختیوں اور دقتوں کو جھگٹنے اور مشکلوں کو حل کرنے پر جب گھر والے اپنی اپنی جگہ ہر وقت دل جان سے آمادہ ہونگے تو اُسکے صلہ میں گھر ضرور بہشت بنکر اُن کو دنیا میں جنت کا خزانہ دے گا۔

گھر کے تعلقات اور فرائض بیان کرنے بڑی لیاقت اور تجربہ کا کام ہے۔ اور یہاں دونوں باتوں میں اللہ ہی اللہ ہے۔ مگر چونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اور ہر شخص کو خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہو خواہ بڑے پر گھر سے مفر نہیں۔ اسلئے راقمہ مضمون کے نزدیک اُسکے محدود تجربہ اور خیال کی بنا پر گھر داری میں ذیل کی باتیں داخل ہیں :-

سرپرستی خانہ

جس طرح جھاڑو کی تمام سہنیں بندھن کی وجہ سے نشتر نہیں ہونے پاتیں اور ایک مجموعی حیثیت پر قائم رہ کر اپنا اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح گھر میں خواہ کتنے ہی آدمی ہوں۔ سب پر ایک سرپرست کا ہونا ضرور ہے۔ گھر کے تمام چھوٹے بڑے اسی طرح اُسکے زیر اثر ہوں۔ جیسے کسی ریاست کی رعایا اپنے حاکم کے زیر اثر ہوتی ہے۔ اب اگر رب البیت فرزانہ اپنا اثر قائم رکھنے والا۔ اور وقت پر ہر معاملہ پر نوٹس لینے والا ہے۔ تو گھر کی کل کہی نہیں بگڑے پائیگی۔ تمام پُرزے اپنی اپنی جگہ کام کئے جائینگے گھر ہی جو کہا۔ صبح سو شام تک بیسیوں مرحلے پیش آتے ہیں۔ اُن میں سے بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنکا آخری فیصلہ صاحب خانہ ہی کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے۔ لہذا صاحب خانہ کو تنگ مزاج۔ حد سے بڑھ کر خاموشی

پسند۔ اور اکھلکھرا نہ بننا چاہئے۔ وہ انصاف بردباری اور دلچسپی کا عادی ہو۔ تالیف قلوب نرمی اور شفقت کو پیش نظر رکھے۔ ساتھ ہی سیاست اور دورانہشی کا پلڑا بھی ہلکانہ ہونے پائے کاہلی اور لاپرواہی اس سے کوسوں دور ہوں۔ ہر کام کی وقت پر خبر لے۔ تاکہ کسی کام میں مختصر نہ آنے پائے۔ ادب بات بگڑنے سے پہلے بجائے بعض صاحب خانہ ناخبر سمجھ کر وقت پر برائی کا انداد نہیں کرتے جب معاملہ بکھر جاتا ہے تو دل برداشتہ ہو کر ماتھے پاؤں چھوڑ دیتے ہیں۔ نتیجہ ناقابل برداشت تباہی تک پہنچتا ہے۔ مسلمانوں میں ایسی مثالیں سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں نکلیں گی۔ بلکہ مسلمانوں کی قومی بربادی کا بھجلاؤ اسباب کے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ معاملہ کی نوک جھوک کے سمجھنے میں ابتداء میں سہل انگاری کر جاتے ہیں۔ ناعاقبت اندیشی نے بیشمار گھروں کو برباد کر دیا گھروں کے اثر سے عشرے اور تو میں تباہ ہو گئیں۔ کیونکہ کسی چھوٹی سے چھوٹی برائی یا بھلائی کے سلسلہ کا اثر نامتناہی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کی بان جو شہر و زراعتی موزع ہے کیا خوب کہتا ہے کہ اگر آج ہمیں کوئی برائی نظر آتی ہے تو اس کے سبب کے کھج میں ہیں صدیوں پیچھے ہٹنا چاہیے۔ نیز اسکی مضرتوں کے سہنے کو سینکڑوں برس آگے تک کے لئے تیار ہو جانا چاہئے پس صاحب خانہ کی ذرا سی چوک پہلے شخصی اور اسکے بعد قومی زندگیوں کے طبقے اسٹ دیتی ہے۔ صاحب خانہ کو بھروسہ اور چارچ کی صفت پیدا کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ کام جو دوسرے کر سکتے ہیں اپنے ہی اوپر نہ آپریں۔ اور جن کاموں کے انجام دینے کے قابل دوسرے نہ ہوں غلطی سے انکے سپرد ہو کر خراب نہ ہو جائیں۔ بظاہر اسکو ہر معاملہ کی سچا کر دینی نہ کرنی چاہیئے۔ مگر حقیقت وہ اپنے گھر کے ہر معاملہ سے ایسا ہی ناخبر ہو جیسا کہ ایک بیدار مغز بادشاہ اپنے ملک کی حالت ہوتا ہے۔ گھر کا ہر چھوٹا بڑا اسکی نگاہ میں ہو۔ اور وہ اپنے ہاں کی کچکینی۔ دست پنے تک کی حالت واقف ہو۔ بعض گھروں میں سرپرست خانہ کا رعب بالکل نہیں ہوتا جس سے گھر ولے چراغ پاؤں ہو جاتے ہیں۔ یا ہوتا ہے تو حد سے بڑھ کر کہ اہل خانہ کی طبیعتیں اور اور خوشیاں مضحک ہوتی ہیں۔ اور گھر انہیں شیر کا بھٹ معلوم ہوتا ہے۔

صاحب خانہ کا فرض ہے کہ اپنے گھر والوں کی رائے اور طبیعتوں کا بھی لحاظ رکھے۔ انکو مطمئن محض اور مجبور محض نہ کر دے۔ اکثر مسلمانوں میں اس کے خلاف کیا جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ مناسب معاملات

بشارت ملے ہوں۔ گویا گھر والے ایک چھوٹی سی مجلس انتظامی ہو اور صاحبانہ اسکا میرٹھس پریسیڈنٹ۔ اس سے صاحب خانہ کی ذات مورد شکایت نہیں بنے پاتی۔ نیز اسکو ہر شخص کی رائے اور طبیعت کا اندازہ رہتا ہے۔ میرے والدین کے گھروں ہی طریقہ برتا جاتا ہے۔ اور ہم لوگ اپنی بساط کے موافق اس سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ +

مردمان خانہ میں حسن سلوک

بیوی سے لگا کر لڑکے تک ایک کو دوسرے سے ادب، لطف اور کشادہ دلی سے پیش آنا چاہیئے۔ اگر ایک کی انگلی میں پھانس چُھتے تو معادوسرے کے دل میں ٹپس ہونے لگے۔ مردمان خانہ کی ناتفاقی کے دو سبب پائے جاتے ہیں۔ اول ہر بات میں اپنے حقوق سے زیادہ نفع حاصل کرنا۔ اور دوسرے کی پرواہ نہ رکھنی۔ یا اسکا حق غصب کرنا۔ دوسرے گھر کے کام کاج میں بقدر سادگی حصہ نہ لینا۔ اقل الذکر تو بالکل شرمناک بات ہو۔ ہر شخص کو بجائے خود فیاضی اور شیرینی سے پیش آنا چاہیئے آخر الذکر امر کا بھی لحاظ ضرور ہے جنکو خدا نے ملازم دیئے ہیں انکو نگرانی اور کافرمانی میں برابر کا حصہ لینا چاہیئے۔ اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ پاؤں بیکار نہ چھوڑنے چاہئیں۔ کم سے کم بزرگوں کے مناسب کام خود انجام دینے چاہئیں جس گھر میں ملازم نہیں ہیں اُس گھر کے ہر فرد کی یہ بہت اور بہت ہونی چاہئے کہ دوسرا آرام سے رہے۔ میں اُس پر کام میں سبقت لیاؤں۔ یہ ایسا لشک ہے کہ اگر کوئی کام بھی ہوگا تو شرمناک کامی بن جائیگا۔ میری ایک انگریز عیانت فرما کہتی تھیں کہ انگلستان میں ہر مقدور گھر کا ہر شخص اپنے ہاتھ سے اپنا کام کرتا ہے۔ اور گھر کے شتر کہ کام حصہ رسد بانٹ دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی ایک سیاح انگلستان کے سفر نامہ میں دیکھا تھا کہ ایک غریب گھر میں بچوں کے ضعیف العمر والد کے ذمہ چراغ روشن کرنا اور آتشخانہ گرم کرنا تھا۔ سیاح مذکور کا بیان ہے کہ وہ مجھ سے اپنے گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں جھپٹا ہو گیا۔ بڈھے صاحب نے نے باتیں چھوڑ کر فوراً اپنے مقررہ کام انجام دیدیئے۔ خلاصہ یہ کہ جس گھر کے مردمان خانہ میں محبت و جان نثاری اور باہمی امداد کا جوش ہوتا ہے۔ ان میں ضرور حسن سلوک ہوتا ہے۔ اور جن میں حسن سلوک ہوتا ہے

انہر خدا کی رحمت کا منہ پرست ہے۔ +

ذرائع آمدنی پیدا کرنے

انسان کے لئے لوازمات زندگی۔ اور تمدن کے لئے لوازمات تمدن لابد ہیں۔ انکے لئے روپیہ۔ اور روپے کے لئے آمدنی کے ذرائع لازم ہیں۔ ہم مسلمانوں میں ذرائع آمدنی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ گھر کا سرپرست مرد کماۓ۔ اور باقی خیر کھائے۔ گویا روپیے کا پیدا کرنا تو صرف تن واحد کا فرض ہے۔ اور اٹھنا بٹنا فرض ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اولاد و زکوٰۃ جو ان ہو گئی تو کچھ کمانے لگی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ گھر کا ہر متنفس اپنی کوشش اور سباط کے موافق ضرور کچھ پیدا کرے۔ مثلاً مردوں نے نوکری کی تجارت کی۔ ہل جوتا۔ یا چھسیری ڈھوئی عورتوں نے گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر مزدوری کے کپڑے سیئے۔ گوٹھا کناری بننا۔ ٹوٹیاں سیں۔ پکتیاں پیسیں۔ چرخا کا تا سرحدوں کا کام یا ہوا پسیا اٹھنا اور عورتوں نے اپنی مزدوری سے خانگی سرمایہ جوڑا۔ پہلا طریقہ قوم کے اعلیٰ اور اوسط طبقوں میں رائج ہے۔ اور دوسرا غریب اور گھٹیا لوگوں میں میرے نزدیک اعلیٰ اور اوسط طبقے کے ایک بڑی جھد کا معطل رہنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ مفلسی ہے۔ ہمارے زمانہ میں جو قومیں ترقی یافتہ ہیں۔ انکا ہر فرد کمانے کی دہن میں لگا ہوتا ہے۔ مثلاً جاپان ہی ہے۔ سگلیہ کے کدواں اعلیٰ سے ادنیٰ تک مرد و عورت۔ بزرگھا۔ بچہ۔ اپنے اپنے قابل سب کچھ نہ سمجھ پیدا کرتے ہیں۔ میرا فائدہ یہ نہیں ہے کہ ہمارے ہاں کی شرفا زادیاں باہر نکل کر خدانہ کرے بے پردہ قوموں کی طرح کسب معاش کرنے لگیں۔ نہ ہی ہو سکتا ہے کہ کھاتے پیتے یا دولت مند گھرانوں کی بیویاں گوٹھا ٹوٹیاں جیسے ادنیٰ کام قبول کر لیں گی۔ مگر اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ ہر شخص اپنے قابل ذریعہ آمدنی پیدا کرے۔ شریف اور اعلیٰ بیویاں سارا دن بیکار ہو کر اس اور چوسر کھیتی کھیلنے کے بدلے سال بھر سوئی و خیر کے نفیس کام تیار کریں۔ اور شوق سے اپنے ہاں کی قومی نمائش میں فروخت کے لئے بھیج دیا کریں۔ یہہ دوسری بات ہے کہ جبکو توفیق اور قدرت ہو وہ اسی روپے کو کسی قومی اور خیراتی کام میں دیدیں۔ ترقی یافتہ قوموں کی امیر زادیوں کو ایسا ہی کرتے سنا جاتا ہے۔

اخراجات میں کفایت شاعری

جس طرح اخراجات ناگزیر ہیں۔ ان میں کفایت شاعری بھی لازمی ہے۔ اس موضوع پر صفحہ مصلح تمدن کافی طور سے قلم فرمائی کر رہا ہے۔ یہاں اسکی تھوڑی تشبیہ کرنی چاہتی ہوں۔ بعض لوگ کفایت شاعری

غلط بنے سمجھتے ہیں خچ کر نیکے تین درجے ہیں۔ اسراف۔ کجخوسی۔ کفایت شکاری۔ بے ضرورت اور اللہ تلکے لٹانے کا نام اسراف ہے جسکی مذہب اور عقل نے پوری مذمت و کائنات کی ہے۔ جیسے اٹھ آنے کے موقع پر روپیہ اٹھا ڈالنا۔ یا جہاں بالکل نہ صرف کرنا چاہئے وہاں اٹھا دینا۔ جو لوگ اسکو فیاضی کہتے ہیں۔ بالکل غلطی کرتے ہیں۔ ضرورت اور موقع پر خچ نہ کرنا بلاشبہ کجخوسی ہے مثلاً قومی کام بغیر روپے کے نہیں نکلتے۔ اور ہمارے پاس ہے مگر دیتے ہوئے دل دہرنا ہے۔ یا جتنا چاہئے اتنا نہیں دیتے۔ یہ بہ بیشک کجخوسی ہے۔ کیا یہ پیسہ قبر میں ساتھ جائے گا؟ ہمسایہ میں کسں یتیم بچہ بھوکا رہ رہا ہے۔ ہم نے سچا ہوا کھانا اٹھا کھینے میں سینٹو دیا۔ بچکا تو شام ہی کو اپنے کام آئیگا۔ لغو بلاشبہ۔ ایسے ہی مواقع پر بچت کرنے والوں کے لئے نذرات ہے کہ قبر تینگ لیگی۔ اب لیجئے بیچ کا درجہ کفایت شکاری ہے۔ کفایت شکاری کیا ہے؟ اٹھانے کے وقت ضرور اٹھانا مگر فضول اور بے ضرورت ایک پیسہ نہ سرکانا۔ اور اٹھانا تو اس سلیقہ سے اٹھانا کہ تھے نقد رو روپے کا کام بارہ آنے میں نکلے۔ ساتھ ہی چار آنے کی بچت سے مقصد شکاری میں کوئی ہرج یا کمی واقع نہ ہو حضرت ملکہ منظر قیس نے ایک دفعہ کسی عورت کو تنگے پاؤں دیکھا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جوتی میسر نہیں۔ فوراً حکم دیا کہ ہمارے فلاں خاص مچھی پاس جا کر جوتا پہن لو۔ اور ہر مچھی کو حکم بھیج دیا۔ آپ اسکو نقد روپیہ دے سکتی تھیں۔ اور وہ کسی شاپ سے خرید سکتی تھی مگر اسلوب میں خوبی یہ تھی کہ وہ لگو بندھو مچھی باہر سے کم قیمت پر ویسا ہی عمدہ جوڑا دیتا تھا جیسا باہر سے زیادہ قیمت میں آتا۔ بس یہ ہے کفایت شکاری۔ ایک نند شاہ شاہ ہند شاہ جہان نے اپنے چاروں بیٹوں کو حیب خاص کے موازنہ کی کاپیاں بھیجیں کہ اسیں کفایت نکالو۔ بھلا سہ اللہ خاں جیسے ذریعہ تیار کیا ہوا موازنہ۔ کانٹے کی قول۔ تینوں بیٹوں نے پاس کر دیا۔ مگر عالمگیر کی قلم نے جسکی فطرۃ ولایت شاہشاہانہ تھی۔ موازنہ کو چوڑے بغیر نہ چھوڑا۔ لکھتے ہیں۔ ”آخر طویلہ سخت ہیلہ پس خوردہ اسپان۔ دائرہ فلان۔“ نا سمجھ لوگ اسکو کجخوسی کہتے ہیں۔ مگر یہ عین کفایت شکاری ہے۔ گھر کے دھندے میں ایسی کانٹ چھانٹ کی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ اور گھر والوں میں اس قسم کی کتر بیونت ہونی لازمہ خانہ داری ہے۔ ورنہ گھر میں نہ رونق ہوتی ہے نہ برکت۔ پس اڑاؤ کھاؤ پینا کو فیاضی اور کفایت شکاری کو کجخوسی کا لقب دینا سخت حماقت ہے۔ ❖

موقع پر ضروری امور میں تنگدلی نہ کرنا یہ صفت کفایت شکاری کے ضمن میں ہے۔

عزت۔ بچا نام آوری۔ اور جان کی حفاظت یا آسائش میں تنگدلی کرنی بے تیزی۔ پھر پاپا اور انگٹھ پین ہے۔

غیر ضروری امور کو ترک کرنا جو گھر غیر ضروری باتیں ترک کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ اس میں سدا خاک اڑتی ہے۔ آرام۔ جربندی۔ اور کٹائش مفقود

ہوتی ہے۔ شبِ برات کی آتش بازی تو چھٹے ہی گی۔ اسے ہے عید کے دن ڈومیاں کیسے نہ آئیں اندھیرے کہ پھول والوں کی سیر خالی چلی گئی۔ ایسی ایسی صدائیں فضا لیتے اگر قطع نظر نہ کیا جائے تو پیسہ خرچہ ہو رہے ہوتے گھر گھٹا ہو جاتا ہے۔ اور وہ گھر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہمارے مصلح تمدن کا سینہ ایسے غیر ضروری امور سے عام قوم کو روکنے کے لئے غالباً ایک نہرست تیار کر لی ضرورت کو کش کر لگا اور اگر اس قسم کی کوئی نہرست تیار ہو چکی ہے تو افسوس میری نظر سے نہیں گزری۔

دبض نہرتیں چپ چپ چکی ہیں بے فصل تیار ہوگی گو مسلمانوں میں مروج مختلف ہیں۔ ایک نہرست کا نام دیکھتی۔ ڈیڑھ تصور محاف۔ یہ مرض کچھ عوام کا لانعام ہی میں نہیں غیرت سے ہمارے ہاں کے اکثر خواص میں بھی موجود ہے۔

مراسم بچا یا بیہودہ متناؤں میں گرفتار نہ ہونا "چوکھرا کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمان" سے ہمارے ہاں کے لوگوں کو اب تباہ کن سبیل جکے دکھڑے عصر جدید اور دیگر قومی اخبارات سے سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی اپنی جگہ ترک کرنی چاہئیں۔ سب سے بڑھ کر تمنا میں اپنے بعد اپنی اولاد کے متعلق ہوتی ہیں۔ ان میں سے جو بہتر تمنا میں ہیں ان کے پورا کرنے کی ضرورت کو کش کرے۔ مگر جو اہمیات۔ اور خلاف خدا و رسول ہوں ان کو یک قلم اڑ دینا کیسا دل کے پاس ہی نہ پھٹکنے دینا چاہئے۔ گھر کی عورتیں اگر یہ کہیں کہ میں اپنے بچے کو روزہ کا دو لہا بنا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔ تو مردوں کو سمجھانا چاہئے۔ اور مرد اگر متمنی نظر آئیں کہ ہمارے ہاں کے کسی جلسہ کی شہر بھر میں دھوم ہو تو عورتوں کو انکی طبیعت کی باگ موٹی چاہئے۔ ورنہ عمر بھر وہ گھر اور گھر والے برباد عاشقاں بر شاخ آہو کے مصداق رہیں گے۔

اولاد کی پرورش - اور تعلیم و تربیت بجائے یہودہ اور زوار مانوں میں گرفتار ہونے کے

ہر خانہ دار کو خانہ داری کی اس شق میں اپنی پوری کوشش صرف کرنی چاہئے۔ گو ہمارے ہاں ببقاعدہ طور سے پرورش و تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ اولاد کا نتیجہ جب کوشش ضرور نکلتا ہے۔ مگر بہتر ہے کہ اب اس دھنگ کے ساتھ ہونی چاہئے جو مندر واکر صاحبہ اور سنار میں مل جائے جسے سالہا سالوں میں بتایا ہے۔ یا یہی لیڈیاں یا اور اور تجربہ کار بیویاں اس سے زیادہ بتائیں۔

اخراجات کی مدتیں قائم کر کے بہت تھوڑے گھریے ہوئے جنہیں مدد مل مخرج کی مدد پر تقسیم کر کے گھر چلایا جاتا ہوگا۔ مدت سے یہ عقیدہ بہت زور کے ساتھ پھیل گیا ہے کہ بچا اب ٹھائیٹکے۔ تو ذرا بچا

ہی دیکھا۔ مگر ہمارے علمائے اخلاق نے اخراجات کی تین مدتیں قائم کی ہیں۔

(۱) اخراجات روزمرہ - اس میں اپنے گھر کے علاوہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ہی داخل ہیں۔ (۲) حادثات معمولی و غیر معمولی کے لئے سرمایہ رکھنا۔ (۳) سرمایہ محفوظ یہ پچھلے زمانہ میں گوہر مگر میرے نزدیک اول مدتیں اگر زیادہ گنجائش نہ ہو تو تیسری مدت اولاد کو تعلیم و تربیت میں لگایا جاسکتا ہے اور اولاد کو روپے کی محبت میں کورایا اور حور نہ چھوڑنا چاہئے۔ بقول شخصہ مال کے جمع کرنے سے علم و منہر کا جمع کرنا بہتر ہے۔ یہاں یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اول مدفن حقوق اللہ اور حقوق العباد کیوں داخل کیے؟ اس لئے کہ اپنے ذاتی اخراجات کی طرح یہ بھی لا بد ہیں۔

کامی نہ کرنی کامل نہ بننے سے علاوہ اخلاقی۔ مذہبی اور مالی منفعہوں کے گھر اُٹھنا سہا ہے۔ گھر کے ہر ممبر کو چاہئے کہ جو چیز چھڑائے اٹھائے وہیں رکھ دے۔ اور کبھی کسی چیز کو غلط استعمال نہ کرے۔ اس سے گھر میں چہل پہل اور اُٹھالہ ہی کچھ بڑھتا ہے۔

اپنے اند و ختمہ مال و منال کی حفاظت کرنی جس پیسے کو محنت سے کمایا ہے اس کی بربادی کے ساتھ محفوظ رکھنا چاہئے۔ قرض مال

کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) بیرونی چوری۔ (۲) خانگی چوری۔ اول الذکر کو سب جانتے ہیں البتہ آخر الذکر چونکنے کی بات ہے۔ سنے خانگی چوریاں وہ ہیں جو چھٹی اور ساتویں مدتیں بیان ہوئیں انکی بہترین محافظت عقل کا دل پر تسلط ہے۔ بیرونی چوری کے انشاء کے لئے مدتیں قاعدہ جاری

اور اکثر لوگ اس پر عمل کرتے ہیں کہ زیور بناتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ روپیہ محفوظ رہتا ہے۔ اور بچے کا سنگھارا اور بھوکے کا ادھار ہے یہم بڑھتی ہو۔ اس میں مال گھسنے کے علاوہ جو کچھ باقی رہتی ہے۔ اُس عروپوں کے منہ میں پانی بھرتا ہے۔ سب سے اچھی تدبیر تو یہ ہے کہ کسی ہمتبر اور تجارت یا جائیداد میں لگا دیا جائے۔ اور یہ نہ ہو سکے تو بینک میں محفوظ کرادے۔

لازم ہے۔ مگر نہ اس قدر کہ رفتہ رفتہ مینر بانی کے قابل مہمان کی بقدر واجب تواضع

ہی نہ رہیں۔ جیسے یورپ کے ایک پادری نے اپنی دولت مند ری کے زمانہ میں ایسی دریا دلی برتی۔ کہ انجام کار خود بھوک سے جان دینی پڑی۔ منطقی کے وقت جب کوئی ہری چگ پاس نہ دکھائی دیا تو سو داڑ وغیرہ کی بوتلوں کے کاگ پر مرتے وقت لکھ گئے کہ اتنے ہزار بوتلوں کی تواضع کا یہ نتیجہ ہوتا ہے جو مجھ سرف و بے اعتدال کا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مہمان نوازی بھی کفایت شکاری کے تحت میں رہے آپ و قسم کا کھانا کھاتے ہیں تو بیشک مہمان کے آگے چار طح کی چیزیں رکھنی چاہئیں۔ بے ترتیب گھروں میں ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ سارا دن پانڈان آباد رہتا۔ آپ ایک ایک پان کی گوریوں کھائیں۔ اتفاق سے مہمان جو آگیا تو پان ہو چکے تھے۔ پاؤں کو ٹپا کر رکھ دیا یا ہاتھ تو پڑ گئی۔ روزمرہ کے اٹھاؤ میں مولی مہمان کا لحاظ رکھنا ضرور ہے۔

(لیکن مہمان کی خاطر اس قدر نہ کرنی چاہئے کہ مہمان کا آنا بلا سے جان ہو۔ ایڈیٹر)

خیرات کرنی مگر خیرات بچا ہے بچنا اس امر پر بھی بزرگان قوم خوب زور دیکھتے ہیں۔ اور دے رہے ہیں۔ لہذا کچھ لکھنے

نے نسبت عمل پر کتنا مناسب سمجھتی ہوں۔

مصائب کی تحمل سزا کرنی گھر والوں کا فرض ہے۔ ورنہ زندگی جان کنی سے بدتر ہو جاتی ہے۔ اور بڑی بڑے مذہبی اور فقیہان اور ان کے دفعیہ کی تدبیر کرنی ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی زندگی نام ہے واقعات کے

مجموعہ کا۔ ان میں سے اچھوں پر خوشیاں منانی اور بُروں پر ماتے داویلا کرنی کم ہوتی ہے۔ یہ کیا کہ بچنا خار سے اور گل کو بچنا منظر صلیح کل ہے تو پہر گل کو دیکھنا

ہر شکل کے لئے سینہ سپر ہو نیسے یا وہ مشکل ٹل جاتی ہے۔ یا پانی پڑھ جاتا ہے۔

مذہبی پابندیاں علاوہ معاف کیے جانے والی منسلق کی سپر ہیں
سب گھر میں مذہبی۔ ذہنی۔ شرعی۔ منہجیں سپر سے نزدیک

مذہبی پابندیوں کا قائم رکھنا

وہ گھر پرستان یا درندوں کے جنگل سے بدتر ہے۔ لہذا گھر کا ہر فرد اپنے اپنے ارکان مذہب کے ادا کرنے کا سختی سے پابند ہو۔

گھر میں نا اہل اور غیر متبہ آدمیوں کی آمد رفت بُرے
نقشبہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر والوں کے ایسے بیرونی

نا قابل اشخاص کی صحبت سے بچنا

اشخاص کا زہر ہلا اثر لیکر گھر میں آنا چاہئے۔ ورنہ رفتہ رفتہ گھر کا گھر صحبت۔ کن اسلیم واکے
اثر میں گھر کو برباد ہو جائیگا یا اسکا پایہ گھٹ جائیگا۔

اگر کسی گھر میں اس آفت ہے۔ اور وہ وقت کو ضائع نہیں کرتے
تو برخلاف دوسرے گھروں کے اس گھر کا دن بارہ گھنٹہ کی

وقت کو ضائع نہ کرنا

جگہ ایک سو بیس گھنٹہ کا ہے۔ اتنے بڑے دن میں کتنا کام ٹھیک۔ مہر وہ گھر کیسا ترقی یافتہ
ہوگا۔ ہمارے ہاں تہذیب اوقات کے مرض میں مردوں۔ بیسے۔ زبان۔ نہیں سمجھتا ہے۔ چونکہ وہ
خود علیل ہیں۔ ان کا علاج مردوں پر فرض ہے۔ کیا ان کے وقت کے نقشبے اور اپنے منہج سے
عمل کرنا ازالہ مرض کے لئے کافی نہیں ہے۔ جب بیسے اسود و جمال گھر آئے۔ بچوں کو
دیکھتی ہوں کہ فارغ البال ہاتھ پر ہاتھ رکھ بیٹھی ہیں تو کیا حسرت آتا ہے۔ اس کا شہر یہ
اپنے خالی وقت کو غریب قوم کے کسی کام میں صرف کرتیں۔ تو خاصے ایک۔ پختہ دو کچھ ہو جاتا
قومی کام کا کام ہوتا اور ان کا وقت بیکاری کی لٹکے پر چاٹا۔

گھر داری کا جزو غلط ہے۔ ضرور بیویوں کا اس کی زیروری ہے۔ لیکن
جو ہر تیارے اور وقت کو قابو میں لائے بدول ہاتھ آنا مشکل ہے

سلیقہ مندی

اور نہ ان دونوں باتوں بغیر اسکا ظہور ممکن۔

زبان میں خداوند تعالیٰ نے دو وقتیں بخشی ہیں۔ ایک ذالقیہ۔ دوسری
ناطقہ پہلی وقت کے حد سے آگے بڑھنے کا نام چوہرین ہے۔

زبان پر قابو رکھنا

جو لاکھ کا گھر خاک کر دیتا ہے۔ دوسری قوت کی زیادتی زبان دراز بناتی ہے جو فساد لڑائی پہنچا
اور نا اتفاقی کی دایہ ہے۔ گھر والوں کو زبان کی یہ دونوں طاقتیں حد اعتدال پر رکھنی واجب ہیں۔
مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ ممکن ہے کہ تجربہ کاروں کی نظر میں کچھ اور باتیں بھی تدبیر منزل
کی ذیل میں باقی رہوں۔ یا میری رائے میں کہیں نقص بھی ہو۔ مگر غالباً اس پر سب کو اتفاق ہوگا کہ
فی زمانہ ہمارے خانہ داری کی حالت نہایت تنزل میں ہے۔ یہ حالت تعلیم بغیر نہیں سنور سکتی۔ چنانچہ
مہر درویش صاحب نے جو مضمون بعنوان "تعلیم نسوان" کے رسالہ خاتون میں شائع فرمایا ہے اس کے ضمن
میں مدد دہنے بھی رائے دی۔ جس سے کہ بغیر تعلیم و تربیت کے امور خانہ داری بہتر طریق سے انجام
نہیں پاسکتے۔ اسے میری قوم کے وہ بزرگ جو اپنی اندرونی و بیرونی زندگی کو اجلا اور مطمئن دیکھنے
کے آرزو مند ہوئے۔ قلمی۔ سننے۔ دوسرے عورتوں کی تعلیم میں دریغ نہ کرو۔ اہی تو ہم کو توفیق دے کہ
جن باتوں کو ہم جانتے اور سمجھتے ہیں انکو برت بھی سکیں۔ *

بنت نصیر الدین حیدر - ۵ اکتوبر ۱۹۰۵ء

نقطہ:۔ اس مضمون میں صاف اندر مختصر طور پر وہ سب مباحث بیان ہوئے ہیں جو اس زمانہ
میں عورتوں اور مردوں کے لئے ضروری ہیں۔ اسی وجہ سے نصیر الدین حیدر کے اس مضمون کو ہم جانے
عزت دیتے ہیں، مگر مضمون پر پڑھنے بلکہ لکھنے سے بھی کچھ فائدہ نہیں جب تک دل بکا کر کے اس پر عمل نہ
کیا جائے۔ ہم اہلین کرتے ہیں کہ مستورات کے مغز اخبارات و رسائل سے مثلاً خاتون و تہذیب
نسوان خاص طور پر جلد میں معاملات تذکرہ بالا پر توجہ کرینگے۔

آخر میں ہم کو لائق مضمون نگار سے امید ہے کہ وہ اور دیگر خواتین بلکہ مرد بھی مضامین میں شکل
الفاظ اور عربی ترکیبیں کم سہمتاں فرمائیں تو بہتر ہے۔ مشکل نویسی کا عیب ہم نہیں چاہتے کہ مردوں سے
گذر کر عورتوں تک پہنچے۔ چنانچہ **عصہ** کے یہ ایسے موقع پر بے تامل ترسیم کر دیا کرتا ہے فقط
ایضاً۔

نوٹ (۱) حیات جاوید اور مولانا حالی کی جملہ تصانیف دفتر عصر جدید سے مل سکتی ہیں۔ *

(۲) قادیانی نمبر ۱۸ گشت ۱۹۰۵ء عصر جدید کا ۲۲ روپائی کے ٹکٹ وصول ہونے پر پہنچا جاسکتا ہے۔

(دبیر)

ہماری ناک



ہمارا روئے سخن اس ناک کی طرف نہیں جو کسی کے مصحف رخ پر بینی کا گہلائی ہے۔ بلکہ یہاں ایک مہموم اور ادعائی ناک سے بحث ہے۔ جو اگرچہ وجود نے الحاح نہیں رکھتی۔ مگر ہے بچہ کی ناک سے زیادہ تکیہ کیگیلی اور نازک۔

جس طرح مکر یار کو یار لوگوں نے بناتے بناتے اتنا بگاڑا کہ اس کا وجود عدم سے جا ملایا۔ اسی طرح ہماری بے مغزی۔ نالائقی۔ بیہودگی۔ اور عاقبت ناندیشی نے اس رائی کا پرت بنا کھڑا کیا۔ مکر یار کو تو ایک آن پیدا کرنے کے لئے شاعروں کا روتختیل جانب عدم کھینچنے لئے جاتا تھا اور اس ناک کی بدولت۔ آن نہ جانے دینے کے خطبہ میں ہم اپنے ہاتھوں مسند کے بل تباہی اور افلاس کے گڑھے میں اگڑے۔ زر۔ زیور۔ زمین۔ سب کھو بیٹھے۔ غلغلہ۔ فداش۔ نادار ہو گئے بھیک مانگنے لگے۔ امیر نے کے قابل نہ رہے۔ مگر بل بے بے غیرتی وہیں پڑے۔ ناک۔ ناک۔ پکار رہے ہیں۔ نکلنے کی فکر نہیں۔ مگر ناک کا سودا میں اسی طرح موجود ہے۔

ہماری حالت اس بدست کی سی ہے جو سر راہ کیچڑ میں لت پت دنیا و مافیہا سے بخیر پڑا ہو۔ بے درواہ رواسپر پھتیاں کہتے ہنسنے گزر رہے ہوں۔ اور اسے جب کہی ذرا ظہور ہوش آتا ہو جام ہی جام پکارتا ہو۔

بابا کا انتقال ہوا اور ہمیں ناک کی پڑی۔ بیٹے کا بیاہر چایا۔ اور ناک کی سوچی۔ جایدا۔ زبٹ جائے۔ مکان کے کوڑے ہو جائیں۔ رہنے کو جھینڈا نہ رہے۔ بلا سے۔ مگر ناک کا ہاتھ سے نہ جائے۔ کوتاہ نظری تو دیکھئے کہ ناک سے آگے کچھ سوچتا ہی نہیں!

دوپیسوں کی جگہ اگر چارہ خچ کریں۔ تو ہماری ناک نہیں رہتی۔ اور کفایت کی سوچی اور ناک کی کٹی۔ ناک تہوئی پانی کا بلبلایا دلی والوں کی نمش ہوئی کہ ذرا دامن نیم چھوایا انگلی کا پھول لگا اور کہیں نہ تھی۔

میرے ایک دوست فرماتے تھے کہ ان کے شہر کے ایک صاحب کسی کی دیکھا دیکھی عشرہ محرم میں بطور نیاز لوگوں کو کھانا کھلانے لگے۔ ابتداً تو کچھ اہتمام تھا۔ مگر پھر سٹی بھول گئے۔ اور کھانے کی یہ کیفیت کہ بغیر پانی کے حلق سے نیچے نہ اڑا کرے۔ ایک بار کھاتے میں کسی نے سکاٹ کی۔ تو ایک طرف بولے کہ میاں جانتے نہیں یہ تبرک ہے۔ اور تبرک آنت کہ از حلق فرو نہ رود۔“ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہوا۔ آگے سنئے کہ یہ نو دوست صاحب اب کئی بار سے اس رسم نیاز کو چھوڑا چاہتے ہیں۔ لیکن نہیں چھوڑ سکتے۔ اور فرماتے ہیں کہ بھئی ہم چھوڑ تو دیں۔ مگر ناک نہیں رہتی۔“ دنیا کیل کہے گی۔ اسلئے لکیر پیٹے جاتے ہیں۔“

لاحول ولا قوۃ الا باللہ علیہ السّلم کس قدر لغو حرکت ہو۔ کیا ایمان اعتقاد ہے۔ دین مذہب کے معاملات میں دنیا کی منطق و شیخ کا کیا خوف۔ اول تو انسان بے سوچے سمجھے ایسی حرکت ہی کیوں کرے خصوصاً ایسے کاموں میں چاہئے اخلاص و عقیدہ۔ جب یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ الا اعمال بالنیات کوئی اُن بزرگوار سے پوچھے کہ حضرت آپ کو کسے نفل کا ثواب ہوا۔ مگر سے روپیہ خرچ کیا۔ اہتمام و انصرام کی تکلیف برداشت کی۔ اور جو کچھ کیا۔ کیا صرف نام و نمود کو۔ پہر آپ اللہ میاں سے چاہتے کیا ہیں؟ ہائے ہماری عاقبت نااندیشی اور حق ناشناسی کا برا ہو جس نے ہمیں کہیں کا رکھا۔ تازیں سوراخہ۔ زراں سودرا خدہ۔ اور یہ صرف ایک مثال ہے۔ ممکن ہے بیسیوں سینکڑوں جاہل ایسا ہی کرتے ہوں۔

کیا بھی یاد مان خلقت سے۔ تباہ ہوئی جاتی ہے۔ پیس پڑتی ہے۔ مر مٹی ہے۔ مگر اپنی داپھوں سے باز نہیں آتی۔ اسلاف کا سامقدور نہیں اپنی حالت پر نظر نہیں مگر فکر یہی ہے کہ رسوم و شادی غمی میں کوئی دقیقہ بے ہودگی اڑھانا نہ رکھا جائے۔ زمین خالے لگتی ہے۔ زیور بک رہا ہے۔ مکان رہی ہو رہا ہے۔ مگر خوش ہیں کہ ”ناک“ تو رہی۔

اگر فرزند رشیدی شادی ہے۔ تو اباجان۔ فرماتے ہیں بیٹا لائق ہوگا اور پیدا کر لیا نہیں تو اپنی آپ بھگتیکہ گدیہم خیریں دینا میں اسی لئے ہوتی ہیں۔ قبر میں تو کوئی ساتھ لے نہی نہیں جاتا۔

معقول!۔

اور بابا مر گئے تو چھوٹے میاں۔ اگر مقدور سے زیادہ روپیہ فضول طور سے نہ اڑا دیں خلف

نہیں۔ نمودار نہیں۔ سعادت مند نہیں۔ ناک والے نہیں۔ چور سی کریں ڈاکو ماریں۔ دعا کریں فریب کریں۔ قرض لیں۔ غرض جس طرح بن بڑے روپیہ ہتھیامیں اور ہم بولی کہہ لیں۔ اور منتظر دار رہیں اگر کوئی تعریف کرے تو بڑے مازیاز سے فرمائیں۔ جناب میرے پاس کیا۔ یہ اور میں کس دلیق ہوں۔ یہہ تو جو کچھ ہے انہی مرحوم کا صدقہ ہے۔ بجا ارشاد ہوا۔

خدا جانے یہ ناک کا ہے کی ہے۔ کہ زمین بکے۔ تو یہ اکل بہر اور بڑے۔ مکان کی جیسٹر خا ہو۔ تو اس میں ایک نئی۔ ”آن“ نکلے۔ زیور کے کوڑے ہوں۔ تو اسکا خون دو بلا ہو۔ بھیک مانگے لگیں تو اسکی شان میں فرق نہ آئے۔ سگر ادبہر تک فضولیات کا خیال دل میں آیا۔ اور دوسرے ”ناک“ کٹی جا۔

”ناک“ کیا ہے دشمن اور زاد ہے کہ ہمیں دنیا میں فراغ بال اور عقبی میں خوش سال کی بھنا ہی نہیں چاہتی۔ اور ہم ایسے رسم و رواج کے بندے ہوئے ہیں۔ کہ دوسری خلاف ورزی میں گویا کفر و بدعت کے ترکب ہوتے ہیں۔

خدا اور رسول خدا کے احکام کی خلاف ورزی ہو تو ہو۔ نہ پتہ چھوٹ جائے تو چھوٹ جائے روزہ نہ رہے تو نہ رہے۔ نہ کوۃ نہ دیں تو نہ دیں۔ جس نہ ادا ہو تو نہ ادا ہو۔ اس سے ہمارے دین۔ ہمارے مذہب ہماری عزت ہماری وجاہت میں کچھ نقص واقع نہیں ہو سکتا۔ مگر جو ہی کسی رسم فضول و بھل کے چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ گویا ”گئے“ دو دو جہان کے کام سے ہم نہ اور ہر کے رہے نہ اور ہر کے رہے۔“

ہم اپنی اولاد کی شادی عموماً اس قدرتی خواہش سے کرتے ہیں کہ وہ پہلیں پہولیں بروان چڑھیں اور آئندہ زندگی بآرام بسر کریں۔ کون باپے جو اپنی اوراد کو خوش حال و شاد کام نہ دیکھنا چاہتا ہو۔ اور متی الاسکان اسکی آسائش کا سامان مہیا نہ کرنا ہو مگر شادی بیاہ کے وقت اندھی تقلید سے ایسی فضول رسمیں ادا کرتے ہیں کہ شرعاً جائز نہ ہوتی ہیں۔ نہ عطل اور نہ اخلاقاً۔ میں دیتا ہوں کیا خواہ مخواہ دھوم دھام اور امیرانہ ٹھاٹھ ہے شادی بیاہ کرنا ضروری ہے۔ اگر نہیں تو کوئی لنگوٹی میں بھاگ کہیلا جاتا ہے۔ کیا فرض ہے کہ آپ جائیداد ہی پچکر شادی اولاد کریں؟ اگر نہیں تو کیوں اثاثہ البیت تک نیلام کیا جاتا ہے۔ اور کیوں اپنے نورِ نظر نخت جگر کی آئینہ زیت تلخ

کی جاتی ہے۔ کیا ایک ارمان پہر اول یہ گوارا کر سکتا ہے۔ کہ شادی ہوتے ہی کاسہ گدائی اس کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔ یعنی چھوٹے ہی عکرمعاش میں اسے دروزہ دگر کی کرنی پڑے۔

ہمیں تو ایسی پیسوں مثالیں یاد ہیں۔ کہ اباجان نے فرزند عزیز کی شادی تو بڑی ترک و حشام اور بڑی ثناء و شکوہ سے کی۔ مگر بعد میں دیرالہ نکل گیا محض اس وجہ سے کہ عاقبت نانڈیشی کی تھی۔ اور چار دیکھ کر پاؤں نہیں پھیلائے تھے بعض مثالیں ایسی بھی مشاہدے میں آئی ہیں کہ کسی گھر میں آندھی کے آسم زد کر روپیہ آگرا۔ اور باوا کے سچے نہ سٹا تو فرزند رشید نے مٹھیاں بھر بھر کر انا شروع کیا۔ اور بڑے بیاں کے چلم تک۔ بنگا ہو بیٹھے۔ اگر دیرتواندیسر تمام کند اور ایک چلم پر ہی تو بس نہیں چھڑا ہی۔ برسی شب برات کا حلوہ اور خدا جانے کیا اور کیا وہی تباہی رسمیں ادا کر کے گئے دنوں میں ایسے ہو بیٹھے۔ جیسے پوٹا کر تھر میں روسی خبرل شاسل رہی نیازند رہم کہتے ہیں محرم میں ہونی چاہئے۔ اور ضرور ہونی چاہئے۔ مگر کس طرح ہونا چاہئے۔ لوجہ اللہ مدامت۔ منافقت اور آرزوئے شہرت کے بالکل پاک۔ یہ نہیں کہ اگر نہ کی تو ناک کٹ جائیگی۔ حسین علیہ السلام نے حایت اسلام میں وہ کام کیا۔ جواز آدم تا یندم کسی سے نہیں ہو سکا۔ کیا کوئی نظیر ایسی ہے؟ پس ہیں ایسے عظم و برگزیدہ کائنات عالم کی یادگار ضرور قائم رکھنی چاہئے اور باحسن الوجہ رکھنی چاہئے۔

بلاشبہ عرض ہو کہ دیکھئے یورپ میں معمولی دنیا داروں کی یادگاریں قایم کی جاتی ہیں انگلستان میں مضافوں کے مسودے بلکہ بعض کی جوتیاں تک عجائب خانوں میں تبرکاً محفوظ رکھی ہیں۔ اور ان کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

حسین علیہ السلام نے تو وہ کام کیا ہے جو قیامت تک خود نیلے سے محفوظ والا نہیں۔ یہ یادگار تو بدرجہ اولیٰ قایم رکھنی چاہئے۔ مگر نہایت احتیاط سے کہ شرع مقدس کی آنکھ میں خار کی طرح نہ نہلے۔ یعنی فضول یا فضول طریقہ کے اخراجات کی وجہ سے قرآن شریف کی مخالفت نہ ہو۔ اور اپنی حشمت کا خیال ہے۔ اور سودی قرض نہ لینا پڑے۔ ایسا ہی شادی اور غمی کے موقعوں پر احتیاط اور سنجیدگی سے کام کرنا چاہئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تم کچھ کھاؤ پیو مت۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روزہ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ نہیں۔ کھاؤ پیو۔ مگر جسے نہ بڑھو۔ کیونکہ خدا بیشک حد گذرنا والوں کو پسند

کرتا ہے ۛ (قرآن)

فیرات کرو اور ضرور کرو۔ مگر اسکا معنی صحیح شخص کر کے غرض خدا کے لئے قدامت پرستی چھوڑ دو۔ وہ تو پیٹ بہرے کے چوچلے تھے۔ اسلاف جو کچھ کر گئے ممکن ہو کہ اس وقت کے لوگ موزوں ہو۔ مگر اس وقت تو جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنے کا مصداق ہے۔
 سیکسی ۛ ناک ۛ اور کہاں کی شرم۔ یہہ شرم نہیں بلکہ بشری ہے کہ گھر پر ناک کرنا شادی کھانا جائے ذرا حشمت وغیرت سے کام لو۔ ذرا عقل تیز سے غور کرو۔ اخلاقی جرات کے جوہر دکھاؤ۔ اور جہاں تک ہو سکے جتنی چادر ہو۔ اتنے ہی پاؤں پہنلاؤ۔ ورنہ یہہ ناک تو آج نہیں کل کل نہیں پرسوں۔ آخر ایک روز کٹ کر رہی گی۔ اور تمہیں دنیا میں سُنہہ دکھانے قابل نہ چوڑے گی۔ فقط

سید عطاء حسین دہلوی

نوٹ:- سید صاحب کا یہ بہاؤ بھی مضمون عصمت پر دیکھ میں آیا ہے۔ ہم خوشی کے ساتھ چھاپکا امید کرتے ہیں کہ آئندہ وہ ہمیشہ مضامین لکھتے رہیں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہماری خواہش اور ناک والے فریق کی خواہش بالکل ایک ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ناک یا عورت قائم ہے۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ دنیا و دین میں مسلمانوں کی ناک، یا عورت قائم رہے۔ مگر ہمارا پختہ یقین ہے۔ کہ عزت کفایت شعاری۔ سچائی۔ حیثیت کے اندر رہنے اور انجام بہی سے قائم ہے گی۔ جو ایک خلافت چلے گا اور سبکی ناک جلد کٹ جائے گی۔ اور کٹ گئی۔ اور کٹتی جاتی ہے جن میں عقل اور سمجھ ہے وہ غور کر لیں کہ ناک کس طریقہ سے بچا رہے گی۔ فقط۔

ایڈیٹر۔

بہی کا رمضان



اُس مضمون میں وہ صیام کے فضائل بیان کرنا مجھے منظور نہیں کیونکہ تیرہ سو برس سے مسلمان اس مہینے کو شریف اور مبارک کہتے اور سچتے چلے آئے ہیں۔ یہ مہینہ کس قدر عزیز ہے اس کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اگر وہ ہر جہاں کا چاند نظر آیا۔ اُس رمضان کی آمد آمد کی ہم خوشیاں منانے لگے۔ شوق کی یہ کیفیت کہ ہر روز دن گنتے ہیں کہ رمضان کے آنے میں اب اتنے دن باقی ہیں اور اب اتنے دن باقی رہے۔ جب یہ مبارک مہینہ ہم سے رخصت ہوتا ہے تو ہمارے دل میں ایسا درد۔ ایسا قلق محسوس ہوتا ہے گویا ہمارا کوئی عزیز رشتہ دار ہم سے جدا ہوتا ہے یا معشوق و دلدار پیامِ فراق سناتا ہے۔

روئے زمین پر جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں ہر جگہ فرائض مذہبی ادا کرنے کا طریقہ اصول لایا گیا ہے۔ ہر جگہ شوق پر ہر نگار۔ نمازی روزہ دار ہوتے ہیں اور تارک الصلوٰۃ روزہ شکن گنہگار بھی پائے جاتے ہیں لیکن ہر شہر میں بعض خصوصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن کا بیان اور شہروں کے رہنے والوں کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

انتہی میں شعبان کی شام کو کھلے میدانوں میں یا محلوں کے ٹکڑوں پر مسلمان گروہ درگروہ چاند دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بہی میں بوجھ کی قلت کے اکثر مکانات سہ منزلہ اور چار منزلہ بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے گھر ہی پر بیٹھے بیٹھے چاند نہیں دکھائی دیتا۔ ریل کی روزانہ متواتر آمد و رفت نے نقل مکان کو آسان کر دیا ہے۔ اس لئے بعض اشخاص فرداً فرداً پانچ دس میل بہی سے دور کسی گاؤں یا قصبے کو چلے جاتے ہیں۔ تاکہ بہی میں اگر مطلع صاف نہ ہو تو وہ وہاں سے رویت ہلال کی خبر لائیں۔ بعض ستمل اہماب اپنے اپنے باغوں میں جو لوح شہر میں واقع ہیں ضیافت کا سامان ہتیا کرتے ہیں۔ اور صبح ہی صبح دوست احباب کو لے کر رمضان کے استقبال کے لئے وہاں جا پہنچتے ہیں۔ دن بھر اپنے اپنے مذاق کے موافق لطیف صحبت اٹھاتے ہیں اور

غروب آفتاب کے بعد چاند دیکھ کر خوشی خوشی گھروں کو لوٹتے ہیں، بعض شوہر اور محتاط اشخاص سہ پہر کے بعد کشتیوں پر سوار ہو کر منہ میں دو دو رکعت چلتے ہیں تاکہ رخت وغیرہ کوئی شے ان کی نظر اور آفتاب کے درمیان داخل ہو کر چاند دیکھنے کی مزاحمت نہ ہو۔

ممبئی میں تو یہ جمعی (یعنی رمضان) کا چاند دیکھنے کے لئے بلع جانے کا رواج بہت کم ہے۔ اور غریب اور عوام تو شاید اس کے وجوہ سے بھی واقف نہیں لیکن نہر سورت میں امیر اور غریب سبھی اس ایک تہوار مناتے ہیں، امیر اگر کسی بلع و لکٹا کے بنگلے پر خادمہ نوش جان فرماتے ہیں، تو غریب اپنی چٹنی روٹی شہر سے باہر کسی کھیت میں یا پستی کے کنارے سے کچھ کھاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اٹھ کر آتے ہیں۔ ممبئی میں جامع مسجد کے خطیب صاحب کے دروازے پر بھجور دیا نہ نظر آتا ہے۔ کہ۔ اعظم دربار ہند اور دیت ہلال کی صحیح شہادت گزرنے پر۔ ایک قندیل لٹکا دی جاتی ہے جس کے دیکھ کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ رمضان شریف کا چاند ہو گیا۔

رویت ہلال کی خبر شہر میں شہر ہوتے ہی نماز تراویح کی طہاریاں شروع ہو جاتی ہیں، ممبئی میں ایک سو کے قریب مسجدیں ہیں اور یقیناً ہر مسجد میں نماز تراویح یا جماعت ادا کی جاتی ہے، بعض بڑی بڑی مسجدوں میں ایک سے زیادہ جماعتیں بھی کھڑی ہوتی ہیں، مثلاً جامع مسجد میں جو دو منزلہ ہے۔ اور ممبئی میں اکثر مسجدیں دو منزلہ ہیں۔ اوپر کی منزل میں ایک حافظ قرآن جماعت تراویح کی امامت کرتے ہیں اور بیس رکعتوں میں قریب سو پارے کے قرآن پڑھتے ہیں، حافظ جی کی نماز ٹھکانے والی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے مقتدیوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور ان مقتدیوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو دکھاوے کی خاطر اس جماعت میں شامل تو ہوتے ہیں لیکن ہر رکعت میں پہلے تو بیٹھتے ہیں۔ اور جہاں رکوع میں جانے کا وقت قریب آیا جماعت پٹ اٹھ کر رکعت باندھ لیتے ہیں اور اس طرح نماز کی نصف مشقت سے گویا بچ جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک دوسری جماعت نیچے کی منزل میں قائم ہوتی ہے، اس جماعت میں حافظ جی کے مقتدیوں سے سہ چھ بلکہ چار چھ مقتدی ہوتے ہیں، دونوں جماعتیں کئی لحاظ سے ایک دوسرے کی برعکس ہوتی ہیں، وہاں تاخیر ہے۔ یہاں تعیل۔ وہاں ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جاتا ہے۔ یہاں پارہ غم کی چھوٹی چھوٹی سورتیں، موزن ذکر جماعت میں عجلت کی یہ کیفیت ہے کہ مقتدی اگر عجل نہ ہوا تو وہ

ابھی رکوع ہی میں ہوتا ہے کہ امام دونوں سجدے ختم کر کے قیام میں کھڑا ہو جاتا ہے چہ غرض اس عبادت کی کیفیت بعینہ ایسی ہی ہوتی ہے جیسے مدرسے کے شرابداروں کو چھٹی کے گھنٹے کے بعد استاد نے اکٹھے بیٹھنے کی سزا دی ہو اور وہ جلدی جلدی بیٹھیں لگاتے ہوں کہ کب بیٹھوں کی مقررہ تعداد پوری ہو اور وہ گھر کا رخ کریں۔

چند حضری عرب اپنی ایک مختصر سی جماعت علیحدہ قائم کرتے ہیں اور بڑے اعتدال کے ساتھ دو گانے ادا کرتے ہیں۔ نہ اتنی دیر لگاتے ہیں کہ مُصلیٰ مارے تھکن کے اُگتے لگیں۔ نہ ایسی جلدی کرتے ہیں کہ ارکان نماز کے چھٹ جانے کا خوف ہو۔ مگر اس جماعت میں نمازیوں کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ عموماً اکٹھے کچھ نماز عشا واد کی جاتی ہے اور اس کے بعد ہی تراویح شروع ہو کر ساڑھے نو بج تک ختم ہو جاتی ہے۔ اگلی دو چار راتوں میں تو نمازیوں کی کثرت رہتی ہے لیکن زعفرانہ ان کی تعداد گھٹانے کا ایک تہائی رہ جاتی ہے۔

تراویح کے بعد بعض اصحاب کے ہاں قرآن شریف کا دور ہوتا ہے۔ کچھ گھر کے لوگ کچھ محلے والے ملکہ ایک ملکہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہر ایک شخص کے سامنے رحل پر قرآن شریف کھانا ہوتا ہے۔ ایک شخص باری باری سے چند آیتوں یا ایک کوع کی تلاوت بالجہر کرتا ہے اور لوگ سنتے ہیں اور ضرورت ہوئی تو لقمہ بھی دیتے جاتے ہیں۔ ان حلقوں میں حفاظ بھی اگر شامل ہوتے ہیں اور وہ اپنی باری میٹھا انتظار نہیں کرتے بیچ ہی بیچ میں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ حلقے والے ہٹکا بٹکارے جاتے ہیں۔ وہ رکوع آدھ رکوع پڑھ کر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ ٹھہرتے نہیں۔ کیونکہ انھیں اور حلقوں میں بھی شامل ہونا منظور ہوتا ہے۔ کہیں کہیں ان کے اس دخل بیا کے لئے وہ چڑھکیاں بھی کھاتے ہیں لیکن انھیں شرم نہیں آتی۔ وہ ان جھڑکیوں سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے۔ ان کی اس بے صبری کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے ہاں وہ مہینہ بہر تک دوڑ میں شامل ہوتے ہیں اس شخص سے کچھ نقد و جنس ملنے کی انھیں توقع رہتی ہے اور اسی لئے وہ سعی کرتے ہیں کہ حتی الامکان زیادہ مقاموں پر پہنچ سکیں۔

حفاظ کا ایک بہت بڑا گروہ رمضان شریف کے لئے دو در دو سے اگر بمبئی میں جمع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر سجدہ میں تراویح کے لئے ایک حافظ کی ضرورت ہوتی ہے اور سجدے کوئی اُس کو نقد معاوضہ دیتا ہے۔ اس معاوضے کے علاوہ خیرات اور کوڑے سے بھی انہیں یافت ہوتی ہے۔

نیک بندے تو رمضان کی مبارک باتیں تلاوت و تراویح، تہلیل و تسبیح میں گزارتے ہیں لیکن جاہل مسلمان یہ گراںمایہ گھڑیاں تمار باری اور لہو و لعب میں نہالے کرتے ہیں، چنانچہ بعض مسلمانوں کو محلوں میں ٹوڑیں لگتی ہیں، محلے کا کوئی جاہل مسلمان چند پیسوں کے نفع کی لالچ میں، ایک دوکان سرشام ہی سے اس طرح لگاتا ہے کہ ایک مینیٹر مرک کے کنارے پر کھڑی ایکسٹریکٹ ایکسٹریکٹ مینیٹرک کے کنارے اور چند شیشیوں میں دو چار قسم کی انگریزی اور ایسی ٹھکانیاں چند قسم کی میوے اور کچھ اور شیشیوں کی چیزیں رکھ کر اس کو سجا دیتا ہے۔ بد مین کے سامنے گاؤں کے بیٹے کے گلوں چند کرسیاں بچھی رہتی ہیں، اس مینر کے علاوہ کچھ تباہیاں مرک کے کنارے لگا رہے اور اور اور اور جاتی ہیں اور ان کے ارد گرد بھی کرسیاں ہوتی ہیں، محلے کے اوباش اگر یہاں جمع ہوتے ہیں اور باری بدگوش کھیلتے ہیں، یہ تمار باری کی دکانیں جو صرف رمضان ہی کے مبارک مہینے میں لگائی جاتی ہیں، بمبئی کی اصطلاح میں ٹوئیں کہلاتی ہیں اور ان کی سجاوٹ دکاندار کی حیثیت پر موقوف ہوتی ہے، اگر مینر کسی بلیمپ وغیرہ دو محلے والوں سے عاریتاً بہم پہنچا سکا تو وہاں وہاں دھن دھن بھرے کی دیر داری صدقوں ہی سے مینر کسی تپائی کا کام لیا جاتا ہے، اور مینر توپ کی عوض سترہ کی چادر بچھتی ہے، ٹوئن کے اطعمہ لذیذ میں درتی سنبوہل اور سنج رنگے ہوئے کبلیے اندوں کا ہونا گویا لازمی امر ہے، چونکہ جواری روپے سے پر مشروط نہیں لگاتے اس لئے پولیس انہیں پکڑ نہیں سکتی، کھانے پینے کی جو چیزیں مینر پر چھنی ہوئی ہوتی ہیں انھیں میں سے کسی شے پر شرط بندی جاتی ہے، ہارنے والا اس چیز کی قیمت ٹوئن والے کو ادا کر دیتا ہے اور جیتنے والا وہ چیز لے لیتا ہے، بعض تو وہیں ٹوئن میں بیٹھے بیٹھے جیتی ہوئی چیزیں دوستوں کے ساتھ کھا جاتے ہیں اور بعض دھال میں باندھ کر گھر لجاتے ہیں اور بیوی بچوں کے ساتھ سحری کے وقت خوشی خوشی کھاتے ہیں، بچوں کے اثر پذیر دلوں پر اپنے باپ کی اس حرکت کا کیسا برا اثر پڑتا ہو گا۔ اور رقم حرام کھا کر رکھا ہوا روزہ بھی کیسے درگاہِ ایزدی میں قبول ہوتا ہو گا!

میرے لڑکپن کا زمانہ تھا اور ایک روز ایک جگہ انھیں ٹوئوں کا ذکر ہو رہا تھا، ایک بڑے میاں نے اس وقت مجھے مخاطب کر کے کہا: ارے میاں، یہ ٹوئیں بھی کچھ ٹوئیں ہیں! تم نے ہمارے

سے ٹوئن بردن بردن محراب ہے انگریزی لفظ Tavern کا جس کے معنے ہیں مینا۔

پھینکتے جاتے ہیں۔ اکثر فقیر پیسوں کے جھینپنے کے لئے چھتریاں اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور خیرات دینے والے بھی پیسوں کو سفید کاغذ میں لپیٹ کر پھینکتے ہیں تاکہ اگر فقیر جمیل نہ بھی سکے تو انہیں سہہ نہیں سفید پڑیا زمین پر پڑی ہوئی جھٹ دکھائی دے۔ ایک ایک فقیر کو ہر محلے سے بلایا جاتا کہ آکر چائے پانے کے پیسے خیرات کو ضرور مل جاتے ہیں۔ بی بی میں مسلمانوں کے معاملے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ پھر خیال کیا جاسکتا ہے کہ یہ فقیر کتنی یافت ہوتی ہوگی۔ اس روزانہ خیرات کے علاوہ رمضان کے آخری ہفتے میں غذا اور کپڑا بھی بہت تقسیم ہوتا ہے اور متول اصحاب تانبے کے نہیں بلکہ چاندی کے سکوں میں خیرات کرتے ہیں۔ غرض خیرات تو لاکھوں روپیوں کی ہوتی ہے مگر جہاں یہ خیرات قوم کے ایک قلیل مستحق گروہ کی تکلیفوں کو دور کرتی ہے وہاں ایک کثیر جماعت کو سچائی کا ٹکڑا کھانسی عادت ڈالتی ہے۔

نصف شب جمعہ صاوت تک مسلمانوں کے محلوں میں دن کی چل چل پل کا سماں نظر آتا ہے۔ دوست احباب ایک دوسرے سے ملے جلتے ہیں۔ عورتیں کھڑکیوں سے سر نکال کر باتیں کرتی ہیں۔ ایک چیتھی ہے۔ بہن نہم نے آج سحری کے لئے کیا پکایا ہے؟ دوسری جواب دیتی ہے۔ روزہ کھانے میں تو کچھ ایسی غذا ہال ہو گئی کہ پر کر سورہی۔ مجھے کسی بات کی سُدھ نہ رہی۔ شام کو بازار میں تازی مچھلی بہت آلی تھی۔ سببوں نے منگوائی ہے۔ کسی نے تلی ہے کسی نے پکاائی ہے لیکن ہم تو آج وہی اور ملائی ہی سے کچھری کھالیں گے۔ چنانچہ والے بھی نکلتے ہیں۔ کوئی ساذن بیچتا ہے۔ کوئی ٹٹائی کے پیالے۔

رمضان کی پہلی تاریخ کی صبح ہوتے ہی ایک غیر معمولی نظر آتی ہے۔ چھٹیادلوں کی دکانوں اور ہوٹلوں میں سرخ پردے لٹکائے جلتے ہیں۔ جو روزہ شکن مسلمانوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ ابھی اتنی شرم دیا جاتی ہے!

ظہر کے قریب ہمارے بھائی بھرے ایک مضحکہ انگیز لباس میں نظر آتے ہیں۔ ہمیں ایک ہندو عورت ہے اور گلے میں ایک بہت ہی ڈھیلا ڈھلا لاکڑا پڑا ہوتا ہے جس کا دامن پٹریوں

۴ ساذن ملک قسم کی روٹی ہے جو بھاپ پر پکتی ہے اور ساحل ملیا کے باشندوں کی ایک خاص غذا ہے۔ ساذن چاول کا ہندو ہے اور ندیل کا دودھ اُس میں پڑتا ہے۔

خجندہ اعلیٰ پاداں میں کھیر جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ انھیں پیالوں کو ٹٹائی کے پیالے کہتے ہیں۔

سے نیچے تک پہنچتا ہے۔ پانڈوں اکثر تنگے ہوتے ہیں۔ کوئی کوئی کھڑاؤں بھی پہنتا ہے۔ سرگرم
چندے کی ٹوپی ہوتی ہے۔ جو الپچی کی بنی جوتی ہے یا روٹی بھری ہوئی گٹلوں کی۔ بعض ایک
ایسی وضع کی ٹوپی پہنتے ہیں۔ جو ہڑوں ہی سے مختص ہے اور اس کی مخروطی شکل بالکل خاصہ ان کے
سر پوش کی سی ہوتی ہے۔ جو ہڑوں کا یہ لباس نماز کے لئے مخصوص ہے اور تمام ہڑے اسی
لباس میں ٹھہر اور مغرب کے وقت نفل میں درمی کی جاننازیں دباے مسجد کی طرف جلتے ہوئے نظر
آتے ہیں۔ میں نے اپنے بھائیوں کی سحر کی ہے تو مجھے لازم ہے کہ اس کا عوض بھی کر دوں۔
ان کے اس لباس میں کئی خوبیاں بھی ہیں۔ ایک تو ساوگی اور آرام۔ دوسرے کی رنگی۔ اور سب سے
بڑا کہ یہ ہر وقت کا پورا لحاظ رہتا ہے۔ دوسری مسلمان ملتیں خواہ ہڑوں کے اس لباس پر نہیں یا
طختہ زنی کر رہی۔ لیکن ان کو یہ غرض ماننا پڑیگا کہ فریقہ نماز کے ادارے میں جس قدر ہڑے پابند ہیں اس قدر
دوسرے ملت کے افراد پابند نہیں ہیں۔ مرد و عورت سب بڑھاپا بلا غرض کبھی نماز قضا نہیں کرتا اور ان کی
یہ پابندی ضرب المثل ہو گئی ہے۔

یوں تو ہر مہینہ ہمیشہ ہی قسم قسم کی چیزیں محلے محلے بکنے کے لئے آتی ہیں۔ کوئی نونچے
میں رکھ کر اپنا مال بیچتا ہے۔ کوئی چوری چکی ٹوکریوں میں۔ اب اجناس صندوق ٹاٹھیلوں پر زیادہ بکنے
کے لئے آتی ہیں۔ مگر رمضان میں سہ پہر کے بعد بعض چیزیں خاص طور پر فروخت ہوتی ہیں
مثلاً گھوڑے، تخم ریحان۔ ہونٹے۔ غرض وہ تمام چیزیں جن کی انظار کے وقت کھیت ہے۔
عصر کے بعد اکثر مسجدوں کے سامنے چھوٹی چھوٹی دکانیں لگ جاتی ہیں کہیں حلیم ہے کہیں

گلوں کی ٹوپی مختلف رنگوں کے کوئی آدھ گڑ کے برابر بھی کڑے کے مستطیل ٹوکریوں کو جو گڑ بڑی خوش بانی جاتی ہے۔
شہرہت میں بعض غریب بیائیں انہیں ٹوپیوں کی سلائی پر ملاقات بسر کرتی ہیں۔

ہولے نشاستے کے بنتے ہیں۔ ان کے بنانے کی یہ ترکیب ہے کہ شستے کو کچا کر بڑے بڑے سوراخوں
دلی کٹونا چھلنی میں نیم گرم حالت میں ڈالتے ہیں اور تھیلی سے یا کسی صاف پینڈے کے گول برتن سے دباتے جلتے
ہیں چھلنی کسی دوسرے برتن کے منہ پر رکھی ہوئی ہوتی ہے اور اس برتن میں ٹھنڈا پانی ہوتا ہے۔ نشاستہ چھلنی کے سوراخوں
سے نکل کر چھوٹی چھوٹی چھیلوں کی صورت میں پانی میں گرتا جاتا ہے۔ یہی ہولے ہیں۔ ہولوں کو نہ غفران سے زرد
اور کھار اور ہلدی ملا کر سبز رنگ بھی دیتے ہیں۔

شیریں گہ کہیں منبوسے اور کہیں فالودہ +

مغرب کے قریب لوگ مسجدوں میں جمع ہونا شروع ہوتے ہیں۔ کیونکہ اکثر روزہ دار مسجد ہی میں افطار کرتے ہیں تاکہ مغرب کی نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ عموماً شہر میں کھجور یا میوہ کچھ نہ کچھ افطار کے لئے گھر سے ساتھ لانا ہے، اور جو کچھ لانا ہے ٹونڈن کو دیدیتا ہے۔ ٹونڈن افطار کے قریب پھر اس کو سب میں برابر تقسیم کر دیتا ہے۔ اس طرح جو غریب کچھ نہ لاسکا تھا وہ بھی سب کے برابر حصہ پاتا ہے۔ بعض اصحاب گھر ہی پر افطار کرتے ہیں لیکن وہ کبھی کھجور وغیرہ اپنی طرف سے مسجد میں بھیج دیتے ہیں تاکہ ان کے غریب بھائیوں کے لئے بھی افطاری ہتیا ہو جائے۔ کسی بھی رسم ہے لیکن یہاں بھی مفت خوردہ گھس جاتے ہیں جو حقیقت میں صائم نہیں ہوتے اور بغیر استحقاق حصہ پیتے ہیں، اس تقسیم نام حصہ پانے کے لئے محلے کے بچے بھی بہت سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ بڑی آؤٹم چلاتے ہیں اور چیتے جاتے ہیں۔ بانگلی صاب۔ میرے کو۔ بانگلی صاب۔ میرے کو۔ بانگلی صاب کو بھیجا چھڑا کر ہر جاتا ہے۔ لیکن حصہ پلتے ہی یہ بچے مسجد سے باہر نکلتا ہے اور دروازے کے قریب ہی اذان کے انتظار میں ٹھہرے ہوتے ہیں۔ اور ہر ٹونڈن نے اللہ اکبر کا لغو مارا اور دوسراں بچوں نے محلے میں ایک کڑ سے دوسرے کڑ کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ دوڑتے جاتے ہیں اور چیتے جاتے ہیں۔ بانگلی ہوئی۔ روزہ کھولو۔ بانگ ہوئی۔ روزہ کھولو۔ ان کے اس طرح شور مچانے سے وہ لوگ بھی جو مسجد سے دور رہتے ہیں اور ان تک ٹونڈن کی آواز نہیں پہنچ سکتی۔ مطلع ہو جاتے ہیں کہ افطار کا وقت ہو گیا۔ بچے بھی افطار کے وقت کی قدر و منزلت خوب پہچانتے ہیں اور اذان سے ایک لمحہ بھی پہلے اپنی آواز بلند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ پورے اطمینان کے ساتھ ان کے اعلان پر بھروسہ کر لیتے ہیں۔ بچوں کی یہ خدمت انھیں مسجد سے افطاری کے حصہ کا مستحق بنا دیتی ہے +

+ فالودہ کے نویسنے کو نشا ستے کی پتلی بڑی ہے کہیں لیکن مٹی میں فالودہ اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ ایک پیلے میں پہلے دودھ ڈالا جاتا ہے۔ پھر دودھ چھ شربت۔ خوشبود کے لئے کسی قدر کیڑا یا گلاب بھگو کر پھلے ہوئے تخم بھیاں۔ ہلے۔ ملائی اور برف + بانڈول میں خاص فالودہ کے کڑکائیں لگتی ہیں اور ان پر فالودہ کے تمام اجزاء لگا کر پتلیوں اور شہریوں میں ترینے سے رکھ دیتے ہیں۔ دیکھتے ہی آنکھوں میں ٹھنڈک اور دماغ کو طراوت محسوس ہوتی ہے۔ فالودہ محلے کے کڑکائی دکان فالودہ کے لئے شہر سے + پلو بانگلی مٹی میں ٹونڈن کو کہتے ہیں اور وہ "مجھے" یا "بھگو" کی عوض "میرے کو" بولتے ہیں۔
تم بانگ پینے اذان +

برائست باقی گیارہ مہینوں کے رمضان میں پنجوقتہ مسجد میں مصلیوں کی تعداد زیادہ رہتی ہے خصوصاً جمعہ کی جماعت میں تو بڑا ہجوم رہتا ہے۔ اور جمعہ الوداع کو تو اگر گھنٹہ آدھ گھنٹہ پیشتر نہ پہنچیں تو مسجد میں کچھ ملنی دشوار ہو جاتی ہے۔ یہ ایک فدا کا واقعہ سنئے کہ جمعہ الوداع ہمارا میں اسی خیال سے کہ کچھ نہیں ٹیگی سہول سے جد مسجد کو چلا گیا تھا۔ مجھے تو کچھ مل گئی تھی لیکن میں اُس وقت کہ کبوتر نے اقامت کہنی شروع کی ایک صاحب صفوں کو چیرتے ہوئے کئی صفوں تک آگے نکل گئے لیکن جب کہیں کچھ نہ پایا تو پھر اسی طرح صفوں کو چیرتے ہوئے لوٹے جس وقت میرے پاس پہنچے میری بدقسمت کہ اسی وقت امام نے تکیہ کبھی حضرت نے جھٹ بجھے پس پشت کر دیا اور نماز شروع کر دی میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ آگے تو وہ حضرت کھڑے تھے اور پیچھے بھی صفوں میں اکثر لوگ نماز میں مشغول ہو چکے تھے۔ نہ بجائے ماند نہ پائے رفتن۔ خیر گزری کہ کچھیلی صف والوں نے رحم کھا کر بڑی نگلی کے ساتھ اپنی صف میں مجھے شامل کر لیا ورنہ اُس روز میں ناختم ہی سے محروم رہتا۔ کاش مسلمان ایسے موقعوں پر آداب مسجد کا لحاظ رکھیں اور روافض مذہبی ادا کرنے میں تو خود غرضی کو دخل نہ دیا کریں!

ایک نہایت کریمہ عادت جاہل روزہ داروں کو ہوتی ہے یعنی جب روزہ رکھتے ہیں تو دن بھر پچھ پچھ کر تبوکا کرتے ہیں نہیں معلوم یہ کیا ان کی غلط فہمی ہے خصوصاً جب نماز جمعہ کا سلام پھیرا جاتا ہے تو بعض لوگ اٹھ کر بے ستاشا کھڑکیوں کی طرف دوڑتے ہیں اور ٹکلیاں بھر بھر کر کھوکھو لگتے ہیں پتلیں بی بیعت انتہاس کو ان کی اس غلط عادت سے سخت نفرت ہوتی ہے۔ چنانچہ کہ جہالت کی وجہ سے نہایتش کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نماز کے ختم ہوتے ہی ان کا اس طرح بے محابا بھانگنا جس کو انھیں کوئی کھائے جاتا ہے وقار اور متانت کے خلاف تھا اس لئے منتظمین مسجد نے مجبور ہو کر اب ہر صف میں پیدائیں کہنے کا انتظام کیا ہے۔

ستائیسویں شب کو مسجدوں میں معمول سے زیادہ روشنی کی جاتی ہے خصوصاً جامع مسجد تو بقدر فور نظر آتی ہے۔ تراویح میں بھی کثرت سے لوگ شامل ہوتے ہیں کیونکہ اس رات تمام مسجدوں میں حفاظ قرآن ختم کرتے ہیں۔ تراویح کے بعد لوگ مصلیوں کے سامنے کاغذ کی تھیلیاں اور رومالوں میں اجوان لے جاتے ہیں۔ وہ درود شریف پڑھ کر اُس پر پھونک دیتے ہیں۔ یہ اجوان کسی کے پیٹ میں درود پڑھ

دوا کے طور پر کھلائی جاتی ہے۔ اس شب کو لوگ تمام رات جاگتے ہیں اور عبادت الہی میں مشغول رہتے ہیں۔ جن کے قرآن شریف کی تلاوت ہمیشہ بھر ہوتی رہی ہے ان کے ہاں ختم قرآن کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ حفاظ کی دوڑ دھوپ آج ٹھکانے لگتی ہے کہیں سے نقد کہیں سے جس ملتی ہوڑ مسجدوں میں بھی سوار شریف پڑھی جاتی ہے اور لوگ اپنے مکانوں پر بھی پڑھواتے ہیں۔ شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ جامع مسجدیں کوئی دس ساڑھے دس بجے کل دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ نہ کوئی شخص اندر آسکتا ہے۔ نہ کوئی باہر جاسکتا ہے۔ صرف پھانگ کی ایک کھڑکی کھلی رکھی جاتی ہے۔ اسی راستے سے لوگ ایک ایک کر کے باہر نکلتے ہیں کھڑکی سے نکلتے وقت ہر شخص کو ایک نان خطائی ملتی ہے۔ یہ تمام اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو مسلمانوں۔ بھائیوں کو بھائیوں پر اعتبار نہیں رہا۔ شیرینی کی ایک اتنی مقدار کے لئے ناوید سے بنتے ہیں۔ اپنا حصہ فریب کر زیادہ حاصل کر نیکی کے لئے گنہگار ہوتے ہیں جو شے تبرک تھی اس کو اپنی دعا باری اور جلازی سے مال سرودہ بنا دیتے ہیں۔ افسوس! خدا ہمیں یہ نیک و فقیہ دے کہ ہم اپنے عادات و خصائل کو پاکیزہ بنائیں۔ صلہ صلہ ہی صلاح ہے اور اسی اصلاح کے بعد ہم دائرہ اسلام میں رہنے کے لائق ہو سکتے ہیں۔

اسی ستائیسویں شب کو دو چار مسجدوں میں شینہ بھی ہوتا ہے یعنی تراویح کی بیس کعتوں میں پورا قرآن ختم کیا جاتا ہے۔ یہ عبادت بالکل نمائشی ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام شہر میں پہلے ہی سے شہر چلنا ہے کہ فلاں مسجد میں فلاں حافظ جی شینہ کریں گے۔ جو حافظ جی شینہ پڑھنے میں کامیاب ہو جائیں ان کی دھوم مچ جاتی ہے۔ گویا حفاظ کے لئے اس دنیا میں انتہائے اعزاز شینہ کی کامیابی ہے۔ میں نے اس عبادت کو نمائشی اس لئے کہا ہے کہ اگر یہ عبادت عبادت ہی کی خاطر ہوتی تو اس کا خلوت میں ادا کرنا انکب تھا۔ میرے اس اعراض کے جواب میں حفاظ کی جانب سے یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ ہم اور لوگوں کو بھی اس ثواب میں شامل کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی دلیل کوئی دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ اپنی خوب بینی اور شہرت طلبی کے عیوب چرچا یا کر ایک بہانہ ہو کر یہ کہہ دیتے تو شینے کو پہلے ہی دوگانے میں ہمت ہار جاتے ہیں۔ تماشائی بھی تو ابتدا و سو انتہا تک نہیں ٹھہرتے! اب تو ہم نے اپنی بدبختی سے ہماری مسجدوں کو رقابت کا دنگل اور اپنی عبادت کو حاجیت کا کہل بنا رکھا ہے! اسے خدا ہم تیرے ناچیز بندے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھلا اور گمراہی سے بچا!! -

نیل برنگ - بھاونگر - تہہ ۱۰ - عبدالحافظ باعظہ

ہمارے مدارس عربیہ

تمام بڑے بڑے شہروں اور بعض چھوٹے چھوٹے قصبوں میں بھی مدارس عربیہ چل رہی ہیں۔ ہمارے مدرسے بڑے بڑے شہروں میں تو چار چار اور پانچ پانچ مدرسے ہوتے ہیں انکی بنیادوں پر پڑتی ہے کہ دو چار آدمی کھڑے ہو گئے اور شورہ کر کے پہلے کچھ روپیہ اپنی جیب سے دیا۔ پھر چندے کا کامیسیا فہرست گھر گھر پھرنے لگی۔ غریب غریب سے ایک ایک آنہ یا دو دو آنے وصول ہونے لگے۔ جب پچاس سو روپیہ جمع ہو گیا تو کسی ملائی تلاش ہوئی جسکی تنخواہ دس پندرہ روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ کم دیش برس روز کے لئے تو ایک ملائی تنخواہ کا سالانہ جمع ہو ہی گیا ہے۔ بس اور کیا چاہئے۔ جب خبر پاکیر و نجات سے طلبہ کے آنے کا لگا لگا تو ان کے لئے سبق تو موجود ہے مگر تلمیذ نادر وہاں طلبہ گویا خوان غلیل اللہ کے مہمان ہیں۔ بیچارے لگے مسجدوں میں بیسرا کر سنے اور بھوکوں مرنے۔ اگر خوش قسمتی سے کوئی مسلمان سرگیا تو یہ گویا جی گئے۔ انہوں کی کہی کہی کی جھیریاں کھل گئیں۔ تیجے اور دسویں بیسیوں چالیسویں تو طلبہ کے لئے عید ہی ہو جاتے ہیں مگر جو مسلمان ذرا کھاتے پیتے اور استطاعت رکھتے ہیں وہ چالیس روز تک برابر مردے کو روزانہ کھانا دیتے ہیں۔ زندہ طلبہ اور ملاتے مردوں سے چین کر خود کھاتے ہیں بقول مثل مردہ بہشت میں جاوے یا دوزخ میں ہمیں اپنا پیٹ بہرنے سے کام۔

پھر شہر میں اکثر دیے بھی فاتحہ درود مردوں کی دعوتیں گیارہویں اور اٹھارہویں وغیرہ ہوتی رہتی ہیں پس طلبہ کا اوصاف تہائی پیٹ پلتا ہی رہتا ہے۔ ارے میاں قسم ہے کلام اللہ کی علم اسی طرح حاصل ہوتا ہے اور جب ہر طرح فارع البالی ہوئی تو پھر تحصیل علم کہاں۔ اور ہمارے دادا اُستاد مولوی میر سبحان علی خاں صاحب مدرسہ الغریزہ فرمایا کرتے تھے اور آپ بتی بیان کیا کرتے تھے کہ ہم کھڑے چنے (وہ بھی تیسرے اور چوتھے وقت) چاہا جبکہ علم پڑھا ہے۔ اور طالب علم کو صرف دو چیزیں دسکا میں کتاب اور اُستاد۔ خدا نے رزق کا خود وعدہ کر لیا ہے اسکا کیا غم۔ وہ دے اور پھر دے۔

اور چھپر بھاڑ کے دے۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ اَلَا يَعْنِيْ جُشَعْنَخَارُكَ تَوَلَّوْا كَمَا تَهْتَفُ بِهٖ اَعْيُنُكُمْ لَلَّهِ
رِزْقُكَ اَوَّاهٌ مُّنْجِبٌ يُنَادِي ۚ اَوَّاهٌ مُّنْجِبٌ يُنَادِي ۚ اَوَّاهٌ مُّنْجِبٌ يُنَادِي ۚ اَوَّاهٌ مُّنْجِبٌ يُنَادِي ۚ
اور مردوں کے نام کی روٹیاں کھانا تقویٰ اللہ میں داخل ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے کبھی صدقے کا مال چھوہا ہی نہیں اور صدقہ اپنے اوپر اور اپنی آل پر حرام کر دیا ہے۔ کیونکہ یہی
بہاری ذات ہے اور خود مردوں کو دعوتیں دینا حد درجہ کاسراف اور تبذیر ہے۔ یہ سوان اللہ
لایجب المسرفین اَلَا یہ۔ پس اسراف و تبذیر اور اسکا مال قطعاً حرام اور ایک معنی سے خفی شرک میں
داخل ہو گیا (اب۔ ایڈیٹر) کیونکہ مردوں کو زندہ سمجھ کر دعوتیں دیجاتی ہیں اور قہراً کیا جاتا ہے۔ کہ
بڑے پیر یا چھوٹے پیر کی فاتحہ یا ندو نیا ز دینے سے ہماری حاجتیں پوری ہونگی اور ان کو توشہ
دینے اور قبروں پر غلاف چڑھانے وغیرہ سے ہماری دینی اور دنیوی امیدیں برآئنگی۔ پس جب شرک
کا واسطہ ہے تو تمام آلات و اسباب شرک قطعاً حرام ہ گئے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اگر مردوں کو زندہ
سمجھا جائے تو کبھی ان کو دعوتیں نہ دیجائیں نہ اسراف و تبذیر سے خسر الدنیا والاخرہ کو مصداق نہیں
۔ اور ہمارے دادا استاد وہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے ایام طالبہ بتلی میں سوا اپنے اوپر حرام کر دیا
تھا۔ سر کے بالوں میں رسی باندھ کر اسکا ایک سراجھٹ کی کری میں باندھ دیتے تھے تاکہ شب کو
اگر کتاب کے مطالعہ کے وقت نیند کا جھجھکاؤ آئے تو رستی کے کچھنے سے فوراً اٹھ کھڑے جائے۔ طالب علمی
کیا ہوئی یہ تو اچھی خاصی خود کشتی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ سونا تمام حیوانات کا ایک فطری فعل ہے۔ اسے اندر رو
طلب ستہ ضروریہ میں داخل ہے کیونکہ صحت کے قیام رکھنے کو جیسا کہ انا ہے ویسا ہی سونا ہے اور انسان
اسکے لئے مجبور ہے۔ نقل مشہور ہے کہ نیند تو پچھانسی پر بھی آتی ہے مگر ہمارے مدارس فطری فعل
کے مزاحم بنتے ہیں شاید یہ کوشش کرتے ہیں کہ طلبہ ملکوتی صفات ہو جائیں اور جب دستا فضیلت
باندھ کر مدرسہ سے نکلیں تو فرشتوں کے گروہ میں جا لیں۔ +

بعض مدارس میں طلبہ کے لئے قوت لایموت صرف دونوں وقتوں کے لئے دیرھ پادانا
مقرر ہے۔ گویا لایسمن ولا یغنی من جو۔ اَلَا یہ کی تعمیل ہے یعنی نہ پیٹ بھرے نہ بھوکے
رہیں بلکہ معلق لٹکتے رہیں۔ یوں کہو نہ دوزخ میں ہیں نہ جنت میں۔ بلکہ جیتے جی اعراق کی ہوا کھا رہے ہیں

بعض شہروں کے مسلمان صرف مذکورہ سے مدرسے چلا رہے ہیں۔ اسی میں مولوی کی تنخواہ اسی میں طلبہ کا سدرتِ حیات (و ظیفہ) اور اگر مدرسے کے مہتمموں میں ناچاقی ہو گئی تو چند سے کی رقم بھی گنت لگئی اور ایک مدرسے کے دو ہو گئے ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ حالانکہ زکوٰۃ کا مال محتاجوں اور مسکینوں کے لئے ہے۔ انکی حق نفی کی باقی ہے جو مسلمان زکوٰۃ دیتے ہیں غیر ممکن ہے کہ یہ مال زکوٰۃ کے ایک پیسہ بھی اگر سے دیکھیں۔ خواہ دین کا معاملہ ہو خواہ دنیا کا۔ انکا مقولہ ہے کہ خدا اور رسول ہم سے اپنا ڈھائی روپیہ فی صدی ٹیکس لے لیں۔ اور کیا ہماری جان لیں گے۔ گویا خدا اور رسول نے اپنی راہ میں مال زکوٰۃ کے سوا دھڑکھڑکایا سر پایہ خرچ کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔ وہی بات ہے کہ مولیٰ بھیجا برہمن کے حوالے۔ ❊

فرمائے ہر شہر میں متعدد مدارس کے ہونے سے کیا فائدہ ہے۔ اگر مختلف منفذون سے قوت خرچ کرنے کے بجائے مجموعی قوت ایک جگہ صرف ہو اور بڑے بڑے شہروں میں ایک ایک اسلامی کالج قائم کیا جائے اور ضوابط و اصول کے ساتھ چلایا جائے تو کس قدر فائدہ ہو۔ بات یہ ہے کہ خلوص نہیں۔ دینی امور میں بھی شہرت اور نمود چاہی جاتی ہے۔

پھر ہمارے علماء و مرحوم دین کے نام سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ طلبہ کسی ہی ذلیل حالت میں رہیں۔ مگر ان کے قلوب تازہ رہنے چاہئیں۔ وہ پورانی طرزِ تعلیم سے طلبہ کی رہنری کر رہے ہیں۔ عربی مدارس میں جو قیادسی فلسفہ پڑھایا جاتا ہے وہ کچھ کس مرض کی دوا رہے۔ اور علم کلام میں جن فلاسفہ کا رد ہے وہ اس زمانے میں کہاں موجود ہیں بھلا اب اگر مجبورہ مباحث کو کون پوچھتا ہے کہ اجسام صورت وہیولے سے مرکب ہیں یا اجزاء لایہ تجزئے سے۔

اس قسم کے مباحث ویسے ہی زلزل اور لغو ہیں جیسی اردو شعرا کی ریختہ گوئی۔ مگر ایک بھر چال جاری ہے۔ علماء میں نہ یہ لیاقت ہے کہ زلزلے کی حالت کے موافق جدید نصابِ تعلیم مقرر کریں۔ نہ ان میں قوم کی بہتری کا عنصر ہے یہ تو اپنا پیٹ بہرنا جانتے ہیں۔ حمزہ اور سفہا کو دوامِ مینا رکھتا ہے۔ اُنکے منہ پر اندھیری ڈال رکھی ہے۔

اس میں بالکل شک نہیں کہ کچھ مغربی تعلیم انسانی شائستگی کی روح بنی ہوئی ہے لیکن ہمارے علماء و مخدوم مغربی تعلیم کو کفر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو اس سے نفرت دلاتے ہیں۔ اجماع صاحب

ہم تو دینی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ ہمیں دنیوی تعلیم سے کیا واسطہ۔ حالانکہ خود دنیا کی دلدل اور سطح نفسی کی کچھڑیں گھٹنوں تک دھسے ہوئے ہیں۔ ہر سال سند فضیلت لیکر جو گزریاں ہمارے سر پہ لٹکتی ہیں کیا وہ اس دنیا کو چھوڑ کر دین کی کسی نئی دنیا میں چلی جاتی ہیں۔ یا تو وہ دس دس پندرہ پندرہ روپیہ کی نوکریوں کے لئے جوتیاں چٹختا پھرتی ہیں۔ یا وہ غلطو کا سدا گدا بنا کر شہروں اور قصبوں میں بھیک مانگتی ہیں۔ پھر دینی مدارس اس قدر کہاں ہیں جن میں اس ٹیڈل کی رانی ہو یعنی جس کے سب سے دیکھنے والے مدرس بنیں جیسے انکے اساتذہ ہیں۔

پھر جن طلبہ نے جملوں کی روٹیاں کھائی ہیں، سروں کے کفن (چادریں وغیرہ) پہنے ہیں، علم ہستی اور اولوالعزم کہاں استادوں کی صحبت اور ان کے متعینہ تاریک خیالات کے طلبہ کے فطری آئینوں کو رنگ نہاد بے حوصلہ پست کر دیئے ہیں۔ کیا امر، سر، ٹیڈل، فطرت، خاندان، خیرہ کے سماں ہمارے علماء کے نزدیک مسلمان نہیں۔ ذرا وہاں کے کاجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم پر نظر ڈالیں اور وہاں کی نصاب تعلیم کو دیکھیں تو معلوم ہو کہ کس قدر زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور کافروں کے کس قدر علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ جس طرح برہمنوں نے ہندو کو اپنے ہی جوگا کر لیا اور ان پر اپنے منتر بھونک کر ہر طرف سے اندھا کر دیا، اسی حالت اسلامی علماء کی ہے۔ لیکن آریائے ہند کی شکلیں کھولیں اور ان کو برہمنوں کے چنوں سے چھڑا دیا۔ مسلمان بدستور جاہلیت کے گھپ اندھیرے میں قید ہیں۔ بلکہ کال کوٹھری میں ایک ہتکڑی کے بعد دوسری ہتکڑی انکے ہاتھوں میں اور ایک بٹیری کے بعد دوسری بٹیری انکے پاؤں میں بڑھ رہی ہے۔

کیا دین دنیا سے کوئی علیحدہ عالم ہے۔ کیا دین دنیا میں نہیں ہے۔ آخر تم وارث دین ہو کہ دنیا میں کیا کر رہے ہو۔ بعض علماء جو مدارس کے مالک بن بیٹھے ہیں، ہزاروں روپیہ کی جائیداد اور نقد رقم رکھتے ہیں۔ انکی بیبیاں ہر قسم کے زیور سے لدی ہوئی ہیں۔ ہر طرح کا سامان ہمیشہ عشرت ان کے گھروں میں موجود ہے۔ کافروں کی بنائی ہوئی (ولایتی) چیزیں انکے استعمال میں ہیں۔ وہ ہر طرح کافروں کے محتاج ہیں مگر کافروں کے علوم و فنون پڑھنا ان کو دنیا ہی میں جہنم واصل کرتا ہے۔

ایک رطبوق مولوی سے میں نے کہا کہ فلاں مدرسہ کی آمدنی کسی طرح ایک کل لکھ کی آمدنی سے کم نہیں

کیا اچھا ہو کہ دینی تعلیم کے ساتھ اس میں مغربی تعلیم بھی دخل کی جائے۔ یہ سُننے ہی مولوی صاحب نے اس قدر غرض اور قیں قیں اور قیں قیں کی کہ میں سہم گیا۔ اور مجھے خوف ہوا کہ کٹ نہ کہائیں۔ مولوی صاحب کے مُنہ سے مارے غیظ و غضب کے تھوک اُڑ رہا تھا۔ مانپ ہے تہے کا پ ہے تہے۔ آنکھیں سُرخ تھیں ہونہ۔ ارے میاں تم مسلمانوں کو کہ سچن بنا ناچا تو جو سینے کہا لاکھوں مسلمان مغربی تعلیم پا چکے ہیں۔ اور پار ہے ہیں۔ کیا وہ کہ سچن ہیں؟ فرماتے کیا ہیں ہاں کہ سچن ہیں ضرور کہ سچن ہیں۔ میں نے کہا آپ کے بیٹے ہوم میں فارسی زبان پڑھائی جاتی ہے جو آتش پرستوں کی زبان ہے۔ کیا فارسی زبان پڑھنے والے اور پڑھانے والے آتش پرست ہیں۔ اہل لورپ تو اہل کتاب ہیں جو آتش پرستوں سے کہیں بہتر ہیں۔ پہلے اردو زبان میں بھاشا اور سنسکرت کے ہزاروں بلکہ لاکھوں لفظ شامل ہیں۔ اور اردو زبان کا بڑا عنصر یہی اردو زبانیں ہیں۔ کیا آپ اردو زبان بولنا ترک کر دیں گے۔ مولوی صاحب یہ سنکر بڑبڑاتے اور پھنکارے مارے چلتے پھرتے نظر آئے۔

یہ حال ہمارے علمدار کل ہے۔ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ مگر اب بہت جلد وہ وقت آئے گا کہ ہے کہ خود زمانہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیگا۔ اور متعصب علماء کے دام خود غرضی سے انکو نکال دیگا۔

احمد حسن۔ شوکت
اڈیسر شحہ ہند و طوطی ہند میرٹھ

نوٹ:۔ مولانا نے فاضل نے جو حالت عربی مدارس کی اور انتشارِ قوت کی کہی ہے وہی حالت مسلمانوں کے انگریزی مدارس کی ہے۔ ہماری لغویت اور امانیت ہر جگہ ساتھ اس لئے نئے پرانے سب کے خلاف ”جہاد“ واجب۔ + اڈیسر۔

”سفیدی میں سیاہی لگانا“

غرضہ ہوا پنجاب کے کسی سیرسٹر صاحب نے ایک اخبار جاری کیا تھا۔ اوپر رائے ظاہر کرتے ہوئے اخبار تفریح لکھنؤ نے لکھا کہ اگر سفیدی میں سیاہی لگانے کا نام مضمون نویسی ہے تو خیر۔ ورنہ سیرسٹر صاحب کے اخبار میں مضمون کی تلاش بیفائدہ ہے۔“

اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم راء اپنی لفظی پرہتوں ہونے کی عادت سے اپنے آپ کو الگ کر لیں اور (۲) بیدار مغزی و عاقبت اندیشی کے ساتھ ضروریات زمانہ کو دیکھیں اور سمجھیں۔ اور پھر مسلمان مضمون نگاروں کے مضامین پر نظر کریں تو ہکھو ماننا پڑے گا کہ ایڈیٹر تفریح کی رائے ہمارے مضامین کے بہت بڑے حصہ پر صادق آتی ہے۔ اور ہماری اکثر تحریری کوششیں مضمون نویسی اور انشا پر داری کے بجائے سفیدی میں سیاہی لگانے سے زیادہ شاہد ہیں۔ ”سفیدی میں سیاہی لگانے“ کے کیا معنی؟ یہی کہ انسان اپنے مادہ اور قابلیت اور پختہ گو سفید ادب یا آواز کاموں میں صرف کرنے کی بجائے اد کا غلط اور برا استعمال کرے۔ بنانے کی جگہ بگاڑ اور نفع کی جگہ نقصان اٹھاوے۔

ہمارے اہل قلم کو جولیاقت اور فرصت خدا نے دی ہے اسکو (بجائے اسکے کہ ضروری اور مفید کاموں میں صرف کرتے۔ خود فائدہ اٹھاتے۔ دوسروں کو نفع پہنچاتے) محض بے نتیجہ اور غیر مفید بلکہ مضراتوں میں صرف کرتے ہیں۔ اور اپنی محنت و لیاقت اور وقت کو ضائع کرنے کے ساتھ قوم کا مذاق بگاڑتے ہیں اور اسکو تباہ و برباد کرتے ہیں۔

ضرورت اور نہایت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کی عادات و اطوار کی اصلاح کی جائے۔ رسمیات اور طریقہ زندگی کو عقلی ہول کے ماتحت کیا جائے۔ لوگ جہالت اور افلاس کے سکار ہو رہے ہیں انکو بچانے کے لئے زبردست اور مستقل کوشش کی جائے۔ سستی اور بیکاری کی جگہ سستی

اور مصروفیت کو قوم کے اصل زندگی میں دخل کیا جائے اور اسکو مقابہ اور جدوجہد کے لئے تیار کیا جائے۔ مگر ہمارے اہل قلم اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ان باتوں کا پورا پورا احساس ہی نہیں۔ اور اس چیز سے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض شعروشاعری میں مصروفیت ہے تو بعض دنوں میں کسی کی تلافی اور کسی کی بھجویں مضامین لکھ کر رسالوں کے صفحہ سیاہ کرتے ہیں۔ کوئی ”جان مار“ اور ”اجعلی شاہ شاہ“ اور دوسرے خطوط پر (جو بگیا کے نام ہیں) فریفتہ ہے۔ کسی کو یہ فکر ہے کہ مومن خاں دہلوی نے کتنی غلطیاں کی ہیں۔ اور انکو دستاویزی کی سند دیں یا نہ دیں !!!

خیر یہ تو دو ابستگانِ دانِ دولتِ شاعری ہے جو اپنے عالمِ بخودی کی بدولت شاید ایک حد تک معذور اور قابلِ معافی سمجھے جائیں لیکن یہ کوئی بڑی شکایت اس جماعت سے ہے جو خیر میں نہ امین کہتی ہے۔ یہ جماعت اگر راد نہ کم کرتی اور سید سے رشتہ پر پلٹی تو کچھ شبہ نہیں کہ بہت مفید ہوتی۔ مگر بد قسمتی سے انکی کوششیں بھی غیر ضروری اور بیفائدہ مضامین اور بیکار لفاظی میں ضائع ہو رہی ہیں۔ کوئی حسن و عشق پر مضمون لکھتا ہے۔ کوئی ”کوئی“ اور ساری پر قلم اٹھاتا ہے کہیں چشم انتظار ہے۔ کہیں وصال یا رہ پھر فرمائے کہ یہ سفیدی میں سیاہی لگانا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہم نے ایک مضمون لفظ ”وجہ“ پر پڑھا جو ایک لائق اور مشہور سلمان گریجویٹ کا لکھا ہوا تھا اور کئی صفحات میں لکھا لیکن سارا مضمون پڑھنے کے بعد افسوس ہوا کہ کوئی وقت ضائع کیا۔ الفاظ کا استعمال مفید ہے مگر اس وقت جبکہ ادنیٰ مضمون اور افراط خیالات کی غرض سے ہو۔ ورنہ بے مطلب اور بڑا مضمون کے ترسے الفاظ ہی سے کر دینا بالکل اسی قسم کی مضمون نویسی ہے جو ”سفیدی میں سیاہی لگانے“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس قسم کے مضامین عوام اور دو کے ادب رسالوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ خاص کر مخزن اور اس کے مقلد رسالوں میں۔

نوٹ ۱۵۔ نہایت نا انصافی اور بے ادبی ہوگی۔ اگر ہم یہاں ادب و تربیتِ نوجوانوں کو اس قابلِ الزام جماعت سے علیحدہ نہ کریں جن کی مبارک کوششوں کی بدولت نہ صرف کافذ کے ہزاروں صفحے جگمگا رہے ہیں۔ بلکہ بہت سے تاریک دل و دماغ روشن ہو گئے ہیں۔ اور جن کو لوگ انبات و اہتاج کی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں ۱۲ منہ ۶

افسوس ہے کہ ہم حالت سفر میں ہیں اور ان رسالوں میں سے کسی کی کوئی جلد یہاں موجود نہیں ہے۔
وزنہ ایک سال کی فہرست مضامین مبع کر دینے کے بعد ہیکو کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اگرچہ ہیکو شیخ خلیفہ در صاحب ایڈیٹر مخزن سے نیاز مندی اور ایک گونہ عقیدہ ہے اور ہم
اوپنی سچی عزت کرتے ہیں اور اون کے مفید کاموں کے لئے دل سے شکر گزار ہیں۔ تاہم اس کا
نتیجہ یہ نہ ہونا چاہئے کہ کسی خاص امر کی نسبت ہم اپنی اہلی اور بے لاگ رائے ظاہر کر نیسے۔ ہمارے
مخزن ہمیشہ اولیت بلکہ اہمیت کا مدعی رہا ہے اور اپنی اولیات کی پوری تفصیل نہایت
فحش کے ساتھ شائع کر چکا ہے۔ ہم اسکی اولیت اور اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن صاف صاف
کہتے ہیں کہ وہ ہدایت کی بجائے گمراہی کا امام ہے۔ اس نے خود غلط راستہ اختیار کیا اور اسکی
تقلید میں دوسرے گمراہ ہوئے۔ جس جماعت پر تمام قوم کی نظر پڑتی تھی۔ اور جس سے امید ہوتی تھی
کہ قوم کی یہودی اور اصلاح حال میں کوشش کرے گی اور کو مخزن نے لاعلم مضامین اور بیجینی
لفظی میں مصروف کر دیا۔ اور مفید کاموں سے باز رکھا۔ زمانہ کے اثر سے لوگ حُسن و عشق کی رام
کہانی اور گل و بلبل کی داستان فراموش کر چلے تھے۔ رنگین اور مبائلہ میز طرز تحریر کو ناپسند
کرنے لگے تھے مگر مخزن کے وجود میں آتے ہی معاملہ برعکس ہو گیا خفیف دگر فریب (دہ)
تبدیلی کے ساتھ وہی باتیں پھر زندہ کی گئیں۔ پُرانی تصویروں پر نیا رنگ و روغن چڑایا گیا۔ پہرہ
تھا۔ حریاروں اور قدردانوں کا ہجوم ہو گیا۔ پرانے افسانے یاد آ گئے۔ اب جبکو دیکھو پچاس
برس پہلے کی باتیں کرتا ہے !! اور دعوے یہ کہ ہم مصلح اور رہنما ہیں !!!

حقیقت یہ ہے کہ نہایت سنج اور مایوسی ہوتی ہے۔ اور سنج مایوسی کے ساتھ مذاقت ہوتی
ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ ایک طرف جدہ جہد کا بازار گرم ہے۔ دوا نشمن اور باہمت قومیں بڑے
سے بڑے سوشل اور پولیٹیکل مسائل پر عملدرآمد اور قابلیت کے ساتھ بحث کر رہے ہیں۔ اور اپنی
اصلاح حال اور حفاظت حقوق میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہیں۔ اور نہایت مردانہ ہمت
کے ساتھ مقابلہ کے میدان میں برابر آگے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ اور فتح پر فتح حاصل کر رہے
ہیں !! اور دوسری طرف ہمارے نازک خیال اور خوش تحریر نوجوانوں کی ہمت و پختہ اور
کرتی پر مضامین لکھنے میں ختم ہو رہی ہے !! فاعبر وایا اولی اللالب لب کلم تفلون

نوٹ۔ ہم اپنے لائن دوست کا یہ مضمون اون کی خاطر اور پبلک کے فائدہ کی غرض سے چھاپ
 دیتے ہیں مگر اس کا جواب بھی اس شعر میں دیتے ہیں۔
 ہر کے ماہر کار سے ساختہ
 سیل آں اندر دلش انداختہ
 سب یکساں سنجیدہ۔ مفید۔ عملی۔ یازد و رندیش نہیں ہو سکتے جیسے کہ سب رنگین مزاج۔ شاعر۔
 یار منش۔ خوش طبع نہیں بن سکتے۔
 گل لائے رنگ رنگ ہے رونق چین
 اے ذوق اس جہاں کو زیبا حلقہ ہے
 ہاں زمانہ کی ضرورت کر۔ وقت کی مصلحت کو معاشرت کی حالت کو طبیعتوں کے رجحان کو اور اصلاح
 کے مفید پہلوؤں کو دیکھنا اہل دانش کا فرض ہے۔ مگر ہمارے لائق اور مغز معاصرین رجن سے بکو
 ندراسی کہ نہیں ایک حد تک لوگوں کے مذاق سے مجبور ہیں اور زبان حال سے فرما دیتے ہیں۔
 چہ تو اں کر در دمان آیند۔ فقط ایڈیٹر۔

مراسلات

مسلمانوں کے اخبارات و مسلم پریس کانفرنس

مسلمانوں کے اخبارات کی مصلح کی غرض سے مسلم پریس کانفرنس قائم کی گئی تھی جس کے دو
 جلسے ہوئے ایک جلسہ ابتدائی محض قائم کرنے کی غرض سے ہوا۔ اور دوسرا جلسہ جو سال گذشتہ میں
 ہوا وہ ابتدائی جلسہ کا تتمہ تھا۔ کیونکہ کسی قسم کی کارروائی اس سال نہیں ہوئی۔ ادیرا خیال تو یہ ہے
 کہ اگر سال بھی کوئی جلسہ کانفرنس کا ہوا تو وہ تتمہ بھی نہ ہوگا بلکہ ایک نئے سہ پہلے رزولوشن پیش ہو کہ
 شہنشاہ افسوس کے ساتھ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ قوم میں کہیں ایسی کانفرنس کے چلانے کی
 صلاحیت نہیں ہے لہذا یہ کانفرنس بند کر دی جائے۔ " فاعتبروا یا اولوا الالبصار۔

خیر نتیجہ جو چونکہ مہینہ بعد ظاہر ہو جائیگا۔ مگر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے عہدہ سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے چند ماہ پیشتر اعلان کر دوں۔ کیونکہ اقل تو میں خود اس مہینہ میں نہیں رہ گیا (چونکہ چند روزوں کے لئے ہمدرد بند ہو گیا ہے۔ اس لئے اب ادیسری کی حیثیت سے فی الحال مجھ کو کوئی تعلق نہیں ہے) دوسرے اگر یہ تعلق ایسے کام سے ہوتا بھی تو میں سبکدوش ہو جاتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ میرا سکرٹری ہی ہونا اسکو قسم کی خرابی اس کام میں پیدا کر رہا ہو اور کوئی دوسرے صاحب اس کام کو مجھے زیادہ عہدگی سے انجام دیکھتے ہوں۔

اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہے کہ ہمارے اردو اخبارات بہت کچھ اصلاح کے محتاج ہیں اور ان کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان کی ایک ایسی کمیونیشن خاص نہ ہو۔ اور جو کہ ان کے اوپر ہر طرح کا اخلاقی دباؤ ڈال سکتی ہو۔ اکثر اخبارات ہم سے اس بات کو نہایت تعجب کے ساتھ دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایسی ایسی کمیونیشن قائم بھی ہو سکتی ہے (ہم اسکا جواب صرف اس قدر دینا چاہتے ہیں کہ ایسی کمیونیشن مذکور آپ ہی حضرات کی ہے۔ اور اس جسم کے اعضاء آپ ہی لوگ ہیں۔ اور اگر آپ لوگ اس میں شامل ہو جائیں تو میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلم پریس کانفرنس قائم ہو کر رہے گی۔ اور عملی کام کرے گی۔

چونکہ میری رائے میں مسلمانوں کے صرف حسب ذیل اخبارات قومی معاملات میں ایک متحد پالیسی رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان لوگوں کو بار بار اس جانب توجہ دلائی۔ مگر ان لوگوں نے یا تو سکوت کیا یا یا یوسی سے بہرہ اموجا جواب دیا۔

انسٹیٹیوٹ گرنٹ۔ وکیل۔ وطن۔ عصر جدید۔ البشیر۔ ذوالقرنین۔ قومی پھل۔ چودہویں صدی پبلشرز۔ انسٹیٹیوٹ گرنٹ اور وکیل سے جو جوابات آئے ہیں وہ درج ہیں۔

(۱) میرے خیال میں مسلمانوں میں نہ اس کانفرنس کے چلانے کی قوت ہے اور نہ ہی خیال۔ اس لئے اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

محسن الملک۔

(۲) ”مہربانی فرما کر مطلع فرمائیے کہ کن کن اخبارات کو آپ مسلمانوں کا اخبار سمجھتے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک مسلمانوں کے اخبار ہونے کا یہ معیار ہے کہ اسکا پروپرائیٹر مسلمان ہو جن اخبارات کو آپ مسلمانوں کا

اخبار سمجھ رہے ہیں۔ اسکی نسبت مجھے ہرگز توقع ہی نہیں کہ ان میں کسی قسم کی اصلاح ہو سکتی ہے یا فوجی معاملات میں ایک متداول کے پابند ہوں گے۔ خدا کے لئے اس سودائے خام کو چھوڑیئے۔ سب سے پہلے مسلمانوں میں آدمی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ پہلا اخبار بنائیئے۔ اسکے بعد پریس کانفرنس قائم کیجئے۔ ہمارے اخبار محض دریہ معاش ہیں۔“

نیاز مند خاکسار

وطن۔ نے کسی قسم کا جواب نہیں دیا نہ اوس نے ہماری رویداد کو شایع کیا نہ دستور العمل کو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسکو ہندوستانہ اختلاف ہے۔

اڈیسٹران البشیر و ذوالقرنین لکھنؤ کے جلسہ میں شامل تھے۔ اور انہوں نے میری بھی قبول کی تھی مگر اس جلسہ کے بعد انہوں نے اس قدر سکوت کیا کہ خطوط کے جواب تک نہ دیئے۔ چودھویں صدی۔ اور قومی کھیل نے البتہ ہمارا کچھ ہاتھ بٹایا اور بذریعہ تحریروں کے بہکودقتاً وقتاً مشورہ دیتے رہے۔

ہم اڈیسٹ صاحب عصر جدید کے خاص طور سے مشکور ہیں جو کہ برابر ہمارے خطوط کے جواب دیتے رہے اور اپنے قیمتی مشورہ سے آگاہ کرتے رہے۔

ہم اس بات کو دعوئے سے کہتے ہیں کہ اگر ہمارے ہمراہی ہماری تائید کرتے۔ اور پریس ایسوسی ایشن کی تائید میں آرٹیکل لکھتے اور اڈیسٹ صاحب جدید بہکودقتاً وقتاً مشورہ دیتے رہتے تو ایک سال کے اندر میں ہماری کانفرنس بہت کچھ کر سکتی۔ غرض کہ ہماری کانفرنس کا برا اور اصلی مقصد اصلاح اخبارات کا تھا مگر افسوس کہ ہمارے دوستوں کی بے توجہی سے یہ مقصد پورا نہ ہوا۔ اب تو میری بھی خواہش ہے کہ کانفرنس قائم رہے۔ امیدوارانین اسکو عملی حالت کے لانے میں کامیاب ہو۔

میں اپنے ہم جلسوں سے بہت شرمندہ ہوں کہ میں بھی شل باقی سکرٹری کے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکامیاب رہا امید ہے کہ میرے دوست مجھ کو معاف فرمادیں گے۔

خاکسار۔

جال احمد سکرٹری مسلم پریس کانفرنس۔

(ب) انجمن اسلامیہ مظفرنگر

بخدمت جناب سکرٹری صاحب شعبہ صلاح

جناب من تیلیم۔

۱۹ اگست ۱۹۵۰ء کو شاہ مصطفیٰ احمد صاحب کانفرنس یسٹ منٹن مظفرنگر میں ایک انجمن قائم کی۔ جو ممکن
ایک نیشنل کانفرنس کی شائع ہے۔ اور چونکہ اس کا تعلق آپ کے شعبہ سے ہی ہے اسلئے اس کی کارروائی اور
اس کے مقاصد کی اطلاع آپ کو کرنی ضرور ہے۔ اس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:-

۱۔ مسلمانوں کو تعلیم کی ترغیب دینا اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اپنے بچوں کو مکاتب یا

مدارس میں بھیجیں۔

۲۔ جن بچوں کی عمر تعلیم حاصل کرنیکی نہ رہے اور انہیں کوئی کام یا پیشہ اختیار کرنیکی ترغیب دینا۔

۳۔ مسلمان جو بالعموم شادی اور غمی میں اپنی حیثیت سے زیادہ صرف کرتے ہیں جس کا نتیجہ اکثر قرض داری
اور بالآخر تباہی ہوتا ہے اور انہیں کم صرف کرنے کی ترغیب دینا۔

چنانچہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر جمعہ کی شب کو دو مندرجہ ذیل مسجد واقع مظفرنگر میں اس انجمن کا
جلسہ ہوتا ہے جس میں صلاح کے متعلق عصر جدید۔ تہذیب الاخلاق اور دیگر قومی کتابوں میں سے
مضامین پڑھے جاتے ہیں اور زبان مفید تقریریں ہوتی ہیں۔ عملی کام شروع کرنے کے لئے مسلمان بچوں
کی تعلیمی مردم شماری بھی کی جاتی ہے جس سے اندازہ ہو کہ کتنے لڑکے میکا اور کتنے لڑکے ایسے ہیں
جو بالکل نہیں پڑھتے۔ اسراف کے متعلق بھی عملی کام پیش ہوتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ جلسہ میں
سید حسن احمد صاحب نے بیان کیا کہ ایک سید اپنی جائیداد فروخت کر کے شادی میں صرف کرنے
والے تھے مگر میرے عرض کرنے پر انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس سے پہلے فشی محفوظ خاں
صاحب نے اسی طرح ایک شخص کا ارادہ بدلا تھا۔ اور نصیر الدین نے ایک شخص کو کام پر لگایا۔

انجمن کے متعلق ایک اخبار بھی کھول دیا گیا ہے جو بازاری میں ہے۔ اور جس میں جملہ قومی اخبارات

عوام کے پڑھنے کے لئے رکھے رہتے ہیں۔ اور کسی قسم کی فیس نہیں لیجاتی۔ انجمن کے ممبر قومی کتابیں لوگوں کو دکھانے کا کام بھی کرتے ہیں جو ایک نہایت مفید کام ثابت ہوا ہے۔ بالعموم مسلمانوں کو اپنی حالت کا احساس نہیں ہے مگر قومی کتابیں پڑھنے سے جب مسلمانوں کی فہمی کا پورا نقشہ سامنے پہنچ جاتا ہے تو خود بخود اپنی حالت درست کر لینگی رغبت ہوتی ہے۔ اول تو ملک میں علمی مذاق بہت کم ہے۔ اور جو ہے وہ قصہ قصایں یا ایسی کتابوں پر محدود ہے جو زندگی کی سخت کشمکش میں ذرا ابھی کار آمد نہیں ہوتیں بلکہ اندیادہ ناچار اندیشی اور غفلت سکھاتی ہیں اسلئے ہر شخص کے لئے جو کچھ کرنا چاہتا ہے سب زیادہ سہل اور سب سے زیادہ مفید کام یہ ہے کہ اپنی مفید کتابیں اپنے لئے والوں کو دکھائے اور تاکید کر کے واپس لے لیں۔ تاکہ پھر دوسروں کو دے سکے۔

انہیں مقام صلیب ٹیکمیل کے لئے۔ اور اور اس ستمبر کو مولوی غلام محمد صاحب مولوی غافل ہوشیار پوری نے وعظ بیان فرمایا۔ ان صاحب کربل کے احوال میں شامیل نے نصب ہو گئے تھے۔ حاضرین کو جو بہت کثرت سے تھے جاہلانہ رسوم اور فضول خرچی ترک کرنے کے لئے جناب مولوی صاحب مدوح نے مفصل تقریر فرمائی۔ اور زمانہ حال کی ضروریات سے واقف کیا۔ اور تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔

سمت صدر کی بات ہے کہ ہمارے علماء جبکہ ہاتھ میں تمام مسلمانوں کی باگ ہے ضروریات زمانہ سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اسی وجہ سے مسلمان بحیثیت مجموعی غافل ہیں۔

اتجہ یک ندوۃ العلماء سے بھی کوئی جماعت تیار ہو کر نہیں نکلی۔ کیونکہ اسکے انتقاد کو اتنا زمانہ نہیں ہوا کہ کامل علماء تیار ہوتے۔ اب چند مقدس نفوس کے سوا کوئی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو مذہبی جذبات کی تحریک کے ساتھ عوام الناس کو کامل ذہنی ہدایت بھی دے سیکے۔ چند بزرگوں کے جو اس کام کے اہل ہیں۔ جناب مولوی غلام محمد صاحب مدوح بھی ہیں جو باوجود ضعیفی کے اپنا وقت ایسے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ ایسے بزرگوں کو عرصہ تک ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ فقط

ذات
ذی الحجہ سکرٹری انجمن اسلامیہ مظفرنگر۔

ماہ گزشتہ

شہادت کی آتش بازی

ہمارے دوست ایڈیٹر صاحب البشیر (پریچر مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۹ء) میں افسوس کرتے ہیں کہ آتش بازی عیسوی مفسر مہلک اور فضول خرچی کی رسم شہادت میں کثرت ہے، تاہم مگر اسکی طرف نگاہ نہ کرنا تو بوجہ ہے نہ انجمن صلاح تمدن! باوجود اس میں میونسپل کمیٹیوں اور پولیس کا کام ہے کہ انتظام کرے لیکن دلوں کی اصلاح مذہب اور حاکمان مذہب کا کام ہے۔ افسوس ہو کہ وہ سوچ رہے ہیں۔ اور یہ کہ ہر بات کو مالدیتے ہیں کہ ہماری سنتا کن ہے۔

انجمن صلاح تمدن نے بہت زور اور وضاحت کے ساتھ ہر قسم کی فضول خرچی کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا ہے مگر اب بھڑک رہا ہے کہ فضول خرچی طبیعت کی اس حالت کا نتیجہ ہے جس کو دوسرا نام بد مذہبی اور لامذہبی ہے۔ جو لوگ سچے دل سے خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہیں جن کا یقین ہے کہ اس زندگی میں کوئی چیز باقی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے بندوں کے اور اپنے فائدے سے یعنی بہترین استعمال کے واسطے امانت ہے۔ یہ وہ ایسی تعلیمات میں کبھی نہیں پڑ سکتے۔ میں ادب اور اصرار کے ساتھ تمام ممبران صیغہ اور اوان حضرات سے جوہر کی نظر سے یہہ رسالہ گزرتا ہے عرض کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے اس بد رسم کو مٹانے میں کوشش کریں۔ یہ سچ ہے کہ یہ سطور شہادت کے بعد مذاہبن کے سامنے جا دیں گی لیکن سال بھر تک لوگوں کو سمجھانے کے لئے خامدہ وقتہ باقی رہے گا۔ فقط

نئے پیچیدوں کا طیش

ہم نے اگست شمارے کے پریچر میں ایک سرسری نظر قارئین کی فحار کیا ہے پر کی تھی۔ اس سے پہلے مدرسۃ العلوم۔ انجمن حمایت اسلام۔ علمائے شیعہ و سنی۔ مدوۃ العلماء و صوفیاء سب پر رائے اور مذہبین رائے دی جا چکی ہو سب اچھی نصیحتوں کو خوشی سے سنا اور خلاف طبع باتوں پر صبر کیا۔ مگر حضرت مرزا صاحب و دانی لقب بہ ولد اللہ اور جو خدا سے مقام توحید اور تفرید (یعنی یگانہ ہونے میں) برابری کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے حواریوں میں اس مضمون سے عجیب گہرا ہٹ اور پریشانی پیدا ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ضعیف

مرزا نیل نے تحقیق حق شروع کر دی ہے اور مضبوط طبیعت لوگوں پر عرب حق اس قدر غالب ہوا کہ وہ دیوانہ وار اول قول بکنے لگے ہم نے دسمبر ۱۸۸۷ء کے عصر جدید میں الحکمہ قادیان پر یولیو کرے وقت لکھا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی تحریر و تقریر میں لفاظی بہت تکرار ہے حد اور فصاحت بلوغت ہے لیکن مطلب کم ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جملہ اہل قلم میں یہی عیب سرایت کر گیا ہے ہمارے ایک نایق دوست نے جوابی ۱۰۱۰ اور وکیل چیف کو رٹ اور اس فرقہ کے قانونی مشیر ہیں۔ ایک مضمون ہمارے جواب میں الحکمہ کے بڑے چوالیس کالوں میں بطور تہنید چھاپا ہے۔ اگرچہ ابھی تک کام کی باتیں کم ہیں تاہم ان کے مضمون ختم ہونے پر ہم اندہ کسی پرچہ میں لکھیں گے کیونکہ اس میں نسبتاً تہذیب پائی جاتی ہے۔

ہمارے ایک دوسرے دوست ہیں۔ یہ شاعر ہیں اور ایف۔ اے تک علی گڑہ کالج میں پڑھ چکے ہیں۔ اور وہ اس سے پہلے خاصے مہذب انسان سمجھے جاتے تھے۔ اس مضمون کو پڑھ کر کابل پرچہ البدن دومرہ ۶ اکتوبر ۱۸۹۰ء میں انہوں نے گالیوں کا طواغیت پر باندھا ہے۔ ہیجڑا۔ کمرور داغ۔ حاسد۔ دلال۔ گورنمنٹ کا باغی۔ ان کے چند نرم خطاب ہیں اور چونکہ اس مضمون کو کہنے کے لئے میرٹھ سے قادیان تک کا سفر گوارا کیا گیا۔ اور آسمانی نشان کی دہکی دی گئی۔ اس لئے ہم اس مضمون کو خاص توجہ اور غور سے پڑھا ہم پر تو آسمانی نشان اس مضمون سے پورا نا ہر ہو گیا جو تحریک ایک تعلیم یافتہ اور مہذب ملاقاتی کو اس درجہ شریف دلا بنا دے۔ اور جس تحریک کے مدینہ میں ایسا مہذب مضمون لکھا جا کر غریب شائع ہو وہ تحریک ضرور خدا کی طرف سے ہے۔ مگر وہ خدا کی طرف سے اسی معنی میں ہے جس معنی میں شیطان اور طاغوت اور خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی اس تحریک سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹوں کی پیروی انسان کو کتنا گرا دیتی ہے۔ اور نور سے تاریکی میں ڈالتی ہے۔ اور اللہ ولی الدین آئنا یختر جہم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیائهم الطاغوت۔ یختر جہم من النور الی الظلمات ہمارے نزدیک ایسے مضامین کا جواب دینا کاغذ و سیاہی کا خاکل نہ کرنا ہے کیونکہ کوئی ذہنی خوش مسلمان بلکہ مرزائی بھی مسٹر گوہر شاعر الامت کے مضمون کو ہمارے یولیو کا جواب نہیں کہہ سکتا۔ اس مضمون نگار نے قبول کیا ہے کہ بیشک سب مسلمان جو مرزا صاحب کے خلاف ہیں اور جہاد کو بٹا نہیں کہتے ان کو غارت اور تباہ ہو جانا چاہیے۔ اور پچھانسی ملنی چاہیے۔ بات تو

معتدل ہے۔ اچھا ہو اگر مرزا صاحب کو پرانہ خیر خواہی مل جاوے۔ اور پونے چھ کروڑ مسلمان قتل کر دیں جو اب تک آئندہ کو جھگڑا ہی جاتا رہے۔ یہ جو کسی کسی مسلمان کو حضرت مرزا صاحب کی بد بانی انبیاء اولیاء پر غصہ آجاتا ہے وہ بھی باقی نہ رہے گا اور پھر یوں واقعہ کرشن علیہ السلام کو رہے گا کہ قرآن کو چھوڑ کر ایک پرانے تباہین اور سیدھے سادے ہندوؤں سے براہین کرشنیہ لکھ کر لاکھوں روپیہ وصول کر لیں۔ خیر ہم اس سب انبار پر خضر روپو پہر کبھی کریں گے۔

سکرما یہ روپیہ فنڈ

میر جعفر حسین صاحب نے یہ تجویز دو تین سال ہوئے اپنے دماغ سے نکالی تھی کہ ہر مسلمان سے ایک روپیہ سرسید کی یادگار میں دیا جاوے اور علیحدہ کالج میں دیا جاوے۔ اور کتنا خیال یہ تھا کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد سے ایک لاکھ روپیہ ایک سال میں ضرور جمع کر دیں گے۔ مگر دو سال میں نہراؤ وقت سے بچیں نہراؤ روپیہ وصول ہوا یہ بھی اس جری سید کی ہمت تھی۔ اب ہمارے دوست ظفر عرصا صاحب بی بی نے اس فنڈ کے سکرٹری شپ کا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ کیونکہ اتفاقاً میر جعفر حسین صاحب کی کام میں بالکل عظیم الفرصت ہو گئے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں سے روپیہ کیا ہے کہ اس فنڈ کو عرصا صاحب کی کانفرنس میں بند کر دیا جاوے یا جاری رکھا جاوے۔

بہت سے لوگ کہیں گے کہ ضرور جاری رکھو لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ اس فنڈ کے لئے اس قدر محنت بھی کریں جس قدر میر جعفر حسین صاحب نے کی ہے تب بھی یہ فنڈ صرف چھوڑنے کی رفتار سے آگے چلیگا اور بہت سی محنت برباد جاوے گی۔ ہمیں دو پہل قصور نہ ملے گی کالج کا ہے۔ نہ وہ روپیہ فنڈ کے سکرٹری باقی رہا بلکہ قصور ہمارا اپنا ہے۔ قصور ہمارا غلط اصرار کا ہے۔ قصور اس غلط خیال کا ہے کہ لوگ بغیر خوف خدا یا بغیر صحت قومی جوش کے ایثار پر آمادہ ہو جاویں گے۔ جب تک مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے کی کوشش نہ کی جاوے گی۔ اور جب تک ہم لوگ جو قوم اور اسلام کا نام لیتے ہیں بے ریا اور سچے مسلمان بنکر نمونہ نہ دکھاویں گے جب تک اس آیت شریف کو نہ سمجھ جاویں گے کہ ”تم تنہا تم نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو“ جب تک حال شدہ ہو کر کوئی اسلامیات اور کفایت کے واسطے خرچ نہ کیا جاوے گا۔ ان فرض جب تک اصلاح ایک لفظ نہ لگاؤ اس وقت تک قوم محض ایک نام ہوگی اور ان سب کوششوں کی ابتدا وہ ہو گا دینے والی امید اور انتہا دیاؤں کو کرنے والی آہ ہوگی۔ یا ایہا الذین امنوا امنوا۔ اے ایمان والو۔ ایمان لاؤ۔ فقط

نواب محسن الملک بہادر ہلکواس بات کے معلوم ہوئے بہت افسوس ہو کہ نواب صاحب میری

میں سخت بیمار ہیں۔ حالانکہ ایک خانگی خط سے قدرے آرام معلوم ہوا تھا۔ قوم کو نواب صاحب موصوف کی اشد ضرورت ہے۔ ادن کے سو اکوٹی کام کو نبھانے والا نظر نہیں آتا اور جو لوگ کسی زمانہ میں خواہشمند تھے کہ علی گڑھ کی وزارت ادن کو ملے بوجہ ضعف یا زیادتی کام وہ بھی اس بوجھ کو لیتے نظر نہیں آتے۔ محسن الملک بہادر کی قدر قوم کو روز بروز زیادہ ہوتی ہے۔

جاپان میں اشاعت اسلام میں اس سے پہلے جاپان یا امریکہ میں اشاعت اسلام کے متعلق اپنی رائے خلاف لکھ چکا ہوں۔ خود ہندوستان میں ایک کٹر مسلمان ایسے ہیں جو صرف رائے نام مسلمان ہیں اور احکام الہی سے نابلد ہیں اور چار کرٹوں دیگر احکام اسلام پر بظاہر عمل کرتے ہیں۔ بالفاظِ اکل بے پرواہ ہیں میرے نزدیک سے اول علماء میں خلوص پیدا کرنا چاہیے۔ پھر ہندوستان کے مسلمانوں میں ملی تحریک اصلاح اور صداقت کی پھیلائی جائے۔ جاپان اسلام کی فکر بھی قبل از وقت سے چند انگریزی خوال ہندو سادھوں کی مثال سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ ماس کی بڑی کامیابی کی امید اس وقت تک فاضل ہے جب تک مسلمان ادن سے بہتر نمونہ انسانیت اور علمیت اور روحانیت کا ان کے مذاق کے بموجب نہ دکھاسکیں۔

اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ اور اشاعت دین اندرون ملک ہونی چاہئے۔ وہ زمانہ خود بخود آئے گا جبکہ تو میں اس طرح دائرہ اسلام میں آتی جلی جاویں گی جس طرح پودے شمع کی طرف ہر طرف چلتے ہیں۔ اخباروں میں اس بات کا چرچا ہے کہ مدرسہ علوم میں شاف جلد بدلتا رہتا ہے۔ خاصکر ویسی پروفیسر اس میں کچھ شک نہیں کہیں خرابی کا انتظام بہت ضروری ہے۔ خاصکر ویسی پروفیسر کی ترقی کے مراح قائم ہونے چاہئیں۔ تقریراتی لیاقت کی وجہ سے ہونا چاہئے کہ سعی و سفارشیں بامش لباس کی وجہ سے یہ بہ بھی ضرور ہے جیسا کہ تفصیل ائمہ صاحب نے کسی گزشتہ نمبر علی گڑھ منتقلی میں لکھا تھا سادگی اور کھائیت شعاری کی عادت طلبہ میں ادنیٰ جاوے اور صداقت پیدا کیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے عزیز طلباء سے مدرسہ علوم کم عقل مردوں یا کمزور عورتوں کی طرح نازک مزاج بن کر بُرا نہیں گئے۔ مگر باہمی نہیں تب بھی میں اس بات کو کہنے سے باز نہ رہوں گا کہ ادن کو مضر پارٹی

علی گڑھ کالج کا اسٹاف
اور طلبا

سپرٹ میٹر کر اتنا ہی کھینچا جاتا ہے۔ ساوکی اور صداقت اور علیت کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے
 تاکہ مغربی فیشن، بالکس اور برسرہی خواندگی کو۔ وہ تمام قوم میں مثل خمیہ کے ہیں۔ اگر خمیہ ہی خراب
 اور تعلیم ہی اپنا پورا اثر نہیں کرتی تو قوم کی کوششیں بیکار ہیں۔
 باوجود اس نکتہ چینی کے میرے نزدیک اس وقت کوئی تعلیم گاہ مسلمانوں کے لئے علی گڑھ سے بہتر
 بلکہ اس کے برابر بھی نہیں ہے۔

دس لاکھ کا عطیہ
 مدرسہ کے کسی طالب علم کے متعلق یہ خبر سب نے عام شائع ہو چکی ہو کہ انہوں نے
 رنل آف ویلز کی یادگار میں رقم حاشیہ اسلامی کالج بنانے کے
 لئے دی ہے۔ یہ خبر ایسی ہی پیش از وقت جیسا ضلع علی گڑھ کے ایک مغربی نے اپنی دس ہزار روپے کی
 جائیداد وقف کر نیکارادہ کیا تھا۔ ارادہ اچھی چیز ہے۔ مگر ایسا دس سے بہتر ہے۔ روپیہ ملنا مبارک ہے۔ مگر انسان کا بہم
 پہنچنا سارے ہے۔ تعلیم کا یہ سب مفید ہیں مگر تعلیم کی غرض نجات کا سمجھنا اور صحیح اصول اور طریقہ کی تعلیم اور بھی
 مفید ہے۔ ایک کمال شخص مثل محمد عبیدہ مرحوم کے اگر ہر کی ایک ناقص اور بڑی تعلیم گاہ سے بہتر ہے۔ فقط
 ہمارے پاس مفصلہ ذیل کتب وصول ہوئی ہیں:-

- (۱) کتاب الایمان - صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ اخبار کمال امرت ریت ۶۔ سید محمد علی صاحب مولوی قاضی
 پروفیسر زمرہ سیرکالج کپورتھلہ نے یہ مفید کتاب زیادہ تر قرآن شریف کی آیات سے ماخوذ کر کے لکھی ہے۔ اور
 ایمان کے مختلف درجہ اور کیفیتیں آیات قرآنی سے نقل کی ہیں۔ ترتیب چھاپہ کا فہرست بچھا ہوا۔
 بعض استدلال مثلاً معنی اولوالاھر میں ہکولائق مؤلف سے اختلاف ہے کتاب پڑھنا اور کتابانی میں لکھنے کے قابل ہے۔
- (۲) تاریخ الخلفاء - علامہ سیوطی کی شہور عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں خلافت حضرت ابوبکر صدیق
 سے لیکر سات سو پہلی کے آخر تک کے حالات ہیں۔ چھاپائی اور کاغذ برا نہیں اور قیمت بلحاظ حجم (عروپیہ) ۱۰ روپے
- (۳) عشرہ کاملہ - (فارسی) اس میں مولوی سید علی صاحب حائری نے دس اختر افضل کا جواب
 فرقہ امیہ اشاعتیہ کی طرف سے دیا ہے۔ پُرانے قسم کے مناظر میں یہ کتاب اچھا درجہ رکھ سکتی ہو۔ جوابات
 بلحاظ الزامی ہونے کے پُر زور ہیں (قیمت ۸ روپے) - موچی دروازہ لاہور کے پتہ سے مصنف سے ملے گی۔ فقط
- (۴) دیوان غالب مع شرح - مختلف سید فضل الرحمن صاحب حیرتی جی۔ ۱۔ ۷۔ ایڈیٹر اردو مکتبہ - عصر جدید کی نصف
 تقطیع - صفحات ۲۲۳۲ قیمت ۷ روپے سراسر بے نظیر دیوان کی یہ شرح نہایت مفید ہے۔ اس شرح میں بہترین ہوتی ہے

حدوث مادہ کا نمبر

عصر جدید

ایک ماہانہ ریویو
مقاصد

مسلمانوں کو ایک عملی سنجیدہ اور کفایت شعار قوم بنانا
انڈیا پر خوجہ غلام الثقلین سکریٹری اصلاحیہ

جلد ۳ نمبر ۱۱۲
نومبر و دسمبر ۱۹۰۵ء
فہرست مضامین دوسری طرف

صرف ایک چیز اٹھو دینا دین میں سرخ رو کر سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں رکھ کر سچی بات سننے کے لئے تیار رہیں اور اپنے مذہب کو عمل کی شکل میں ظاہر کریں غور یا شیخی یا پتہ ہمتی انسانیت اور اسلام دونوں سے نکال دیتی ہے۔ عصر جدید کا منشا یہی ہے کہ مسلمانوں میں باہمی نزاعات کی جگہ متفقہ حرکت رستی کی جگہ محنت، فضیلت کی جگہ کفایت پیدا کرے

مکتبہ خادیم بنیاد امرتسر میں باہتمام منشی نبی بخش صاحب چھپا

اصول صیغہ اصلاح

۱۔ اصل و اعتدال یعنی میانہ روی۔ پرہیزگاری۔ سادگی۔ ۲۔ کفایت شکاری۔ یعنی اسراف و اسرافیت سے بچنا۔ دولت کا صرف مفید کامن میں خرچ کرنا۔ ہمت اور نائش کے خرچ کو کم کرنا۔ ۳۔ سعی و محنت۔ لگدر لگی بیکاری۔ کم ہمتی کو قابل نفرت سمجھنا خود کام کرنا دوسروں کو کام سے لگانا۔ ۴۔ اتفاق۔ نیک مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ملکر کوشش کرنا مسلمانوں میں فضول جھگڑوں کو دور کرنا۔

فہرست مضامین نومبر و دسمبر ۱۹۰۵ء

(۱) حدود مادہ۔ (۲۲۶) خواجہ غلام الفطین بی۔ ای۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ دیکل ٹائی کورٹ۔

(۲) مسلمانوں کا تمدن (۲۲۸) مولوی احمد حسین شوکت مجدد السنہ مشرقیہ۔

(۳) دیسی گاریگروں کی مداد (۲۵۲) ابوالخا دمعزت حسین بی۔ اے (علیگ) دیکل ٹائی کورٹ۔

(۴) قول فیصل (۲۵۴) خواجہ لطیف احمد بی۔ اے (علیگ) پانی پتی ممبر صیغہ

(۵) دیسی شیار کا استعمال تیار ہو۔ (۲۵۶) سید قبول احمد ممبر صیغہ (فنگلہ)

(۶) کفایت شکاری اظہار علمی۔ (۲۵۹) شمس محمد رفیق۔ انجینئرنگ کلاس رٹکی ممبر صیغہ۔

(۷) پیری و مریدی (۲۶۲) شری ناز احمد مصنف رسالہ خیرات ممبر صیغہ

(۸) عصر جدید کا اثر (۲۶۷) قاضی محمد الدین۔ نصیر آباد ضلع خاندیس (ممبر صیغہ)

(۹) شب بارات کو اسراف (۲۷۰) سید علہد احسین واسطی۔ (ممبر صیغہ)۔

(۱۰) سندھ اور اس کے مسلمان (۲۷۶) ایک گریجویٹ ممبر صیغہ۔

(۱۱) رسوم مذہب (۲۸۲) سید خیر الدین سہسرای۔ ممبر صیغہ

(۱۲) رپورٹ انجمن اصلاح بمبئی ۲۲ (۲۸۶) سکریٹری صیغہ

(۱۳) اصلاح (۲۹۱) منشی سید عبدالکیم صفوی۔

(۱۴) ماہگر نشہ و کتب (۲۹۵) ایڈیٹر

(۱۵) عصر جدید کا ختم سال (۵۰۰) ایڈیٹر

اطلاع۔ صاحبان اخبارات تبادلہ ٹائٹل صفحہ کی ضروری اطلاع کے بموجب اخبارات و رسائل و جرائد فقط
مجموعہ

عصبہ

حدوث مادہ

تمہید

خدا کی ہستی جب سے انسانوں نے غور کرنا شروع کیا ہے۔ قریبا سب لوگ مانتے آئے ہیں کہ اس دنیا کا کوئی خالق ضرور ہے۔ کیونکہ آدمی جب اپنے دل میں سوچتا ہے تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ میں جو موجود ہوں میں نہ آپسے آپ بلا سبب پیدا ہو گیا ہوں اور نہ خود میں نے اپنے تئیں پیدا کیا۔ بلکہ مجھ پر کوئی بڑی اور اعلیٰ قوت ہے کہ میں موجود ہوا ہوں۔ +

سب اس قوت کے وجود کو مانتے لیکن اسکو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ دہی ہستی ہے جس کو اللہ۔ خدا۔ پریشیر۔ خالق۔ واجب الوجود۔ علت العلل۔ مدوح عالم کہتے ہیں۔ +

جو لوگ دہریتہ کہلاتے ہیں وہ بالکل ایسے ہیں جیسے انسانوں میں فائر العقل اور مجنون ہوتے ہیں۔ یا نابینا۔ یا ایک آنکھ والے۔ یا دوسرے والے۔ ایسی ایسی شاذ مثالوں سے قاعدہ کلیہ میں فرق نہیں آتا۔ +

مادہ اور خدا زمانہ سابق الدین زمانہ حال کے حکما میں باہم اس امر میں اختلاف رہا ہے کہ جس مادہ سے یہ دنیا بنی ہے وہ مادہ ہمیشہ سے خود بخود موجود ہے۔ یا خدا نے اس کو موجود کیا جو لوگ قدامت عالم یا قدامت مادہ کے قائل ہیں ان میں بھی دو فرقی ہیں۔

اول۔ خالص مادی میں جو روح اور خدا کے وجود کو سمجھ نہیں سکتے اس واسطے وہ ہر چیز کو مادہ کی خاصیت قرار دیتے ہیں۔

دوم۔ وہ لوگ جو مادہ کو ایک بے حس و حرکت اور ناقابل عمل چیز سمجھتے ہیں یعنی مادہ خود بخود کچھ نہیں کر سکتی البتہ اثر قبول کرتا ہے اس مادہ کو ترکیب اور ترتیب جو کہ خدا نے یہ عالم پیدا کیا ہے اور مادہ خدا کے برابر برابر ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔

خالص مادی میں کے متعلق اس وقت بحث نہیں کرتے۔ ان کے عقیدہ کی بابت ہم جدا گانہ رسالہ لکھیں گے۔ لیکن فرقہ دوم کے دلائل بیان کر کے ان کے متعلق رائے دینا چاہتے ہیں +

باب اول

فصل اول

مادہ کو کیون قدیم مانا جاتا ہے

حکیم ہر برٹ پنسر کا خیال | زمانہ حال کے اہل سائنس اور فلاسفہ طبعیین میں حکیم ہر برٹ پنسر کا سترج ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ مادہ ناقابل فنا چیز ہے۔ اس وجہ سے کہ انسانی خیال میں یہ بات نہیں آسکتی کہ مادہ ہر شے نیست ہو جائے۔ اس بات کا تصور ایسا ہی محال ہے جیسے یہ امر محال ہو کہ ایک شخص سات کے حد کو مفہوم بھی سمجھتا ہو اور پانچ کا مفہوم بھی۔ اور ہر بھی اول کے مجموعہ کو کیا مادہ سے تعبیر کرے۔ اول اول حکما نے ایسا خیال کیا تھا کہ شاید مادہ فنا ہو سکے۔ لیکن جب سے علم کیمیا سے مقداری دریافت ہوا ہے سیکڑوں طریقوں سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ مادہ صرف صورت بدلتا ہے۔ وزن نہیں بدلتا اور اس کے اجزاء کی مقدار میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ +

آخر میں اس حکیم نے لکھا ہے کہ مادہ کے ناقابل زوال و فنا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مادہ کے

جزوین جس قدر قوت ہم محسوس کرتے ہیں اُسی قدر قوت ہر حالت میں اوس میں باقی رہتی ہے۔ یہ نہ تو دنیا میں کسی علم اور کسی عمل کا اعتبار نہ رہے۔ سنہار آج ایک باٹ سے سونا تولتا ہے کل کو ممکن ہے کہ باٹ کا خود بخود وزن کم ہو جاوے۔ پس اسی عقیدہ ادیقین کی بنا پر پاپ تول اور آئندہ کی توقعات ممکن ہیں۔ ورنہ دنیا ضائع ہو جاوے۔

آریہ سماج کا عقیدہ اور اسکے دلائل **پندت** یا **پندت** سرستی بانی آریہ سماج جنہوں نے انیسویں صدی کے آخری چارم حصہ میں خدا پرستی

دھرمیت کے میں میں ایک نیا فرقہ قائم کیا ہے۔ وہ جن کو مادہ کو اور ان کے تمام خاص افعال کو مثل خدا کے قدیم اور غیر مخلوق سمجھتے ہیں۔ مادہ کے قدیم ہونے کی دلیل ان کے نزدیک مفصلہ ذیل ہے:- ہم ان کی عبارت کا حاصل سلیس الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

”دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ یعنی علت فاعل خدا ہے۔ مگر علت مادی دنیا کی پر کرتی (مادہ کی ابتدائی خیر مرتبہ شکل) ہے۔ پر کرتی ازلی ہے۔ پندت موصوفے اس کی تائید میں دیکھا ایک اشوک نقل کیا ہے: ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس اشوک کا یہی مفہوم ہے جو پندت جی نے سمجھا مگر ہم کہ اس سے کچھ بحث نہیں ہے۔ اس لئے ہم ان کے ایک مرید کے عقلی دلائل اس موثر پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) چونکہ خدا غیر مادی ہے اس واسطے مادی دنیا اس سے نہیں نکل سکتی۔ کیونکہ کسی چیز سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس کے اند ہوتی ہے۔

(۲) دنیا صرف قدرت سے نہیں نکلتی ہے اور نہ حکم سے۔ قدرت صفت ہی وہ موصوف سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔

(۳) سائنس کے روئے نیت سو بہت نہیں ہو سکتا۔ صرف ہمت سے بہت نکل سکتا ہی عدم سے مادہ کا پیدا ہونا محال ہے۔

مصنف علم الکلام کا دعویٰ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب علم الکلام جلد ۲

۱۰ ستیارتھ پکاشس۔ ایڈیشن ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۷۵ و ۲۷۶

۱۱ کلیات آریہ سماج صفحہ ۳۳۱۔ ایڈیشن ۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء دکن دیب براہین احمدیہ۔ +

(مطبوعہ ۱۳۱۳ھ فصلی) میں برخلاف متکلمین کے قدامت مادہ کے عقیدہ کی تائید کی ہے جسکی وجہ بظاہر یہ ہے کہ مادیوں کے دلائل مولانا کو ناقابل تردید نظر آئے۔ اور جسکے زمانہ حال کے خیالات کا رعب اُن پر پڑ گیا۔ حالانکہ فلسفی نقطہ سے دیکھا جائے تو وہ خیالات صرف توہمات ہیں نہ کہ قطعی استدلال۔ علاوہ ازیں مولانا نے علم الکلام میں اشعر لون کے سب عقیدوں کو غلط سمجھا۔ حالانکہ ادن کے بھی بعض عقیدے صحیح ہیں۔ خلاصہ ادن کی تحریر کا یہ ہے :-

”مسلمان متکلمین نے مادہ کو حادث (مخلوق) اس دلیل سے ثابت کیا تھا کہ مادہ میں ایک چیز صورت یعنی عوارض اور خاصیتیں ہیں اور ایک چیز میوے یعنی اصل شے ہے۔ کہی مادہ صحت اور عوارض سے خالی نہیں پایا جاتا۔ صورت اور عرض فانی اور تغیر ہے لہذا حادث ہے۔ جو چیز (مادہ یا میوے) بغیر کسی حادث اور مخلوق کے نہ پائی جاسکے وہ قدیم اور غیر مخلوق نہیں ہو سکتی۔ لہذا مادہ قدیم نہیں۔ اسکے متعلق مولانا نے یہ معقول جواب دیا ہے۔ ورنہ اصل مادہ کو عرض اور صورت کی ضرورت نہیں۔ مادہ قدیم ہے اور یہ صورتیں علی سبیل البدلیت پیدا ہوتی اور فنا ہوتی رہتی ہیں۔ اس بنا پر ادن کے لئے ایک قدیم علت نہیں بلکہ لاکھوں عادات علتیں ہونا چاہئیں۔

”یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس بنا پر عالم کا مادہ قدیم ہے حقیقتات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم ترکیبی صورت سے پہلے فضا سے نامتناہی میں نہایت چوڑے اجزاء پہلے ہوتے تھے۔ ان اجزاء کو علمی اصطلاح میں ذی مقرر اطمیسی کہتے ہیں۔ یہ اجزاء آپس میں ملے اور ترکیب پا کر رفتہ رفتہ عالم پیدا ہو گیا ہے۔

مولانا نے جہاں ملاحظہ کے اعتراضات کا جواب دیا ہے وہاں پہلے یہ ہے کہ مادہ قدیم جو ^{۵۴} اور خدا کی ضرورت کو محض مانع ہونی کی وجہ سے ثابت کیا جواب ہم ان شبیلات پر جدا گانہ رائے دیتے ہیں۔

فصل دوم

مادہ کو ناقابل فنا ماننے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے

فائل حکیم ہر برٹ پنسر کی یہ رائے کہ مادہ ضائع اور معدوم نہیں ہو سکتا صحیح ہے۔ اور

۱۔ علم کلام جلد ۲ صفحہ ۴۴ - ۵۲ صفحہ ۵۴ - کتاب مذکور۔

اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جو چیز معدوم اور غائب نہیں ہو سکتی اور اس وقت موجود ہے اس لئے ضرور ہے کہ وہ ہمیشہ سے موجود ہو یعنی جب ہم مادہ کو ابدی مانتے ہیں تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ وہ ازلی بھی ہے یعنی قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

مادہ میں صرف اس صفت کے موجود ہونے کی وجہ سے کہ ہمارے پاس کوئی قوت ایسی نہیں ہے جس سے اس کو ضل یا فنا کر سکیں۔ اگر ہم مادہ کو قدیم اور غیر مخلوق مان لیں تو اس کے واسطے مفصلہ ذیل باتوں کو تسلیم کرنا پڑے گا:-

(۱) انسان کی قوت سے بالاتر کوئی قوت عالم میں موجود نہیں ہے۔

(۲) انسان کا علم یقینی اور قابل وثوق ہے۔

(۳) مادہ کی اصلی ماہیت اور ترکیب معلوم ہے۔ +

جب تک ان تینوں باتوں کو نہ مانا جاوے قدرت مادہ کا دعویٰ ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ اگر انسانی قوت سب کو ٹھیکہ قوت موجود ہو تو ہم مادہ کے ناقابل فنا ہونیکا قطعی حکم نہیں لگا سکتے تا وقتیکہ اس علی قوت کو حاصل کر کے تجربہ نہ کر لیں۔ اس وقت جو ہم کہتے ہیں کہ مادہ کے ذرات نہ گھٹتے ہیں اور نہ بڑھتے ہیں یہ بات انسانی طاقت کا تجربہ کر نیسے ہمارے ذہن میں پیدا ہوتی ہے کیونکہ ہم میں صرف اتنی ہی قوت ہے کہ مادہ کی صورت اور ترکیب کو اکثر اوقات تبدیل کر دیں۔ اور بعض حالتوں میں ہم مادہ کی ترتیب اور ترکیب کو بھی بدلنے سے قاصر ہیں +

دوسرے اگر ہم یہ مان لیں کہ ہمارا علم اضافی - ملف اور مخالف حالات موجود ہوں تو ہمارا علم و خیال بھی بالکل غلط ہو جاوے گا تا - میں بھی مادہ کو ناقابل فنا نہیں کہہ سکتے۔ تیسرے اگر یہ بھی فرض کر لیا جاوے - ہی قوت سب کو ٹھیکہ قوت نہیں اور ہمارا علم مادہ کے معاملہ میں قطعی ہے تب بھی یہ مان - ہٹے کہ یہ علم درج کمال کو پہنچ گیا ہے اور ہم واقف ہیں کہ مادہ کیا چیز ہے اور اس کے ضار - دوم نہ ہونے کے کیا معنی ہیں۔

میں ثابت کر دے گا کہ ہم ال - باتوں کو نہیں مان سکتے +



فصل سوم

انسانی قوت سے بالاتر قوت موجود

یہ بات زیادہ بحث کی محتاج نہیں کہ انسان کا علم ہمیشہ گھٹا بڑھتا رہتا ہے اور قوت کا تعلق علم سے ہے پس انسان کی قوت مثل اس کے علم کے حد کمال کو نہیں پہنچتی بغرض اگر مان بھی لیا جائے کہ انسان سو بالاتر کوئی چیز نہیں ہے اور اس وقت عالم میں ہماری قوت سب سے زیادہ ہے تو بھی یہ قوت نامکمل ہے اور اسی لئے اس کی بنا پر قطعی دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آئندہ خود ہماری قوت بڑھ سکتی ہے۔ زمانہ سابق میں از روئے سائنس ہم نے انسان کو کبھی اس قابل نہ سمجھا تھا کہ وہ پانچ ہزار میل پر ہر منٹ کے اندر خبر بھی پہنچا سکتا ہے۔ مگر اب یہ قوت انسان میں موجود ہے۔ آج ہم انسان کی (وازد روئے علوم حیاتیات) اس بات کے قابل نہیں سمجھتے کہ وہ بلا واسطہ مادہ محض اپنے ارادہ سے ایک پتھر کو حرکت دے۔ یا سیارہ میمرکس تک پیغام رسانی کر سکے لیکن ممکن ہے کہ آئندہ یہ دونوں باتیں اسی طرح پوری ہو جاویں جس طرح اور ہزاروں باتیں پوری ہو چکی ہیں۔ پس کہنا یہ چاہئے کہ یہاں تک اہل سائنس نے انسانی قوت کا تجربہ کیا ہے وہ مادہ کی مقدار میں کسی کمی یا زیادتی کو محسوس نہیں کر سکتے۔

فصل چارم

انسانی علم اضافی اور نسبتی ہے یقینی نہیں

حکمائے سابق و حال کے نزدیک یہ امر بدیہی ہے کہ تمام انسانی علم اضافی یا نسبتی ہے۔ علم حواس خمسہ یا حواسِ ششہ کے ذریعہ محسوس ہوتا ہے۔ اگر انکی جگہ حواسِ ششہ رہ جاویں۔ یا علم النفس کے بعض عالموں کی رائے ہے کہ حواس خمسہ کو علاوہ انسان میں ایک چوتھی حس بھی ہو چکے ذریعہ سوادہ اضافی اعصابی حرکت محسوس کر سکتے۔ +

حواس عشرہ ہو جاوین تو اس وقت جس قدر احکام علمی ہیں اور جس قدر سائنس ہے۔ اوسین
ایسا انقلاب ہو جاوے کہ وہ لوگ جن کے تین یا دس حواس ہوں۔ ہمارے خیالات اور تصانیف
کو دہیات اور خیالی افسانوں کا مجموعہ سمجھیں۔ +

ان ہی ۱۵ اس جسم میں ہزاروں پردے اس قسم کے ہیں کہ لائق سے لائق آدمی ہی اپنی علمی
دعوے کو بیسیون شرائط اور تامل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ خود مکیم سپنر نے مادہ اور حرکت کے
مباحث میں علم کے اضافی ہونے کی بابت لطیف بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ انسانی علم کی
رو سے کسی بات کا قطعی جواب دینا محال ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک جہاز انگلستان سے ہندوستان
کو آرہا ہے اسکا رخ مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ اب ایک شخص انجن کی طرف سے پتہ جہاز کی طرف
جا رہا ہے اور اوس کی سرعت جہاز کی سرعت کے سادی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اوسکی واقعی حرکت
کس طرف کو ہے اگر یہ کہو کہ وہ مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتا ہے (جیسا بالظاہر معلوم ہوتا ہے)
تو یہ غلط ہے کیونکہ جہاز اوسکو اوسی تیزی کے ساتھ مشرق کی طرف لیجا رہا ہے۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے
کہ وہ مشرق کی طرف جا رہا ہے کیونکہ اسکا رخ ارادہ اور حرکت مغرب کی طرف ہے۔ پس بہ لحاظ
جہاز کی اندرونی چیزوں کے اوسکی حرکت جانب غرب ہے۔ اور بہ لحاظ ہشیائے خارج از جہاز
وہ قائم ہے اوسکی کوئی حرکت نہیں گونہا حرکت کر رہا ہے۔ مگر اب بھی یہ جواب صحیح نہیں ہے وہ قائم
بھی نہیں۔ زمین کی محوری حرکت کا حساب کرو تو یہ شخص ایک ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے مشرق
کی طرف جا رہا ہے۔ پس نہ اوس شخص کا علم صحیح ہے جو جہاز کے اندر سے اوسکو دیکھ رہا ہے۔
نہ اوس شخص کا جو جہاز کے باہر سے اوسکا معائنہ کرتا ہے۔

مگر یہہ تمیز اوجاب بھی غلط ہے کیونکہ زمین کی ایک حرکت آفتاب کے گرد مدارار صبی پر
ہوتی ہے۔ یہ حرکت تخمیناً (۶۸۰۰۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ پس وہ (۶۸۰۰۰) میل گھنٹہ کو حساب
سے مشرق کی طرف چل رہا ہے۔

مگر اب بھی حرکت (نقل مقام) کا اسی تہ نہیں چلا کیونکہ تمام نظام شمسی مجموعہ نجوم ہر کیو لینز
کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ ادا ان کے علاوہ جو حرکتیں ہوں وہ ہم جاننے نہیں۔ +

پس ہمارا علم محدود اور بقدر اپنی قدرت کے ہے۔ ہماری قدرت بہت کم ہے اسلئے علم ہی

بہت کم ہے۔ پس یہ کہنا چاہئے کہ جہاں تک اہل سائنس نے انسانی قوت کا تجربہ کیا ہے وہاں تک باعتبار اشیائے محسوسہ کے وہ مادہ کے مقدار میں کمی یا زیادتی محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر حقیقی حالت کی ادھنیں خبر نہیں۔

جب ہمارا علم اضافی اور نسبتی ہوا اور طاقت محدود تو یہ کہنا کہ مادہ کی بابت ہم کو سب کچھ معلوم ہے بالکل لغو ہے۔ مادہ کی نسبت جو کچھ انسانی خیال ہو وہ محض غلط اور دھماکہ ہے۔ اسکی بابت میں آئندہ بحث کروں گا۔ *

اوپر کے بیان کا خلاصہ حکمائے طبیعتیں کا یہ خیال کہ چونکہ مادہ کم و بیش نہیں ہو سکتا۔ اسلئے قدیم ہے۔ غلط ہے۔ اس بات کے ماننے سے لازم آئے گا کہ انسان عقل کل اور علم قطعی رکھتا ہے اور جو کچھ اسکی قوت اور تجربہ اور علم ہے اس سے زیادہ ممکن نہیں پس مادہ انسانی طاقت یا مادہ کے تصادم سے بیشک فنا نہیں ہوتا اس سے زیادہ دعوے نہ پیسکر تھا اور نہ کسی مقول شخص کا ہو سکتا ہے۔ جو لوگ خدا کو مانتے ہیں یا انسان سے بالاتر کسی صانع یا خالق کو اور ان کو کسی قسم کی شکل اس سلسلہ میں نہیں ہو سکتی۔ *

فصل خیم (۵)

غیر مادی سے مادہ نہیں بن سکتا

یہ دلیل ہم نے اوپر نقل کی ہے یعنی چونکہ خدا غیر مادی سے اس واسطے مادی دنیا اس سے نہیں بن سکتی۔ اس دلیل میں فصلہ ذیل باتیں فرض کی گئی ہیں۔
 (۱) ایک ہستی ہے جو خالق و صانع اور جس کو خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
 (۲) وہ ہستی غیر مادی ہے۔

دلیل ہر مخلوق کا اس میں سے اس طرح نکلنا ضرور ہے جیسے زمین میں سے درخت یا پانی میں سے بلبلے کا۔

۱۳) خیر مادی ہستی نہ ہے مادہ ہی چیز نہیں نکل سکتی۔

۱۴) خیر مادی بالکل نہیں بعض چیزیں اور بعض بالکل غلط۔

۱۵) خدا کا وہ برصغیر ہے لیکن اگر خدا کو تو درمطالعہ مانا جاوے یعنی اسی قدرت و صلاحیت کے سر تسلیم مستقر نہیں ہیں تب تو قدرت اور کائنات ہی مفقود ہے۔ اگر خدا کو تو درمقدار مانا جاوے تب البتہ بحث کی ضرورت ہے۔

۱۶) دوسری بات کہ خدا غیر مادی ہے صحیح ہے۔ اس معنی میں کہ مادہ میں جو امور خلافت و رعب اکمال یا جو نقائص ہیں مثلاً اس کا بے حس و حرکت یا محدود ہونا اور ناقص صفاتوں کو خدا کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔

۱۷) تیسرا امر کہ مخلوق کا خدا میں سے نکلنا لازم ہے محض لغو ہے۔ ہم ہزاروں علتیں دیکھتے ہیں اور قوتوں کو کام کرتے پاتے ہیں جو کسی شے کے اندر سے نہیں نکلتیں۔ مثلاً طیس دور سے لوہے کو کہہ نہیں سکتی ہے۔ انسان کا عضبناک چہرہ دیکھنے والوں کو خوف یا بیچہ پوچھا تا ہے۔ مگر اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیچہ جو ایک غیر مادی قلبی فعل ہے وہ چہرہ کی ساخت میں سے نکلا ہے۔ یا فوادی حرکت جو مقناطیس میں سے نکل آئی ہے مادہ چیز ہے۔ ہم خود دیکھتے ہیں کہ محض ہمارا ارادہ بڑے بڑے بیچہ کو حرکت دیتا ہے اور ہم سے لاکھوں کام کرتا ہے۔ حالانکہ ارادہ مادی نہیں۔ اگر ارادہ کو اور روح کو مادی مانا جاوے تب تو روح کو یا خدا کو ماننے کی ضرورت نہ ہوگی۔ صرف مادہ سب کے لئے کافی علت ہو۔

۱۸) چوتھی بات کہ غیر مادی ہستی میں سے مادی ہستی نہیں نکل سکتی۔ صحیح ہی ہے اور غلط بھی۔ صحیح اس معنی میں ہے کہ مادہ خیر مادہ کا جزو نہیں ہو سکتا غلط اس معنی میں کہ انسان یا حیوان کا ارادہ مادہ میں قوت یا حرکت پیدا کر سکتا ہے۔ جو چیز حرکت یا قوت پیدا کر سکتی ہے وہ مادہ ہی پیدا کر سکتی ہے ہم آگے چل کر اس بات کو بتائیں گے کہ مادہ محض قوت ہے +

فصل ششم

مادہ کیا چیز ہے؟

دراصل جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مادہ قدیم ہے اور ان کا اول فرض یہ ہے کہ وہ اچھی طرح ہے

سمجھا دین کہ مادہ سے کیا مراد لیتے ہیں۔ بعض سطحی خیال والے منکر قویہ کہہ کر رہ جاویں گے کہ جو چیزیں ہلکو نظر آتی ہیں یہہ سب مادہ ہیں۔ مگر یہ جواب ناقص علم باجہالت پر مبنی ہے۔ دراصل ہم کو سوائے الوان (رنگوں) کے لینے سوائے روشنی کی کر لون۔ کے مختلف الکاس کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

جو لوگ زیادہ علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم کو جن چیزوں کا علم حواس خمسہ سے ہوتا ہے وہ چیزیں ہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حواس خمسہ سے ذہن میں چندا۔ ماس یا ادراک پیدا ہوتے

محسوسات

ہیں۔ مثلاً اس کاغذ کی نسبت جیسر ہم لکھتے ہیں ہم کہہ کر کیا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ایک شعلہ آنکھ پر پڑتی ہے اور ذہن سپیدی کو محسوس کرتا ہے۔

(۲) چوہنے سے پایا جاتا ہے کہ ذہن کو ایک نرم اور صاف چیز کا ادراک ہوتا ہے۔

(۳) ناک کے ذریعہ سے ایک خاص قسم کی حس پیدا ہوتی ہے۔

(۴) کان سے ذریعہ سے ذہن میں ایک خاص اثر یا ادراک پیدا ہوتا ہے۔

(۵) زبان کے ذریعہ سے ذہن کو ایک پانچویں چیز جس کو ذائقہ کہتے ہیں معلوم ہوتی ہے۔

غرض ذہن کی مختلف پانچ کیفیتوں کا کبوج لگا کر انسان کے تجربہ یا عقل نے جس چیز کی طرف ان خاص قسم کے اثرات کو منسوب کیا ہے اس کو مادہ کہتے ہیں۔

مادہ کی ترکیب

قیاس نے اس مادہ میں دچیزین فرض کی ہیں۔ ایک ثقل اور ایک غرضی۔

غرضی چیز میں ہی رنگ و بو و ذائقہ۔ نرمی و سختی اور آواز ہے۔ جو حقیقت ذہن کی اثرات

ہیں۔ لیکن ایک دوسری چیز جسکو ہیولا کہتے ہیں۔ یعنی وہ مادہ جس میں اثرات اور اعراض مطلق نہ ہوں

اور جو اس سے پہلے ہیں اس شے کو ہیولا کہتے ہیں۔

پس مادہ کی اصل ایک مفروضہ چیز ہے۔ یعنی اگرچہ وہ حقیقی ہو مگر ہم اس سے بالکل بے خبر ہیں

اور کبھی اسکو محسوس نہیں کر سکتے۔ شاید یہ کہا جاوے کہ مادے کی صورت اور ہیولا میں تقسیم فرضی ہو

حال کی تحقیقات یہہ ہے کہ مادہ نہایت چھوٹے اجزاء سے مرکب ہے جن کو سالمات (ایٹم) یا اجزاء

لا تجربے یا اجزاء ذیقراطی کہتے ہیں یہ اجزاء چونکہ ناقابل فنا ہیں اسلئے غیر مخلوق ہیں۔

اجزاء ذیقراطی یا سالمات جن پر موجودہ لمبیین نے دنیا کو قائم کیا ہے اسکے متعلق ہر شے

پس جیسے محقق کے دلائل کا خلاصہ کافی ہوگا

وہ کہتے ہیں کہ قدیم سے یہ بحث چلی آتی ہے۔ مادہ کے لاتعداد اجزاء ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ دو حال سے خالی نہیں اور کوئی تیسری صورت ممکن نہیں۔

اگر یہ کہو کہ مادہ کی تقسیم لامتناہی ہو سکتی ہے تو یہ بات عقل میں نہیں آتی کیونکہ لامتناہی تقسیم کرنے لامتناہی زمانہ چاہئے۔ اور اس زمانہ کا صحیح ادراک محالات سے ہے ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تقسیم کرتے چلے جاؤ کہیں جزو ناقابل تقسیم نہ آئیگا۔ یہہ ایک مفروضہ ہے۔

اجزائے اولیہ سالمات اگر یہہ کہو کہ مادہ کی تقسیم لامتناہی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایسے اجزاء آجاتے ہیں جبکی تقسیم کسی وقت سے ممکن نہیں۔ تو یہ امر بھی خلاف تئاس ہے اور عقل میں نہیں آیا۔ کیونکہ ان اجزائے لایتجزئے (سالمات) میں ضرور ہے کہ ایک سطح بالا ہو ایک سطح زیرین۔ خیال کہ دونوں سطحیں ابھی قریب ہو جاویں کہ ان کے وسط میں کوئی چیز اگر فارق نہ ہو سکے محال ہے۔ ان فرض عقل انسانی میں دونوں باتیں نہیں آسکتیں۔

علاوہ ازیں مادہ کی اجزاء کو کیسا ہی مضبوط اور ٹھوس سمجھو۔ مثلاً فولاد کے ٹکڑے کو وہ بھی اجزاء مرکب کہہ دیا یہ اجزاء آپس میں بالکل متصل ہوں تو پھر سکڑنے کے قابل نہیں رہ سکتے کیونکہ ان کے درمیان خاصہ مطلق نہ ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ مادہ ایسا ٹھوس نہیں جسکے اجزاء کے بیچ میں فاصلہ نہ ہو۔

نیوٹن کا مفروضہ اب نیوٹن کا نظریہ ماننا پڑے گا کہ مادہ اولن سالمات سے مرکب ہے جو ایک دوسرے سے متصل نہیں بلکہ جدا جدا ہیں۔ لیکن بذریعہ قوت کشش اور قوت تنافر کے یہ اجزاء ایک دوسرے پر اثر کرتے ہیں لیکن یہ مفروضہ بھی مشکل کو حل نہیں کرتا۔ کیونکہ مان لیا کہ مادہ ہر بات ٹھوس اجزاء سے مرکب ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سالمات کی ترکیب کیا ہے۔ کیونکہ یہ اجزاء بھی مادہ کا ایک چھوٹا ڈھیر ہیں اور دل کی خور میں سے دیکھا جاوے تو ان میں اور دیگر مادہ میں فرق نہیں ہے پس یہی سوال اور مشکل باقی رہے گی خواہ کسی قدر چھوٹا ابتدائی جزو مانا جاوے۔

ہو سکوفیج کا مفروضہ حکیم لینٹر (کایہ خیال تھا کہ مادہ کے اجزاء

ایسے خوردبین نقطوں سے مرکب ہیں جن میں طول عرض اور عمق نہیں حکیم ہوسکو وچرمنسیسی نے اسکی تردید کی ہے اور بجا تردید کی ہے کہ جب اجزاء میں مکان نہیں تو

ان کے مجموعہ میں کہاں سے طول عرض عمق و ابعاد نکلتے پیدا ہو گئے۔

اس حکیم آخر الذکر نے یہ قاعدہ ریاضی ثابت کرنا چاہا ہے کہ "نقاط قوت" سے مرکب پہنچ کر جن کے مرکز جابجا ہیں، ہر مرکز بذریعہ کشش دوسرا مادہ کے "نقاط قوت" پر خاص فاصلہ پر کرکے تیار کیا جاتا ہے۔ اس سے اس کے قوت کے مرکزوں کا مثل بوجہ دوری یا قرب فاصلہ کے بتایا ہے۔ مگر حکیم ہر مرتبہ پینسر کا خیال ہے کہ اس مفروضہ میں یہ عیب ہے کہ مرکز قوت جہاں جابجا دلتے نہ ہوں خیال میں نہیں آتا تاہم نیوٹن نے جو مادہ کو سالمات سے مرکب تیار کیا ہے۔ اور بوسکوچ نے "قوت" کو قوت و وزن سے (بقول پینسر) قوت کا وجود دیکھا ہے۔ کیونکہ آخر کون سی چیز روکتی ہے کہ ہم آسانی سے مادہ کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر سکتے۔ جواب۔ قوت اتحادی۔

سوال۔ کون سی چیز روکتی ہے کہ مادہ کے اجزائے ذمیقراطی یا سالمات کو ہم ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر سکتے۔ جواب۔ قوت اتحادی۔

پس صورت میں قوت کا وجود محقق ہے۔ خواہ ابعاد ملتے ہوں یا نہ ہوں۔
اس تمام بحث کا نتیجہ مندرجہ ذیل نکال ہے کہ مادہ کی حقیقت اور صہیت کو سمجھا بھی مثل دیگر چیزوں کے عقل انسانی سے بالا ہے۔ فہرہ المراء۔

فصل ہفتم

کیا قدرت مادہ کو پیدا نہیں کر سکتی

اوپر طاحدہ اور آریہ سماجیوں کا یہ اعتراض ہم نے لکھا ہے کہ محض قدرت یا حکم الہی ہی دنیا پیدا نہیں ہو سکتی۔ یعنی مادہ خلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قدرت صفت ہی ہو صوف سی علیحدہ نہیں ہوتی۔ اس اعتراض میں مفصلہ ذیل امور فرض کئے گئے ہیں :-

(۱) قدرت الہی مثل انسانی قدرت کے ہے اور قسم و مقدار میں اس سے زیادہ نہیں ہے۔
(۲) خدا کی پوری قدرت ہم کو معلوم ہے۔

(۳) قدرت کے مادہ کا پیدا ہونا اس کے معنی میں کہ ایک مادی چیز دوسری مادی چیز یعنی قدرت میں سے نکل آئی۔ *

(۴) قدرت خدا کی صفت ہے وہ خدا سے جدا نہیں ہو سکتی۔

(۵) مادہ خدا سے جدا ہے۔

امراول محض لغو ہے۔ خدا کی قدرت کو انسان کی محدود قدرت پر قیاس کرنا بجاہالت اور
بد مذہبی کا پہلا زینہ ہے اور کوئی عاقل اس کا قائل نہیں۔

امردوم بھی باطل ہے۔ انسان کی مختصر قوتیں جب معلوم نہیں تو خدا کی قدرت پر ہم کیسے حکم
لگا سکتے ہیں۔ +

تیسری بات کہ قدرت کو ایک مادہ سمجھا گیا ہے محض فضول ہے۔ مادہ خود ایک مخفی اور ناقابل
فہم چیز ہے لیکن اس کے کچھ آثار انسان پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

چوتھی بات کہ قدرت خدا کی صفت ہے اور اس سے جدا نہیں ہو سکتی صحیح ہے۔ لیکن قدرت
یا ارادہ الہی کسی چیز کو خلق کرے تو جزو الہی نہیں ہو سکتی۔

آخر پنجم کہ مادہ خدا سے جدا ہے ایک معنی میں صحیح ہے لیکن دوسرے معنی میں غلط ہے
قدرت الہی ہر وقت یا دوسرے حادثی اور اس کی محافظ اور قرین ہے۔ مگر یہ بحث بہت نازک ہے
اس لئے یہاں ترک کی جاتی ہے۔ +

فصل ہشتم نیت سے ہست نہیں ہو سکتا

آریہ سماجی فرقہ اور ایدین کی بڑی دلیل یہی ہے کہ نیت سے لینے عدم سے کوئی چیز موجود نہیں ہو سکتی
اس دلیل کو تمام اہل مذہب تسلیم کرتے ہیں بلکہ خدا کی ہستی کو اسی سے ثابت کرتے ہیں۔

لیکن یہ دلیل وہ کی قدامت کو ثابت نہیں کرتی بلکہ مادہ کے حادث اور مخلوق ہونے کو ظاہر
کرتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ وجود ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے عدم سے وجود نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ لازم آتا
ہے کہ ہمارا یا عالم کا وجود عدم سے نہیں آیا بلکہ کوئی کافی قوت ہونی چاہیئے جسکی وجہ یہ عالم وجود میں آئے۔

کل مذاہب آسمانی اور اکثر حکماء نے اوس علت کو خدا قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایک چیز کا موجود نہ ہونا ہی ہے جس کو واجب الوجود کہتے ہیں جس کے وجود سے دنیا خالی نہیں ہو سکتی اور جس نے باقی سب کو موجود کیا ہے۔ خالص مادیین خدا کو وجود کی ضرورت نہیں سمجھتے صرف مادہ کو کافی طور پر خالق مانتے ہیں۔ ہم آئندہ ثابت کریں گے کہ اولکا دعوائے کس طرح سرسبز نہیں ہو سکتا۔ اور مادہ میں یہ قابلیت نہیں کہ وہ خالق ہو سکے۔ خدا تعالیٰ میں یہ قدرت ہے اور عقل کے رُوسے یہ محال نہیں ہے کہ وہ ایک قوت کو (مادہ کو) موجود کر دیوے جب ایک کافی علت موجود ہے تو وہی علت مادہ کی ہے نہ کہ نیشی۔ اور ایک قدیم کے سوا دوسرے قدیم کو ماننے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ دوسری جگہ بیان کی جا دیں گی۔

یہ دلیل کہ سائنس کے رُوسے عدم سے وجود نہیں ہوتا اسکے یہی معنی ہیں کہ مادہ یا انسان کسی چیز کو معدوم سے موجود نہیں کر سکتا۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ یا قادر و صانع بھی مثل چلے ہے مجبور ہے۔

ہم نے مختصر طور پر اس حصہ میں اول تمام دلائل کا جواب دیدیا ہے جو مادہ کی قدامت کے واسطے پیش کی جاتی ہیں۔ دوسرے حصہ میں ہم دوسرے دلائل پر ثابت کریں گے کہ مادہ میں قابلیت قدیم ہونے کی نہیں ہے۔

باب دوم

مادہ قدیم نہیں ہو سکتا

یہ بات سچ ہے کہ مابعد الطبعیات یا اولیات میں جن مسائل کا ذکر ہوتا ہے اون کا ثبوت ایسا قطعی نہیں ہو سکتا جیسا ریاضی کے مسائل کا ثبوت قطعی سمجھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جہاں ہم یہ ظاہر کریں گے کہ مادہ قدیم نہیں اوس ثبوت میں ممکن ہے کہ خامیاں باقی رہیں۔ لیکن اول دلائل سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کے متعلق قدامت کا ثبوت کافی ناواقف ہے

اب ہم ظاہر کرتے ہیں کہ مادہ کو قدیم ماننے سے نظام عالم میں کیا مفساد لازم آتے ہیں۔

دنیا کی ساخت اگرچہ جان سٹورٹ مل نے اپنی کتاب مضامین فلسفہ متعلق

ہر مذہب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ دنیا کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ اس کا خالق جو کوئی ہے وہ قادر مطلق نہیں ہے ورنہ نقائص اور خرابیاں باقی نہ رہتیں لیکن یہ خود

بڑی غلط فہمی ہے۔ نقص اور خرابیاں جو کچھ معلوم دیتی ہیں وہ محض اس وجہ سے ہیں کہ مخلوقات

اور ممکنات مثل خالق اور واجب الوجود کے کامل نہیں ہو سکتی۔ اگر مخلوق کامل ہو تو اس میں اور خالق

میں فرق نہ ہوگا۔ اور دو ضدین ایک جگہ جمع ہو جاویں گی۔ اور یہ محال ہے۔

پس انسانی ساخت میں جو کچھ نقص ہے وہ محض اس وجہ سے ہے کہ انسان اپنے ارادہ سے بلا

جبر و اکراہ کے اپنی فطرت کو سلیم اور انسانی حد کے اندر کامل کرے یہی حال دیگر مخلوقات کا ہے

انسان بلا ضرورتوں اور نقائص کے یا فرشتہ ہو گا یا پتھر کو مقصود و دولوں سے نہیں۔

دنیا کی ساخت سے خدا کا قادر مطلق ہونا معلوم ہو یا نہ ہو (اور ہمارے نزدیک یہ بات بخوبی ظاہر

ہوتی ہے) تب بھی نظام عالم کا حاکم ایک ذات معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام مظاہر قدرت زنجیر

کی کڑیوں کی طرح ایک دوسری کے ساتھ وابستہ ہیں کہیں کسی دوسری طاقت کا اثر نظر نہیں آتا۔

لہذا یہ بات بطور موضوعہ ان لینی چاہیے کہ :-

نظام عالم متحد اور ایک طاقت کے ماتحت ہے۔ *

کیا محض خدا کا وجود تمام مادیات اور واحدات کو مادہ قرار دیتے ہیں لیکن مادہ

عالم کے لئے کافی ہے۔ میں عقل اور خیال اور تمام دیگر حرکات ارادی کے پیدا کرنے کی

قابلیت نہیں ہے۔ اب لامحالہ خدا تعالیٰ یعنی ایک حکیم قدیم

اور قدیر ہستی کو اس عالم کی علت مانا جاوے گا۔ اسکی موجودگی میں بشرطیکہ قدرت الہی انسانی

قدرت سے بالاتر ہو مادہ کی ضرورت نہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اس عالم کے خلق میں کسی اور علت کی شرکت

ممکن ہو سکتی ہے یا نہیں۔

خدا تعالیٰ قادر مطلق نہیں رہتا مادہ کو مثل ذات الہی کے قدیم اور واجب الوجود اور

موجود بذاتہ ماننے سے پہلی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ دنیا کے پیدا کرنے میں ایک دوسری اندھی طاقت شریک ہو جاتی ہے۔

اب اگر خدا نے مجبوری سے مادہ کو شریک کر لیا ہے تو یہ ظاہر ہے کہ انتظام عالم اور جزاء و نازا میں وہ ایک بڑی حرکت کا اس مادہ کے ساتھ سے مجبور ہو جاوے گا۔ اور جب وہ مجبور ہو گا۔ تو نظام کل ایک غرض اور غایت کی طرف نہیں چلا سکتا کیونکہ مادہ ایک قدیم واجب الوجود مستقل شے جو اپنے خواص قدیم اپنے ساتھ رکھتا ہے بعض اوقات عالم کو دوسری طرف کھینچے گا۔ اور خدا ایک دوسری طرف نتیجہ یہ ہو گا کہ قوانین فطرت میں اتکا باقی نہیں رہے گا۔ لہذا نظام عالم کثیث موجودہ محال ہو گا۔ مگر نظام عالم کثیث موجودہ باقاعدہ ہے۔ اس لئے یہ خیال کہ مادہ شریک خلقت ازلی میں ہے باطل ہوا۔

کیا مادہ قدیم ہو کر خدا کا شریک ہو سکتا ہے؟ لیکن جو لوگ غزوہ خدا کے مادہ کے قائل بھی ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ مادہ بدیشک قدیم اور واجب الوجود ہے۔ اس کے لئے ہمیشہ موجود رہنا لازم ہے۔ لیکن اس میں یہ طاقت نہیں کہ وہ خدا کے مقابل میں اپنا اثر ظاہر کر سکے۔ یعنی خدا اگر مادہ سے ایک خاص کام نیا اچھا ہوتا ہے تو مادہ میں یہ لیاقت نہیں کہ صلح کے خلاف حرکت سے انتشار یا تحالف کرے۔

اگر مادہ بمقابل خدا مجبور رہے گا تو یہ وہ حال سے خالی نہیں۔

(۱) یا تو مادہ میں مستقل قوت اور خواص ذاتی نہیں۔

(۲) یا وہ تو میں اور خواص خدا کی طاقت کے سامنے مستقل اور یا ضائع ہو جاتی ہیں۔

صورت اول میں مادہ دراصل ویسا مادہ نہیں رہتا جو واجب الوجود ہو۔ یا جس میں عالم کا مصالحہ بننے کی ذاتی قابلیت ہو۔ کیونکہ ہم مادہ کو اسکی خواص سے جلتے ہیں جب خواص اسکو ذاتی نہیں ہیں بلکہ خدا کے عطیہ کئے ہوئے ہیں تو پھر مادہ میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور اسکو مستقل بالذات نہیں مان سکتے۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ جب انسان میں سے عقل نکال لیجاوے۔ تب وہ صرف حیوان رہ جاوے گا۔ حیوان میں سے حیات نکال لیجاوے تو محض مادہ رہ جاوے گا۔ اسی طرح مادہ میں سے صفات و قوی نہ رہیں تو وہ عدم محض ہو جاوے گا۔ پس عدم باقی رہ گیا۔

اور یہی ہماری مراد ہے کہ خدا نے موجود کو یا حالانکہ وہ موجود قبل ایجاد کے منہ و دم تھا۔ اگر مادہ کہہ خواص و قوت بہ ذاتی ہیں لیکن وہ خدا کے ارادہ کا تابع ہے۔ اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ایک سامیہ معطل سوچاتی ہیں نہ یہ کہ اس شخص میں بڑے بڑے قوت ہوں۔ اگر قوت کو ایک عرصہ کے لئے بیکار کر دیتے ہیں تو یہ مستعد بھی پیدا کر سکتی ہے جب ایک قوت کو بیکار کر دیتے ہیں تو ہر شے سے صانع کو جب کام پتہ چکا تو وہ ایسا ہی کر سکتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ عین ارادہ کے کام خواہ اور توڑنے کے ضلع کے لئے کی قدرت ہوگی۔ مادہ بلا خواص و قوت، خیرہ کے عرصہ بجاویں۔ اس لئے خدا تعالیٰ میں مادہ کو معدوم کرنے کی قوت ماننی پڑے گی۔ یہی چیز بلا قوت ہے اور نہ کر سکتی ہے اور وہ ازلی قدیم اور واجب الوجود نہیں ہو سکتی۔

کیا خدا مادہ کا محکوم ہو سکتا ہے اب صرف ایک صورت باقی رہی۔ دیکھ کہ مادہ جو قدیم اور واجب الوجود ہے اور کسی قوانین اور خاصیت باقی اور قائم رہتی ہیں۔ اور خدا ان کو معطل نہیں کر سکتا عرف اور استعمال کر سکتا ہے جس طرح کہا مٹی اور چاک کا استعمال کرتا ہے اور دونوں سے برتن بناتا ہے۔

اس صورت میں لا محالہ اگر خدا مادہ کو کسی مقصد کی طرف ایجا مانا چاہے تو مادہ اس کا ساتھ نہیں دے گا بلکہ اس کے مادہ کے ساتھ اور اس کے پیچھے جانا ہوگا۔ اس سے خدا کا صرف قادر مطلق ہونا باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے علم ارادہ وغیرہ ہر چیز میں محدود اور مجبور مانا جاوے گا۔ اور دراصل مادہ کا اس طرح محکوم ہوگا جس طرح کہا قوانین مادہ اور قوانین حرکت کا محکوم ہے۔

اس عالم کا خالق ایک بیجان اور غیر ذی عقل شے کے مقابل میں مجبور مانا جاوے تو نظام عالم کے ترتیب دینے یا جزا و سزا کے دینے کی قابلیت بھی اس میں سے سلب ہو جاوے گی۔ پس وہ خدا ہی ایک قسم کی نائینا یا کم مینا مخلوق ہوگی۔

کیا کرٹرون قدیم ہو سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ قدیم ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے اور عقل انسانی میں اس کا ہے۔ اگرچہ آریہ سماجی ارواح اور کرم کو بھی قدیم مانتے ہیں لیکن ہم کو اس وقت صرف مادہ کی قدامت سے بحث ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مادہ کرٹرون۔ اربوں۔ لاکھوں ہی ایٹم یا سالمات سے مرکب ہیں جن میں ہر ایک

کو قائم بالذات اور واجب الوجود ماننا پڑے گا۔ کیونکہ کسی طرح ایک ایٹم دوسرے کا محکوم نہیں ہے پس عالم میں لا تعداد قدیم یعنی ازلی وابدی واجب الوجود مانتے پڑیں گے۔ ایک اول میں سے خدا یا اللہ ہو گا۔ حبیب اہل مذاہب اور نیز اہل فلسفہ و خداؤں اور دو قدیموں میں مشکلات پاتے ہیں تو لا تعداد قدیموں سے تو عالم کبھی مرکب ہو ہی نہیں سکتا۔

قدیم کے لئے مفصلہ ذیل امور لازم ہیں :-

(۱) کبھی کسی قوت کا تصرف اسکی ذات پر نہ ہو سکے۔

(۲) قدیم کی ذات و صفات دونوں ایک متحد مجموعہ وجود کا ہوتی ہیں۔ یعنی صفات ذات سے الگ نہیں ہوتیں۔

(۳) پس قدیم کی صفات پر ہی تصرف کسی کا نہیں ہو سکتا۔

(۴) قدیم کی قوت سے وہ کام نہیں لیا جاسکتا جو اس میں نہیں ہو۔ اس قوت میں کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی۔

مادہ میں برخلاف اسکے تصرف صفات اور قوتوں میں مانا جاتا ہے۔ یہ مانا جاتا ہے کہ عالم کی ترتیب اور ترکیب کے لئے کسی دوسری قوت نے سالمات کو مجبور کر کے ملا رکھا۔ پس نہ مادہ قدیم ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اور شے سوائے ذات واجب الوجود کے یہ قابلیت رکھتی ہے۔

باب سوم

اسلام کا مذہب مادہ کے متعلق

اب تک ہم نے عقلی بحث کی تھی۔ اب ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اس بارہ میں اسلام نے کیا تعلیم دی ہے۔ مسلمانوں میں اس مسئلہ میں بحیثیت مسلمان آج تک اختلاف نہیں ہوا۔ چنانچہ اول ہم صرف آیات قرآنی لکھتے ہیں :-

(۱) بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اِذَا قَضٰی

امراً فانما يقول له كن فيكون ۛ

جب وہ کسی کام کیلئے پورا ارادہ کر لیتا ہے پس اس کی نسبت فرماتا ہے کہ ہو وہ ہو جاتا ہے۔

(۲) كُنْ اَلَا كُنْ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاَنفَعُ يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔

(۲) اسی طرح خدا تعالیٰ جو چاہتا ہو خلق کرتا ہو جب کسی کام کو نہاں نیتا ہو پس فرمادیتا ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتا ہے۔

(۳) خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ كَيْلُ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۛ

(۴) وَمِنْ اٰيَاتِهِ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاٰخِلَتُوْنِ اُنْثٰىكُمْ وَالْوَالَئُكُمُ اِنْ فِىْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۛ

(۳) اور سب چیز کو خلق کیا اور وہ ہر چیز کا جانو والا ہے۔

(۴) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے مخلوق کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور زنانوں اور نکلون کا اختلاط۔ اس میں نشانیاں ہیں جنہ نے والوں کے لئے۔

(۵) يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ اِنْ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

(۶) يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ اِنْ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

(۶) پیدا میں جو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہو کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۷) ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۛ

(۷) یہ ہے تمہارا خدا ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔

(۸) فَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاَنفَعُ يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ لَتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(۸) پس جب کوئی بات قطعاً قرار دے لے پس کہتا ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتی ہے تاکہ تم جان جاؤ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۹) وَمَا كَانَ لِلّٰهِ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا۔

(۹) خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز اس کو مجبور کر دے کیونکہ وہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

(۱۰) اِنْ اَمْرًا اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اِنْ يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔

(۱۰) بیشک حکم الہی یہی ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرے کہ وہ ہو جاوے تو ہو جاتی ہے۔

یہ آیات قرآنی خلق عالم کے متعلق ہیں

یہ آیات اور ان کے علاوہ دیگر بہت سی آیات سے خدا نے عدم سے پیدا کر نیک کا ذکر کیا ہے۔

ان سے بہت زیادہ آیات مسند الہی کے متعلق ہیں کیونکہ آدمی شمالوں کے ذریعہ سو صنعت اور

اور اگر یہ گردن کو جلد تر سمجھ سکتی ہیں اور عدم سے موجود کرنے کا خیال انسانی ذہن میں بہت مشکل ہے، غرض چنانچہ ہے کہ زندگی خود انسان میں اسی قدرت نہیں رہتی اسی وجہ سے بعض نے مابین کی خاطر ہی دایمل اسٹریٹ صفت اسی کی آیات کو ملا کر یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ اسلام نے مادہ کی تمامیت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتی آیات مذکورہ سے مفصل ذیل نتیجے صاف طور پر سمجھتے ہیں:-

دانی جب ارادہ الہی کسی امر کے واسطے ہوتا ہے تو بغیر کسی واسطے یا توسط کے وہ فی الفور موجود ہو جاتی ہے۔

(۱) ارادہ الہی اوچیز کے موجود ہونے میں کوئی وقت نہیں ہوتا۔

(۲) ہر چیز کو خدا نے خلق یا موجود کیا ہے۔ آسمان، زمین، ہر شے۔ ہر امر کو۔

(۳) باوجودیکہ یہ ظاہر مادہ اور حرکت میں تمام عالم متحد ہے مگر رنگ اور زبان اور خواص کا فرق ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان چیزوں کو موجود کیا ہے نہ کہ بے جان مادہ نے جس میں تنوع نہیں ہوتا (۵) خالق میں خدا تعالیٰ کسی چیز یا مادہ سے مجبور نہیں ہے چوچا متناہ ہے پیدا کرتا ہے۔

(۶) اس کی قدرت کے لئے کوئی حد یا انتہا نہیں تاکہ مادہ کو صنعت عالم میں شریک کرنے کی اس کو

ضرورت نہ ہو۔

(۷) خدا نے کائنات فیکون اسی واسطے فرمایا ہے تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ وہ قادر علی الاطلاق یعنی بلا شرائط کے ہے۔ مادہ کی شرکت یا مدد کا محتاج نہیں ہے نہ کسی اور چیز کا۔

تمام اہل اسلام کا سپر اتفاق ہے کہ مادہ حادث یعنی غیر مخلوق ہے۔ فنا ہو جاتا ہے اور پیدا ہوتا ہے۔ اور مادہ کا وجود اور اثر محض خدا کی رضا اور ارادہ سے تعلق رکھتا ہے۔ بلا تشبیہ جس طرح گہری کے سپرنگ ٹوٹ جانے یا اس کی حرکت بند ہو جانے سے سب بند ہو جائیں گے۔ بالکل اسی طرح اگر بغرض خدا چلا جاوے۔ یا عدم ہو جاوے تو مادہ اپنا عمل باطل کر دے گا۔

مادہ میں استقلال اور قیام اور عدم فنا ظاہری کی جو خاصیت ہے وہ (بقول پینس) بیشک ایسی لازمی ہے کہ بغیر اس کے نہ دنیا کو قیام ہو سکتا ہے نہ کسی چیز کا علم قابل ہو ورنہ ہو گا کہ یہ امید نہیں رہ سکتی کہ جس چیز کو ہم پسے جلاتے ہیں جیسے کپڑے پہنتے ہیں وہ باقی ہی رہے گا یا فنا ہو جاوے گا۔ یہی حکمت بالغہ کے مادہ کو قیام ہے اور سبقت کے لئے جب تک اس کے خالق اور منبع کی مرضی ہے۔

جدید حکما کا مذہب

جدید حکما کا مذہب ہم اوپر بیان کر چکے ہیں جبکہ خلاصہ یہ ہے کہ مادہ کی حقیقت اور قوانین کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ انسان اسکو تو مانتا ہے کہ باقی خدا کی بابت اور اسکی قدرت اور مادہ کی حقیقت اور قدامت کا علم انسان کو نہیں دیا گیا۔ یہ خیال انکا ہمہ سے نزدیک صحیح ہے۔ وما اوتیتہم من العلم الا غلبہ لا۔ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

نتیجہ

پس جب عقلی دلائل مادہ کی قدامت کے جہل مرکب پر مبنی ہیں اور مادہ کی قدامت سب سے اعتراصات اور خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اور حال کے حکما خاموش ہیں۔ تب مادہ یا عالم کو قدیم ماننا صحیح غلطی ہے۔ خاص کر اہل مذاہب کے لئے جو خدا کے قائل ہیں اور جن کو تعلیم سماجی ہدایت کر رہی ہے۔

ہم نے یہ مضمون اس واسطے بھی لکھا ہے تاکہ سب پر ظاہر ہو جاوے کہ اسلام کا کوئی عقیدہ صحیح عقل کے خلاف نہیں ہے۔ اور خدا کی توحید کا جو درجہ اور کامل صفات اسلام نے جو مقرر کئے ہیں اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔ ہم کو واقف رہنا چاہئے کہ ذات باری کمزوریوں سے بالہ ہے۔ اور وہ مادہ کی تخلیق نہیں ہے اور نہ دنیا کو بنانے میں مادہ کی شرکت ممکن ہے۔ پس جو مذہب ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو اس کے احکام کی پابندی سے کوئی دنیاوی۔ تمدنی۔ یا علمی نقصان نہیں ہو سکتا۔

اس وقت جو خرابیاں ہیں وہ ہماری سستی۔ غلط کاری اور بے راہ چلنے کی وجہ سے ہیں جب لام کا اہلی نور ظاہر ہو گا تو تو میں اسکی طرف مدین گی جیسے پایا پانی کی طرف۔ فقط
علامہ الثقلین۔

مسلمانوں کا تمدن

تمدن کا مادہ مدن بالغ ہے جسے سنہ شہیرا یا اہم کرنا ہیں جب کہ بابت فضل میں ملے جسکا خاصہ اخذ اور تکلف بھی ہے تو یہ معنی ہوئے کہ کسی مقام کو اپنا قیامگاہ یا مسکن بنا لینا۔ اسی سے مدینہ بناؤ جسکی جمع مدن بضم میم وقع دال ہے۔ مقبری کہتا ہے ۔

لعمیۃ حتی المدن مذات ولأءی ولقت حتی ذال الشاء لفاء

یعنی اے مدوح جو دوسو سال کی کثرت سے جوہر جگمگہ موجود ہے یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ تمام شہر تجھ سے یعنی تیرے ذکر خیر سے بھرے ہوئے ہیں اور تو مداحوں کی طرح پر فوق لگی ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کی شمار یا میری شمار جو تیرے لئے کر رہا ہوں ناچیز اور حقیر ہو گئی ہے کیونکہ تیرے مرتبے سے بہت کم ہے یا یہ معنی کہ تیرے مقابلہ میں جن لوگوں کی شمار کی جاتی ہے وہ بالکل اچھ ہیں شمار کے لائق نہیں ۔

تمدن خاص انسانوں کے لئے مستقل ہے و خوش و طیر جو اپنے اشیاءوں اور کھو ہوں یا بھٹوں یا چون میں بہتے ہیں اون کے لئے تمدن کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا اگرچہ لغت سب پر صادق آتا ہے ۔ اونکی بود و باش انسانوں کی سی بود و باش نہیں ۔ تمدن نے انسان کو عقل عطا کی ہے کہ وہ اپنی آسائش کے لئے مکانات بنائے صفائی اور حفظ صحت کے قوانین پر عمل کرے ۔ درندہ انسان اور خوش و طیر میں کچھ فرق نہ ہوگا تاہم بہت سے انسان ویش و طیر اور سباع سے بدتر ہیں اور حیوانہ زندگی بسر کرتے ہیں حیوانوں اور دندوں کو اپنی حفظ صحت اور منع نقصان کا احساس ہے مگر انسانوں کو نہیں ۔ حیوان کے تمام افعال قوانین خط صحت کے موافق ہیں ۔ وہ ایسی ذہاں رکھتا ہے کہ جان کے لئے مضرت نہ ہو بلکہ کچھ اور دین گے ۔ انسان اگلم علم سب کچھ چٹ کر جاتا ہے ۔ حیواناں اپنے اشیاءوں اور کھو ہوں میں کبھی پیار نہیں ہوتے انسان باوصف اسکے کہ ذی عقل ہے ہمیشہ صاحب فراش رہتا ہے اور صبح شام حکیموں کے مطلب اور داکروں کے ہسپتال مریضوں سے بہرہ رے ہیں ۔

انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے یعنی آبادی میں رہنا اوسکا فطری خاصہ ہے ۔ ہر انسان دوسری انسان

کی کسی نہ کسی دکان محتاج ہے اور تہ انسانوں سے زیادہ سلاطین اور مائزما محتاج ہیں۔ ۵
آنہ بخیر غنی تر اند محتاج تر اند

جب ہر انسان دوسرے انسان کا محتاج ہے اور احتیاج ہی گویا انسانی عنصر کا خیر ہے تو باہمی
تعاون، احتیاج کی بھی محنت نہ دیتے تاکہ اور تمدن میں ہر انسان دوسرے انسان کا ہمراہ اور بڑا درجہ
ہو۔ مشرک اور مہم و معاون ہر اس مذہب کے حامل ہونے کے لئے سب سے بڑا دوسرا مذہب ہے
یہوئیشم اور مسیحیت۔ یہی غیروں کو اپنا بنا رہے ہیں جہلہ دیگر مذاہب کے مقدس ہلام نے
جن پروردگار ہیں۔ ان کا یہ کیا ہے دوسرے مذاہب میں انکی نظیر نہیں ملتی۔

تمام مسلمانوں کا ایک خدا، ایک رسول، ایک قبیلہ، جیب بچہ بطن اور سے صحن شہود میں آتے ہیں
تو اگرچہ وہ تکلف بالشرع نہیں دیتا۔ مگر اسکے کان میں یہ کلمہ مقدس والا جاتا ہے کہ لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ۔ گویا وہ زبان حال سے اس کلمہ طیبہ کی تصدیق کرتا ہے اور گوش حال سے سنتا ہے
سبحان اللہ کہ تعلیم ہے۔ مگر انوس ہے کہ مسلمانوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ قرآن مجید نے علی رسول اللہ
سنادی کی کہ واحققوا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ یعنی خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اور ٹکڑے
نہ کرنا۔ یہ مسلمان بابرہاٹ اور تیرہ تین ہو گئے۔ یہ مشرک۔ وہ بدعتی۔ یہ معتزلہ۔ وہ عجمی۔ وہ شیعہ۔ یہ
مسنی۔ یہ رضی وہ خارجی۔ بدعتی اور مشرک بلکہ کافر بننا تو والی ہو گئی حالانکہ حدیث
میں ہے:- من استقبل قبلتنا وصلیٰ صلواتنا واکل ذیحمنا فلا تکفروا۔ بذنہ یعنی
جس شخص نے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا۔ ہماری سی نماز پڑھی۔ ہمارا ذمیجہ کھایا اور کوسکی گناہ پر کافر
نہ بناؤ۔ اللہ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ شفقت اور رحمت اور ہماری یہ حالت۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
نے تو دنیا کو بولایا۔ دعوت اسلام دی۔ کروڑوں انسانوں کو جن میں مشرق و مغرب کا بعد تھا اخوت کے ایک
سلسلے میں منسلک کر دیا۔ جاذبہ توفیق الہی سے ہاتھ کے بال پکڑ کر کینچ لیا اور ہماری یہ حالت کہ بڑوں
سے گوشت جدا کر رہے ہیں۔ بہائیوں کو اپنی جماعت سے نکال رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے دشمن
لقب تراش رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے کلاتنا بربا بالانقلاب۔ الایہ یعنی آپس میں ایک
دوسرے کے لئے لقب نہ تراشو۔ اور ہوسا کہ المسلمین من قبل۔ یعنی خدا نے تمہارا نام پہلے
ہی مسلمان رکھ دیا ہے کیونکہ توحید کے باپ ابراہیم علیہ السلام کے باپ میں خدا کا نیا نام فرماتا ہے

ماکان ابراہیم یہودی یا نصرانی یا دکن کان حنیفاً مسلماً واما کان من المشرکین ؕ
یعنی ابراہیم تو یہودی تھا نہ نصرانی تھا بلکہ سیدھا مسلم تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا اس آیت سے صحت
ثابت ہوا کہ جو لوگ اپنے لئے یا اوروں کے لئے مسلم کے سوا کوئی اور لقب تلاش کرتے ہیں وہ مشرک ہیں آیہ
”بما کفر المسلمین“ کے بعد دوسرا جملہ یہ ہے ”وفی ہذا الیکون الرسول شہیداً علیکم
وتکونوا شہداء علی الناس“۔ یعنی مسلم نام کہنے میں یہ فائدہ یا مصلحت ہے کہ قیامت کے روز رسول
تہارا گواہ ہو کہ یہ مسلم تھے اور مسلم ہی کہلاتے تھے۔ اور تم بھی اپنے دوسرے بہائیوں کے مسلم ہونے کی
شہادت دو۔ بلکہ خود آنحضرت صلی علیہ وسلم کو یہ حکم ہے۔ قل یا مائرت انا اکون اول المسلمین۔ یعنی کہدے
اے محمد میں اس کے سوا اور کچھ حکم نہیں دیا گیا کہ سب پہلا مسلمان میں بنوں۔ انھما کلمہ احمر ہے۔ لینے
آپ دنیا میں صرف مسلم ہونے اور مسلم کہلانے کو تشریف لائے تھے۔ رومی ذراہ۔ اللہ اکبر لفظ مسلم کی کس قدر
عظمت ہے مگر اسکے خلاف ہم نے اپنا نام کیا رکھا۔ جتنی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شیعہ۔ سنی۔ قادری
نقشبندی۔ شطاری۔ سہروردی۔ اور پھر شاخ و شاخ سکیڑوں لقب میں گویا خدا نے ہمارا جو نام رکھا
وہ تو بھوکو پسند نہ ہوا۔ اسکے خلاف اپنی طرف سے دوسرے نام رکھ لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بد بختی ہوگی۔

اے حضرات! بھوکو تو خدا تعالیٰ نے محمدی کہلانے کا بھی حکم نہیں دیا۔ یہ لقب تو ہمارے لئے
فخر عیسائیوں نے تراشا ہے کیونکہ جب ہم نے عیسائیوں سے یہ کہا کہ تم عیسائی ہو گئے۔ یعنی تم نے
عیسیٰ صلی علیہ وسلم کو خدا بنا لیا اور فی الواقع عیسائی عیسیٰ صلی علیہ وسلم کو خدا سمجھتے ہیں تو عیسائیوں نے جہلاً کچھ جواب
دیا کہ تم محمدی ہو گئے یعنی تم نے محمد کو خدا بنا لیا۔ مگر مسلمانوں نے عیسائیوں کا یہ عطا کیا ہوا خطاب بطور
فخر و اعزاز قبول کر لیا۔

ذرا سمجھنے کی بات ہے کہ اگر کسی شخص کی پیروی کرنے سے اس کے نام سے منسوب ہو جانا شریعت
میں جائز ہوتا تو آنحضرت صلی علیہ وسلم اپنے کو ابراہیمی کہتے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ قل بل ملة
ابراہیم حنیفاً۔ آیہ یعنی کہدے اے محمد میں تو سید ہے سادہ ہے ابراہیم کی ملت کا
متبع ہوں۔

ایک دوسرے کے لئے لقب تلاش کرنے کی ممانعت میں بڑی بڑی مصلحتیں ہیں اول تو نیشن اور
نیشنلسٹی برباد ہوگی۔ دوم نفرت بڑھے گی۔ یعنی جب ہم کسی کے لئے اس کی طبع کے خلاف لیکن لقب

ترائینگے تو وہ سہی ہمارے لئے ویسا ہی لقب تر شینگا۔ اہل حدیث مقلدین کو بدعتی کہتے ہیں۔ وہ اہل حدیث کو وہابی اور نجدی کہتے ہیں۔ سنی شیعہ کو رافضی کہتے ہیں۔ شیعہ انکو خارجی کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القاب کے تراشنے سے اسلام میں جیسے تفرقے پڑے ہوئے ہیں اور تمدن اور معاشرت کی جیسی مٹی خواب ہو رہی ہے آنکھوں کے سامنے ہے۔ سنی شیعہ مقلد غیر مقلد اگر چہ بظاہر ملتے جلتے ہیں۔ مگر دونوں میں نفاق ہے۔ اور مذہب کا نام آیا اور نفرت پیدا ہوئی۔ جبے لون میں یہ کہ ورت بہری ہے تو فرائض تمدن کیا خاک ادا ہوں گے۔

کسی شہر کسی قصبہ کے مسلمان باہدیکر متفق اور بخیال نظر نہ آئیں گے۔ مذہبی ارکان میں اختلاف نماز میں مختلف۔ مسجدوں میں چکر ٹے۔ عالتون میں مقدمات۔ مسجدین جدا جدا۔ جن کے نام خفیون کی مسجد غیر مقلدون کی مسجد۔ شیعہ کی مسجد۔ سنیوں کی مسجد۔ اپنے اور دوسروں کے لئے تو لقب تراش ہی رہے تھے۔ مسجدوں کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ نام موضوع ہو گئے۔ یہ حدود بچے کا حاتم امیر قصبہ ہے۔ پھر بھی نہیں۔ جبکہ دینی مدارس بھی جدا جدا غیر ممکن ہو کہ شیعہ کے مدارس میں سنی اور سنیوں کے مدارس شیعہ تعلیم پائیگیں۔ ہمارے علماء مرحوم محض اپنی خود غرضیوں سے مسلمانوں کے جام اتفاق میں اور بھی زیر قبول رہے ہیں خدا تعالیٰ عوام جہلاء سے پہلے انکو ہدایت کرے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو حیوانات میں تمدن پایا جاتا ہے۔ مگر ہم میں نہیں کسی بندے یا لنگور کو ذرا چھوڑ دو تو وہی ساری قطار خو خو اور چی چی کر کے پیچھے پڑ جائے گی۔ اور جیسے بڑے سینہ بے شکل ہو جائے کسی کوٹے کو چھوڑ دو تو ہم کوٹے قارئین قارئین کر کے سر پر منڈلانے لگیں گے۔ انوس ہے کہ ہم بندوں اور کوٹوں سے گئے گئے گزرے۔ ایک نقل مشہور تھی کہ انچہ مردم مسکندہ بوزینہ ہم۔ یہ اس مصرع کو اب یون بدنا چاہیئے کہ انچہ بوزینہ کند انسان ہم۔

احسن شوکت ادیسر شہنشاہ ہند و طوطی ہند میرٹھ۔

نوٹ :- حقیقت یہ ہے کہ ہمکو بھی ضرورت ہے۔ اول کلمہ جامعہ شکر کہ اچھی طرح قائم ہو جاوے اور انحال اور احوال معینی پر عمل کریں باقی نزاعوں کا فیصلہ آئندہ ہوتا رہے گا۔ ہم اس مضمون کی پوری تائید کرتے ہیں کہ اول مسلمان بننا فرض ہے۔ یہ ادیسر۔

ویسی کاریگری کی امداد



ما گذشتہ کے عصر جدید میں جو مضمون بعنوان ہندوستان کی مالی حالت کے چھاپے ہوئے اسکو
 میں نے بنور پرٹھا حقیقت یہ ہے کہ ایسے بکار آمد مضمون کی ہماری قوم کو ضرورت ہو۔ اور اگر کچھ پرائی
 شان و شوکت کے قصوں اور پدم سلطان بودے کے دعویوں کے ہم لوگ ایسی مفید باتوں کی طرف
 متوجہ ہوں تو نہایت اچھے نتیجے قریب ہو سکتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہماری مالی حالت بہت زیادہ
 قابل خیال ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ انوس کی بات ہے کہ جس قدر یہ سکھ اہم اور دلچسپ اسی قدر ہماری
 توجہ اس طرف بہت کم ہے۔ زمانہ موجودہ کو تعلیم روزمرہ کے اخراجات میں بہت زیادتی کرتی جاتی ہے
 بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ہمارے اکثر نوجوان زیادہ اخراجات کو تعلیم کا حاصل سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس کے
 خلاف کچھ کہتا ہے تو اسکو دوسرے نفاق کا نہیں سمجھتے۔ میری دانستہ میں یہ ایک عظیم خطرہ ہے
 جسکا ہم لوگوں کو آئندہ مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اور اگر ہم لوگوں نے کچھ بہ پیش بندی نہ کی نہ انجام کار کف
 افسوس مندا پڑے گا۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا پچھلی نسل والے جن کاموں کو پچاس روپیہ ماسواہ کی
 تنخواہ میں بحسن و خوبی انجام دیتے تھے انہیں کاموں کو اب ڈیڑھ سو روپیہ کا تنخواہ دینا نہیں کر سکتا تعلیم
 اخراجات داہ دو گنی رات چو گنی ترقی پر ہیں۔ اس کے ساتھ جب ہم اپنے فضول اخراجات پر غور کرتے ہیں
 جو محض کجست فیشن کی بدولت ہکو برواشت کرنے پڑتے ہیں تو سمجھ میں بات نہیں آتی کہ اولاد کی تعلیم
 کیسے ہوگی۔ اور ان کے لئے ذریعہ معاش کیا ہوگا۔ یہ باتیں سوچنے اور غور کرنے کی ہیں۔ ہم نے اپنا
 ذریعہ معاش زیادہ تر ملازمت کو قرار دے رکھا ہے اور یہی مقصد ہماری تعلیم کا بھی ہوتا ہے جو تنخواہیں
 ہکو صیفہ ملازمت میں مل سکتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں وہ اسی قدر ہوتی ہیں کہ ہماری حیثیت کے لحاظ سے
 ہمارے اخراجات کو کافی ہوں ہم ان کے ذریعہ سے سرمایہ نہیں جمع کر سکتے۔ آجکل ہکو سب سے زیادہ
 ضرورت سرمایہ کی ہے۔ تعلیم میں گو ہم اور قوموں سے بہت پیچھے ہیں لیکن تاہم ہماری تعداد کوئی ایسی
 کمی گندمی نہیں۔ لیکن تعلیم ہی کا کیا نتیجہ ہوگا جب سرمایہ نہیں اور جبکہ تعلیم فراہمی سرمایہ کا سبب ہوتی ہے۔

لیکن خدا ہندوستان کا بہلا کرے یہاں ایسا نہیں ہو سکتا اور نہ تعلیم ہی خدا کے فضل سے ایسی ہوتی ہے۔ اب تدریسی طور سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرمایہ کیسے پیدا کیا جائے؟ سچے سخت اندیشہ پیدا ہونا ہوگا کہ تھوڑے ہی دنوں میں تعلیم کی قیمت بہت کچھ گھٹ جائیگی۔ ابھی تو یہ خیریت ہے کہ جولوگ بی۔ اے درجہ تک کی تعلیم پاتے ہیں وہ نصفی یاد کالت ہائیکورٹ کے مجاز ہوتے ہیں اور تعلیم کے ذریعہ سے ایک معقول رقم پیدا کر سکتے ہیں لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ یہ حالت بھی مفقود ہو جائیگی۔ اسی فوسن کی حالت میں تعلیم کے گھٹ جانے سے تعبیر کرنا ہوں۔ فرمائیے کہ اس حالت میں پہلے کیا ہوگا۔ ہمارے پاس زمین اب محض نام کو باقی رہ گئی ہے۔ صنعت و حرفت کا حال معلوم ہے۔ ایسی حالت میں بے زری کیا کیا رنگ دکھائے گی۔ یہ وقت خواب خرگوش کا نہیں ہے۔ بلکہ کچھ علی تدابیر کا ہے۔ تدبیر کے نام ہی سہی ہمارے ہاتھ پیر رہ جاتے ہیں۔ ہم چلا آ رہے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

ہمارے پاس کل نہیں کہ ہم کوئی کارخانہ کھولیں۔ کوئی بینک نہیں کہ قرض لیں۔ تدبیر کے معنی اس تدبیر کے ہیں جو مہذب ملکوں میں رائج ہے۔ اور سوائے ایسی تدبیر کے اور کوئی تدبیر ہماری نظردن میں دکھائی نہیں پڑتی۔ استغفر اللہ۔ یہی باتیں ہیں کہ جو ہماری ہمتوں کی پست کرنے والی ہیں۔ جہاں ہم میں سارے زمانے کے عیب ہیں۔ وہاں ایک یہ بھی ہے کہ ہم غور و خوض کے ساتھ اپنی موجودہ حالت پر نظر نہیں ڈالنے کہ دیکھیں کہ ہمارے پاس کیا کیا سامان ہیں اور کیا ہم انہیں ٹوٹے پھوٹے سامان سے کچھ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ غرضیکہ ہم میں علیت و رابطہ باقی نہیں رہ گئی۔ تقلید ہم بیشک کر سکتے ہیں خود کوئی بات پیدا نہیں کر سکتے۔ ذرا غور فرمائیے۔ اس وقت بھی صنعت و حرفت بہت زیادہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں جولا ہے (خدا اس مبارک فرقہ کا بہلا کرے) اب جی ہو جو ہیں جو کہ اپنے آبا و اجداد کے وقت سے کپڑا بننے سے چلتے ہیں۔ رنگ سازی بھی ہمارے ہی ہاتھوں میں ہے۔ سلیم شاہی جوتیان کون بناتا ہے؟ لکھنؤ کی فردا اور چکن کون کاڑھتا ہے؟

یہ کہنا فضول ہے کہ انکی اب مانگ نہیں۔ مانگ ضرور ہے لیکن اب کام کرنے والے نہیں ہیں۔ کیوں؟ اسکا یہ جواب نہیں ہے کہ موجودہ زمانے کی کلون کی ایجاد نے انکا خاتمہ کر دیا۔ کلون کی ایجاد نے کچھ نقصان ضرور پہنچایا۔ لیکن نہ اس قدر کہ جس قدر ہم سمجھتے ہیں۔ اصل وجہ کیا ہے۔ بے ہالت اور اتحاد کا نہ ہونا۔ سڑو کی کمی۔ میں نے دو مقام کے جولا ہنکا حال دریافت کیا ہے۔ ایک منو اور دوسرے بنارس کے۔ ان

مقامات میں ہزاروں جولاہوں کے گہرہیں لیکن ایک بڑا کارخانہ بھی نظر نہیں آتا۔ برخلاف اسکے ہندوؤں کے بڑے بڑے کارخانہ موجود ہیں جو ان کو ریشم۔ سوٹ۔ اور جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہو وہ بہم کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیچارے جولاہوں کو جو اپنا وقت اور دماغ صرف کرتے ہیں انکو محض مزدوری ملتی ہے۔ صرف اسی قدر کہ وہ اپنا پیٹ پال لیں۔ اور تہاں سے فائدہ ہندو کا خانے والے اٹھاتے ہیں۔ تمام جولاہے انہیں کارخانہ والوں کے قرضدار ہوتے ہیں اور انکی ساری عمر قرض ہی کے کاٹنے میں صرف ہو جاتی ہے۔ کیا ہم میں اس قدر سرمایہ والے موجود نہیں ہیں کہ وہ اپنا کارخانہ خود کھولیں اور ان بیچارے جولاہوں کو جو سچے مسلمان ہیں ہندو کارخانہ والوں کے بوجہ مصیبت سے پناہ دیں۔ اگر ایک شخص نہیں تو کیا چند اشخاص ایسا نہیں کر سکتے۔ کیا اگر ہم ان کو تہوری سی سہولت دیں تو وہ جس قدر کہ اس وقت کے بڑے بنتے ہیں اور اس سے زیادہ طیار نہیں کر سکتے۔ کیا اس ذریعہ سے ہم اپنا سرمایہ نہیں بڑا سکتے۔ کیا یہ باتیں عام مرفہ الحالی کا باعث نہیں ہو سکتیں۔ انوس ہے کہ ہم ان جزدی باتوں پر بالکل غور نہیں کرتے۔ ہمارا خیال ہے۔ اور غالباً صحیح خیال ہے کہ اگر ہم اپنی ٹوپی پہوٹی تجارت کو جوڑ جاؤ کہ کچھ درست کر لیں تو ہم بلا ناگہاں یرمی کلون اور ہلکا سی ٹیکنیکل اسکول کے شاہراہ ترقی پر آ سکتے ہیں۔ شبلیک ہم ذرا آنکھیں کھولیں۔ اور کچھ کرنا چاہیں۔ +

بلیا۔ ۱۵۔ اکتوبر

آپ کا قدیم ساتھی۔ عشرت حسین کیلانی کرٹ

قل وقل

یہ شکایت بار بار سُننے میں آتی ہے کہ فلان واحفظا فلان لکچرار اپنی نصیحتوں پر خود کار بند نہیں ہوتے یعنی جو کچھ وہ دوسروں کو ہدایت کرتے ہیں اسکے اطلاق سے اپنی ذات کو مستثنیٰ رکھتے ہیں ہمیشہ ایسے لوگ دوسروں کو وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ مگر خود انکا طرز عمل انکی تعلیم کے مشابہ نہیں۔ اس شکایت ہی پر لوگ بس نہیں کرتے بلکہ ایسے شخص کو تحارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا کر اسکی عیب جوئی کرتے ہیں۔ اور علانیہ کہتے ہیں کہ "یا ایہا الذین آمنوا لعلہ تقولون

مکافاتعلون۔ اس صورت میں ان لوگوں پر اسکی ہدایت اور نصیحت کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ اور وہ اس شخص کے طرز عمل کا ہمال اپنے پیش نظر رکھ کر اپنے آپ کو بھی اُن سے متشبیہ سمجھتے ہیں۔ اگر خود سے دیکھا جائے تو یہ کہتے ہیں لوگ۔ اس سرکاری پر بین مصداقت خود کسی بکو۔ پانی بجائے۔ اور کوئی شخص اسکی تعلیم کرے۔ ہم یہ واحد ہے کہ ہم دوع ماکدر و خدا صفا کے تالوں کے مطابق عمل کریں۔ اگر ہمیں ایک مٹ سے لہترے ہوئے سیدھے اند ایک ہوتا نظر آئے تو کیا ہم اُس مونی کو نہ لگائے؟ اگر کسی بدرو میں جو غلط ہے پر ہو ہمیں ایک اشرفی پتی ہو جو دکھائی دے گی۔ اُس سے اٹھائیں گے؟ کنول کا خوشنما پھول غلیظ اور سڑے ہوئے پانی کے تالوں میں پانی کی سطح پر آواز آتا ہے اور وہ اسی غلط سے پرورش پاتا ہے۔ مگر ہم اس کے ٹوٹنے کے کیسے خراہم شدہ۔ تین بی بی بی بی بی بی بی کا ہے۔ اگر ایک شخص جو بذاتِ صدا عیوب میں مبتلا ہے ہمیں اپنے ہمدرد خیال سے تیز سب لڑنا چاہیے۔ اور سچائی اور نیکی کا پر تو ہم سپر ڈالے تو کیا ہمیں اسکا ہرگز سے استغناء ہے؟ بعض لوگوں کی نظروں زیادہ عقیق ہوتی ہیں اور اس نہ تک پہنچتی ہیں جسے ہم نہیں دیکھ سکتے پس ان خیالات کا دائرہ ایسا وسیع اور بلند ہوتا ہے کہ اس کے مشابہ زندگی بسر کرنے میں دشوار جد ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں ان عمدہ خیالات کو کبھی نہ بڑھانا چاہیے اور فوراً اختیار کر لینا چاہیے۔ اور اپنے ذہن کو ان کے مطابق کرنے کی کوشش میں پوری ہمت صرف کرنا چاہیے۔ جس سے ہمدردی ہمیں بدلہ دینا کو بھی نفع ہو۔ بعض دفعہ کوئی شے جسکے ہماری روح متاثر ہوتی ہے۔ اور ہمارے ذہن میں اس کے پاکیزہ اور بلند خیالات سے ایک بے روشنی سی پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ خدا نے اسکا کہنے والا ایک عاقلانہ زندگی بسر کرتا ہو پس چونکہ یہ شعر غیبیہ پاکیزہ اور نفیس ہوتا ہے ہم قدرتا اس کے اثر کو محسوس کرتے ہیں۔ اس اثر کو تاہم رکھنا اور علی زندگی میں اُس سے نفع اُٹھانا ہمارا عین فرض ہے۔

ہم میں سے ہر شخص خیالات کا مختلف دائرہ رکھتا ہے کوئی محض حیوانی لذائذ پر شیفہ ہے کوئی عقلی حقایق کا دیوانہ ہے۔ اور کوئی روحانی سر تو ان پر دلدادہ ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص جو محض حیوانی زندگی بسر کرتا ہے اُس پر ایک خاص حالت ماروی ہو جاتی ہے اور وہ اپنی روحانی قوائے کے عمل سے متاثر ہوتا ہے۔ تو ایسے وقت میں کیا ہمیں اس کے روحانی فیضان سے محروم رہنا چاہئے۔ صرف اس وجہ سے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ظاہر وہ ایک حیوانی زندگی بسر کرتا ہے۔

ایسی حالت میں اسکی روح اسپر ملاست کرتی ہو۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے درحقیقت وہ ایک فرشتہ کی آواز ہوتی ہے جو اس کے پلید جسم میں ولتا ہے۔

پس سچائی ہمیں جہاں کہیں ملے لے لینی چاہئے۔ اور ہمیں یہ فرض کر لینا چاہئے کہ آدمی کے جسم میں ایک خدائی اثر پوشیدہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ آدمی بذاتہ کیسا ہی قابلِ نفرت ہو۔ اور جب کہی وہ اثر جوش میں آکر ہم سے مخاطب ہو تو ہمیں اسکی ہدایت سنی چاہئے۔ سچائی کا سرشتیہ کیسا ہی ادنیٰ ہو مگر ہمیں سچائی کو سچائی سمجھنا چاہئے۔ بعض دفعہ خدا اپنا پیغام ادنیٰ آدمیوں کے ذریعہ ہم تک پہنچاتا ہے اور ہمیں خدا کی حکمت پر اعتراض کر نیکا کوئی حق نہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم انکی ہدایت کو شکریہ کے ساتھ قبول کریں اور ان کے افعال پر مسترض نہ ہوں۔ اور یہ یاد رکھیں کہ انظر ما قال لا تنظر من قال کہ۔

نوٹ :- واعظ یا لکچرار دو طرح کے ہوتے ہیں :-

(۱) جو کسی بات کو اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے ذہن میں کوئی خیال آیا ہے۔ اسکا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں اس وجہ سے کہ اسکا سمجھنا مفید ہے۔

(۲) اس وجہ سے کہ فوری جوش نے جو کسی کتاب یا تقریر نے پیدا کر دیا ہے خواہ ناموری کے شوق نے ان کو اُتار دیا ہے کہ دوسرا دوسرے سے لیکر کوئی عمدہ بات کہیں۔

قسم اول کے لوگ گویا سب غافل ہوئے ہیں۔ قسم دوم میں بہت سے کہتے ہیں اور کہتے نہیں مگر ہنگامی بات قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے اس واسطے کہ وہ تو محض فو کو کراف باجے کی طرح مہلی صاحبانِ علم و حکمت کی باتیں بولتے ہیں۔ پس جو اچھی بات ہے وہ کسی بڑے دماغ سے نکلی ہے۔ قابل کی بد چلتی یا جہالت کی وجہ سے اسکو متحیر سمجھنا گناہ ہے۔ فقط ایڈیٹر

دیسیشیا کا استعمال سچا یا تباہ

میں اسکے متعلق عرصہ سو خیال کر رہا تھا مگر اب تک وجہ تنہا ہونے کے بہت نہیں پڑتی تھی کہ اسکو قوم کے برگزیدہ اوصیائے کے سامنے پیش کروں۔ کچھ عرصہ ہوا عصر جدید بابت ماہ فروری و مارچ میں جو مضمون مسٹر

جال احمد صاحب ایڈیٹر مددگار کا عنوان ”رسالہ اصلاح رسم و عادات“ کا شائع ہوا ہے اس میں جناب موصوف نے مختصر طور پر اس اہم اور شدید ضرورت یعنی دینی ساخت شدہ اشیاء کے استعمال کو متعلق ہی کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اس جہ سے مجھ ہی جرات ہوئی کہ جو کچھ میری خیالات اس کے متعلق ہیں انہیں بھی عرض کروں۔

بیشک یہ نہایت سخت انوس کی بات ہے کہ تعلیم یافتہ کرو و جبکہ ایک حد تک ہم اپنا رہنما تصور کرتے ہیں اب تک ولایتی اور غیر ملکی ساخت شدہ اشیاء کا نہایت زیادہ پورا ہے اور یہ بنظر روز افزون ترقی پر ہے یہ بات ظاہر ہے کہ تعلیم یافتہ گروہ اور اس کا قوم کے متوسط اور عام طبقہ پر اثر بہت گہرا رہا ہے۔ اور حق الامکان اور ملکی تقلید کو لازمی سمجھتے ہیں۔ اور اس میں اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ تعلیم یافتہ گروہ میں ولایتی ساخت شدہ اشیاء کا استعمال نہایت کثرت سے دیکھتے ہیں۔ لہذا یہ بھی اپنی ملکی ساخت شدہ اشیاء سے متفرق ہو جاتے ہیں۔ اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے۔ ولایتی یا غیر ملکی مصنوعات کے سامنے دینی مصنوعات کو پاتھ نہ لگائیں۔ دراصل یہی ایک سب سے بڑا سبب دینی رجحان کی تیزی اور ترقی کرنا ہے۔ اور جب تک یہ بنظر دور نہ ہو دینی صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

پس اس دور سے تعلیم یافتہ گروہ اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جو امیرانہ عیشت رکھتا ہے وہ طرح سے گہنگار ہیں۔ سوائے اس طرح سے کہ وہ خود اپنی ملکی اشیاء کو چھوڑ کر یورپین طرز معاشرت اختیار کر کے فنڈل روپیہ برباد کرتے ہیں۔ اور انگریزی سوداگروں کا گہرہ ہوتے ہیں۔ اور دوسرے یوں کہ جو متوسط اور عام لوگوں میں ولایتی اشیاء کو ترجیح دیتا ہے۔ اور اس طرح ملک کی ایک کثیر التعداد رقم بندوستان سے باہر جاتی ہے اس کا سبب بھی یہی ہیں۔ کیونکہ وہ عمدہ نمونہ اور مثال ملکی اشیاء کے استعمال اور کفایت شناسی کی قیام نہیں کرتے ہیں۔ اور جب عام طور پر ان کی تقلید کی جاتی ہے تو وہ شخص اور ملکی دونوں قسم کی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا اگر ہم تعلیم یافتہ اور امرائے گروہ کو ملکی تنزل اور افلاس کا ذریعہ خیال کریں تو کچھ بھیانک ہوگا۔ اس کہنے سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب تعلیم یافتہ اور امیر لوگ اس میں شامل ہیں۔ برخلاف اسکے بہت سے ایسے ہیں جو اپنی قوم کے لئے ایک عمدہ نمونہ قیام کرتے ہیں مگر یہ چند مستثنیات میں سے ہیں لیکن عام طور پر ایک بڑا گروہ تعلیم یافتہ اور با اثر لوگوں کا اسی فضول پر اور ظاہری نمائش اور عیش و عشرت کی طرف رجحان کرتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستانی اشیاء ولایتی اشیاء کا خوبصورتی میں مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ مگر اسکی وجہ کیا ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ پورے اور باقاعدہ طور پر ملکی اشیاء کی مانگ نہیں ہوتی۔ ورنہ یہ بھی چند سال کے بعد خوبصورت مثل ولایتی چیزوں کے ہونے لگیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ہندوستان کا مال ولایتی مال کے مقابلہ میں کم پائیدار ہوتا ہے۔

ہندوستان کا مال جرمن کی طرح سستا اور چلتا ہوا محض ظاہری طور پر نہیں ہوتا ہے۔ کیا لوہا نہ کے کپڑے ولایتی مشین کے بنے ہوئے کپڑوں کے مقابلہ میں کم پائیدار ہوتے ہیں؟ کیا کانپور کے جوئے کسی طرح ولایتی کے جوئے سے خوبصورتی یا مضبوطی میں کم ہوتے ہیں؟ کیا بریلی کی میز و کرسیاں ولایتی میز و کرسیوں کا مقابلہ نہیں کرتیں؟

پس یہ نہایت نا انصافی کی بات ہوگی کہ اگر ہم اپنا شوق اور ظاہر داری قائم رکھنے کے لئے پیچھے ہندوستان کی مصنوعات کو نام دہریں۔ اور کہیں کہ صاحب کس طرح ملک ہندوستان کی چیزیں استعمال کریں جب کہ وہ ولایتی چیزوں کے مقابلہ میں نہایت ناپائیدار اور بددی ہوتی ہیں۔ فی الحقیقت اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ جن چیزوں میں ہم بالکل اہل اور ویکے محتاج ہیں وہ بھی ہندوستان میں طیار ہونے لگیں۔ مثلاً سوئی۔ تاکا۔ دیاسلائی۔ پنیل وغیرہ وغیرہ مگر اس میں بھی ہمیں اسی اصول یعنی قدر دانی کی پابندی کرنا ہوگی ورنہ انکا چلنا بھی دشوار ہوگا۔ دراصل افسوس تو جب ہوتا ہے جس وقت کہ ہم دیکھتے ہیں کہ صنعت و حرفت کا غل ہر طرف مچا ہوا ہے۔ مگر یہ سب زبانی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ہم لوگ کہنے کو توبہ کہہ جاتے ہیں مگر عمل کر کے دکھانا نہیں چاہتے۔

ہندوستان میں دو کارخانے دیاسلائی کے ہیں مگر یہ نہایت افسوس کے ساتھ یہ بڑا گیا کہ ہم لوگ اون کی ترقی کی کچھ فکر نہیں کرتے۔

تو دیکھ کہ ہم اس بات کی قسم نہ کہا لیں کہ جب تک کوئی چیز ہندوستان میں فراہم ہو سکتی ہے ہم اسی قسم کی چیز ولایت لینے کو بھی نہ جاؤ گے۔ ہرگز ہرگز صنعت و حرفت کی ترقی نہیں ہو سکتی اور نہ ملک افلاس کے پنجہ سے رنٹاں حاصل کر سکتا ہے۔

اب آخر میں میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم میں ایثار نفس اور خالص قومی ہمدردی مفقود ہے۔ اور دراصل یہ صفات اعلیٰ تعلیم یافتہوں میں ہی نہیں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ تو یہ ہے

کہا دن بچا بدن کا بھی کوئی قصور اس میں نہیں ہے۔ دراصل قصور ہے اُن لوگوں کا جو انون کی تربیت اور تعلیم کا بار اپنے ذمہ لئے ہوئے ہیں۔ جن لوگوں کو کہ ابتدائی سے فضول خرچی فضول خرچی نمائش اور اپنے آپ کو اپنی حیثیت سے زیادہ ظاہر کرنے کی تعلیم دی جاوے وہ کس طرح سے انبار علی انفس اور خالص قوی ہمدردی کے معنی سمجھ سکتے ہیں۔ ان بطور رسم کے یہ نام اون کو رٹا دیا جائیگا کہ وہیں تاکہ موقع موقع پر ان کو دہرا کر وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاویں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اب ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی ہے جس میں مضر طریقہ تعلیم و تربیت کے خلاف جہد ابلنا کر رہی ہے۔ اور مسلمانوں کو ایک سنجیدہ تعلیم دینا چاہتی ہے۔ اس جماعت سے میری ہر امیدیں مصلح ہے۔ اس جماعت کے لوگ نمائشی اور فضول خرچ نہیں ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں سے اسراف اور ظاہر داری اور عیش و عشرت کا مرض بٹا رہے گا تو خود بخود ان میں انبار علی انفس اور قوی ہمدردی پیدا ہوگی اور وہی سچی قوی ہمدردی کہلانے کی مستحق ہوگی۔ پس کیا یہ تقدس جماعت اپنے مقاصد میں اس اہول یعنی حتی الامکان ایسی ساخت شدہ اشیاء کے استعمال کو داخل کر سکتی ہے؟ اور اگر ایسا ہو تو یہ اہول بجائے خود ایک انبار علی انفس کی تعلیم ہوگا۔ نقطہ راقم خاکسار سید قبول احمد - فرغ گذار۔

کفایت شکاری اور طالب علمی

بغایت خدمت فیصد رجبت جناب خواجہ صاحب کڑی مصلح تھان تسلیم۔ میری رائے میں مسلمانوں کو عام طور پر۔ اور طلباء کو خاص کر کفایت شکاری کا لحاظ اور اس کے اصولوں کی پابندی لازمی ہے جہاں تک میں دیکھتا ہوں مسلمان طالب علموں میں اسراف کی بڑی عادت ہے۔ جو طالب علم اپنی آمدنی اور اخراجات کا لحاظ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کو کھانسی۔ کھنوس۔ کبھی چوس۔ اور طرح طرح کے ناموں سے ملعون کرتے ہیں۔ اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں آپ خلیل فرماتے ہیں) وہ دوسروں کو کیا نصیحت کرے۔ کیونکہ سمجھاوے۔ بس یہی فہمیت ہے کہ اون انہوں میں خود نہ سمجھاوے اور اپنے عمدہ اور مضبوط طریقہ کو نہ چھوڑے۔

میرے نزدیک جبکہ خراج آمدنی سے زیادہ ہے۔ وہ شخص اپنے عزیزوں کے دوستوں کے بلکہ سب کے لئے بیکار ہے۔ اور خفناک ہے۔ یعنی صرف اسکا عدم وجود برابر ہی نہیں بلکہ اسکا نہ ہونا اچھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ طالب علمی کی حالت میں کفایت شکاری کا خیال نہ چاہیئے مگر کہتا ہوں کہ جب اسی زمانہ طالب علمی ہی میں جبکہ ہمارے لئے ہر عمدہ بات کے میکے کا وقت ہے کفایت شکاری کے عمدہ اصولوں کو ہم نے نہ سیکھا تو آئندہ ہماری ذات سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔

کچھ سوسے بری چیز ہے۔ مگر چھوٹی شے، بیجا نمائش میں مبتلا رہنا اور اپنے عزیز وقت تندرستی اور روپے کی قدر نہ کرنا۔ غذا کی سخت ناشکری ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جھوٹ بڑی بلا ہے۔ مگر مسلمان طالب علم اکثر اس میں مبتلا ہیں۔ کیا یہ ضروری جھوٹ نہیں کہ کوئی ایسا لباس استعمال کرے جو برا اعتبار آمدنی اور دنیاوی علمی وغیرہ کے اسکے لئے مناسب نہیں۔ مثلاً میرے بزرگوں کی آمدنی پچاس روپیہ ماہوار ہے جن میں چھ سو روپیہ رازدلیفہ وغیرہ ملا کر اس روپیہ ماہوار ملا ہے۔ اب اگر میں ایسا لباس استعمال کروں جسکی سلامتی میں ضرر پہنچے تو پچھروں سے بچنے ہوں۔ یا ہیٹ اور کنگڈی لگا کر فیشن ایبل لباس پہن کر پورا صاحب بھلا ہو بجائوں۔ جبکہ میں نے انگریزی میں ایف اے بھی پاس نہ کیا ہو۔ تو کیا میں نے جھوٹ سے پرہیز کیا۔ بزرگوں نہیں۔ اس صدمت میں تو۔ گویا زبان سے جھوٹ نہیں بولا۔ مگر میرا فعل میرے جھوٹے ہونے پر صاف دلالت کرتا ہے۔ جہاں تک میں نے غور کیا۔ مسلمان طالب علموں میں اسراف کا سیب غفلت اور آوارگی ہے۔ اور ان مایکے جھوٹی شے کی بے گنتی ہے۔

(۱) غفلت میری مراد یہ ہے۔ اذکو خیال نہیں کہ کتنا روپیہ اس پہنے میں دھپا ہے بزرگوں سے اور دلیفہ وغیرہ سے) ہلکوتا۔ اور کتنا ہم نے خرچ کیا۔ یعنی ہم کو ہوش نہیں کہ ہم کیا کھاتے ہیں۔ اور فی الحقیقت ہلکوتا کیا کرنا چاہیے تھا۔ اور یہ صاف صاف دیوٹی کا ترک کرنا ہے۔

(۲) آوارگی سے میرا مطلب بجا پڑی پرانی آوارگی یعنی تنگ بازی بیٹرمازی وغیرہ نہیں۔ بلکہ خوفناک جدید آوارگی ہے۔ یعنی لباس میں طرز معاشرت میں۔ ہر بات میں فیشن کا خیال ہے۔ میرے نزدیک یہ قدیم اور جدید آوارگی ایک ہی چیز ہے۔ صرف اقل سے زمانہ سے رنگ بدلا ہوا ہے۔ بلکہ یہ قسم جدید سابق سے خوفناک تر ہے۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پرکھنے لباس میں ترمیم ناپسند کرتا ہوں۔ نہیں میں تو کوٹ پہنوں پہنے کو

اچھا جانتا ہوں۔ اور اسکو کفایت شکاری کا لباس خیال کرتا ہوں جس میں آرام زیادہ ہے اور خرچ کم بلکہ میں تو ہیٹ (انگریزی ٹوپی) کو بھی ضرورت کے وقت استعمال کرنے کو جائز خیال کرتا ہوں مگر نگلٹائی لگانا (جو محض بریکار ہے) یا کوٹ کی تراش و خراش کو دیکھتے رہنا یا پتلون کی سلوٹوں پر خیال کرتے رہنا۔ سر اسنادانی کی بات ہے۔ ہم طالب علموں کو چاہیے کہ دیکھیں کہ کس طرح کے لباس میں ہلکا سائی اور آرام ہے۔ اور کفایت ہو۔ بس اسی کا استعمال کریں۔

صفائی کا لحاظ ہر کام میں اور خاصکر لباس میں بہت ضروری اور لازمی ہے۔ مگر تراش و خراش اسکو رسالتی اور فیشن کے خیال میں رہنا طالب علموں کے لئے بڑے شرم کی بات ہے۔ تو نگری بدل بہت نہ بجال۔ صبح مقولہ ہے۔ مگر اس سوجھی اچھا قول ہے کہ تو نگری بدل بہت نہ بجال۔ اس لئے کہ اگر صرف وہی ہے کہ چلیپنے وقت۔ اور اپنی آمدنی میں سے کچھ پس انداز کر لیتا ہے۔ اور صرف اسی سے عزیزوں کو۔ دوستوں کو۔ قوم کو فائدہ پہنچتا ہے یا پہنچ سکتا ہے خود اسکی فائز البالی کیا کم فائدہ کی بات ہے۔

اوس سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یا وہ خود کیا فائز البالی ہو سکتا ہے جبکا خرچ آمدنی سے زائد ہے۔ خواہ وہ سود و سود۔ یا ہزار دہزار روپیہ بلکہ اس سے ہی زائد ماہوار کی آمدنی رکھتا ہے۔ ہمارے نزدیک تو وہ برائی کی ایک عجیب تصویر ہے۔ اور یہ مصرع اوس کے لئے ٹھیک ہے۔

کہ ہونے سے اُسکا نہ ہونا ہے بہتر۔ بعض کا مقولہ ہے کہ اخراجات کا بڑھنا ترقی کے لئے تحریک پیدا کرتا ہے۔ مگر شاید یہ قول افراد قوم کے لئے تو نہیں ہے۔

مگر جاپان کی ترقی کی تاریخ کو دیکھتے ہوئے تو یہ مقولہ کچھ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ علاوہ اس کے زیادہ خرچ ضروری اور مفید باتوں میں ترقی کا موجب ہوتا ہے نہ کہ نمائش و دلالت میں۔

آب آخرو میں ایک میری علی گڑش ہی ہے۔ وہ یہ کہ میں اپنی آمدنی سے آدھ آنہ فی روپیہ ماہوار کے حساب سے ہر مہینے پانچ آنے پس انداز کرتا ہوں۔ اس طور پر اپنی چار مہینے کی بچت ہمہ بذریعہی آرڈر ارسال خدمت کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ میری یہ حقیر رقم اصلاح کی مین جمع فرائز میری عزت افزائی کیجائے۔ بعد خاکبار محمد رفیق طالب علم ایم۔ اے کلاس سٹا سن انجینئرنگ کالج رورڈ کی۔ ممبر صیغہ اصلاح۔

پیری مریدی



کہا جاتا ہے کہ یہ زمانہ مذہب کی طرف سے بڑی لاپرواہی کا ہے لیکن ہر ایک پیر کے مریدوں اور متقدموں کی تعداد کو دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ خدا شناسی اور تعلیم معرفت کو بڑی ہی ترقی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ مریدوں کی تعداد ہر جگہ ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ بلکہ پیروں کی آمدنی بھی عظیم الشان ہے اور مریدوں پر ان کا بے انتہا اثر ہے۔ یہ کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں میں جتنی کہ مریدوں کے گروہ ہیں سب قدر بد اخلاقی اور گنہگاری چھلی ہوئی ہے جبکی بدولت مسلمان روز بروز لاپرواہ ہوتے جاتے ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ اپنی خرابی کا اونکو احساس بھی نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت اہم اور ضروری سوال ہے جو مرید پیری مریدی کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے اور جس پر نہایت سنجیدگی سے ہر شخص کو غور کرنا چاہیے۔ اور ہر خرابیوں کی اصلاح پر متوجہ ہونا چاہیے۔

قدیم زمانے میں بڑے بڑے برگزیدہ بندگان خدا جو تارک الدنیا ہو جاتے تھے اور ہمہ وقت نیک کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ اور مریدوں سے ہرگز نہ گزرتی قسم کا ذاتی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ انکی تلقین و ہدایت محض خدا کے واسطے تھی اور ان سے بیعت کرنا ایک حتمی وعدہ تھا کہ مرید بڑی باتوں سے بچینگے اور نیکی کریں گے۔ ایسے لوگ خال خال تھے۔ اور نہ ان کی ذاتی جائیدادیں تقسیم ہوتی تھیں۔ نہ مقدمہ بازی ہوتی تھی۔ نہ چڑھاؤں کے ٹھیکے دیئے جاتے۔ تھے اور نہ مریدوں سے کوئی ٹیکس لیا جاتا تھا اور نہ اپنے تقدس کا طرح طرح سے اشتہار دیتے تھے۔ مگر اب مرید کرناؤں کی ایسی کثرت ہوئی ہے کہ ہر ایک شہر میں دس دس اور بیس بیس موجود ہیں۔ پیر یا مریدی ان کا پیشہ ہے اور اسی پر انکی روزی و کسب ہے۔ ایک دوسرے حریف کا بازار سرور کرنے کے لئے اسکی غنیمت کرتا ہے اور مریدوں کا گروہ مان میں مان ملایا جاتا ہے۔ لوگوں کو اسہی تک دفعہ تنازعہ یاد ہوگا جو جالی اور صابری دو فرقوں میں ہوا تھا۔ فریقین نے بڑے بڑے رسالے ایک دوسرے کی ترویج میں شائع کئے جگہ جگہ زبانی مباحثے ہوئے۔ اور آخر میں حیا جمیع میں فساد کا اندیشہ ہوا تو حکام کو غل دینا پڑا۔ یہہہ اغراجات پورے کر نے کے لئے مریدوں سے بڑے بڑے چندے لئے جاتے تھے۔ اور انکو بدیدار

خچ کیا جاتا تھا۔ ان پیروں کو سوائے اپنے ذلی فائیدے اور شہرت کے مرید کرنے سے اور کچھ غرض نہیں
ہے۔ اور یہ کام ایسا آسان ہو گیا ہے۔ کہ جو شخص چاہے پیر بن جاتا ہے اور فرے اڑا لیتے۔ مرید کے
ہاتھ میں دوپٹہ یا چادر پکڑا دیا اور ایک شجرہ خاندان دیکر اسکو بہشت کا حقدار ٹھہرا دیا۔ فرض کیجئے ایک بدچلن
شخص مرید ہو گیا۔ اور ذرا فراخ حوصلگی سے پیر صاحب کی خدمت کر دی تو اب پیر جی ہیں کہ وہ اس کے
بھاٹ بن گئے۔ جس جلیے میں بیٹھے ہیں وہاں اسکی تعریف ہو رہی ہے۔ اور جس مجمع میں گزر رہا وہاں
اسکی فقیر دوستی کا تذکرہ ضروری ہے۔ مرید صاحب پہلے ہی لچ کاغذ کے شوقین تھے۔ اب جو مرشد
کو بھی اسکا شوق پایا تو اداں کا شوق اور بھی بڑھ گیا۔ لیکن پہلے یہ گناہ تھا اب مرید مہلتے کے بدگمان
نواب ہو گیا! اکوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ پیر جی جب خود دیوانی فضااری کے مقدمات کرتے رہتے
ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مرید اس سے چوکیں یہ تو غیر معمولی باتیں ہیں۔ شرم کے قابل وہ سیکڑوں لاکھنتی
باتیں ہیں جو بہت سے پیروں کی نسبت لوگوں کو معلوم ہیں۔ جب پیر خود اپنے عمل سے کوئی عمدہ مثال قائم
نہیں کرتے ہیں تو کیا امید ہو سکتی ہے کہ اولیٰ کے مرید کوئی عمدہ مسلک اختیار کریں گے۔

اب نہایت سنجیدہ بزرگوں کو لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کسی خاص مقصد سے لوگوں کو بیعت
نہیں کرتے۔ بلکہ محض اس خیال سے مرید کرتے ہیں کہ وہ مقربین بارگاہ الہی میں ہیں اور انکی مرید لگنا ہو
گی جو اب بھی کے یہ ہے بہشت میں چلے جاویں گے۔ مریدوں سے مالی امداد حاصل کرنے میں انہیں بھی
دریغ نہیں ہوتا۔ ضلع بارہ بنکی میں ایک نہایت مقدس اور مشہور بزرگ تھے جن کا حال میں انتقال ہوا ہے
اون کے زہد و اتقا و کمال کی نسبت بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ اور بہت دور دور کے مسلمان اولیٰ کے
مرید ہیں۔ لیکن بیعت کرنے سے اولیٰ کا بھی کوئی خاص مقصد نہیں معلوم ہوتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ
دو برس کے بچوں کو کیوں اور کس طرح مرید کرتے تھے اور جو لوگ انکے مرید ہوتے تھے چاہے پانچ پانچ
سات سات برس کے لڑکے اور لڑکیاں اولیٰ کو چادر پکڑا کر اولیٰ کی زبان سے یہ الفاظ کیوں کہتا
تھے ”پلا پکڑن پیر کا بچنن پاک کا خدار رسول کا“ اس مقدس دربار میں اس فقرے کے بچنے
تو کچھ ضرور رکھے گئے ہوں گے۔ جو خاص خاص آدمی سمجھے ہنگے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ جب ایک
ہوشیار آدمی ان الفاظ کا مطلب آسانی سے نہیں سمجھ سکتا تو کم عمر لڑکے اور لڑکیاں کیا جان لیتی ہیں
اور یہ الفاظ کہہ دینے سے کسی بات یا نابلت مرید کو کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ اب یہ الفاظ کہہ کر ایک شخص مرید ہو گیا

لیکن اسکو یہ نہیں معلوم کہ اب وہ کیا کرے۔ اور کونسا طریقہ اختیار کرے۔ آیا پیر کی طرح مفت خوری پر کمر باندھ لے اور مجلس سماع میں بیٹھا رہے یا ایسا نہ کریں۔ اعدال اور محنت کے ساتھ زندگی بسر کرنے یا خوب لے ایمانی اور ظلم سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرے۔ ایک بات اور بھی مشہور ہے کہ بعض مرید جب تب بند نظر کرتے تھے تو وہ زناچ گالنے کے ساتھ آستانہ تک تہ بند لجاتے تھے۔ اور برات کی سی دوہوم و دہام راستے میں ہوتی تھی اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ خیریت کبھی اس کھڑاگ کی مخالفت نہیں کی ورنہ یہ طریقہ ضرور بند ہو جاتا۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیوں جاری رکھا گیا تھا اور کس قاعدے سے یہ اسراف قابلِ اجازت تھا۔ ان واقعات کے ذکر سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی خاص بزرگ پر کوئی اعتراض کروں بلکہ میرا مقصد عام طور پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ کل پیر و مرشد یہاں تک کہ مرزا قادیانی ہی باوجود دھوئے پیغمبری اپنے مریدوں اور متعقدوں کو کوئی خاص راستہ نہیں بتاتے اور نہ کسی خاص بات کے کرنے اور کوئی بُری بات چھڑوینے کا اون سے اتوار لیتے ہیں اور نہ کسی مرید سے اوکے میا افعال کی باز پرس کرتے ہیں اور پھر نہ اسکو اپنے زمرے سے خارج کرتے ہیں۔ اگر پیر و مرشد چاہیں تو اپنے اثر سے عام مسلمانوں کو چاہیں تو بُری حد تک راہِ راست پر لاسکتے ہیں اور بُری عادات اون سے چُرا سکتے ہیں۔

ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مریدوں کے گروہ میں بھی جُلنی۔ بد اخلاقی اور گنہگاری موجود ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ معمولی پیر و مرشد خود کوئی عمدہ مثال پیش نہیں کرتے اور بڑے بڑے مقدس بزرگ اپنے مریدوں کو کوئی خاص راستہ حسبِ اقتضا و شریعت نہیں بتاتے کہ جس کو وہ دین و دنیا دونوں میں سرخرو کا میاب ہو سکیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیر و مرشد لوگ ان پیروں کے کیوں مرید ہوتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان اکجمل عجب پرست ہو رہے ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ میرٹھ میں ایک محبوب الحواس بہنگن کے اور مظفر نگر میں ایک مجنون طوائف کے جو ہر وقت فحش گالیاں بآواز بلند کہتی رہتی ہیں۔ اور نہایت کثیف و فلیظ رہتی ہیں ہزاروں آدمی متعقد ہیں۔ اور درجنوں آدمی ہر وقت اون کو سنانے ہاتھ جوڑے بیٹھتے ہیں۔ کہانے کہلاتے ہیں۔ نقد نذر کرتے ہیں اور انکو قاضی الحاجات سمجھتے ہیں جب ہماری عقیدہ تمندی کا یہ حال ہو گیا وہ ہے کہ ایک صاف کپڑے پہنے ہوئے درویش صرت آدمی کے ہم متعقد نہ ہو جاویں۔ جبکہ یہ خیال بھی اطمینان و لالچ کے لئے موجود ہے کہ رفعتیامت جو شخص کسی پیر کے

جہنم کے نیچے آجادیگا وہ تمام عذاب الہی اور گناہوں کی سزا سے محفوظ رہیگا۔ اب جائے غور ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا شفیق باوجود محبوب خدا ہونے کے اپنی امت عاصی کے گناہوں پر خدا کے خوف سے روتا رہا اور اپنی ساری عزائم کی مغفرت کی فکر میں صرف کر دے اور قیامت کے دن اُمتی اُمتی کہتا اُٹھے گا تو بہلا کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ کسی پیر کا جہنم اس کے مریدوں کو سارے گناہوں سے پری کر دیکھا۔ اور ہر کوسید ماہشت میں پہنچا دیکھا جہاں حور و غلمان فرے اور لانے کے لئے مل جائیگے۔ حضرات۔ ہمارے پیر و مرشد جب دنیا میں ہی ہماری بہتری و فلاح کا راستہ نہیں بتاتے تو بہلا عقوبت میں کیا کام آدین گے۔

تو کار زمین رانکو ساختی کہ با آسمان نیز برداختی۔

اگر ہر ایک پیر اپنے اپنے مریدوں سے چند ایسی باتوں کا اقرار صلح کرادے جیسے سکرات سر پر ہیز آوارگی اور باطنی سے اجتناب۔ نماز روزے کی پابندی۔ خلاف شرع رسوم کی بندش۔ اور ہر بصورت خلاف وزری اور کوسرزنش کرتا رہو۔ اور عذاب الہی سے ڈراتا رہے تو خیال کیجئے قوم میں کبھی عمدہ عادات پھیل جاویں اور مسلمان کس قدر تباہی سے بچیں حضرات دنیا و دین کچھ الگ الگ نہیں ہیں۔ دنیا میں مسلک نیک ہو کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی طرف لے جاتا ہے اور بُرے طریقے شیطان کی پیروی کی طرف پھرتا ہے کہ ہمارے پیر و مرشد یہ باتیں اختیار نہیں کرتے۔ اور ہمارے مسلمان بہائی کیوں اندھوں کی طرح ہر شخص کے پیچھے ہو لیتے ہیں خواہ وہ بجائے مشرق کے مغرب کو لیجاوے کسی شخص کا مرید ہونے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خود یہ کسے حالات کیسے ہیں۔ وہ خود تو درمآندہ نہیں ہے۔ ہو کر کیا راستہ دکھاتا ہے اور وہ راستہ ہمارے لئے مفید ہے یا غیہ مفید اور آیا منزل مقصود پر پہنچاؤا ہے یا نہیں۔ یہ نہیں کہ ہم صرف پیروں کے خزانے پر نیکے لئے اور ان کے مرید ہو جاویں۔ اور اپنے بچوں کا گلہ کاٹ کاٹ کر اور قرض لے لیکر انکی فرمائشوں کی تعمیل کریں اور قوم میں نفعت خوری کی عادت کو ترقی دیں۔ فقط

نیا زائر از میرٹ۔

نوٹ:- بعض پیر جو کسی سلسلہ میں ہی نہیں ہیں۔ بلکہ آجکل نبی بلکہ ذرا بجاتے ہیں۔ اور روپیہ حاصل کر کے اپنی عورتوں کو سونے کے زیور سے لاتے ہیں۔ پنجاب کے ایک قصیدین جو ایک صاحب نبوت و رسل اور ابن اللہ ہونے کے مدعی ہیں انہوں نے قویہ غضب کیا کہ حاملۃ البشریٰ۔ میں کہہ دیا کہ بھیل فی

ساری من فوق العرش۔ خدا عرش کے اوپر سے میری حمد کرتا ہے۔ حالانکہ حمد صرف خدا کی ذات کے لئے ہے۔ الحمد لله رب العالمین۔ ہر قسم کی حمد صرف خدا کے لئے ہے۔ لاہ الحمد فی الاول و فی الآخرۃ۔ البتہ انتہاء حمد اسی کو پہنچتی ہے خود اس حیرت انگیز مدعی نے تفسیر سورہ فاتحہ میں لکھا ہے کہ حمد خدا کے لئے ہی اور نعمت کا معاوضہ ہے۔ مدیکہو اعجاز السبح (مگر پیری میں اگر یہ کہہ کر کا کلمہ کہ میں نے خدا پر احسان کیا اور میری حمد کرتا ہے کہ بیدار کیا۔ گویا یہ خدا کے ہی خالق اور رب ہیں بغرض لوگ بے سوچے سمجھے جب بیعت کر لیتے ہیں تو سخت مخصوصے میں پڑتے ہیں۔ اور دین و دنیا و دونوں تباہ کرتے ہیں۔

ایک اور مغز پر صاحب مبینی میں تب۔ وہ کہتے تھے کہ میری گردن چکر لگا کر اور نذر مدعو ہو جاوے گا چنانچہ عید روپیہ انہوں نے پیدا کیا اور اون کے جانشین کے پاس ہے۔ مگر اون کے ایک فرزند نے راہ حق اختیار کیا اور نماز و روزہ اور حج جاری کیا۔ افسوس ہے کہ مدینہ کے رستہ میں وہ اپنی رہنمائی نس جلی شاہ مار دیئے گئے۔

جابلوں کا خیال ہے کہ پیر کر لیا تو اپنی نجات کا سکہ لے لیا۔ گناہوں کے بدلے زندان سے نجات ہو جاوے گی حالانکہ یہ خیال نہایت غلط ہے۔ بقول مولانا روم۔

اے بابا طیس آدم روئے ہمت * پس بہر دستے بنایداد دوست

ہمارا یا ہمارے دوست کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پیری سرمدی۔ چوڑ دو۔ جو شخص اس کا چاہا سمجھتا ہے وہ ضرور اسکو اختیار کرے۔ مگر اول اصول عدل اور اصول عمل کے رو سے پیر کے حالات عقائد اعمال تعلیم ان چیزوں کی کامل تحقیقات کر لیوے۔ کیونکہ بقول انجیل انما اند ہے کہ راستہ نہیں کہا سکتا۔ اور جو خود ہدایت کا محتاج ہے وہ دوسرے کی ہدایت نہیں کر سکتا۔ ایڈیٹر۔ *

عصر جدید کا اثر

جناب من تسلیم۔ پیر عصر جدید ایک عرصہ سے مجھ کو جناب قاضی اشرف علی صاحب مہر مدنی و فریدار عصر جدید

کے ذریعہ سے دیکھنے ملتا ہے۔ شروع میں میرا یہ خیال ہوا کہ کسی نئی روشنی کے تعلیم یافتہ حضرات نے اپنے نئے خیالات پہیلانیکا ارادہ کیا ہے۔ مگر جب میں نے پرچے دیکھے اور بعض بعض مضامین بہت ہی غور و فکر سے کئی بار مطالعہ کئے تو معلوم ہوا کہ فی زمانہ جس اصلاح کی مسلمانوں کو از حد اشد ضرورت ہے اس خدمت کا بار اس پرچہ نے پورے طور پر اپنے ذمہ لیا ہے۔ لاکھوں کی بلکہ اس طرف سے اکثر حضرات اس کے نام پر بھی جو کتنے ہیں اور ان کا بھی خیال ہوتا ہے جو میں اوپر بیان کر چکا۔ ایک صاحب نے مجھ سے بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ پرچہ مسلمانوں کے قدیم اخلاق عادات و رسومات کی اصلاح کے لئے ہوتا تو ضرور اس کا نام "شیخ عصر قدیم" یا "قانع عصر جدید" ہوتا اور یہی ایک بوجہ لوگوں کی عدم توجہی اور کمی اشاعت کی ہے۔ قاضی صاحب موصوف نے اس کے مضامین کی اشاعت شروع کی تو ہر طرف سوطین و تشنچ کا بازار گرم ہونا شروع ہوا۔ اس وقت جناب سرفراز خان صاحب منشی رنج فارسیٹ انصرا و جناب منشی رحیم الدین صاحب اسٹنٹ ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر خاندیس ڈسٹرکٹ۔ یہ دونوں حضرات ان کے معاون ہیں۔ یہ بھلا سکتا ہے کام لیکر قاضی صاحب نے اپنے خاندان سے اصلاح شروع کر دی۔ ان کے فرزند سعادتمند علی صاحب کی تسمیہ خوانی کا موقع آیا۔ مکلف لباس پہنا کر یہاں کے ہندوستانی کوئل بورڈ سکول میں

۴۰ فوٹ اول۔ یہاں ایک کوئل بورڈ ہندوستانی سکول ہے۔ (اردو مرہٹی امیر پرائمری سکول) جو بمبئی علاقہ کے میٹرل ڈویژن میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ طلباء تین سو سے زیادہ ہوتے ہیں۔ سافٹوین درجہ تک اردو مرہٹی کی پڑھائی عمدہ طور سے ہوتی ہے۔ اس ضلع کا سرکاری دفتر مرہٹی ہے۔ اس لئے مرہٹی زیادہ پڑھایا جاتا ہے۔ یہاں کا طالب علم دہولہ ننگ کا پبلک سروس سرفیکٹ حاصل کر سکتا ہے اور ٹریننگ کالج دہولہ اور پونہ میں کامیاب ہو کر مرہٹی اضلاع کے اردو پرائمری سکولوں کے لئے عمدہ ٹرینڈ مدرس ہو جاتا ہے۔ اس مدرس سے یہاں کے ادا اطراف کے مسلمانوں کو خواہ فائدہ ہو رہے۔ یہاں کے طلباء اکثر مدرس میں اور تحصیل میں محرمین جیسے ہیڈ مدرس جناب شیخ ابراہیم صاحب ہیں۔ انہیں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ آج تک سرکاری عمارت بلڈنگ کی نہیں تھی قاضی صاحب کے مکانات کہ یہ پرسرکار نے لئے تھے جس کا سالانہ کرایہ قریب ڈیڑھ سو روپیہ ملتا تھا۔ اس منفعہ کا خیال نہ کر کے سرکاری بلڈنگ کی تعمیر میں از حد کوشش کی بفضل خدا اس کا انجام بھی بخیر حال حالی مدینہ میں محمد ٹریننگ کلاس نکالنے کا بہانہ ایکویشنل انسپکٹر صاحب کا قصد ہوجاں ہوا اطراف کے غریب طلباء کو بہت بڑا فائدہ ملے گا۔ سوا اسکے ایک لکھنؤ کا مدرسہ جہیں ساتھ لکھنؤ بال فعل میں ابھی بڑھنے کی کوشش ہو رہی ہے مگر انیسویں صدی میں ملتی۔ ۶

داخل کرنے کے لئے لے آئے۔ کچھ شیرنی بچوں کو تقسیم کر دادی سغریب طلباؤں کی فیس کے لئے پانچ روپیہ نقد دے دیئے اور دوسروں کو بیہ بلنگ کی امداد کے لئے دینے کا وعدہ کر کے کا بلنگ کی از حد ضرورت ہے اس بار سے میں لوگوں کی فہمائش کی اور چندہ کی بنا قائم کر دی۔

اسی طرح جب انکی صاحبزادی کی تسمیہ خوانی کا موقع آیا تو لڑکیوں کے مدرسہ میں لاکر جتنی لڑکیاں مدرسہ میں موجود تھیں ایک ایک سرخ اور مہنی اور ہوادری حال میں اون کی برادرزادی (جناب قاضی بخش علی صاحب کی صاحبزادی) کی شادی کا موقع آیا۔ اسی اثنا میں قبل از شادی جناب آردی پر بار صاحب ایکویشنل انسپکٹر صاحب بہادر سنٹرل ڈویژن احاطہ بمبئی خاص یہاں کا ہندوستانی سکول معائنہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اور ایسے بڑے عمدہ مدرسہ کے لئے بلنگ (سرکاری عالیشان عمارت) نہ چونکا انوس ظاہر کیا۔ قاضی صاحب تو اس خیال کے دپے تھے ہی لیکن ایسے بڑے افسر کی تحریک سے اور لوگوں کی فہمائش کو عمدہ موقع ملا عرض پذیرہ سورویہ مسلمانوں کو چندہ دینے کی ضرورت پیش آئی (چل حصہ رعایا نے دینا اور باقی کوکل بودوا گورنمنٹ نے دینا ایسا قانون ہے) آپ خوب خیال کر سکتے ہیں کہ یہ غریب مسلمان پس بڑی رقم کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے۔ اس وقت میں شادی کے اخراجات میں جو اون عام کا مدتہ اس میں تخفیف یہاں کے مغز اہل اسلام (جناب خالص صاحب موصوف فیتھاب خان صاحب و خدار محمد اعظم صاحب مقلعہ دار۔ شاہ محمد صاحب۔ گلزار خان صاحب۔ بہا بٹان صاحب۔ نظام خان صاحب۔ سکندر علی صاحب) کے مشورہ سے جناب قاضی بخش علی صاحب سے دو سو روپیہ اور اون کے سہمی جناب قاضی عبدالحی صاحب سے ایک صد روپیہ اور میان مظہر علی صاحب کی تسمیہ خوانی کے وقت کی امانت دوسروں کو بیہ بلنگ سورویہ کی رقم فراہم کی گئی اور یہاں کے مسلمانوں کے پانچ سو روپیہ جملہ ایک ہزار روپیہ کی رقم اس صورت سے ہوئی۔ اب باقی سے پانچ سو روپیہ جناب کلکٹر صاحب بہادر کی فہمائش کر کے معاف کر دے گئے اور ایک ہزار روپیہ کی رقم نقد تحصیل میں بھر کر بلنگ کی تجویز شروع کر دادی گئی۔

شادی میں تاریخ ۱۹ ستمبر ۱۹۰۵ء کو اکثر مغز جاگیر دار۔ قاضی۔ پیر زادے۔ حکام۔ وکلا۔ ڈاکٹر

۱۔ جن اہل اسلام حضرات کے نام نامی میں درج ذیل گزرا ہوں امی سے میری عرض یہ ہے کہ مغز اور غیر خواہ قوم کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے سہتے ہیں۔ ان سے آپ کو مطلع کر دوں۔ اور دیگر یوروپین ہندو حکام مغز کے نام شرکت شادی

ساحر و مہاجن)۔ مدرس تشریف فرما ہو گئے تھے۔ بارات مقام بایول جو یہاں سے چودہ میل پہلے
 آئی تھی۔ بعد مغرب کے دولہ بعد بارات صرف ماشہ اور شعلوں کی روشنی اور انار مہتاب سے لاکر جائے
 نوشہ میں اُتر دیا گیا۔ کل بارایتوں کو مدہ ہمالوں کے قاضی صاحب کی طرف سے کہا نا کہلوادیا گیا دوسرے
 روز ہر فریق نے اپنی کہانے کا انتظام کیا۔ اسی روز جناب سیل صاحب سٹنٹ کلکٹر مدعو کئے گئے تھے۔ بعد
 مغرب مدیم صاحبہ تشریف فرما ہو گئے۔ قاضی صاحب دیر اور بایول نے انکا خیر مقدم کیا۔ یہاں
 پنج تو سبار دو کدہ دار دہی ہو چکا تھا۔ صاحب موصوف کی تفریح کی فکر ہوئی۔ آخر مدسوں اور طلباء و ن نے
 اسکا حصہ اپنے ذمہ لیا۔ پیشتر صاحب نے مدیم صاحبہ کے کہا نا کہا یا۔ ایک گھنٹہ بعد مجلس میں تشریف لئے
 جناب بسم اللہ خان صاحب سکریٹری اسٹنٹ مدرس نے چند اشعار خوش الحانی سے آپ کی تشریف
 آوری میں اد کو یہ طلباء و ن نے اردو اور مرہٹی نظم خوش الحانی سے پڑھ کر اد کو خوش کیا۔ قاضی عابد علی صاحب
 طالب علم الاوکلاس اور جناب کیل و شونا تھہر پنت صاحب نے بہت ہی عمدگی سے انگریزی زبان میں صاحب اور
 مدیم صاحبہ کا شکریہ ادا کیا۔ بعد صاحب ہار نے خود ادھمک میران مہمان اہالیان جلسہ کا شکریہ اور مبارکباد ادا
 کر کے دولہا دولہاں کو حق میں قاتلے خیر کی۔ قاضی شفیع الدین صاحب نے پھول مار عطر لونڈا اہل مجلس کو لگایا۔ اتنے میں دلہ دھاتی
 عبد البصیر صاحب کو مکلف لباس سے مجلس میں لایا گیا۔ صاحب بہادر نے اور مدیم صاحبہ نے ماتہ ملایا۔ اور دولہ کو شب گشت
 کیلئے سوار لاکر دس بجو رخصت ہو گئے۔ گیارہ بجو دولہ گشت کر کے واپس آیا۔ کچھ فرستادہ موجود نہ ہو سکی وجہ سے اس وقت مختار
 کو غرض و لکھے ہیں:- جناب خواجہ عبداللہ صاحب کیرہر میگنہ و پیشتر تحصیلدار جناب سید محمد میاں صاحب کیرہر دارالابور جناب فیاض الدین صاحب
 قاضی کلکٹر اور جناب سراج الدین صاحب جناب زین الدین صاحب جناب قطب الدین صاحب تیزن برادران) قاضی راویر۔
 جناب میر شہر علی صاحب قاضی انڈول جناب شفیع الدین صاحب قاضی بایول جناب عبدالحی صاحب جناب عبدالصمد صاحب برودہر اور ان قاضی عادلہ
 جناب امیر علی صاحب قاضی کھنڈو۔ جناب محی الدین صاحب قاضی شاہد۔ جناب قاضی عابد علی صاحب طالب علم الاوکلاس۔ جناب غلام احمد صاحب قاضی ہمارہ
 و جناب یوسف علی صاحب۔ مدی علی صاحب۔ اکرم علی صاحب۔ پیر زادہ بہادر پور جناب یحییٰ میاں صاحب قاضی پیر زادہ نذیر آباد جناب حسین الدین صاحب پیر زادہ
 مہرون۔ جناب غلام احمد صاحب کیرہر پگلا گان دن راجہ مہر کاگلر جناب بھتیخار صاحب جس سے پانچوہ۔ جناب سمان صاحب جس سے چالیس جناب احمد
 صاحب جس سے مومر آباد جناب بیار محمد صاحب جس سے بایول جناب اکرم علی صاحب مدرس اور۔ جناب قیاد علی صاحب جناب پیکر ساول نیو پٹی صاحب پیر خان
 صاحب کانسیس ساول۔ جناب سراج الدین صاحب ٹکڑ ٹکڑ انکاری انسپکٹر۔ جناب سیل صاحب بہادر سسٹنٹ کلکٹر مدیم
 صاحبہ۔ راؤ صاحب تحصیلدار صاحب راؤ صاحب جنگا و ن۔ چیف صاحب جنگا و ن۔ راؤ صاحب و شونا تھہر کیل بایول۔
 رائے صاحب ڈاکٹر صاحب بایول۔ دادا صاحب ساہو۔ اور دیگر اصحاب موجود تھے۔

نہ ہر سکا مگر نچ جو تفریح کا آئہ سمجھا گیا جو وہ نہونیکو سب سے یہاں چپ چاپ سوئے چند مغز ہندو شکر رنجی بتا کر چلتے ہوئے صبح عقد ہوا اور بعد کو جناب سید صاحب علی صاحب پیر زادہ نے ”مصلیٰ خوشی“ کے کہتے ہیں اس بنا پر اور ترک رسوم پر جناب مولوی محمد امین صاحب نے ترقی تعلیم کی بنا پر غلط کچھ یہ مجلس قابل یہ تھی بعد کو سب یہاں اور یہاں کے مغز اہل اسلام اور دولہ وان کے بار ہوا کہا نا کہا یاد حضرت کی تیاری ہوئی۔ چہیز نکلا امین البتہ زیادتی تھی۔ رسومات مذرمہ یکا محنت ترک کر نیکی کو شش ہر ہی مگر رسومات بھی مستورات کی تفریح کا آئہ سمجھا گیا جو اسلئے پوری نہ ہو سکی۔ البتہ بہت سی اصلاح ہوئی۔ اس صورت سے شادی کا انتظام ہو اغریب طلباء کو دس ہزار روپیہ کی لاگت کا ایک عمدہ بلڈنگ تعلیم حاصل کر نیکی کو ملا۔ یہ سب کچھ پرچہ کا اثر اور اسپر قاضی صاحب کی علی کاروائی کا نتیجہ ہے۔ نقطہ

اس شادی میں اکثر مغز و تعلیم یافتہ حضرات تھے عصرِ حید کے اکثر مضامین انکی خدمت میں پیش ہوئے ترک رسوم و اہل طوائف کو سب نے مانا مگر تفریح کے طرح قائم اس پر اکثر باعث ہوتے ہے۔ بخشش کی صورت نہیں آئی۔ مگر انکی تفریح قطعی طور پر ناچ گانا بند کر نیکی طرف تھا۔ دوسرے فرق کی یہ راہ تھی کہ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن ہندوستان میں ہر ہکو یہاں کے کل باشندوں کو دوسری قوموں سے میل جول رکھنا لازمی ہے۔ وہ ہماری دعوتِ خاص کی کسی تقریب شادی وغیرہ میں کرتے ہیں تو ہر قسم کے تفریح کے اسباب ناچ گانا ہر قسم کے باجے مہیا کرتے ہیں۔ اسکا اعادہ اور لہائی ہکو ضرور ہی کرنا پڑتی ہے تو ہم کیا تجویز ان کے لئے کیا کریں۔ سوا اسکے دوسری قوموں میں گانا جو عبادت میں داخل کیا گیا ہے۔ اور انکو اس حیل سے تفریح ہی ہو جاتی ہے۔ ہمارے مذہب میں یہ بھی نہیں۔ صرف شادیوں کے موقع پر سب جمع ہو کر کچھ تفریح کر لیتے ہیں اس وقت ہی اگر اس قسم کی روک ہو جاوے تو شادی کا حظ نہیں آتا۔ اور طبیعت کے دولوں کا اخراج نہیں ہوتا۔ سوا اسکے خدا عزوجل نے فطرت انسانی میں یہ بھی ایک مادہ رکھا ہے جو ہمیشہ اور ہر وقت تفریح کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور فی زمانہ تفریح ناچ گانا ہی سمجھا گیا ہے۔ اسکی روک ہونا ہی مشکل ہے۔ اور اسی طرح مستورات کیلئے موجب تفریح ہے۔ میں سکرٹری صیغہ اور عمران صیغہ سے متجہ ہوں کہ ان سوالات کے حل کر نہیں پاتی اپنی رائے تجویز ناچ و تہ و نہ یہ شادی تو گدڑ چکی۔ دوسری کا بغیر ناچ کے ہونا مشکل۔ *

سابقہ قاضی قمر الدین فورسٹ سسٹنٹ ٹارڈ و سکول مقبضہ فیض آباد۔ تحصیل جگنڈاؤن، ضلع خانیس احادیٹ

شب برات کو اسراف

اگر غور سے دیکھا جائے تو جلوی اور انتشاری کو شب برات سے کچھ تعلق اور واسطہ نہیں۔ محلوں کے جلوسے سے ”اتش بازو“

آتش بازی۔ اور شبِ برات ایک تیسری چیز ان دونوں سے بالکل علیحدہ اور جدا گانہ ہو جو بلحاظ اپنا احترام و عظمت اور برکت کے شبِ قدر کے ہم مرتبہ ہو چنانچہ لیلۃ القدر کی طرح علماء و دین اور ایماہ ذہبی نے اس کے لمبی اعمال مخصوص فرمائی ہیں۔ اور حضرات مدوح کا ارشاد اور اعتقاد ہے کہ اگر اس شب کو اعمال مخصوصہ بجا لائی جائیں تو آتشِ جہنم سے براتِ حامل ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ میں اوپر لکھ گیا ہوں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جولو اور آتش بازی کی رسم بالکل فضول ہے۔ لیکن رسم و رواج نے ان تینوں میں باہم گرسنہ تلیت کا سا ایسا مضبوطی لگا یا ہو کہ کہیں جو نہیں محسوس ہوتا۔ اور مسلمان کہ پشتِ پائنت اور اسی سال سے یہ رسم اسی طرح ادا کرتے چلائے ہیں حلوے اور آتش بازی کی سی غیر متعلق اور فضول چیزوں کو شبِ برات کا جزو مشترک بلا جزو لا منفک سمجھے ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک شبِ برات ایک دمی تیوڈا رہے۔ اور آتش بازی اور حلوا اس کا مکملہ۔ گویا آتش بازی چلانا اور حلوا پکانا ہی شبِ برات کہلاتا ہے! وہ ہینین پہلے سامانِ آتش بازی فراہم کرتے رگڑتے پیستے اور بناتے اور مختلف پشتر انواع و اقسام کے حلوؤں کے لئے تکلفات غیر ضروری شروع کرتے ہیں اور اگر موسمِ سعادت کرے۔ تو رمضان شریف تک اسکا پنڈ نہیں چھوڑتے۔

شبِ برات کے دن جوانوں نے واجب فرض کر رکھا ہے یہ ہے کہ علیٰ بصباح چوٹے گرم چوتھا قوام تیار ہوتے۔ میدہ۔ سوچی بیسن وغیرہ نہینے اور کھی کرکڑ کرنے شروع ہوتے ہیں۔ بعض شہروں میں دوپہر سے پہلے اور بعض جگہ نماز عصر سے قبل حلوا تیار ہو کر محلے۔ برادری عزیز۔ اقارب دوست۔ احباب میں ٹھٹھیرا ٹھٹھیرا بدلائی شروع ہو کر نماز عتاسے پہلے پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تو تھی حلوے کی کیفیت۔ اب آتش بازی کی رویداؤ سنئے۔ ادھر سورج ڈوبا۔ ادھر لکیر کے فقیر بیگروں اور رسم و رواج کے قیدیوں کو شیطان نے اشارہ کیا۔ امیر غریب۔ شریف۔ رخیل سب ایک رنگ میں رنگے گئے۔ دو باڑیاں ہو گئیں جنگ کی ٹھن گئی۔ اور قریب شہر میدان کا رزار گرم ہوا۔ اب ہر فریق اپنے حریف پر بید ہرگ انار۔ چھپہ بندر۔ گولا۔ پٹاخہ پینک رٹا ہے۔ کوئی زخمی ہو تو ان کی بلا۔ کسی کی جان جائے تو انکی جوتی سے۔ اکثر کی انکھیں پھوٹی ہیں۔ بہتیوں کے کپڑوں کے ماتھے گئی۔ بعض تاشائون کا آٹے میں گھن پسا۔ غرض فریقین جنگ سے۔ بے ضرر کوئی نہیں بچا۔ صبح ہوتے ہوتے یہ لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔ مجروحین جنگ کی دوا دوش اور ختم ہونے کا کوئی دھندہ دار نہیں خرچہ فریقین بذمہ فریقین رات کے ساتھ ہی شبِ برات ختم ہو جاتی ہے۔

یہ ہے کیفیت ہماری شبِ برات کی جبکہ کم پیش ہر مسلمان جانتا۔ اور اس میں کسی نہ کسی پہلو حصہ لیتا ہے مگر افسوس کہ اس میں شبِ برات کے اصل مفہوم کا پتہ نہیں۔ نہ کوئی اعمال مخصوص بجا لاتا ہے۔ نہ ان مسرفانہ و اہمیات رسوم کی اصلاح میں کوشش کرتا ہے۔ اور نہ صرف کوشش ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس میں سرے سے کوئی ضرورت اصلاح ہی محسوس نہیں کرتا۔ اور یہ ہیئت کدائی کا نام "شبِ برات" رکھ چھوڑا ہے۔ ورنہ اس خطرناک حشیانہ رسم کا اصلی رشتہ برات سے کچھ تعلق نہیں بعض حضرات فرماتے ہیں۔ کہ یہ ایک تقریب نجی ہے۔ اس لئے انتشاری چلائی جاتی ہے لیکن میں پوچھتا ہوں۔ کہ حلوے پر فاتح کیوں دلایا جاتا ہے؟ یہ آدھا تیتراؤ بھی ٹیڑھی ہے۔ اگر عوام کا الانعام کی بات مان لیجائے۔ یعنی ۱۴ شعبان کو جناب امیر حمزہ کی شہادت ہوئی اس لئے حلو اچکایا اور اس پر آپ کا فاتحہ دلایا جاتا ہے تو تاریخ انکی زور سے نزدیک کر رہی ہے۔ پس جب آپ کی شہادت ہی اس وقت نہیں ہوئی تو فاتحہ کیسا؟۔

میں نے بار بار بجائے خود اس مسئلے پر غور کیا۔ مگر یہ کہیں نہ کہیں بزرگوں سے ہتھوڑا کیا۔ مگر کہیں نہ کہیں سو مذکورہ بالا دونوں سوالوں کا تسلی بخش جواب نہ ملا۔ آخر علما و شیعہ سے استفتاء کیا تو معلوم ہوا کہ یہ محض یار لوگوں کی بناٹی ہوئی باتیں ہیں۔ ورنہ صلیت کچھ نہیں نہ حلو جائز نہ آتش بازی۔ وہ شامل اسراف۔ یہ داخل معصیت۔

شبِ برات کی شان ان مسرفانہ سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور یہ ایک ہمیشہ زندہ رہندہ و الیٰ پائیدہ مذہبی تقریب سید ہے۔ اس شب کو جناب محمد اللہ الکریم الام العصر مہدی آخر الزمان علیہ السلام (عجل اللہ فرجہم)

۱۔ یہ حلو اور مذاہن اور عافلون کی سچی بلخ کا نتیجہ ہے۔ شرعی بات نہیں ہے۔ انتشاری چوٹی جاو نہیں بلکہ معصیت خوشی واصل قلب سے تعلق کرتی ہے۔ مصافحہ و معاندانہ ہم مومنین کو کرنا اظہار خوشی ہے۔ خاص غرام مومنین کا کرنا کہہنا کہلانا بہر حال ثواب کہتا ہے۔ اس میں کہلانا مومنین کو کہلانا۔ اور ختم قرآن مجید کرنا کہہ کرنا مومنین کی ارجح کو اسکا ثواب بخش دینا یہ ثواب بھی خالی نہیں۔ ایمہ میں شبِ برات کا متبرک ہونا بوجہ ولادت

باسعدت حضور محمد اللہ الکریم الام العصر مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے ہے۔
واللہ اعلم۔ من مبارک حیرلی لاہور۔
نقل مہر

لا الہ الا اللہ القوس

عبدہ سید علی اطایری

ابن ابوالقاسم الرضوی

قریب قریب اسی کے مطابق علامہ کمٹوری ارشاد فرماتے ہیں۔ ۱۲۔

کی ولادت باسعادت کا متبرک و عظیم الشان فخر حاصل ہو۔ اور اسی سبب سے یہ رات شبِ برات ہو۔ ورنہ ہمیں اور کوئی بات نہیں۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ روزِ خوشی ہو۔ تو آتشِ بازی کیوں نہ چلائی جائے۔ کہ اظہارِ خوشی کا یہ ایک عام فہم طریق ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہ چلائی جائے۔ نہ اسلئے کہ ہمیں مال کے ساتھ نقصانِ جان کا اندیشہ ہو۔ اور نہ صرف اسلئے کہ یہ ذلِ اسراف ہے بلکہ زیادہ تر اسلئے ہی کہ ہمارے علماء اسکو ذلِ معصیت فرماتے ہیں۔

اظہارِ دعا و علانی خوشی کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ مثلاً اس روز غسل کرنا عہدِ لباس پہننا وغیرہ گنا دوست۔ احباب۔ عزیز۔ اقارب کی عطر بچھول۔ پان سے تواضع کرنا۔ جلسہ میلاد منعقد کرنا عید کی سی خوشیاں منانا وغیرہ۔ غرض بہت سے طریق ہیں۔ جنہیں نہ اسراف کو دخل نہ نقصانِ جان کا اندیشہ۔ اور نہایت ہند بانہ طور سے اظہارِ خوشی ہو سکتا ہے۔ لیکن نہ خوش رکھے ہمارے مسلمان بھائیوں کو اور انجامِ بخیر کرے ان مٹانوں کا جنہوں نے انہیں اس خوبی سے سدا یا ہے (کچھ ایسے راسخ الاعتقاد واقع ہوئے ہیں۔ کہ کم سختوں نے جس ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ انہیں بند کئے اسماء چلے جاتے ہیں۔ انہیں اپنے حلوے ماندے سرو کا رہے۔ یہ دوزخ میں جا نہیں یا بہشت میں۔ قومی کاموں سے انہیں ذرا دل تکی نہیں۔ نہ قومی ادبار و افلاس کا کچھ احساس۔ ہر شبِ برات کو ہزاروں۔ لاکھوں روپیہ فضول حلوے ماندے اور باروت گندہک میں برباد کر دیا جاتا ہو گا جس کے دنیا میں فائدہ نہ عقلی امین آرام۔ نہ کسی کو اس رقم کثیر کے بے محابا خرچ ہونیکا درد اور نہ اس کی بچت کی فکر۔ لیکن قوم کی خاطر۔ اگر کوئی ایک پیسہ ملے۔ تو سب کا ذوق پر مانتہ دہر جاتے ہیں۔ پہلا پیر الہی مردہ قوم کے کس طرح دن پہر سکتے ہیں۔ آہ ایک دن تھا کہ مسلمان کتے سے بیک بینی و دو گوش بھاگ بھاگ کر بے سرو سامان مینے آرہے تھے۔ اور دینے والے انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتے اور اپنے اثاث البیت بلکہ کل جائیداد سے آٹا آٹا بانٹ دیتے تھے۔ اور آج ہم انہیں بزرگوں کی یادگار ہیں کہ غیر مشروع طور سے تو ہزاروں۔ لاکھوں اڑاوین۔ اور اگر اپنے بھائیوں کی اصلاح حال کے لئے کوئی کچھ مانگے۔ تو ایک پیسہ نہ دیں۔ کیا شرم کی بات نہیں۔ کہ چہ کر ٹھوس مسلمانوں سے پانچ چہرہ سال کے عرصے میں دس لاکھ روپے جمع نہ ہو سکے۔ شرم اور نہایت شرم کا مقام ہے!

مجھے تعجب ہوتا ہے۔ جب میں کسی اخبار میں دیکھ پاتا ہوں۔ کہ لیڈی خدان نے اپنی ایک روز

کی چار بند کر کے اسکی قیمت فلان قومی ٹیٹوشن مین دی۔ یا فلان صاحب نے اتنے لاکھ روپیہ ٹیسر کال کے لئے دیا۔ یا مسٹر فلان نے سیکرٹ پینا چور کر اسکی قیمت فلان قومی فنڈ میں پیش کی۔ ٹو کو ایسا ہی چھوڑا کی نشان کو دیکھئے۔ اور اسکی بیوی کے جنگل دس دجاپان کے وقت اپنا کل عملہ برفاست کر کے گھر کا تمام کاروبار اپنے ہاتھ سے انجام دینے کو ملاحظہ فرمائیے۔ یہ صرف اس لئے تھا کہ جو روپیہ شاگرد پیشہ کی تنخواہ سے پس انداز ہو۔ مگر وحین جنگ کی مرہم مٹی کے لئے دیا جائے۔ چنانچہ دیا۔ یہ ہے ایک زندہ قوم کی مثال۔ اسکا نام ہے ایشیا رفس۔ یہ ہوتی ہے قومی خدمت۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جاپان نے روس کی سی عظیم الشان اور قدیم حکومت کو نیچا دکھایا۔ نہ جاپان کے سربراہ اور کیا سرخاب کا پر لگا ہوا تھا۔

اگر کل مسلمان ایک شب برات کے حلوے اور انتبازی کی قیمت یا اس کا نصف ہی محمد بن فوریہ فنڈ میں دیں۔ تو ایک چور دو دو یونیورسٹیاں قائم ہو سکتی ہیں۔ چہرہ کر دوسرا قانون میں سے اگر کم سے کم تین کروڑ بھی ایسے فرض کر لئے جائیں۔ جو اس طرح شب برات مناتے ہوں۔ اور اہل آسمانی کس اس اسراف کا اوسط رکھا جائے۔ تب بھی لاکھوں ہندین کروڑوں پر میزان پہنچتی ہے۔

میری رائے میں ممبران انجمن اصلاح تمدن کا یہ فرض ہونا چاہئے۔ کہ جہاں انکامیام ہو۔ وہ اپنی مثال آپ اپنے دوستوں۔ اور اپنے قرابتداروں میں بھولہ ارشاد علماء دین حلوے اور انتبازی کے اسراف کے مضار و معاصی بیان کرتے رہیں۔ انکو حلو بنانے۔ آتش بازی چلانے سے روکیں۔ اور اس فضول خرچ کے معایب اور مقابلہ محمد بن یونیورسٹی کے حامد و محاسن بیان کر کے روپیہ پسیدہ آنے پائی جو کچھ ملے۔ نہایت شکر گزاری سے وصول کر کے سکرٹری صیغہ اصلاح تمدن کے معرفت محمد بن یونیورسٹی فنڈ میں داخل کریں۔ اور اپنی آنکھوں پہوئوں پہوئوں تالاب بہرنے کی مثال دیکھیں۔ ممکن ہے بعض پیٹروں رسم حلو ترک کرنے کے لئے فنی الحال آمادہ نہ ہوں۔ لیکن آتش بازی سا خطر ناک اور وحشیانہ کھیل چھوڑنے میں کسی کوتاہی نہ ہوگا۔

میں جانتا ہوں کہ میری اس انوکھی رائے کی مخالفت اور بہت بڑی مخالفت ہوگی۔ لیکن مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس گلستان عجیب میں میرے ہم نوا کتنے اعدایب ہیں۔ اگر مجھ سے ممبروں کی آدھی تعداد بھی متفق ہوئی۔ تو سال آئندہ سے (بشرط زندگی)

ہیں اپنی عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔

میری اس رائے پر بعد از وقت پیش ہوئی کہ اعتراض نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک پہلو سے یہ بعد از وقت ہے۔ تو دوسرے پہلو سے قبل از وقت ہی ہے۔

سید عطاء حسین بنوری

نوٹ: اس مضمون کے بعد وصول ہوا لیکن چونکہ ہم کو ہر قسم کی اصلاحات کا چرچا ہر وقت رکھنا چاہئے۔ اور اس اسراف کو دور کرنا بھی ضروری ہے اس لئے یہ مضمون خوشی سے چھپتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ممبران صیغہ کم از کم آتش باری کو رخصت کریں۔ فقط ایڈیٹر

ضروری طالع

چونکہ عصر جدید کا تیسرا سال ختم ہو گیا ہے اس لئے جن صاحبوں کو خریداری منظور ہے وہ ۱۵ جنوری تک یعنی آرڈر بکس روانہ فرمائیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے اور نہ آگے اطلاع دیں گے خریداری منظور نہیں ہو تو سالہ ویلیو پیل بھیجا جائیگا۔ صاحب بکس کا انتظام کہیں کیونکہ واپسی میں دفتر کا بہت نقصان ہو۔ دس دن تک پیکٹ ڈاک خانہ میں رہتا ہے۔ پھر واپس آ جاتا ہے۔ جو صاحب ۶ ماہ کا ویلیو طلب کرنا چاہیں وہ بھی طالع دین۔ پتہ دفتر کا ٹائٹل صفحہ ۳ کے حاشیہ

پر ملاحظہ ہو۔ فقط

منیجر عصر جدید

ہندو اور اُسکے مسلمان

نمبر (۱)

عربی کتابوں میں جس کثرت کے ہندو کا نام آتا ہے ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ کا نہیں آتا۔ ہاں کہیں کہیں ہند کا نام آئیگا وہاں ہندو کا نام آنا بھی ضرور ہے۔ جسکی وجہ صرف یہی نہیں کہ چونکہ ہندو اپنے ہندو قوم کا زمین، آسمان، سورج، چاند، دریا، پہاڑ، نام ساتھ آتا ہے۔ بلکہ اسکے سوا بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے جس حصہ سے عربوں کو سب سے پہلے واقفیت ہوئی اور واسطہ پڑا وہ ہندو ہی ہے۔ یہی وہ خطہ ہے جسکو سب سے پہلے محمد قاسم کی تلوار نے زیر کیا۔ اور عرب کی سلطنت کا صدر بنایا۔ اور چنانچہ سو سال تک عربوں کی سلطنت رہی۔ ہندو کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی آمد سو سال تک ہندو کسی نہ کسی مسلمان بادشاہ کے تحت میں ضرور رہا ہے۔ چونکہ ہندو سے مسلمانوں کو خاص تعلق ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسکا کچھ حال مدینہ ناظرین کریں۔

ملکی کیفیت

ایہ علاقہ بہت سی باتوں میں عرب کے ملتا جلتا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہو کہ ہندوستان میں عربوں نے ہندو ہی کو فتح کے لئے سب سے پہلے پسند کیا۔ عربی کے وسیع میدان، آمدھیلوں کے طوفان، گرمی کی شدت، بارش کی قلت، گرم خشک و بے آب پہاڑ، کھجوروں کے باغات اور اونٹ کی سواری وغیرہ عربوں کی بہت سی چیزیں ہیں جو ہندو کو عربی مشابہ کرتی ہیں۔ بڑا فرق صرف یہ کہ ہندو میں ایک جیسا غذا و روپ ہوتا ہے جو عربین نہیں۔ اور جو عرب اور ہندو کو ایک دوسرے سے مختلف بناتا ہے۔

اس صوبہ کی سرحدیں آبادی اور زراعت سب اسی دریا پر منحصر ہے کیونکہ بارش یہاں کبھی کبھی محض بارے کا نام ہو جاتی ہے۔ یہاں زراعت بارانی بالکل نہیں ہوتی تمام نہری ہی ہوتی ہے۔ اسلئے یہاں قحط بھی نہیں پڑتا۔ ہندو کا زیادہ تر حصہ غیر آباد ہے۔ لیکن آج کل گورنمنٹ کی کوشش ہے کہ جقدر بھی قابل زراعت اراضی بچے سب آباد ہو جائے۔ اسلئے بہت سی بڑی بڑی نہریں نکالی گئی ہیں۔ اور باہر سے بلا بلا کر آبادگار بسائے جا رہے ہیں۔ موسم اس صوبہ میں صرف دمی ہوتے ہیں۔ یعنی گرمی اور جاڑا۔ بارش تمام سال میں متشکل سے چند پارچہ ہوتی ہوگی بلکہ بعض سال تو قطرہ ہی نہیں پڑتا۔ گرمی فریب آٹھ ماہ تک پڑتی ہے جس میں سے چھ ماہ سخت۔

آب و ہوا سوائے اسکے کہ نہر کی وجہ سے موسمی بگاڑ بہت ہوتا ہے اور طاعون اچھی ہے۔ طاعون نے بھی شہنا

ہی ان بہت کم بزرگوار ہے۔

کراچی، حیدرآباد، سکھر، شکارپور، میان کے بڑے اور مشہور شہر ہیں۔ حیدرآباد اور شکارپور بہت پرانے مشہور شہر ہیں۔ حیدرآباد نہایت پرانے شہر ہے۔ کراچی بھی تھوڑے دن ہوئے ایک چھوٹا سا ماہی گیر دن کا گڑھ تھا۔ لوگوں کو رمنڈ کی نوبت سے اب ایک نہایت شاندار بندر بن گیا ہے۔ سندھ کا کنراہونیکلی وجہ سے میان کی آب و ہوا بہت خوشگوار ہے۔ کراچی میں رہ کر کبھی خیالی بھی نہیں آسکتا کہ یہ بھی سندھ ہی کا ایک شہر ہے۔ کراچی کے بعد اب دہو کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر حیدرآباد ہے۔ یہ شہر ملک کے کنارہ پر آباد ہے۔ میان ہمیشہ ہوا چلتی رہتی ہے۔ راتیں ہمیشہ ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ دن کو بھی سندھ کے دوسرے مقامات کے مقابلہ میں بہت کم گرمی پڑتی ہے۔ جب گرمی سخت پڑنے لگتی ہے تو سندھ کے متحمل لوگ حیدرآباد اور کراچی میں چلے آتے ہیں۔ زبان اس صوبہ کی اپنی خاص ہے۔ جسکو سندھی زبان کہتے ہیں۔ اہل میں بہ زبان بلوچی۔ پنجابی۔ مارواڑی۔ کچھی اور عربی۔ فارسی سے ملکر بنی ہوئی سندھو مسلمانوں کا رسم خط جدا ہے۔ ہندوؤں کا رسم خط سنسکرت اور مسلمانوں کا عربی سے ملتا جلتا ہے۔ شہر میں غنیمت کا سب لوگ اردو سمجھتے اور بولتے ہیں۔ بلکہ کراچی میں تو چونکہ مختلف قوموں کے لوگ بستے ہیں وہاں تو ہر دو ہی بولتے ہیں۔

سندھ اگرچہ رقبہ میں بہت بڑا لیکن آبادی کے لحاظ سے ہندوستان میں۔ لیا صوبہ ہے۔ اسکی آبادی صرف قریب تیس لاکھ کے ہے۔ جہاں سے مسلمان قریب اسی فیصدی یعنی پچھتہ ہیں۔ سوائے کاشمر کے ہندوؤں کے کسی دوسرے حصہ میں ہندو مسلمانوں کی آبادی میں پندرہواں ہے۔

جس صوبہ میں اتنے عرصہ تک اسلامی حکومت رہی ہو۔ اور جہاں اسلامی آبادی کی پرینت ہو کہ اسکو قریب قریب مسلمان صوبہ سمجھ سکیں۔ اسکے مسلمان باشندوں کے حالات۔ عادات۔ بھٹائل۔ رسم و رواج۔ مالی و ملکی حالت کا سننا غریب کے لئے غالباً خالی اور دلچسپی ہوگا۔ خاص کر جبکہ غیر مذہب جات کے بہت کم لوگ میان کے حالات سے واقف ہیں۔

اول ہم میان کے مذہب کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسکا کیا حال ہے؟ کیونکہ عرصہ دراز کا اسلام

مذہبی حالت

حکومت اور اسلامی آبادی کی اکثریت نے قدرتی طور پر یہ خیال پیش ہوتا ہے کہ میان کے لوگ اہل نام کا پورا نمونہ و مینار اور راجح الاعتقاد ہونگے۔ لیکن افسوس اس امید میں ایسی ہے۔ جہاں عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ مسلمان کا مصلحت نام

پیران پیر کی گیارہویں کرنے۔ انکی قسم کھانے اور امام حسین کا نام لینے کا نام اسلام ہے۔ مولوی اور عالم سب یہ تھا بہرہ البتہ پیروں کی کثرت ہے۔ دوچار چھوٹے موٹے مولوی ہیں وہ بھی پیروں کے چندے میں چھپتے ہوئے نہیں۔ پیروں کا یہ حال ہے کہ انہیں سب عیوب براج ہیں۔ (الانسانا الله) ان پیروں کے بزرگ شاہ پیر تریاکے قابض ہوں چون زمین تو کوئی بات ہنس کی اور زمین کی پانی نہیں جاتی۔ لیکن یہاں پیر کی اولاد میں مولانا پیری کا اوٹا کرنا پیر بننے کے لئے کافی قابلیت ہے۔ زہر و اتفاق کی کچھ ضرورت نہیں۔ مرض مبتدا اپنے تئیں کہہ دینا بہت کافی ہے۔ بعض پیران کی آمدیناں ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک پہنچتی ہیں۔ انکا طریقہ بود و باش مثل شہزادوں اور جاووں کے ہے۔ پیر کا شر بخوار اور بد چلن ہونا مردیوں کے اعتقاد میں بہتر ظہار ہے، ڈالنا۔ اور مردیکہ اعتقاد ہی کوئی معمولی نہیں بلکہ بعض کے مردیہ تو انکو خدا کا اتار یا منظر تک تصور کرتے ہیں۔ اور پیر کو سجدہ سودیت تک کرتے ہیں۔ جس جگہ پیر کا یہ حال ہو تو ان کے مردیوں کا بھی اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ غرض مذہب یہاں محض کسی پیر سے جویت کر لینے اور سالانہ یا ششماہی یا پیر کے دورہ کے وقت اسکی خیس ادا کر دینے کا نام ہے۔ قرآن شریف مفیدی ایکنے ہی مشکل ہی سے پڑا ہوگا۔ نماز روزہ کا رول محض واجبی ہی سلا ہے۔ کاش ہمارے علماء اور مجتہد جو وراثت انبیاء کا دعویٰ کرتے ہیں اور محض اپنے گھروں ہی میں بیٹھ کر حفظ و فاضلہ کو کے اور گروہ پیش کے لوگوں کی تعریفیں سننے سمجھنے میں کہم وراثت انبیاء کا پورا پورا حق ادا کر چکے کاش اداہ جاگین۔ ہوشیار رہوں۔ اور ان چوبیس لاکھ مسلمانوں کو بچائیں اور مذہب کا سید راستہ بتائیں۔ ہمارے علماء دعویٰ کرتے ہیں کہ انہی کی شان میں کہنا ہے کہ علماء ائمہ کا بیٹا یعنی (موسیٰ بن جعفر) وہ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر کہیں کہ کیا انبیاء نے بنی اسرائیل ایسے ہی تھے؟ جیسے وہ ہیں۔ کیا علمائے بنی اسرائیل ایسے ہی خاندان نشین اور حاشیہ نشینوں کی تعریف کے مستحق تھے۔ کیا انکے وعظ اور فصاحت و سحر اور گہری کی دیواروں میں محدود تھے؟ کیا وہ گنہگاروں اور بدوں سے ایسے ہی باگتو تھے یا گنہگاروں اور بدوں کو رادہ لائیکے لئے خود انکے پیچھے پھرتے تھے۔ کاش ہمارے علماء تھوڑے عرصہ کیلئے اپنے گھر کے نقود اور آپسکی لڑائی کو چھوڑ کر اپنے اصل فرض کی طرف رجوع کریں۔

اخلاق ہی مذہب ہی کا ایک جزو ہے۔ انوس ہے سندہ کے مسلمان اس لحاظ سے

اخلاقی حالت

بھی بالکل ماری ہیں۔ انوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں میں محسوسات کا

روایہ عام طور پر پھیلا ہوا ہے۔ ہنگام سے بہت کم لوگ ہیں جو نیچے ہوئے ہوں۔ شراب ایک عام چیز ہے۔ بکراوی ایک فخر ہے۔ معاملات مذہبی خاص چوری سے چھپتے بھی ہوتے ہیں اگر نگرانی نہ کریں ہر کاری جوتی ہے۔ ملزم

نہایت خفے کے ساتھ چوری سے انکار اور بدکاری کا اعتراف کرتا ہے۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں پر مردوں کی بدچلنی زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلی جاتی ہے، لیکن عورتوں کی بدچلنی ضرورتاً زمین عیب سجھی جاتی ہے، لیکن یہاں یہ کچھ زیادہ مشترک بات نہیں۔ عیب ظاہر ہونے پر سوائی میں ہرگز کچھ وقت کم نہیں ہوتی۔

تعلیم

تعلیم کا حال تو سب ہی سے بدتر ہے۔ انگریزی تعلیم تو گویا مسلمانوں میں ہے ہی نہیں۔ اگرچہ اور سب باتوں میں بدتر ہے، بے خبر اور بے پرواہ ہیں لیکن انگریزی تعلیم کی مخالفت میں کچھ ہیں۔ سندھ ہر میں شاید ہی کوئی مسلمان اتنا بگاڑا ہو، اگر کوئی ایک آدمہ ہوا ہی ہوگا تو وہ بھی حال ہی میں کراچی میں ہوا ہوگا۔ جہاں تین چار بوسے دیگر مسلمانان ہندو بچے اکثر سے آباد ہیں۔ اگر کوئی بلی سے ہوا ہی ہوگا تو وہی زمین سے ہوگا۔ سندھ ہی نہ ہوگا نہ صرف یہ کہ انگریزی ہی تعلیم سے نفرت ہے بلکہ عربی فارسی یہاں تک کہ سنہری تک کا بھی پتہ نہیں۔ شاید فیصدی ایک دو نوشت خود کر سکتا ہو۔ برعکس اسکے اہل مذہبی حالت نہایت اچھی ہے۔ انگریزی تعلیم انہیں عام ہے۔ اور وہ اس درجہ اہل مذہب کے ایک چھوٹے سے گائون میں جسکی آبادی مشکل سے چار پانچ سو ہوگی۔ میں نے پچھلے سال ایک مدرسہ دیکھا جس میں انگریزی کی تعلیم مل کے درجہ تک ہوتی ہے۔ اور یہ مدرسہ ہی کوئی آج کا نہیں بلکہ گذشتہ تیس سال سے قائم ہے۔ اس گائون کے سب لوگ ملازمت پیشہ ہیں۔ بوڑھوں اور بچوں کے سوا مشکل سے کوئی جوان نظر آئیگا۔ اہل مذہب میں صرف انگریزی ہی بلکہ قدیم زمانہ فارسی کی بھی پوری پوری تعلیم ہوتی ہے۔ اس وسیع تعلیم کا نتیجہ ہے کہ قدیم الایام سے ملازمت سرکاری ہندوؤں ہی کا حصہ ہے۔ چنانچہ ہندوؤں میں ایک قوم کا نام ہی عامل پڑا گیا ہے اور انکو اس نام پر فخر ہے۔ فیصدی دس یا سائیس مشکل سے مسلمانوں کے حصہ میں ہوگی۔ حالانکہ بلحاظ آبادی کے فیصدی ۸۰ ہونی چاہئیں تہیں۔ سرکاری مدارس تمام سندھ میں کثرت سے جاری ہیں۔ لیکن انوس مسلمانوں کے بچے ان سے مستفید نہیں ہوتے۔ مسلمان نہ اپنے بچوں کو سرکاری مدارس میں پڑھاتے ہیں اور نہ اپنے مدرسہ کھولتے ہیں۔ صرف تین مدرسہ مسلمانوں کے ملنے ہیں۔ ایک سکھ میں جسکی حالت نہایت غراب اور اسکا ہونا بوسے سے بہتر ہوتا۔ ایک لاکھ گائون میں اسکی حالت ہی کچھ اچھی نہیں تیسرا مدرسہ کراچی میں ہے اور وہ آئی سکول ہے۔ اسکی حالت بہت اچھی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے واسطے چند گورنمنٹ عابد سرکاری اگڈناری کے ساتھ ہی وصول کر لیتی ہے۔ اور وہ سرکاری لگائی میں ہے۔ اسکا پرنسپل ہی انگریز ہے۔ یہ مدرسہ شری علی مرحوم کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس مدرسہ میں پورٹونگ ہوس ہی ہے جسکا انتظام ہی بہت خاصہ ہے۔ لیکن اس مدرسہ کی حالت کا اچھا ہونا محض اس وجہ سے ہے کہ کراچی چونکہ ہندو گاہ ہے اس وجہ سے اسکی حالت باقی سندھ سے باطل جدا ہے۔

علامہ سرکاری مدارس کے ہندوؤں کے اپنے ذاتی بھی بہت کثرت سے مدرسہ میں جنکی حالت نہایت قابل رشک ہے۔ چنانچہ جدید آبادین کیٹلنگ سکول ہے جس میں تین ہزار لڑکے پڑھتے ہیں جس سے اس قوم کی زندگی اور انوکھی کا چہرہ چلتا ہے۔

سندھی کو برہمنوں کی کتا بنی اگر یہی جائیں تو انہیں دیکھ کر کہی یہ خیال ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ ایسے علاقہ میں پڑے جاتی ہیں جس میں مسلمان لکھنؤ آبادی کا ہیں۔ ان کتا بون میں کثرت سے سنسکرت کے الفاظ بہرے پڑے ہیں۔ بعض مضامین ایسے ہی پائے جاتے ہیں جسے مسلمانوں کی توہین اور ہتھک ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کتا بون کے بنیاد والے سب ہندو ہی تھے۔

اس زمانہ میں مرزا قلیچ بیگ صاحب ڈپٹی کلکٹر نے البتہ سندھی زبان میں بعض عمرہ اور مفید کتابیں لکھی ہیں۔ خدا کرے انکی دیکھا دیکھی اور لوگوں کو بھی شوق ہو۔ نظم میں بھی انہوں نے بہت کچھ اصلاح کی ہے۔ ورنہ انکس تو سو اے کا قیون کے اور کچھ مشکل ہی سے تھا۔

مالی حالت | مال، اہلالت کے لحاظ سے یہاں کے مسلمانوں کا قریب قریب وہی حال ہے جو عام طور پر لفظ مسلمان کا مفہوم قرار پایا گیا ہے۔ بہت کم مسلمان ایسے ہیں جنکو ابیر کہا جاسکتا ہے۔ لیکن پھر بھی ابھی تک زمینداری عموماً مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے لیکن فتنہ خوجی اور قرضداری کی وجہ سے انکی جائیدادیں شہرہ و بکلی طرف منتقل ہوتی چلی جاتی ہیں۔

ملازمت سرکاری | سرکاری ملازمت کا اہل ہندو نے جو اگرچہ آبادی کا چوتھ حصہ ہیں، گویا محسوس ہی لے رکھا جس جھگڑا ورجن فقر کو دیکھنے کا ہندوؤں ہی کو پائیے گا۔ مسلمان نام کو بھی منتقل ہے

ملیگا۔ لیکن انہیں ہندوؤں کا کیا مقدر ہے۔ مسلمان خود خواب غفلت میں سوتے رہیں تو ہندو کیا کریں۔ ہندو نہ صرف ہی زمانہ میں ملازمت سرکاری پر قابض ہیں بلکہ مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں ہی انہیں پر دار مبارک تھا۔ ایک قوم تو اتنے عرصہ ملازمت پیشہ چلی آتی ہے کہ اسکا نام ہی عامل پڑ گیا ہے۔ جسے لکھو فرسے۔ یہ قوم خاصہ جدید آبادین زیادہ تر آباد ہے۔ اور کالیستھو کی عادات سے انکی عادات بہت کچھ ملتی جلتی ہیں۔ اچھل گورنمنٹ کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو بھی عہدہ دیوے اور اس کمی کو کسقدر پورا کرے۔ مگر مسلمان ہیں کہ پڑھتے ہی نہیں جو گورنمنٹ کی یہ خواہش پورا ہو۔ جاہل لکھ گنوار دن و دو خدا واسطے ڈپٹی کلکٹر یا ن ملنے سے بھی رہیں۔

ہندو مسلمانوں کے تعلقات | اس صوبہ میں ہندو مسلمانوں کے تعلقات قدیم سے بہت قوی و

چلے آئے تھے۔ لیکن اس زمانہ میں ناجاتی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور تعلقات کس قدر کشیدہ ہو چکے ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ چند صاحبِ اہمیت مسلمانوں نے اپنی زار و حالت کو دیکھ کر سمجھ لیا ہے اور کچھ کچھ ماتھے پائوں مارنے لگے ہیں۔ گورنمنٹ بھی انکی مروتات پر توجہ کرنے لگی ہے۔ اور انکے حقوق پر بھی غور کرنے لگی ہے۔ یہ بات اہل ہندو کو نہایت شافی گذری ہے۔ اسلئے سندھ کی اخباری دنیا میں ہندو مسلمانوں میں بہت ناجاتی دیکھنے میں آتی ہے۔ جبکہ کہتے ہیں کہ مسلمان جاہل۔ بد چلن۔ اور بد رویہ ہیں اگر یہ لوگ ملازمت سرکاری میں بہرے گئے تو تمام محکمہ کا ستیانام ہو جائیگا۔ مسلمان کچھ نہیں کرنا گرجے ہم جاہل اور کم لیاقت ہیں لیکن ہم اہل حکومت رہ چکے ہیں اسلئے ہم ہی حکومت کے اہل ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ مسلمان ہر اہل حکومت اور صاحبِ تخت و تاج رہ چکے ہوں! مروجہ ملک کچھ لیاقت نہ دکھاتا کوئی کوئی کو بھی انکو نوچھیگا۔ دنیا میں تو مقابلہ ہے اور مقابلہ ہی محض ہاتھ۔ پائوں کی طاقت کا ہی نہیں بلکہ دماغی قابلیت کا۔ جو زیادہ اپنے تئیں مستحقِ ثبات کر لیا وہ ہی رہے گا۔ اور کامیاب ہوگا۔ باقی سب ہتھنگوں اور نیشہ کی طرح فنا ہو جائیگا۔

لیکن ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں جو کشیدگی پیدا ہوتی جاتی ہے وہ نہایت افسوسناک ہے۔ اگر دو چار لائق مسلمانوں کو گورنمنٹ کوئی چھوٹا موٹا عہدہ دیوے تو اس پر سندھوؤں کو اس قدر برہم نہیں ہونا چاہئے مسلمان تو اس قدر پیچھے ہیں کہ انکو اپنی پوری کوشش کے لئے ابھی صدیان درکار ہیں۔ اہل ہندو کو اس قدر خوف کرنیکی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ چونکہ سندھ میں مسلمان گریجوایٹوں کا کال ہے۔ ابھی حال میں کسٹرن سندھ نے دو تین لائق پنجابی گریجوایٹوں کو جو قالاتی امتحان پاس کر وہ تھے اور پھر ملازمت ریاست خیر پور سندھ ہی زبان جاتے تھے رزبڈنٹ بمبئی کے عہدہ پر جسکی تنخواہ ایک سو پچاس روپیہ ہے مقرر کر دیا ہے۔ اس پر سندھ اخبار روز میں سندھ وادیاں چاہتے ہیں کہ الامان۔ اور اگر یہ لوگ غیر معمولی طور پر لائق نہ ہوتے تو یقین تھا کہ ہندو اخبارات انکو کھٹوا ہی چھوڑتے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں میں اس وقت تک اتفاق و اتحاد تھا جیتک ایک ہی ایسا مسلمان نہ تھا جسکو قومی مزوریات کا احساس بھی ہو اور تمام مسلمان سرکاری ملازمت کو ہندوؤں ہی کا حق سمجھتے تھے لیکن اب کہ دو چار مسلمانوں کو کچھ خیال ہو چلا ہے۔ اور گورنمنٹ بھی (اگرچہ ڈرتی ڈلتی) انکی مروتات سننے لگی ہے اسلئے یہ بات اہل ہندو کو ناگوار گذری۔ اور نا اتفاقی بھی شروع ہو گئی۔ یہی بات صوبیکات متحدہ میں پیش آئی۔ یہی حال پنجاب میں اور یہی صورت بلکال مدراس اور بمبئی میں پیش آئی نظر آتی ہے۔ باقی حالات انشاء اللہ ہم دوسرے نمبر پر لکھیں گے۔

(ایک ممبر صنف)

رسوم مذموم

مزدناظرین عصر جدید کو شاید یاد ہو کہ میں نے جون سنہ ۱۹۱۷ء کے مضمون طالب علموں کی شادی میں یہ وعدہ کیا تھا کہ میں کسی ایک مذہبی واقعہ پر حقیقت سے منگنی اور منگنی سے چھٹی تک کی بیوہ رسوں اور انکی فتنوں پر بیون اور فتنات کا خاکہ کھینچوں گا۔ اب اسکا وقت مناسب آگیا کیونکہ اسونہ ۱۹۲۰ء کے لکھنے سے ایک پختہ دو کالج "کامہ سداقہ" منظر کشا۔ یعنی یہ کہ ایسے وعدہ بھی ہو جائیگا اور اپنی رائے کا اظہار بھی ہو جائیگا جو مولوی سید جمال احمد صاحب سے مجوزہ دستور العمل کے متعلق طلب کی گئی ہے۔

اگرچہ میں یہ کہتا ہوں کہ حقیقت سے چھٹی تک کی بیوہ بالوں کو دکھلاؤنگا۔ مگر میں اب ضرورت اسکی ہر کہ حل سے لیکر اس مولد کے مرنے تک کی فتنات پر بحث کروں۔ وہ ہونا :-

حل کے ساتھ ہی ایک بڑی رتم تو گندے اور فلیٹوں کے ہانے سے ملاؤن اور سیانوں کی بھینٹ چڑھتی ہے۔ حل کے ساتوین یا نوین پینے نہ پوری ہوتی ہے۔ جمین حاملہ کے سیکے سے پانچواں پوری۔ دوہرا کس دوہرا کھیر۔ اور دوس جوڑہ کپڑا حاملہ اس کے شوہر اور ہونیوالے بچے کے لئے آتا ہے اور دونوں کے ان تمام برادری کی عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ تو الین بلاتی جاتی ہیں۔

دولت حقیقت۔ خستہ اور بسم اہر کی صوبہ بار میں ہی وہی کیفیت ہے۔ جو مولوی جمال احمد صاحب بیان کر چکے ہیں اور مجھے انکی رائے سے بالکل اتفاق ہے بجز اس کے کہ بسم امین روشنی چہرہ بسم احمد عمو مان کے وقت ہوتا ہے پھر روشنی کی ضرورت ؟

مگر وہ ان رسوں میں تو یہ مجھو لگے جو غندہ ریز اور لباس میں دیا جاتا ہے اور جو ہر دینے والے کو لیکٹا گوارا دیتا ہے۔ ہوتا ہے اور جو بالکل بیکار ضائع جاتا ہے۔

حقیقت کے بعد ایک رسم نکاحی کی ہوتی ہے جس میں لڑکے کو شیرنی چٹائی جاتی ہے اور تمام اہل برادری میں غزنی وغیرہ تقسیم ہوتی ہے

بات۔ یعنی رسم نسبت امین حاصل الخاص عورت و مرد جمع ہوتے ہیں اور لڑکا لڑکی کی نسبت فرید پاتی ہے اور طرفین سے بان و شہائی آتی جاتی ہے جو اہل برادری میں تقسیم ہوتی ہے اور اسکے بعد ہر تورا میں معمول سے مزید حصہ

سبند ہیوں میں بھیجا جاتا ہے۔

مینگنی۔ اسکے کچھ دنوں کے بعد مینگنی ہوتی ہے جس میں تمام عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ کانیوالی عورتیں بلالی جاتی ہیں اور اسی طرح سے لڑکی والے کے ان سو روپیہ کی مٹھائی جاتی ہے اور لڑکی والے کو بیسٹ لڑکے والے کے کان چار ہزار پان۔ چار ہزار پان۔ اور ایک سینگلی اکثر سہ آتی ہے۔ اسکے بعد ایک کھڑا یہ شروع ہوتا ہے کہ ہر تھوڑے دن دو چار روپیہ نقد اور بیسیوں اس تھوڑے کی اشیا آتی جاتی ہیں جبکہ سلسلہ شادی نہیں لگتا۔ قانچم رہتا ہے۔ یہ سب بیکار صنایع جاتا ہے۔

اسکے تھوڑے ہی دنوں کے بعد شادی کا انتظام شروع ہوتا ہے جس میں سب پہلے اور سب زیادہ تو طالب علموں کی یا کسٹونکلی شادی کا رہتا ہے۔

شادی کا پہلا کام لگن ہے جس میں تمام اہل قرابت مسدورات اکٹھا ہوتی ہیں۔ اور کرم کا رنگ تیار ہوتا ہے جس میں دولہا اور دولہن کا کپڑا لٹکا جاتا ہے۔ اور اسکے بعد عورتیں آپس میں ایک دوسری پر رنگ ڈالتی ہیں جبکہ ایک طرف از بے تیزی پر پاتوتا ہے۔ اور جس سے شرافت کو تو فرونگ آتا ہے مرد لوگ بھی واسطے قطعہ درید پارچہ کے جمع ہوتے ہیں اور ان پر بھی رنگ دیا جاتا ہے۔ جو تہذیب کے بالکل خلاف ہے۔ کپڑے کے قطعہ ہونیکے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ لوند بھی دیتا ہے اسی روز پھر شہ کے وقت مرد لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور دو مال درنگتسی وغیرہ لیکر لڑکی والے کے کان بندتے ہیں جہاں شادی کی تاریخ مقرر کرتے ہیں جو عموماً اس روز سے دو تین ہفتے بعد ہو کر آتی ہے۔ اور دوکان سے بھی ایک بڑی رقم نقد لیکر واپس آتے ہیں۔ اب اس روز سے شادی کی تاریخ تک دس میں عورتیں دولوں جگہ جمع رہتی ہیں۔ اور روزانہ گانا گایا جاتا ہے۔ اور صومنا شام کے وقت تو اعتقاداً گانا ہوتا ہے جسے عورتیں اپنے محاورہ میں پڑھتی ہیں۔

تاریخ مقررہ کے تین روز پہلے پہر مردوں کا جمع منڈوا ہا نہ ہنہ کیلئے ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ کہیں کہیں غانچیاں بھی اکٹھے کئے جاتے ہیں شامیانہ نصب کر نیکیے بعد چنے کی دال اور مالیدہ تعمیر ہوتا ہے۔

اسکی صبح کو اہل قرابت عورتیں مدعو کیا جاتی ہیں۔ اور شب کو کھٹ جگا ہوتا ہے اس میں تمام شب عورتیں بیاد رہ کر گنگا۔ پٹیر۔ بڑا وغیرہ جو سنون ہوتا ہے تیار کرتی ہیں۔ چمانوالے دن میں تعمیر کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد صبح کو کوڑو کا ہوتا ہے۔ جس میں مدعو کی ہوئی عورتوں کے ماسوا ہزاروں بے بلالی عورتیں آتی ہیں باہر مردوں کی بہ کثرت ہوتی ہے۔ جس میں سب سے سب کو دن روپیہ براد ہوتا ہے۔ مہمانوں کے آرام کا کیا ذکر ہے انکو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور میزبانوں کی مصیبت کا کیا پوچھنا ہے۔ اگر خیرت جگہ کے سرور کا دلور نہ ہوتا تو یہ مصیبت کیسے مصطفیٰ مختصر ہو ہے کہ جو حالت میں نے

مرطوبانہ سے کدو دج کی بیان کی ہے۔ یہی سب کیفیت چھٹی حقیقت۔ اور غنہ میں بھی ہوتی ہے۔

اسی دن کی شب کو بارات جاتی۔ شام سے ناچ گانا۔ عایشات خرافات ہوتا رہتا ہے۔ تمام اغوہ کھیلنے سے نوذکر کو مانجھا اور اسکے والدین کو بڑا دانا ہے جو ہر پہنچنے والے کو سخت تکلیف دہ اور ناگوار ہوتا ہے۔ مگر یہ وہ سوسائٹی کے ڈر سے مجبور کیا کر رہے؟

پھر مانجھا اور بدلتا کی تقریبیں انالام سے حسین ہر جڑو کپڑا ہر جڑو جوتی۔ دامن چاول۔ ایکسٹن شکر۔ ایکسٹن بڑا (بشرین چیرین) اور دوسرے نہیں جاتا ہے۔ اور اسکے عیال میں اس طرف سے نوذکر کپڑا داتا ہے۔ اسکے بعد بارات نکلتی ہے جو خاص ایک طوفان سے تیزی کا نمونہ ہوتی ہے۔ سہارون آدمی ساتھ ہوتے ہیں۔ روشنی آتش بازی، آرائیخون کا شمارا مکان میں نہیں۔ آج پورے گھر بچوں کا تماشا دیکھنے کے مصداق ہوتا ہے۔ ایک بہت بڑی روڈ کر کے بارات منزل مقصود کو پہنچتی ہے۔ جہاں بعد غنہ کے کل بارائیون کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ عین حضرات، دعوتیاد ایک رے بھی نہیں ہوتے۔ یہی ادھر ادھر کے شنگے لچے انٹرٹینمنٹ کو ذلیل کر کے چلتے ہوتے ہیں۔ کھانے کے بعد عزیز و احباب انتقال پر نوذکر دیتے ہیں۔

بارات کے قبل اور بعد جو یہ وہ رسمیں خلاف مذہب رہتی جاتی ہیں اگر انکی فہرست لکھی جائے تو آپ پڑھتے پڑھتے گہرا جانتینگے لہذا میں انہیں سے مشتے نمونہ درخواستے انکو بیان کرتا ہوں۔ مثلاً چوکا بنانا۔ پرچھنی کرنا۔ ٹیکا لگانا۔ دو لہن کے سر ایک مقام سے دوسرے مقام کے انتقال میں دو لہے کی گود پر جانا۔ دو لہن کی جوتی دو لہے کے دو لہو کے سر پر رکھ دینا۔ جلوہ کرنا۔ دو لہے سے پانی منگوانا۔ سیلا اور پکی چلوانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کہ اس قسم کی عیالیں یہ وہ رسم و رسومات ہیں۔

شاید کوئی صاحبِ یفرائیم کہ اگر انکو تقریباً بتا جائے تو اس میں کیا حرج اور کیا نقصان ہے، تو میں یہ کہہ چکا ہوں کہ ایسے تنگ (شرم و حیا تہذیب و شائستگی جو جزایان اور اسلام ہے) کے خلاف اعمال تقریباً روا کئے جائیں تو پھر معصیت کو کسی چیز ہے اور اس سے بڑا کربے حیائی اور بے شرم، بے دینی اور بے ایمانی کیا ہو سکتی ہے؟

ان رسومات کے بعد دوسری عیال کو رخصت ہوتی ہے۔ اور دولہا و دلہن کو لے کر اپنے مکان واپس آتا ہے۔ اور پھر یہ وہ رسومات کے اوائل میں معروف ہوتا ہے۔ جو قدم قدم پر عجیب عجیب قسم سے کرائی جاتی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر واقعی رونا آتا ہے۔

اسکے تیسرے روز چوتھی ہوتی ہے جنہیں ایک چھوٹی سی بارات پڑ پڑتی ہے۔ اور وہ ان جاگرا ایک نہایت شرمناک رسم ادا کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ ایک بدوقت و ایک تمام آگن میں، دولہا اور دلہن غسل کرتے ہیں لیکن دولہا

کھڑا رہتا ہے۔ اور اسکے پیروں سے لٹی ہوئی دولہن بیٹھی رہتی ہے۔ دولہا غسل کرتا ہے اور جو پانی کرا اسکے غسل کا بکھرا آتا ہے اس سے دولہن بھی غسل ہو جاتا ہے۔ واہ رے قتل اور واہ رے شرم !

شادی کے بعد پہلے چار دن میں جڑا اور جاتا ہے اور اس میں بھی ایک اور رسم مجبوتی ہے۔ بعد اسکے سالہا سال تک یہ سلسلہ رہتا ہے کہ دولہن دو چار مہینے سیکے رہی اور دو چار مہینے سرسرا ل اور اسکی ہر آمد و رفت میں نون کھانے اور مٹھائیاں آتی جاتی ہیں۔ جو لوگوں میں تقسیم کجائی ہیں اور پرہیزگاری کے نام سے مسنون کھانا تہوار دن میں جہان ناتو عمر بہ جاری رہتا ہے۔

یہ سب جھوٹے ائے حضرت سلامت کا پیام حیات ہی آہستہ آہستہ لبریز ہو کر چپکاپ جاتا ہے۔ اور پھر وہی برکتا اور فضو خرچوں کی بہرہ مندی کے تیسرے چوتھے روز سویم چارم ہوتا ہے جس میں بیکار عورتوں کا ایک مجمع ہوتا ہے دسویں دن دسواں ہوتا ہے۔ اس میں بھی کسی طرح کی کثرت ہوتی ہے۔ اور تمام لوگوں میں روٹیاں تقسیم ہوتی ہیں بیٹوں دن بیسواں ہوتا ہے۔ اس میں اور زیادہ کثرت ہوتی ہے۔ اور اور زیادہ روٹیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ پھر پالیسویں دن چہلم ہوتا ہے۔ جس میں بڑی دھوم دھام سے ہزاروں مرد اور عورتوں کی دعوت ہوتی ہے۔ اور اسکی صبح کو رسم تہرا والوٹنا برتی جاتی ہے۔ جس میں سخت یا عتوں کو دخل ہے۔ اور پھر چھ مہینہ اور برس روز پر ششٹا ہی اور برسی ہوتی ہے جس میں خاصی چہلم کی سی دھوم دھام سے دعوت ہوتی ہے۔ اور یہ سب کیاں سے؟ یہ سب قرض کے گلچہرے ہیں۔ اے بیچارے متنی کی بیوہ اور بچوں پر یہی کسکیورم نہیں آتا ہے اور انہیں جبراً یہ قرض کا بار ڈالا جاتا ہے صرف اپنی تن پروری کے لئے۔

مختصر کر کے کہو گا ہیکو پلڈیک ہوا کہ حسب طرح یہ ملعون جس ملک میں پہنچتا ہے اس ملک کو اکیدم دیران کر کے تب چھوڑتا ہے۔ اس طرح یہ لڑکا ہوا کہ گھر کو دولت سے صاف اغوا کو تباہ و برباد کر کے خود بار عھیان میں دبا ہوا اہل ایسا۔ اب میں شرفیضہ علما اور مصلحان قوم کے حوالہ کرتا ہوں کہ وہ فتوے جاری کریں کہ کہاں تک ان بیہ دلیوں کی چٹائی کرنی جائز ہے؟ جنہوں نے ہمارا دین دنیا و دوزخ کو برباد کر رکھا ہے۔ اور ایسا ذلیل و خوار و دبتا کیا ہے کہ پٹھنے کی اسید نہیں۔

جہاں تک ہماری عقل سلیم ہمارا ساتھ دیتی ہے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ناوقیقہ ہم ان بیہ دلیوں کو اکدم نہ چھوڑنا اور ہمارا عقیدہ بالکل اسلامی تمدن نہ ہو گا کہ ہم کبھی درست نہ ہونگے اور ہرگز ترقی نہ کریں گے۔

بہلا کہئے تو جس قسم کی یہ حالت ہو کہ ابتدا ہی وجود سے عدم وجود تک اسراف دولت و وقت شرک و بدعت اڈم پڑتی

اور رسم پستی کی سخت زنجیروں میں جکڑی ہوئی کبھی ترقی کی جھلک بھی دیکھ سکتی ہے، ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ان ہیوں رسومات کا اثر مذہب پر بھی غالب ہے، اور یہ جتنی رسوم برقی و آبی ہیں وہ اعتقاداً برقی جاتی ہیں۔

ہر مصلح قوم اور ہر عالم جنگے امتحین عوام کی باگ ہے اور ہر مسجد ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حق اللہ و ربہ ان رسومات کی بجائے کر کے اسلام کو اس دہشت سے پاک کریں۔ (جنی الواقع پاک ہے مگر ہمارے افعال کی وجہ سے وہ دہشت پسند لگے تھوڑا ہے۔) اور اپنے کو اور اپنی قوم کو قہر مذلت سے نکالیں۔

(خال۱۱۱۔ خیر الدین احمد سہرا می مہر صفیہ۔ از سہرا می)

روپے

یکم ستمبر اخایت نو مہ ۱۹۰۵ء

۱۔ ایک صاحب جو سات روپے ماہوار کے ملازم میں پچاس روپے قرض لیکر اپنے لڑکے کی تقریب فتنہ میں خرچ کرنا چاہتے تھے لیکن جب بیٹے انکو نقصانات سمجھائے تو وہ اس قرض اور خرچ سے باز رہے اور ختمہ بغیر قرض کے بہت آسانی سے ہو گئی۔ قرض بغیر کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

۲۔ مظفرنگر میں مجھ کو بہت سے سادات بارہہ کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے بیٹے ہمیشہ تخفیف اخراجات کے متعلق گفتگو کی۔ معلوم ہوا کہ انکو کمال تباہی کے بیاہ شادیوں میں ہنوز فضاؤں خرچ جاری ہے اس نقصان کا احساس ہوتا ہے اور لوگ خدا سے چاہتے ہیں کہ تباہ کرنیوالے اخراجات بند ہو جائیں۔ لیکن کسی میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ کوئی سبقت کرے۔ ایک سید صاحب بہت بخت ہوئی اور میں نے انکو بہت اصرار کے ساتھ اس بات پر تیار کیا ہے کہ آئندہ تقریب میں وہ خود سبقت کریں گے اور دوسروں کے لئے نمونہ بنیں گے۔ امید تو کم ہے لیکن خدا کرے ایسا ہو۔

۳۔ ایک میرے ہمایا کی شادی میں میں نے بری کالینا بال محل ہو تو نہ کیا اور اس طرح ایک مسلمان کو ماہ کی بخت ہوئی جو وہ سات مہینے میں کٹا۔

۴۔ مظفرنگر میں جھوٹے عرصے سے ایک انجمن اسلامیہ قائم ہے جہاں ہر مہینہ عمر جدید وغیرہ کے مضامین پڑھا

سنائے جاتے ہیں لیکن انہوں نے سب کچھ سادات بارہ اسمین شریک نہیں ہوتے۔

مذکورہ بالا خبریں ہمارے دوست نیاز احمد صاحب بھیجی ہیں۔

۵۔ ایک مشہور دانش کے بزرگ نے سکرٹری صبیحہ کو خط لکھا کہ سنی و شیعہ میں جو غنا و پورہ ہیں بڑھتا جاتا ہے، اسکا لئے زبردست مضامین لکھنے کی ضرورت ہے ورنہ قومی اتفاق جلد عداوت سے بدل جائیگا۔ سکرٹری صبیحہ نے جواب دیا کہ نہایت مناسب اور عمدہ تجویز ہے مگر جب یہ صغیر اٹھوڑا نکل جائے تو باقاعدہ کوشش شروع ہونی چاہئے۔ لوگ اسوقت روپیہ اور عزت کے خون کر لے رہے ہیں۔

۶۔ مسٹر ایس۔ ایم رفیقی تاجر گون چکی کو شہنشین بابت اوقات مشہور زمین نمبر صبیحہ ہوئے اور اپنا اصلاحی کام خیریت سے کر رہے ہیں۔

۷۔ انجمن اصلاح و سنہ کی رپورٹ موصول ہوئی جو ذیل میں درج ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ فیضانِ انجمن ہر مقصد صبیحہ کے لئے برابر کوشش کر کے قوم کے لئے نواز بنے گی۔ - یکاوری اور اتفاق کو کھونا سب بڑی اصلاح ہے۔

(مختصر کیفیت جلسہ سالانہ انجمن اصلاح و سنہ (بھار)

منعقدہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء

الحمد للہ کہ اصلاح و سنہ کا جو محفل سالانہ جلسہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو منعقد ہوا، بہت ہی حسن و خوبی اور کامیابی ساتھ انجام کو پہنچا۔ سال بھر کی کارروائیوں کی رپورٹیں یہاں پائیے، بیوت کو پونچا، اکابر یہ انجمن کیون کھیل نہیں باقی رہی۔ بلکہ ایک کانٹیلیٹیوٹل باڈی ہو گئی۔ رزولوشن جو ہر سال پیش ہوا کرتے ہیں وہ زبانِ الفاظ کے انبار خانہ میں نہیں داخل ہو کر تے بلکہ علی جا سپنیکر پبلک کے مدبر و آئینے ہیں۔ اس انجمن نے اپنے مقاصد لوگوں کے خیالات اور اعتقادات میں بہت کچھ اصلاح کو اور علمی چراغ دی ہے۔ علمی ذوق و مشوق کی مدد و اثر اور وہیں چھوٹکی ہے۔ وہ حضرات جو کبھی بھولے سے بھی اخبار و کتاب نہ چوتے تھے اب ان کو بغیر اخبار بینی و کتب بینی چھین نہیں آتا ہے۔ بہت سے حضرات جو بولنے میں رعب کھاتے تھے اب اس پر بے رعب ہو کر تقریر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو غش مذاق رکھتے تھے ان میں مذاق سلیم پیدا ہو گیا۔ اس انجمن کا اشرف اپنے مقام ہی تک محدود نہیں باقی رہا ہے بلکہ مصافحات میں بھی پھیل چلا ہے بعض جگہ اسکی دیکھا دیکھی اس قسم کی انجمنیں قائم کر نیکی تحریکیں شروع ہو گئی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مصافحات کے لوگ بھی سالانہ جلسہ میں مدعو کئے جاتے ہیں۔ اور لکچر و سیمپوزیم سنکر متاثر ہوتے ہیں، چند حضرات جو دور کے

رہنے والے بہن اور اس انجمن کے ساتھ دلی ہمدردی رکھتے ہیں خود تو شریکین بن ہو سکتے مگر ہر سال اپنے
 بیشش بہا میں مہینہ ایک کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس سال ہی جناب حافظ رفیع الرحمن صاحب آراء و عظیم آبادی نے
 ایک طویل سہ ماہی اور جناب مولوی عبدالغنی صاحب حال منامی حیدر آباد اور جناب حافظ سید محمد علی صاحب
 عظیم آبادی سے مضامین شریعت و فقہ پر لکھے گئے۔ میں خوش آمد از ہنرمند
 بلکہ سچی بات کہتا ہوں کہ یہ تینوں مضامین نظم و نثر اپنی اپنی نوعیت اور خوبی میں کے لحاظ سے ہمیشہ
 تھے۔ دل پر اثر کر رہے تھے اور ترقی کی راہ سے چلنے والے اور علمی فوائد پر تکیہ کرنے والے اور سچے رہ رہے تھے۔
 اس انجمن کی سب سے زیادہ کوشش تقریبات کی فضا کو چھان بند کرنے اور رسوم و رواج کی جانچ
 اور اصلاح اس جانب ہی ہوئی کہ کوشش رائگان نہیں جاتی۔ گزشتہ سال میں جناب حکیم سید ابوالحسن صاحب صاحب
 کی شادی کا حال اچھا تھا۔ اس سال مولوی عبدالغنی صاحب بی لے سکریٹری انجمن علی مولوی عبدالغنی
 صاحب اور غلامیہ پیر عبدالغنی صاحب نے اپنے آپ کو لڑاکا کا فتنہ اور مولوی محمد صدیق صاحب لاٹھیا
 انجمن نے اپنے دو لڑکوں کا فتنہ بلا کسی تعلق کے مولوی طریف پیر کر دیا۔ اس خاص ماہ میں زیادہ کامیابی مولوی
 احمد کریم صاحب اسٹڈی سرچ کی کوشش سے ہوئی ہے۔ یہ حضرت اسی انجمن کے نہایت ہی ہمدرد ممبر ہیں۔ جو
 ڈاکٹر دوشیکہ انکی لیتی ہے۔ جو ہر شخص کے ان جاکر اسکے بچے کا فتنہ کو دیتے ہیں اور دعوای کے ساتھ چار روزہ میں
 اچھا کرتے ہیں۔ جت فرصت میں مکان آتے ہیں تو بستی کے کل بیاروں کو مفت دوا بانٹتے ہیں۔ اسلئے ہر شخص
 پر انکی بات کو کھانا نہیں ہوتا ہے۔ اسید کامل ہے کہ انکی کوشش سے کم سے کم فتنہ کی فضا کو چھان رفتہ رفتہ
 اٹھ جائیگی۔ کاش ہر طرح کے ڈاکٹر کوشش کر کے ایک فتنہ کے موقع کے صرف کو تو بند کر دیتے۔
 اسکے ساتھ ہی مجھے یہ اندوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ منشی عزیز الدین صاحب جو اس انجمن کے ایک غیر مستقل
 ممبر بھی ہیں عورتوں کی جہالت کے مقابلہ میں بانی نہایت اسکے اور اپنے بیٹے کا فتنہ اسی ایشیائی تعلق کے ساتھ
 کیا۔ انجمن کی طرف سے انکو بہت کچھ ملامت کی گئی۔ جس سے اسید ہے کہ اب وہ آئندہ ایسی جرأت نہ کرے گی۔ اب
 اپنے مصروف کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور انشا اللہ سال آئندہ کے سالانہ جلسہ کو بعد میں اس انجمن کی کارروائیوں
 چلک کر آگے کر دینگے۔

سب بھائیوں سے التجاہ ہے کہ اس انجمن کی ترقی و بہبودی کے لئے دعا کریں۔ فقط

(سید عبدالحکیم دستوی)

۸۔ غازیوں میں جو اسلامی کارروایاں ہوئیں وہ علیحدہ مضمون میں درج ہیں۔ تھانی قمر الدین صاحب کا شکریہ ادا کیا۔
 ۹۔ منشی نذیر احمد صاحب ممبر صنفہ جنگو ہمیشہ اس کام میں دلچسپی رہی۔ ہے اور انوسر ہے کہ بیا۔ ہو کیو جس سے پوری محنت نہیں کر سکتے۔ اطلاع دیتے ہیں کہ اگر آبا کے رئیس منظم شیخ عبدالصمد صاحب اپنے پسران حرم کی بیوگان کا نکاح کروا اور نواح میں اچھا نمونہ قائم کیا۔ جزاء اللہ العزیز۔

۱۰۔ جناب محمد امین اللہ صاحب ہفتیا ضلع غازی پور سے اطلاع دیتے ہیں کہ انکے تمام پریر دستو ہے کہ سیکلی وفات کے بعد جو اول شہر برت ہوتی ہے تو نہایت کثرت سے حلوا تقسیم کیا جاتا ہے۔ مولوی محمد احسن صاحب مرحوم کے انتقال پر پریر رسم بند کر کے اسید در رسم محتاجوں میں تقسیم ہوئی۔ وہ اس کامیابی کو عشرت جدید کے اثر سے منسوب فرماتے ہیں۔

۱۱۔ سید حیدر حسن صاحب (ایڈیٹر شینڈ) نے اپنے برادر عموزاد کی شادی میں دو بڑی رسوم کو ترک کر دیا۔ اور سابقہ ۸ ماہ سے وہ عہدہ کے کام سے غافل نہیں رہے۔ مگر میں ان سے یہ استدعا در سے کرتا ہوں کہ اپنے رسالے کے ذریعے سے بھی اصلاح رسوم کا کام زور سے لیں۔

۱۲۔ سکریٹری صنفہ نے پٹنار میں بدولت خانہ ضلع محمد کاظم صاحب "اسلام اور اصلاح" پر ایک لکچر دیا۔ جس میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ صاحبان بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس لکچر کے بعد بعض معذرت کے فریقین نے بجا اس لکچر کے عدالت میں راضی نامے داخل کر دیئے۔ کیونکہ اس میں معذمبلائی کو برسر اہراف بنا گیا تھا۔ لکچر انشاء اللہ علیحدہ شائع ہوگا۔

اس تاریخ (۵ اکتوبر) کو شرفائے قصبہ سند کی درخواست پر سند میں اخلاقی اصلاح اور رسوم پر وعظ و گھنٹہ ٹپکا گیا گیا۔

۱۳۔ مسٹر عبد المجید صاحب مالک برکت کمپنی دہلی نے خواہش ظاہر فرمائی ہے کہ وہ اپنے پسر مرحوم کی وفات پر ایک خبری نکاح لانا چاہتے ہیں جو ۵ ستمبر شائع ہوگی۔ ۲۲ صفحات اصلاحی مضامین کے وسطے اس میں دینا چاہتے ہیں۔ شکریہ ادا کیا گیا۔

۱۴۔ محمد عثمان صاحب ممبر کی درخواست پر سید بشیر الدین صاحب رئیس بانی کو لکھا گیا کہ بہ تعزیر انتقال اپنے پسر مرحوم کے منو لکھی ذکر کریں۔ خوشی کی بات ہے انہوں نے برادری کی دعوت ایسے موقع پر ہٹھن کی۔ محمد عثمان صاحب جہد ممبر صنفہ ہوئے ہیں۔

۱۵۔ محمد اکرم خان صاحب بنوں سے مہری صیغہ کی وضاحت دی۔ لکھو لکھا گیا فارم اقرار نامہ واپس فرمائیں۔ وہ سالانہ فراغت کا ترجمہ بھی پیش کریں گے۔ رسالہ نانا محمد صاحب سے بھجوا گیا۔

قابل توجہ: اب صاحبان جو میر بننا چاہیں اول فارم اقرار نامہ لکھ کر مع دستخط روانہ فرمایا کریں اور اب صاحبان وغیرہ اراکین عصر جدید وہ فارم امیدواران کو دکھا دیں جو آخرین چھاپی جاتی ہے۔

آمد خراج آمد تبرعاتیت نو مہر
 از مولوی حبیب الرحمن صاحب شران
 (شکر یہ قبول ہو کر لکھا)
 (خرج) فاضل بوجب رپورٹ نمبر ۱۵
 خرج ڈاک تبرعاتیت ۱۹ بزمیر بات
 حفظ و تعمیر سالجات وغیرہ
 الونس مجرب بات اگست لوائت اکتوبر ۳ ماہ
 میزان آمد میزان خرچ
 فاضل بزمیر صیغہ
 میزان

فارم اقرار نامہ
 میں ساکن ڈاک خانہ
 اقرار کرتا ہوں کہ میں نے مقاصد انجمن اصلاح تمدن کو پڑھ لیا اور معلوم کر لیا۔
 میں خود ان پر عمل رہو لگا۔ اور جہاں تک ہو سکے گا دوسروں کو انکی طرف راغب کروں گا۔ یعنی ہر قسم کی مضبوطی
 سستی۔ بے اضافی اور نا اتفاقی کو دور کر کے کفایت شعاری اور محنت اور انصاف اور اتفاق میں سعی
 کروں گا۔ میرا نام فہرست ممبران میں شامل کیا جاوے۔ ہر چندہ سالانہ بغرض اشاعت مقاصد اکثر
 ہوں اور ہر چندہ سال ہر سال دیتا رہوں گا۔ فقط

دستخط یا نشان اگست

مع عہدہ وغیرہ -

اصلاح

(ترجمہ تقریر انگریزی منظر عام محکمہ مدینہ منورہ علیہ السلام لاہور ۱۹۶۱ء بمقام مجلس اصلاح و سہل)

ایک نظام دوسرے نظام کو جگہ دیتا ہے۔ شاید ایک ہی طریقہ اگر عمدہ ترین

ہی کیوں نہ ہو تمام عالم کو خراب کر دے۔ (تینین)

یہ قول حکمتان کے ایک شہور شاعر کا ہے۔ انسانی ترقی ہی اسی اصول کی پابند ہے۔ ہر انجنین۔ علم ہر شغل میں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں تبدل واقع ہوتا رہے۔ اور رہیگا۔ خواہ وہ تبدل طرز میں ہو۔ یا شکل یا اصول میں۔

حضرت انسان کی حالت پر اگر غور کیجئے تو ایک اور دوسرا ثبوت اس شہور شاعر کے قول کا ملتا ہے۔ خداوند کریم نے انسان کی خلقت میں جدت پسندی کا مادہ ڈال دیا ہے۔ ہر انسان کچھ نہ کچھ تبدیلی کا خواہش مند ضرور ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہر حضرت میں سجدہ و سحر و عموما عمدہ ترین ہی تبدیلی کو پسند کرے گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان بڑا لالچی اور بھلا ہے۔ کتنا ہی علم کتنی ہی عزت اس کو حاصل ہو جائے وہ قانع نہیں ہوتا۔ اصرار گہری کچھ اور کی اور ادبیر میں رنگا رہتا ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ یہی بے صبری باعث ہوئی ہے ان تمام ترقیوں کا جنکی جگہ کافی ہوئی رہی ہے بیک عالم کے دل کو چکا چوند لگا دیا ہے۔

سوشل مبر کی خواہش انسان کو دولت جمع کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور بڑے بٹنے کی خواہش باعث صدور افعال حسہ ہوتی ہے۔ بسا اوقات ہمیں ایسے آدمیوں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوتا ہے جنہیں ہم ظاہر سبب اپنی حالت پر قائم پاستے ہیں۔ انہیں دیکھ کر طبیعت میں گدگی پیدا ہوتی ہے۔ کلاںکی تشریف کریں۔ مگر غور دیکھنے سے ہماری غلطی بکھوٹ کر ہو جاتی ہے۔ بلکہ نظر آتا ہے کہ ان کا ظاہر ہی صبر توکل ایک کامل درجہ کی کابل کو اپنے ظاہر ہی دامن فریب میں چھپا کر ہوئے ہے۔ کبھی انہوں نے گوشہ نشینی میں اپنی حالت درست کریں۔ کام کے خوف سے انہوں نے صبر کو پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ اور لوگوں پر اپنی بلا سہائی اور دنیا کے کاموں سے بے تعلقی ظاہر کرنے میں نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی حالت پر ہی قابض نہیں رہ سکتے۔ ایسے لوگوں میں بڑے ہونیکا تو خیال رہتا ہے مگر مغل حالت میں۔ اور حضرت

آج جو ہم بیان جمع ہیں اسکی غرض یہی ہے کہ آپس میں ایسی حرکت پیدا کریں جسکی وجہ سے ہم میں کوشش کریں گی خواہش پیدا ہو۔ اور اپنی حالت کو درست کر دینا خیال۔

انسانی ترقی کے حالات ملاحظہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ترقی کے بلند مقام کا پہلا ذیہ اسوقت شروع ہوتا ہے جب ایک قوم اپنی خراب حالت کا احساس کرنے لگتی ہے۔ اور جب اسکو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اقوام کی گھوڑ و روٹھ میں کس قدر پیچھے اس قوم میں سے چند تو اپنے منزل کے اسباب کی تفتیش میں لگ جاتے ہیں اور بعض بعض ریفاہم کا پیر پر بلند کرتے ہیں ایک عرصہ تک اس قوم میں رچوڑش تقریر و نگاہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اخباروں کے صفحات موجودہ وقت کے رسومات کے مضامین سے سیاہ رہتے ہیں اور سنجیدہ شخص کو اپنی حالت درست کرنیکی فکر ہوتی ہے۔ قبل اسکے کہ کوئی علی کارروائی شروع ہو اسبطر چر ایک مدت گزر جاتی ہے۔ اور خیالی دنیا پر قائم کئے گئے بعد عمل کا زمانہ آتا ہے اور یہی زمانہ اس قوم کا سنہ زنا کہلاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ چاہئے کہ ہاگوں کا زمانہ گریہ کیسے کا زمانہ ہے۔ اخباری دنیا سے جسکو تھوڑی سی ہی مناسبت ہوگی وہ آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ یہ زمانہ چند اصلاح کا ہے۔ ہر طرف کے اصلاح! اصلاح! کی صدا بلند ہو رہی ہے، حضرات! یہ الگ اپنے پردے کی پیچھے پڑے ہیں۔ علی گڑھ والے تمدن کا دم جدا ہو رہے ہیں۔ غرض ہر جگہ اسی کا چرچا سنا جا رہا ہے اسکے ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ کسی فرد کا مطلب تکمیل تک نہیں پہنچتا ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ یہ زمانہ زمانہ نفاک ہے۔ آئیے ہم سب باری تعالیٰ کی بارگاہ میں دست یدعا ہوں کہ اس دورہ دل بقیہ کرے کہ ہم لوگوں کے منصوبے ٹھکانے لگیں۔ اور ریفاہم و نکل اپنی کامیابی کی خوشی میں بھولے نہ سمائے۔

حضرات! میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو اپنی آنکھ سے اپنی کوششوں کا ثمرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور ایسی جلدی میں اصل مطلب کو بھینٹتے ہیں۔ اسلئے میری درخواست ہے۔ کہ اسی وقت سے ہلوں! اصلاح! اصلاح! کی آواز بلند کریں اور نتیجہ کے ہرگز منتظر نہ رہیں۔ یا رونکے بہت فرقوں کو دل پر خاموشی کا پتھر رکھ کر برداشت کریں اور کوئی خفیت ساروٹھ راستے میں الگ جائے تو اسکو ایک بڑا سداہ سمجھ کر مہربان رہیں۔ ایسی ہی حالت میں کامیابی کی امید کیا جاسکتی ہے۔ مگر ہم میں سے کوئی اپنی محنت کا پھل نہ دیکھ سکے تو اسے یہ خیال کرنا چاہئے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ یہی خیال اسکی تشفی کرے گا اور قبر میں سکھ کی نیند سونے دیگا۔

مگر ابھی یہ قیض نہیں ہوا کہ اصلاح کی نہر ت کیا ہوگی۔ اسکی ایک طوائف نہر ت ہے جسکا تیار کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ یہاں نہر ت میں سے چند کا ذکر کیا جائیگا۔ مسرت رسومات کا ذکر کرنا جنہوں نے آنکھل ہائے خزانہ کو خالی

کر رکھا ہے پس ایسا ہی ہے کہ ایک پورا نے افسانے کو بیان کرین اور لوگوں سے اسید رکھین کہ وہ متاثر ہو کر
مگر پھر بھی اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اسکے بارہ میں کچھ کہا ہی نہ جائے۔ سچ رہنے پر تیار دیا ہے کہ عموماً اور طریقے
احزاب کی کثیر کا باعث ہوتے ہیں۔ لباس اور قیمتی سامان عیش۔ لباس کا اختیار کرنے میں زیادہ مشکل یہ ہے کہ
ہے کہ ہم میں سے اکثر دن کو صفائی اور نشین میں امتیاز کرنا نہ دیکھتے ہیں۔ ہمارا بڑا فرض صرف یہ ہے کہ کھانا
اور سچ رہیں۔ اور صرف اس بات کا لحاظ رکھیں کہ طرز لباس قابل مضحکہ نہ ہو۔ ہم لوگوں کا عموماً یہ دستور ہو گیا ہے
کہ اپنی اصلی پوزیشن کو چھپانے کی غرض سے اچھی اچھی اپنی حیثیت سے زیادہ داموں کی پوشاک پہنتے ہیں۔ اور تھوڑی
دیر کی جھوٹی عزت حاصل کرتے ہیں۔ یہ بات خلاف دانشمندی ہے۔ اور ہم لوگوں کو اس سے پرہیز رکھنا چاہئے۔
اب دوسری بات کو سمجھئے حضرات: غریب کی فہرست میں پہلا نمبر اس پر کیا جاتا ہے جس کی سب سے زیادہ اشد ضرورت
ہو۔ اور جس کے بغیر زندگی کا قیام ناممکن ہے۔ اسکے بعد اشد ضروریات کی چیزیں علی قدر مراتب آتی ہیں۔ اسلئے پہلے انہی چیزوں کا
خیال کرنا چاہئے جس کی ضرورت زیادہ ہو۔ اس اصول کو کہ زیادہ درپیر ان چیزوں میں صرف کرنا چاہئے جو زیادہ
ضروری ہوں ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے۔ ہلوگوں پر زوال جو آیا تو بخلاؤ چیزوں کے اس عمدہ اصول کو بھی بیٹھنے سے۔
ہم میں سے اکثر تو خوب سمجھتے ہیں کہ مقدور جو یہ ہم لوگوں کی جیبوں سے نکلے سومات کے باعث نکل جاتا ہے اور
افسوس کرتے ہیں۔ مگر ان غریب کے تکیے بعد ”مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید ہر کلمہ خود باید زد۔“ تعجب کی بات ہے کہ اسکو
ہم لوگ سمجھتے ہیں پھر ہی اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ دل مضبوط کر کے پکارا مٹھیں۔ مجھکو ایسے خیال والوں سے
کچھ سروکار نہیں میں انکا ساتھ نہیں دینے کا اور روپوں کو بے رحمی سے لغویات میں صرف نہیں کر دینا۔ اگرچہ میں
جانتا ہوں کہ وائل میں کچھ دقت ہوگی۔ اور خانہ جنگیوں میں منافع ہو جائیگا۔ مگر اسی خیال سے کوشش نہ کرنا
تو نہایت ہی خلاف از عقل ہے۔

دوسری بات جو مجھ پر عرصہ کنی ہے وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں میں کتب بینی کا شوق نہیں ہے۔ اسکو یا کج
علیحدہ ہوتے ہی کتاب کو رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ میں جو کچھ آتا ہے اسکو بھی بیٹھتے ہیں۔ عموماً
جو وہ اسکی پیش کی جاتی ہے وہ وقت کی قلت ہے۔ مگر یہ سراسر جھوٹ ہے۔ کیونکہ ہم اپنی آنکھوں کے سامنے نواب
محسن الملک۔ مولانا ذریعہ محمد۔ مولانا ذکار احمد۔ مولانا حالی جی زندہ نالین دیکھتے ہیں۔ جہاں تک یہ غور کیا ہے اس کی
باعث ہم لوگوں کی سوسائٹی ہے۔ چونکہ ہمیں ہم لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جنکو سوائے روپیہ جمع
کرنیکل دین کے دنیا دیا نہیں ہے اور کسی قسم کی پلچہ نہیں۔ سوسائٹی کا رنگ ایسا گہرا جتنا ہے کہ غریب اس کو چھٹکارا

انہیں ہو سکتا۔ ہم لوگوں کی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ ایک ایسی جماعت قائم کریں جو ہمارے اخلاق کی مناس ہو۔ اسکا ایسا عمدہ اثر عوام الناس پر ہوگا کہ اس سے گندہ بچائینگے۔ سب بڑی اور مضبوط خارجی جو سوسائٹی کے اجراء کو جکڑ دینے کی سعی ہے، ہماری ہے۔ زندگی کا لطف نہیں ہے اگر ہماری انسان کے مثال حال نہ ہو۔ اسلئے کوشش کر کے ہمدردی کے کام کو اگلی سر کا پھر دوست بننا چاہئے۔ یوں کہنے کو تو دوست سب ہی ہیں۔

اب میں اس اہم مسئلہ کو لیتا ہوں جس نے ہندوستان کے ریفارمروں کو ایک حوصلہ سے اپنی طرف مشغول کر رکھا ہے۔ یہ مسئلہ تعلیم انسان ہے۔ خدا کا ہنر نہ ہر شخص کے کہ اب اسکی طرف لوگوں نے توجہ کی ہے اور کارروائی بھی شروع کر دی۔ مگر ہمارے مدبر بہار کی حالت اسما دین ناگفتہ بہ ہے اس مسئلہ کے متعلق وہ لفظ کہنے کی جرأت کرتا ہوں مردھوت کے تعلقات اسقدر سنگین ہیں کہ ان کو نازک ہیں کہ مرد و بیعورت کے آرام سے نہیں رہ سکتا۔ کیا ان عورت کا مرد کے اوپر ہم میں سے بہت کم جانتے ہیں۔ زندگی کے ناگ میں اسکی بڑا حصہ غارت ہے۔ ایک عمدہ ماں کی حیثیت میں وہ اپنے بچے کو نکلی کے راستہ پر چلا تی ہے۔ ایک وفادار بی بی کی حیثیت میں وہ اپنے شوہر کو برائی سے بچاتی ہے۔ لڑکوں میں زیادہ تر خاصیتیں ماں کی ہی ہوتی ہیں۔ جو عادات و خصائل ماں کے ہون گئے وہ بچے میں ہی پائے جاتینگے۔ اسلئے بہت ضرور ہے کہ انکو ذیو علم سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے۔ جو سونے اور جواہر سے بدرجہا بہتر ہیں چاہئے کہ ہم عورتوں کی عزت کریں اور انہیں جہلا میں نہ لے کر انکی صلاح لینے کیلئے ہم ہر طرح سے مستعد ہوں۔ اگر وہ اپنی رائے کو قابل قدر بنائیں کسی قوم نے اسوقت تک اصلی ترقی نہیں کی ہے جب تک اس نے انسانیت کی قدر نہیں کی۔ تو لے حضرات! عورت ایک بڑی نازک چیز ہے۔ حتی الوسع انکی خاطر مدارات میں کوشش کرنا چاہئے۔ ایسے ایک بات اور کہنی ہے۔ وہ صغیر کی شادی ہے۔ مجھے گڑبکی سمجھنا اسی کا خیال نہیں تو میں ذرا وضاحت سے بیان کرتا کہ اس میں کیا کیا نقائص ہیں۔ لڑکوں کا تو ذکر نہیں۔ لڑکوں کو ہی پذیرہ برس پہلے نہیں بیاہنا چاہئے۔ کسی کی شادی نسلوں کی جسمانی قوت کو بہت کچھ گھٹا دیتا ہے۔ اور چونکہ ایسی شادیوں کے بچے عموماً بیمار اور لاغر ہوتے ہیں اس لئے اموات کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی ہے۔

مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ ہو چکا۔ میں شک نہیں کہ بہت سی قابل ذکر باتیں رہیں۔ مجھ ہی خاص خاص باتوں کا ذکر ہو گیا۔ اب یہ آج کا کام ہے کہ گھر ہمارے تقریباً کچھ وزن آچکے نزدیک ہو تو عمل کریں لگ جائیے اور مجھ کو شکر کہ اسوقت تبھی فقط المرسل :- سید عبدالحلیم دستوی ۔

ماہ گذشتہ

اجنا مین وکن مودھ نو مبر شہزادے نے حیدر آباد وکن کی لوکل خرمین میں
مصلحتاً ڈیلا حالات ہی درج کئے ہیں:-

ہندو یا مسلمان یا کچھ نہیں

۱۔ عالمجناب مدارالہام بہادر نے بہ تقریب دیوانی مسٹر ڈاکٹر مسٹر ڈاکٹر پاپا در مسٹر حیدری اور تمام معتمدین کو تشریف بھیجی۔
۲۔ گزشتہ شنبہ کو مہاراجہ چندو لال کی برسی تھی۔ ایران وزارت سے مہاراجہ موصوف کی سادہ کو قندیل کیا جسکے
ساتھ نظم جمعیت تھی۔ پرسون چرائغان کی گئی۔

اس سے پہلے ہم نے مہاراجہ کرشن پرشاد دہاد کی یہ تقریر در رسہ اصفیہ میں دیکھی تھی کہ قرآن کلام الہی
اسلئے میں سبر کا ایک جلد در رسہ کی بنیاد رکھنے پر پیش کرنا ہوں۔ اس سے ہی پہلے ہم نے سنا تھا کہ مہاراجہ بہادر نے
جب ایک سیدہ سے تعلق بنام نہاد نکاح قائم کیا تو اپنے تئیں مسلمان ظاہر کیا تھا اور اپنا نام عبدالعزیز بنایا تھا۔
ہم ایک ہندو کی جو سچے دل سے اپنے مذہب پر قائم ہو عزت کرتے ہیں اسی طرح ایک مسلمان کی قدر کرتے ہیں۔ ایک
صلح کل مشرب دلس کی عزت کرتے ہیں۔ مگر دیاری غرض کس لئے جھوٹ بولنا یا جھوٹ مذہب کا اظہار کرنا مفاد ورجہ قابل
نفرت اور قابل شرم بات ہو۔ جہاں ریاست کی ہاگ ایسے دوول آدمیوں کے اطمینان ہو وہاں کی حالت پر حذر عام کو
سر سالار جنگ مذہب پرشاد لائق غفلت نہ ہو۔ سر سماجہ۔ سر وقار لال امر حوم کو کہو کہ زمانہ نے چنچل نار کے مضعف کو زیر
اعظم مقرر کیا ہے۔ ع میر بریل و نہار دیکھئے کتک رہے۔

شیعہ رسالے

کوئی شخص جسکو ذرا ہی وقوف ہے حکومتیوں کا دشمن نہیں قرار دے سکتا۔ مگر ہم اس بات کو غلط
کے بغیر نہیں دے سکتے کہ اخبار وطن کی رائے صحیح ہے اور رسالجات اصلح و شیعہ۔

اور اخباراتنا عشری کہ سر پرچے میں مضامین ایسے درشت اور طنز آمیز طریقہ سے لکھے جاتے ہیں کہ کوئی سنی بغیر
طیش کے انکو نہیں پڑھ سکتا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ یہ بزرگ در اسکے نامہ نگار حکم قرآنی جادو لکھ دیا آتی ہی احسن
پر عمل کریں۔ اور ہندو کے ساتھ مناظرہ کریں۔ اور ہمیشہ طریقہ آمد آنا عشریہ کو پیش نظر نہ رکھیں کہ انہوں نے کتنا
تہذیب۔ روحانیت۔ علمیت کا نمونہ انسانوں کے سامنے پیش کیا۔ البتہ رسالہ الحکم لکھنؤ کے سنیہ اڈیٹر کے متناظر
مذہب جو ہیں۔ حالانکہ میرزا محمد اوی صاحب بی۔ لے سے زیادہ تجاؤنا عشری لمانا مشکل ہے۔ وہی طریقہ تب کو

اختیار کرنا چاہئے۔ ایک بدنہان اور کم علم شخص کی وجہ سے جسکو ملی کچھ بچھارت سر و کپتہ ہے۔ اور تمام علمائے سنت و جماعت جسکی بات کی پروا نہیں کرتے۔ اپنے رسالوں کو خفیہ کرنا سخت غلط ہے۔ ماننا نہ ماننا اس کے اختیار میں ہے ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

شیعیان پر جو کچھ کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو بائیس ہزار برس سے لوگوں کی طبیعت میں ہیں اسکا اظہار نہ ایک نیا مناسبہ۔ اور دوسرے فرقوں کے عقائد جو ہزار برس سے پختہ ہو گئے ہیں انکی تردید بھی کیا کیا فائدہ نہیں پہنچا سکتی مناسبہ کرا دل کلمہ جامعہ اور مشترک چیزیں ضرور دین۔ اور ساتھ کے ساتھ اپنے فرقہ کو نیک نودہ پر قائم کر دینا تو تو دین میں سے فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ ہے۔

جلتہ محمدی کافر نس مسلمانوں کی کافر نس کا حبلہ س سال علی گڑھ میں قرار پایا ہے۔ اب اسکو صرف چند روز باقی ہیں۔ یہ کہ وہ نہایت خوشی ہوگی اگر ہماری قوم اس کافر نس کے ذریعہ سے دہلی و بریلیاں قوم کو دفع کرے۔ اگر مسلمان یہاں جمع ہو کر ایک باہمت اور مضبوط دل لے کر جاویں۔ اگر وہ عمل کی طرف توجہ کریں۔ اگر وہ بعض روز فرزندوں اپنے اوپر لاد کر لیں۔ اگر وہ نمودور یا فضول خرچی سستی نہ اتفاقاً جسد اور جہالت کو چھوڑ لے جائیں۔

ہم اس سے بھی زیادہ منتظران کافر نس سے امید کرتے ہیں کہ وہ کلیہ کے غیر غیبی کی جگہ اپنی نظر کو وسیع کریں۔ آریہ سماج میں گوہر دل کالج بارٹی کے جوش اور کام کو دیکھیں۔ وہ مساویت اسلامی کو قائم کریں۔ ساڈی کو اپنا شعار بنائیں۔ کافر نس کا مقصد تحصیل چندہ کی جگہ قوم کی اصلاح اور تعلیم کی ترقی و ترویج۔ یہ نہیں تو جو نتیجہ بیس برس میں نہیں نکلا وہ دوسو برس ہی نہ نکلیگا۔ حائل کے لئے اشارہ کافی ہے۔

ہماری ضرورتیں قوم کی ضرورتیں تو دنیا رہیں۔ مگر سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان اپنی قوت اور دولت کا استعمال عمدہ طور پر کریں۔ اور آپس میں اتحاد رکھیں۔ اس کام میں کامیابی اسوقت ہو سکتی ہے جبکہ سنجیدہ اور بے ریا شخص چہاں چہاں ہوں وہ مختصر کمیٹیاں اپنے اپنے مقام پر بنا کر ہر ضلع ملا کر آریہ چورنگریں اور برابر ترقی کو شش جاری رکھیں۔ جب تک کہ قومی زندگی میں انقلاب اور ترقی کے آثار نمایاں نہ ہوں لگین۔ ان سب اصلاحی کمیٹیوں میں اتفاق اور اتحاد ہونا لازم ہے۔ تب قوم میں ایک دم پیدا ہو جائیگی وہ بائیس ہزار سال کی تاریخ کا یہ کام کوئی انجمن لیوے تو چشم مار و شن دل مانتا ہو حضرت کو تیار ہیں۔ اگر کوئی دیکھے انجمن یہ کام نہ لیوے یا نہ لے سکے اور نہ اس کام میں مدد لیوے (جیسا کہ اب تک بہت کم)

منوہی ہے) تو یہ کام ممبران اصلاح کو خود اپنے فتنے لینا چاہئے۔ ممبران صیغہ اصلاح کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہے۔ مگر صرف

ایسے لوگوں کی جو حقیقت سچے دل سے ہمارے خیالات کے سامنے ہوں۔ بلکہ ایک سلسلہ انجمنوں کا لکچرون کا رسالہ لکھا۔ تاہم کنا چاہئے۔ اول اول ہم نے صرف اسی قسم کی تدریجی کوشش شروع کی تھی جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے کام کی نسبت قوم کی رائے کیا ہے۔

نتیجہ ہم نے یہ نکالا ہے۔

۱۔ امرار کو (الامام) اصلاح سے بہرہ دی نہیں۔

۲۔ علماءِ علمانیہ مخالفت کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

۳۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں جو بہت بگڑے ہوئے ہیں وہ گویا مخالف ہیں جو سنجیدہ اور بے ریا ہیں وہ بہرہ دیئے جاسکتے ہیں۔

۴۔ عام مسلمان اس تحریک کے بہرہ دیئے جاسکتے ہیں۔ بشرطیکہ انکو یقین ہو کہ ہم مذہب میں دخلت کرنا نہیں چاہتے۔ ہم خدا فیضی کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صیغہ اصلاح کا ذرا سا کام ہی اگر اسلام کی تعلیم اور فتنہ کے خلاف ہو تو ہم اپنی عقل کو بیچ بچکر اس سب کام کو نوا و فضول سمجھیں گے۔ کیونکہ ہمارا انہماک خدا اور رسول کے مقابلہ میں بیچ ہے۔ بڑی ضرورت اس کام کو انجام دینے کے لئے آدمیوں اور روپیہ کی ہے۔ روپیہ آدمیوں سے پیدا ہوتا ہے اور آدمی روپے سے۔ کم از کم ایک فارغ معیشت قابل آدمی اس طرف متوجہ ہو تو کام چل سکتا ہے جتنک یہ اطمینان ہو ہم اس کام کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

شہزادہ کی آمد

ہنرئیل ٹائیس پرنس آف ویلز کے قدم میںیت لزوم سے تمام ہندوستان میں وفاداری اور عقیدہ تہذیب کا جوش ہے۔ شہزادہ موصوف الصفات کے اخلاق

اور خوش مزاجی کی عام تحریف ہے۔ تحقیق کو انہوں نے نظا بات سے ہی سراغ فرمایا ہے۔ اس معاملہ میں سب سے زیادہ عجیب بات وہ کوشش ہے جو درباری اور سولہیں مکملوں اور حضوری کے لئے بے انتہا کوشش کرتے ہیں اگر اس سے نصف کوشش لوگ حقانیت کے لئے کریں تو دوستان الہی میں سے شمار ہو جاویں۔

فرقہ بندیان

مسیحیوں میں ہندوؤں میں منیما رفتے ہیں لیکن تہی معاملات میں ہر سب متفق ہو جاتے ہیں اور کلی گھر دی اور مجموعی فائدہ کے سامنے اپنے اختلافات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں مسلمانوں میں جو بہتر فرقے ہیں انہیں عناد اور فساد اس قدر ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ یہ سب فرقے اپنے مباحث کو تہذیب کے ساتھ کریں اور جہاں کہیں اختلاف پر زور دیا کریں وہاں دو فرقے اس قسم کے ہی کہہ دیا کریں کہ سب کمان بہائی ہیں۔ اور جو لوگ رسالت محمدی کے قائل ہیں ان سب کو باہمی فساد سے بچنا چاہئے۔

فرقہ کی لڑائیوں افغانستان۔ ایران۔ ترکی مصر میں کم ہوتی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں کیوں بڑھ رہی ہیں اگر کوئی صاحب اس پر تلی مضمون لکھیں تو ہم ممنون ہونگے۔

کتاب گزشتہ | پہلے سے اس مضمون کے ذیل کتاب میں بغرض رائے وصول ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ نثر کو بھی معاشرے ایک ضخیم کتاب وصول ہوئی ہے جس پر آمیزہ رائے دی جائیگی۔

(۱) فصل الخطاب فی مسئلۃ الحجاب مصنفہ مولوی محمد ابراہیم صفحات ۳۲ قیمت ۲۰ جلد آرائیں کرنا از سے اسکتی ہے جو شخط ۱۲ x ۱۸ کی تقطیع پر مطبع ساڈہ پورہ میں چھپی ہے۔

اس کتاب میں مولوی صاحب موصوفے پر دم کے حدود اور قواعد بتائے ہیں۔ اور یہ ظاہر کیا ہے کہ لازماً قرآن و حدیث پر رد کرنا لازم ہے مگر با حیا طور پر باہر نکلنے کی ممانعت نہیں ہے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب نے اپنی قوم میں بھی کرنا دلپالی بت میں ایسا پردہ جاری کیا ہے۔

(۲) شرف المتحررین مصنفہ ایضاً۔ صفحات ۱۶۸ تقطیع ۱۲ x ۱۸ جلد پورہ مطبع ساڈہ پورہ کرنا ل محلہ آرائیں سے ۱۰ روپے میں مل سکتی ہے۔

ہم نے اس کتاب کو نہایت خوشی کے ساتھ دیکھا۔ مسلمان ناخین کی نسل سے جو ہزاروں آدمی اس وقت موجود ہیں انکی یہ حالت ہے کہ رسمی جلوس مگر بیٹ نہیں جلا۔ چار روپہ کی چپرس یا چھ روپہ کی محوری کو عزت سمجھتے ہیں لیکن دو کا ذرا می یا بیشتر کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور اپنی تک اس زمانہ کا خواب دیکھتے ہیں جیسا کہ بزرگوں کی حکومت تھی۔ مولوی صاحب موصوف نے اس رسالہ کو لکھ کر کتاب و سنت و حالات بزرگان اسلام ثابت کیا ہے کہ کسی پنیہ میں بے عزتی نہیں بلکہ کرب لال کا درجہ اسلام میں اعلیٰ درجہ کا ہے۔

(۳) انجمن حمایت اسلام لاہور کا ماہواری رسالہ (ابت جمادی الثانی و شعبان ۱۳۲۳ مطابق گت اکٹوبر ۱۹۰۵ء) انجمن کا ماہواری رسالہ جنہیں زیادہ تر خندہ و مہندگان کی فہرست ہوتی ہے اسے سانسے ہے۔ رسالہ بھانڈو نکلتا ہے لیکن چونکہ مبروں کو لینے نہ، ماہوار دینے والوں کو مفت ملتا ہے اسلئے جائے شکایت نہیں۔ اس رسالہ سے ہرگز اس خیر سے خوشی ہوئی کہ پادری عمار الدین پانی پتہ، انجمن کے خزندہ نے اپنے باپ کے ترجمہ قرآن کو دیکھ کر اسلام قبول کیا ہے۔ ہم مولوی علیم الدین نو مسلم کو مبارکباد دیتے ہیں۔

ایک خبر لائے (خوس) کہ بعض آدمی قومی کاموں میں دھوکے سے چندہ وصول کر لیتے ہیں۔ بیشک مسلمانوں کو اس معاملہ میں باخبر رہنا چاہیے۔

۴۔ مفہوم معجزات مسیح۔ جہن مجزوات کی حقیقت اور اس کا ان اور مفاہد پر بحث کی گئی اور اعلیٰ ثبوت دیئے گئے اور انباری طالب الدین صاحب نے لے بطورہ پنجاب لکچس بک سوسائٹی انارکلی لاہور صفحات ۱۰۶۔ کا فہرہ چھاپہ عمدہ۔ قیمت ۴۔

اس کتاب میں اگرچہ بعض باتیں خاص طور پر سچی اصطلاحات سے تعلق رکھتی ہیں مگر معجزات کی ضرورت اور فوائد کے متعلق جو بحث ہے اُس سے سب الہامی مذاہب کی تائید ہوتی ہے۔ اور اسی لحاظ سے مذہبی دنیا کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ ابواب و درمضول کی ترتیب ہی ایسی ہے جسکی تقلید مسلمان مولفین کو کرنی چاہئے۔

۵۔ تاویل القرآن۔ صفحات ۸۸۔ قیمت ۳۔ بطورہ پنجاب لکچس بک سوسائٹی۔

اس رسالہ کے مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ صرف مصنف ضربت عیسوی لکھا ہے۔ کتاب تہذیب لکھی گئی ہے۔ اور یہ بات ظاہر کی ہے کہ قرآن شریف کی ترتیب اور جس میں نقص رکھے ہیں اور تاریخی اعتبار سے وہ مکمل نہیں ہے اور اسکی تفسیر کے لئے فوری و انجیل کی ضرورت ہے۔

مصنف ناواقف نہیں معلوم ہوتا لیکن تعجب ہے کہ اُس نے جہاں ہندو مواد جمع کیا ہے وہاں اس بات پر غلط نہیں کیا کہ موجودہ ترتیب میں ہی قرآن ایک معجزہ اور عالیشان نشان ہے جسکا مثل محال ہے اور معرفت الہی احکام بقدر کما سے ماخوذ ہو سکتے ہیں دنیا کی کسی مذہبی کتاب کا عشر نہیں مل سکتا اور پھر اسکی مانند ایک آیت کوئی نہیں کہہ سکتا۔ علاوہ اسکے سب مسلمان اور مومنین قائل ہیں کہ جو کچھ اسوقت موجود ہے وہ سب کلام الہی ہے۔ اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوئی ہے۔ پس بجا معجزہ سمجھنے کے کل وجہ برابر ہے۔ فقط

عصر جدید کا ختم سال

میں اور طرہ ماخیزندار و آسودہ کہ برکنار و ریاست

معذرت خدا کا فکر ہے کہ آج ہم اس رسالہ کی تیسری جلد کو ختم کرتے ہیں۔ معمولی اشکاتین اور عذرات تو چلی جاتے ہیں اور چلے جائیگے ان کے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ سچ ہے کہ فزوری سے پریل تک تین ہفتے چھپے۔ اور باقی ہفتے چھپ رہے۔ مگر جدیدیہ مندرجہ ادا میں کوئی تیزی نہ مل سکا۔ وجہ یہی کہ ایڈیٹر اور منیجر دو کو جو بیماریاں چند عرصہ ان دو بزرگوں میں رہنا پڑا۔ اور ختم سال پر نقل مکان کیا گیا۔ رسالہ بھی دور چھپوا گیا۔

مالی حالت رسالہ کی قیمت مسئلہ میں بعض دوستوں کے اصرار سے بجائے سے روپیہ سال کے عرصہ کی بجائے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خریداروں کی تعداد کم ہو گئی۔ البتہ خرچ چھپوانی زیادہ ہو گیا۔ اسلئے یہ پہلا سال ہے جس میں مالک کو بقدر نقصان بھی برداشت کرنا پڑا۔ لیکن عصر جدید جسکا مجموعی حجم سوا پانچ سو صفحے کے قریب ہے، ہمارے پاس اسکی ۵ جلدیں موجود ہیں۔ امید ہے کہ صاحبان علم اور تاملان اصلاح ان کو عزیز خواہ تقیم کر دینگے تاکہ یہ نقصان دور ہو۔

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ایڈیٹر مفت کام کیسے تب بھی ایک سنجیدہ رسالہ میں نقصان ہے۔ غیر

ہر چار دوست میرے نیکوست

عملی کام عصر جدید کا کام دو قسم کا ہے۔ خیالات کی اصلاح اور عادات و رسوم بد کے دور کرنے کا عملی کام۔ خیالات کی اصلاح کا اندازہ ہندوؤں اور پورٹوں سے کرنا مشکل ہے۔ مگر اس پر شک نہیں کہ ہند کے مختلف حصوں میں ان خیالات کے تغلق ایک خاص ترکیب پیدا ہو گئی ہے۔ دور دور کے علماء اسے خطرات پہنچاتے آتے ہیں۔ چونکہ ہمارے ہندوؤں میں بھی نقل ہوتے ہیں اسلئے دائرہ اثر بہت زیادہ ہے۔ جو پورٹین چھ سات اس سالہ فیضانِ عالم کی چھپی ہیں انکے علاوہ ہی بہت کچھ مختلف لوگ کر رہے ہیں۔ یہ سب ان کی زبان میں ہو سکتی۔ مگر اس کام کے شروع کرنے کی عزت یا بذنامی عصر جدید کو ملنی چاہیے۔ ہم مثلاً ایسے کرتے ہیں کہ ایک مولوی صاحب قوم آریان کی اصلاح رسوم و عادات میں مصروف

ہیں۔ ایک دوسرے عالم و عظیمین نفوذِ خارجی کے خلاف ہین نصیحت کرتے ہیں۔

علمائے امامیہ اثنا عشریہ نے لکھنؤ کے چہلم سے خلاف ادب اور قبیح رسوم بند کر دیں۔ جسکی سبب ہم مولانا سید آقا حسن ایڈیٹر معالم کی بلج کو ششون کے ممنون ہیں۔

سنے تعلیم یافتگان میں سے ایک تھوڑی سی جماعت کو جنہوں نے اس سال مضامین اور پو رٹین بھیجی ہیں بے حد دلچسپی ہے۔ مگر بڑی جماعت ابھی تک خوابِ فرگوش میں مبتلا ہے بمقابلہ اور اس کے جنہیں مستفیع نام انگلیو پزنگلنے کے لائق ہیں۔ متوسط علماء ہمارے کام کی قدر زیادہ کرتے ہیں۔

اس سال مضامین بہ نسبت کسی گزشتہ سال کے زیادہ جو شیلے اور مضامین ۱۹۰۵ء طویل ہوئے ہیں۔ انکی نہرست لکھنے کی حاجت نہیں۔ لیکن ہم خاص طور پر

سٹر یا مولوی خواجہ غلام الحسین سید زحیر حسین بی۔ لے۔ سید علما رحیم دوسلی۔ مولانا احمد حسین شریعت سی فضل حسین صاحب کلکتوی شمس العلماء مولانا نذیر احمد۔ منشی ذکا الد صاحب۔ مس نصیر الدین صاحب۔ سٹر اکرام عالم۔ سید جمال احمد۔ زہرا خانم صاحبہ از ممبئی۔ میرزا سلطان احمد خان صاحب۔ اور مولانا اویس قرنی۔ مولوی سعد الدین حیدر۔ سٹر نیا ز احمد۔ کے ممنون ہیں۔ انکے مضامین معمولی اجائی نہیں ہیں بلکہ اکثر چرمین رہنے کے قابل ہیں۔ ایڈیٹر نے فریاد سو مختصر مضامین یا نوٹوں کے علاوہ۔

اصول اصلاح۔ تادیبانی تحریک۔ اور حدود مادہ۔ رپو یو کا نفرنس لکھنؤ۔ پر طویل مضامین لکھے ہیں۔ لیکن صحیح خیالات اور تحریک جدید کے اصول کو کم و بیش ہر ایڈیٹر می نوٹ یا زیارک یا مضمون میں ظاہر کر دیا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ خیالات انوکھے ہیں۔ مگر کہہ سکتے ہیں کہ ان خیالات پر بد قسمتی سے بہت کم اخبار یا رسالے زور دیتے ہیں۔ الغرض اس سال علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ مالی۔ علیٰ ہر قسم کے مضامین متقل سوسے کچھ کم شائع ہوئے۔ البتہ مذہبی رنگ غالب رہا۔

یہ حکایت موجودہ خریدار دن سے ہم کو فرد ہے کہ سوائے پانچ ستا صاحبوں کے (جسکا نام الگے نمبر میں ظاہر کیا جائیگا) باقی ماہر

توسیع اشاعت

نے اشاعت بڑھانے میں کوئی دیر نہیں دی۔ جو صاحب عصر جدید کو پسند کرتے ہیں ان کو اس معاملہ میں زیادہ سغری دکھانی چاہئے۔ ہم مفت چندہ لینا نہیں چاہتے۔ مگر جو شخص اس رسالہ کا پیغام دیکر خریدار ہوتا ہے وہ بہت زیادہ قیمتی چیز ہمارے معاوضہ میں حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی مالی حالت رسالہ

پڑ کر درست کر سکتا ہے۔

ایک بڑا طریقہ | یہ طریقہ نہایت معیوب ہے، مگر جاری ہے کہ خریدار پہلے سے تو اطلاع نہیں دیتے مگر وہی۔ پی واپس کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے دوستوں کے پیٹ سے درخواست لکھتے ہیں، اور ان کے دوست واپس کر دیتے ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ یہ مکروہ عادت اس بار پیش نہ آئے گی امن سے بلا وجہ نقصان ہوتا ہے۔ جو قوم ایسی سست ہو کہ ایک کارڈ لکھنے میں تامل کرے۔ اور دوسرے کا بارہ گنا نقصان کر دے یا وعدہ فلاں کی کرے۔ اُس سے کیا امید ہو سکتی ہے؟

ایک تجویز | ہم سنہ ۱۰ کے لئے (۱۰) انعام صد روپیہ کی عمدہ کتابوں کے تجویز کرتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے مضمون نگاروں کو دیئے جائیں گے۔ اور اسی قدر انعام اسی مقدار کے ان صاحبوں کے لئے جو اس رسالہ کی پُرانی اور نئی جلدیں فروخت کرائیں۔ کتابوں کی فہرست مابعد شائع کی جائے گی۔ جنہیں سے انعام لینے والے منتخب کر سکتے ہیں۔ فقط۔
(ایڈیٹر)

فتاة عسان

ایک زبردست جبرتناک اور نہایت دل آویز تاریخی ناول حسین اسلام کے حالات ابتداء نے ظہور سے لے کر فتوح عراق و شام تک بڑی خوش اسلوبی سے قصہ کے پیرائے میں دکھائے گئے ہیں۔ علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصری نے اس قصہ کے بیان کرنا بہترین درجہ کمال زور قلم دکھایا ہے عربی میں یہ ناول جدید انشا پر داری و لٹریچر کا اعلیٰ ترین اور مقبول نمونہ ہے۔ لیکن قلم نگار نے اسے اردو کالباس پہنانے میں کمال ہی کر دیا ہے۔ جس سے ترجمہ نہایت معلوم ہوتا۔ بلکہ اچھے سے اچھے زور اور کینل ناو لون کا لطف آتا ہے اسکی لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی اعلیٰ درجہ کا ہے۔ گویا ظاہری و باطنی ہر قسم کی خوبیوں کے لحاظ سے یہ کتاب نہایت قابلِ غور ہے۔ اس کے چھپنے کی دیر تھی کہ ہاتھوں ہاتھ اٹھنے لگی۔ باوجود ان خوبیوں کے قیمت صرف ہے

منیجر اخبار روکیل امرتسر دیلی

بیانات

تفسیر کبیر کا اردو ترجمہ - عظیم الشان اور عظیم الشان تفسیر محمد اسلام ماحم خوالید ماری کی منظر تفسیر ہے کہین قرآن کریم کے جامع مفسرین کو مولیٰ طسفر اور رئیس کے مطابق حل کیا گیا ہے جو بالیقین اسلام

کے اہل حق کے جواب نہایت تحقیق کے ساتھ دیئے گئے ہیں جن میں قرآن کریم کی تفسیر میں جنہوں نے ایمان اور حسن ظن سے تصدیق و تکرار کے ساتھ اسلام پر پورا دہر لگا دیا ہے انکی خوبطبی کھولی گئی ہے۔ صفحات ۵۳۶۔ قیمت

الذی ارثہ سیمہ کا اردو ترجمہ - کتاب نام السنین شیخ عبدالوہاب شحرانی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب کو لکھنے میں شریعت کی جان اور طریقت کی روح مدون ہے۔ اسی کے حقیقی ناقدانہ زیر پرکھ لکھا دیا رہا مگر ہمارا ہذا دوست و رفیق

سلف صالحین اور صوفیائے کرام نے علم تصوف کی تشریح و تفصیل کے لئے بقدر قانون و قواعد مرتب فرمائے ہیں یہ ان تمام عورتوں کو اور جافہ تائین کی زندہ تصویر ہے۔ اس پر آشوب زمانہ میں جبکہ رشک کامل کا ملنا عناق صفت ہو گیا ہے اس کتاب کے ذریعہ مطالعہ رکھنا اور اسکے قانون و قواعد پر عمل کرنا کر کے قلوب و طلب محبوب کے لئے اگر حکم رکھتا ہے۔ بلاشبہ ہر ایک علم الفطرۃ انسان اسکے مطالعہ

الذکر کی کامیاب شاہدہ کر سکتا ہے۔ اس کتاب میں خبردار علامات کا ذکر کیا گیا ہے جو کامیاب شاہدہ کی دلائل میں ضروری ہے ان علامات کی عدم موجودگی میں جو شخص ولایت اور تقریباً ہی کا دعویٰ کرے وہ شخص کتاب رسفر علی الصمد ہے صفحات ۱۷۰۔ تالیف کلان کا تذکرہ

کتاب الروح کا اردو ترجمہ یہ کتاب ایک عصری فلاسفہ کی نہایت دلچسپ و دلچسپ کتاب ہے جس میں روح انسان کی مستقل اس قدر قیمتی اور بے بہا معلومات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جو ہر درجہ کے بھی حاصل ہوتا محال تھا۔ حکماء یونان کی تقریریں اور معتبر اسلام کے بحث مسابغہ اپنے فاضل مصنف کا درجہ دست محاکمہ دیکھنے کے لائق ہے اسکے ملاحظہ سے آپ کو اپنی گذشتہ اور موجودہ اور

آئندہ زندگی کا بخوبی علم ہو جائیگا۔ واقعی اس قسم کی کوئی جامع کتاب اردو زبان میں آج تک طبع نہیں ہوئی۔ اس میں بہت سے ایسے مضامین ہیں جنہیں جنکو آپ کے قانون نے ہی نہیں سنا ہوگا مصفاہ بہ قیمت صرف

پروا سفرہ کا اردو ترجمہ - یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر ہے۔ قرآن شریف کی وہ آیات جن میں عربیہ کے واقعات کا ذکر ہے انکی تفسیر احادیث نبوی۔ آثار صحابہ اور افعال علماء سے کر کے ۷۰۵ بابوں پر تفسیر کی یہ صفحات ۲۳۶ قیمت ۴۰

مباحثہ گوشت خوری - یہ مولانا مولوی علیہین صاحب پریڈٹ اسلامک مجلس خفا و امرتسر نہایت صاحبزادہ جلال الدین دین کے تالیف کردہ درمیان ہوا تھا مولانا موصوف نے جس خوبصورتی اور معقولی و منقولی دلائل سے قرآن مخالف کو بچا دیکھا کہ گوشت کھانا

ذراک ثبت کیا ہے وہ دیکھنے سے متعلق رکھتا ہے یقیناً کہ جو لوگ مسکا ملاحظہ کریں گے وہ گہاس پائی کے لاطائل دلائل کی بوجھ سے تریک سیکنگ۔ اپنے فرض میں پہلا رسالہ قیمت ۵۰

خیر کبیر - اس میں ہر صنف موصوف دلائل عقیدہ مذکور ہیں کہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ کتاب

المشاہدین خیر کتب - اس میں ہر صنف موصوف دلائل عقیدہ مذکور ہیں کہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ کتاب

مجلہ

یاجار مفتہ میں تین بار شعبہ درویشیہ اور چار شعبہ کو مطبع روز بازار امرتسر سے شائع ہوتا ہے۔ اسکے پرزور آئیکون نے ملک کے نامی گرامی قدر مالون اور مشہور معامہ نگارین کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ دنیا بھر کی ضروری اور لحسب ضرورت کے نہایت جلد اور سب سے پہلے ہم پہنچانے میں اپنا نظر نہیں رکھتا۔ قومی انجمنوں تعلیم کا ہون اور کارخانوں پر آزادی سے رپو کو کرنا اور انکی بہت بندنا ہے۔ اسلامی دنیا کے حالات معلوم کر نیکی کے لئے اس سے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اسکی طرز بہتر۔ آزادی۔ سچی سہر دی۔ اعلیٰ درجے کے لریچر نے ثابت کر دیا ہے کہ یہی ایک جگہ جسکو اردو اخباری دنیا میں لانا ہی ہو نیکافر حاصل ہے۔ بنگلی قیمت وصول ہوئے بغیر جلدی نہیں کیا جاتا۔ نمونہ کا پرچہ آدھ آدھ کاٹ آئے پر رواد کیا جاتا ہے۔

شرح قیمت حبیل ہے

پیشگی	سالانہ	ششماہی
مالک بیرون سے	۱۲ شنگ	۷ شنگ
رو سار۔ امر او معززین سے	تیر روپے (۱۱)	آٹھ روپے (۷)
عام خریداروں سے	آٹھ روپے (۱۱)	پانچ روپے (۷)
طلباء و کم استطاعت اصحاب سے	چھ روپے (۱۱)	چار روپے (۷)

المشتر۔ میخرا جبار وکیل امرتسر

الکات الضعیف جلیبہ (مشی ناضل) متوطن۔ لاپنڈی حال دارودہ اخبار وکیل امرتسر پنجاب۔ ۱۲ و ششماہی شنگ ۱۲

قابل قدر اور ستمناہین

مفضل ذیل مفید اور خوشخط عمدہ کتب میں جو دفتر محمدیہ کو مل سکتی ہیں اسکو علاوہ مولانا حالی کی تصانیف ہی اس دفتر سے مل سکتی۔

کتاب مصنفہ مولوی خواجہ غلام الحسنین سابق انسپکٹر مدارس صوبہ گلبرگہ

۱۔ اصول تربیت یہ رسالہ جدید اور قدیم اصول کا جامع جو اور تمام والدین و معلمین کو اور عام اہل علم کو اسکا پڑنا

ضروری ہو نہایت عمدہ اور اعلیٰ ترین سے مضامین میں جمع کئے گئے ہیں جنہاں عقلی و خلاق تربیت کے اصول و مقاصد

طریقہ حصول تباہ کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب نہایت خوشخط اور صاف چھپی ہے حجم ۱۲ صفحہ قیمت ۱۰۰۰۰

۲۔ قوانین ملت یہ سطرل کی کتاب الاراف و ملتہ کی قیمت انگریزی میں ۸ روپیہ اسکا نہایت سلیس ترجمہ اعلیٰ

درجہ کے کاغذ پر فہ عام سٹیم پریس لاہور میں ۶ روپیہ پر چھپا ہے۔ دولت کیا چیز ہے؟ کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ ہر کس طرح

تقسیم ہوتی ہے؟ ۶۸ مضامین علم و لطف کیلئے اکادمی کے افسانوں میں اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ مبتدی اور عام شاہین

آسانی سے سمجھ سکیں جو طلباء یا مدرسین یا عام شائقین اس علم کے ابتدائی اصول کو جاننا چاہیں اس سے بہتر کتاب

انڈونین ملکتی مترجم نے بعض مفید حواشی بھی دیئے ہیں قیمت ۱۰۰۰۰

۳۔ فن تعلیم یہ کتاب اہل علم اور معلمین اور عام شائقین کیلئے ایک نو تسلیم و پرچسپی ہو مفید ہو۔ بقول شمس العلماء رشتی دکاندار

صاحب اردو میں اس سے بہتر کتاب اس مضمون پر نہیں لکھی گئی حجم ۶۰۰۰۰۰

۴۔ سیرۃ النبی (مکملات مکمل) صفحات اندازاً ۴۸ قیمت ۲۵ روپیہ زیر طبع ہو۔ دوسرا تین سوچے جڑے ہوئے ہیں۔

کتاب از خواجہ غلام الثقلین بی۔ اے ایل ایل بی وکیل مائی کورٹ

۵۔ اصول اخلاق اسلام میں صفہ کا رسالہ بہت جلی اور خوشنما چھپا ہے کم عمر بچوں اور لڑکوں کیلئے مفید ہو اور

سرکار نظام کے مدرسین براہ کرم اسے گٹ وصول ہو پڑ ۳۰ روپے کے لئے مخصوص لگا دیکر بھیج دیئے جائینگے۔

۶۔ لکچر کانفرنس لکھنؤ۔ اصول ترقی پر قیمت ۱۰۰۰۰۰

۷۔ ایسٹرن ایڈیاٹور علمی اور طبعیہ مضمون انگریزی میں مینی پولٹیکس تہذیب و تمدن کیلئے حیات الشاہیر اور متعدد

کلمات نہایت عمدہ کاغذ پر چھپے ہیں حجم ۱۲۵ صفحے قیمت سابق عدہ قیمت حال ۱۰۰۰۰

۸۔ حیات جاوید اس مشہور کتاب شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی نے سرسید رحمہ کی ہونویری لکھی

ہو ادبیہ تمام قوی اور ملکی مسلمات میں مفضل حکیمانہ ہو یو کتاب اردو زبان کی سلیس و براہ فہم تصنیف حجم ۶۰۰۰۰۰

۹۔ رسالہ حدوث مادہ قیمت ۱۰۰۰۰۰

منور علی منور عصر جدید

عصر جدید

ایک ماہیہ یو یو

مقاصد

مسلمانوں کو ایک علمی-سنجیدہ اور کفایت شعار قوم بنانا
اڈیشہ خواجہ غلام الثقلین سکرٹری اصلاح تمدن - وکیس ہائیکورٹ
جلد ۴ مقام اشاعت - لکھنؤ - گولا گنج
نمبر ۶
جون ۱۹۰۶ء

نمبر شمار	مضمون	نمبر	مضمون نگار
(۱)	مذہب اور دینی ترقی	(۲۴۱)	ایک ڈاوان ڈول
(۲)	مسئلہ ازدواج	(۲۵۱)	مولانا ضیاء الحسن کوروی از لکھنؤ
(۳)	بنوڑ کی رسومات کی اصلاح	(۲۵۵)	مولوی سید عابد حسین بھوانی گڑھ پٹیا لہ
(۴)	اصلاحی کارروائیاں	(۲۶۴)	مولوی عبدالواحد شاہ مجلس انجمن شہرہ اسلام پٹوا
(۵)	جاپان کی ملکی اور قومی ترقی	(۲۶۸)	سید جمال احمد رئیس کڑا
(۶)	ماہ گذشتہ	(۲۷۷)	ایڈیٹر

منشی محمد فخر الدین صاحب کے نو طبائع پریس لکھنؤ میں چھپا

اصول صیغہ اصلاح

- ۱۔ عدل و اعتدال۔ یعنی میانہ روی پر ہمہ گیری۔ سادگی۔
- ۲۔ کفایت شعاری۔ یعنی اسراف دولت۔ اسراف وقت سے بچنا۔ دولت کا صرف مفید کاموں میں کرنا۔ رسمیات کے اخراجات میں کمی کرنا۔
- ۳۔ سعی و محنت۔ گدگداری۔ بیکاری۔ سستی کو قابل نفرت سمجھنا۔ خود کام کرنا اور ایک شخص کو کام پر لگانا
- ۴۔ اتفاق۔ نیک مقاصد کے حامل کرنے کے لیے ملکر کوشش کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا

ضروری ہدایات اور قواعد عصر جدید

- (۱) رسالہ کا حجم ۴۴ صفحے سے کم نہ ہوگا۔
- (۲) قیمت پیشگی یا نقد ہوگی۔ یا بذریعہ ویلیو پی ایل پارسل سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ع
- (۳) نمونہ کی درخواست کے ساتھ ہر کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔
- (۴) خط و کتابت یعنی نام۔ پتہ مضامین سب صاف اور خوشخط ہوں۔
- (۵) جلد مناسب مضامین ترقیب اور گنجائش کے لحاظ سے چھاپے جائیں گے۔ بصورت عدم مافیت ایڈیٹر مضمون کو مختصر کر سکتا ہے مگر مطلب ہلٹ نہیں سکتا۔
- (۶) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ہونا مناسب ہے۔
- (۷) جو صاحب یکسالہ جہدہ کی بابت نسخہ خریداروں کی قیمت دانخواستہ وغیرہ کو یکسالہ چھوہ کیلئے رالکیشن میں لیا گیا۔
- (۸) رسالہ نہ پونہ بننے کی شکایت انرون۔ سی یوم وصول نہ ہو تو بعد رسالہ بھیجنا لازم نہ ہوگا۔
- (۹) ایسے معترب فروشوں کی ضرورت ہے جو ہمارا رسالہ اور کتب ان پر ہوں جن میں معتول لکشن دیجا کی تصفیہ بذریعہ خط و کتابت
- اجرت اشتہارات: (۱) جو صاحب اخبار و رسائل بقدر سادہی ہمارے اشتہار چھاپیں ان سے کچھ اجرت نہ لی جائیگی
- (۲) بخش کتب یا ادویہ کا اشتہار نہ چھپے گا (۳) اجرت اشتہار فی سطر اگر ایک روپیہ سے کم اجرت کا اشتہار نہ لیا جائیگا
- (۴) اجرت فی صفحہ ایک یا کے لیے عام اشتہار ہی کے لیے نصف سالانہ نصف حصہ الکیا رچر شٹل ہی سے سالانہ
- (۵) جب تک اشتہار چھپے رسالہ صاحبان اشتہار کو بلا قیمت لیا۔ مگر محصول ڈاک ان کو بھیجنا ہوگا۔

عصر جدید

(مذہب اور دنیوی ترقی)

گذشتہ تاریخین جو کچھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ قوموں کی ترقی اور تنزل کا کبھی بھی ایک رخ یا ایک نمونہ نہیں رہا ہے۔ کوئی ایسا زمانہ نہیں ہو گا جس میں کوئی نہ کوئی قوم مقابلتہ ترقی یافتہ نہ کی جاتی ہو کوئی سا زمانہ تو ہوا جس میں کوئی نہ کوئی قوم مذہب اور ترقی یافتہ ہو گی دنیا پر بعض ایسے دور بھی ہوئے ہیں کہ عموماً قوموں اور سلطوں کی حالت چند ان شالیہ تھی مگر پھر بھی اطمینان لینا بعض قومیں بمقابلہ بعض کے کسی نہ کسی خصوصیت سے ممتاز اور برتر اور دی میں ممتاز ہوتی رہی ہیں ہر زمانہ میں ترقی اور تنزل کی بحث اپنے دینی رنگ میں جڑ پکڑتی رہی ہے اور ہر زمانہ میں ترقی اور تنزل کی تعریف یا کیفیت جداگانہ الفاظ اور معانی میں بیان کی جاتی رہی ہے۔ سادہ قوموں میں بھی یہ بحث ہوتی رہی ہے جو کسی نہ کسی مذہب کی پابند تھیں اور ان قوموں میں بھی حرج کوئی دین یا کوئی مذہب نہیں تھا۔

تاریخین شہادت دیتی ہیں کہ دنیوی اقبال یا دنیوی ترقی کا وسیع ہریشہ نہ تو مذہب رہا ہے اور نہ ہے اگر اسی یا لائڈنہی مذہب کی پابند قومیں بھی زمانہ میں ترقی پاتی رہی ہیں اور مذہب گروہ بھی اس کو چھوڑنے سے گزرے ہیں جو قومیں مذہب پرست تو کیا خدا پرست بھی نہیں ہیں انہیں بھی بمقابلہ بعض کے بعض کی حالت ترقی یافتہ اور مذہب رہی ہے اور بعض کی ناشالہ اور غلامی میں گزری ہے مذہب کی پابند قوموں کی حالت ترقی اور تذبذب بھی کیساں نہیں رہی ہے ایک طرف ترقی کا سامان رہا ہے اور دوسری جانب غلامی اور تنزل اسی تمام افراد کی ہمتیں اس مرحلہ پر

سے جاتی ہیں کہ ترقی دینا کے واسطے جسے مذہب کی پابندی کی ضرورت نہیں ایسے ہی یہ قید اور یہ شرط بھی موزون نہیں معلوم ہوتی کہ مذہب چھوڑ کر ہی یا مذہب کی پابندی سے نکل کر ترقی اور مذہب کی ڈگری ملتی ہے اگر لائبریری یا آزادی یا ترک پابندی مذہب کا عام نتیجہ دینی ترقی اور دینی خوشی ہی ہوتی تو لازمی تھا کہ جو قومیں کسی مذہب کی گردیدہ اور پابند نہ تھیں یا نہیں ہیں اور ان کا کوئی حصہ یا کچھ حصہ و بھی تنزل درستی میں نہ رہتا حالانکہ ہمیں دنیا کے گزشتہ واقعات سانحات اور حال کی کیفیات اسکے خلاف تعلیم دیتی ہیں بہت سے گروہ باوجود عدم پابندی مذہب و رنا خدا پرستی کے بھی تنزل اور پستی کی تندر ہو چکے ہیں اور ان کی ترقی اور اونکا عروج مدتوں سے بند اور اونکی رفتار اقبال صدیوں سے سست ہے اور ان کے مقابل میں بعض فرقے جو مذہب کے پابند ہیں ابھی حالت میں ہیں اگر لائبریری ہمیشہ کے واسطے موجب نشرو نما اور ترقی ہوتی تو ضرور تھا کہ ان فرقوں میں کبھی تنزل اور پستی کی ہوا نہ چلتی جو مذہب اور مذہبی پابندیوں سے کوسوں دور ہیں روس کی حالت بمقابلہ انگلند کے بہت خراب اور قابل افسوس ہے یوں کوئی یورپین طاقت کے خیال سے کوئی ہکتہ چینی نہ کرے تو یہ ایک دوسری بات ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ روسیوں میں انگلستان جیسے ترقی نمایاں ہے حالانکہ روسی لوگ بھی مذہبی پابندیوں سے اسی طرح گھبراتے ہیں جس طرح انگلستان کے لوگ لازم تھا کہ اس وجہ سے دونوں میں یکساں ترقی اور یکساں عروج ہوتا یہ تاثر ظاہر کر رہا ہے کہ مذہب کی پابندی اور لائبریری قومی ترقی میں بالخصوص مؤثر نہیں ہے باین حالات جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ "اگر کسی قوم کی ترقی کے واسطے مذہبی پابندی یا اتباع مذہب لازمی اور ضروری نہیں ہے۔"

ایسے ہی یہ بھی کہا جا چکا کہ "اگر کسی قوم کی ترقی کے واسطے محض لائبریری اور آزاد منشی بھی لازمی اور ضروری نہیں ہے۔" یہاں کہ بعض قوموں نے مذہب ہی میں دیکر ترقی پائی ہے۔

ہمارے سامنے جدید اور گذشتہ دونوں نمونے موجود ہیں ہم ان سے یہ اطمینان کر سکتے ہیں کہ ان نمونوں میں سے کتنے نمونے ایسے ہیں جو مذہب اور مذہبی پابندی کے ماتحت ہیں اور کتنے ایسے ہیں جن میں لائبریری اور آزادی پائی جاتی ہے ہماری جگہ میں یہ دونوں مشقیں عسادی الاثر ہیں اگر کسی وقت مذہبی تحریکات اور مذہبی پابندی ترقی میں مزاحم ہوتی ہے۔ تو کوئی

لائزہبی اور آزادی بھی وہاں جان ہو جاتی ہے۔

اگر ہم مجموعی ترقی کی بحث چھوڑ کر شخصی ترقی کا موازنہ کریں تو ہمیں اوس سے بھی یہ ثبوت مل جاوے گا کہ اگر مذہب کی پابندیوں میں کمی اور تنزل ہوتا ہے تو لائزہبیوں اور آزاد منشوں میں بھی ایسی پناہنیں پائی جاتی ہیں جو یورپ میں جہاں مذہب اور مذہب کی پابندی سکرات موت پر ہے وہاں بھی یکساں حالت نہیں سب لوگ آزاد اور قریباً مذہب سے غافل ہیں یا سب کے سب سوائے چند کے محض فیشن کے طور پر مذہب کے دوا خواہ ہیں باوجود اس سبک چینی کے اون میں بھی ترقی اور تنزل کی رفتار یکساں نہیں ہے مغربی لائزہبی اور مشرقی لائزہبی میں جو فرق اور جو حد حاصل ہے وہ ایک اچھا ثبوت پیش کر سکتی ہے بے شک جاپان نے لائزہبی اور آزادی میں ترقی اور فتوحات حاصل کی ہیں اور وہاں مذہب کی کوئی قدر نہیں ہے لیکن اگر خدا خواستہ جاپانی روس کے مقابلہ میں شکست کھا جاویں یا کھا جاتے تو اس وقت اون کی لائزہبی اور آزاد منشی کی نسبت کیا یہ کہا جاتا کہ "اونکی شکست اور یہ نہر ہمیت محض لائزہبی کی بدولت ہے بوڑوں اور انگریزوں کی لڑائی ایک ہی مذہب میں ہوئی ہے وہ بھی یورپ میں اور تہذیب باغیہ اور وہ بھی اونا کا گوشت و پوست جو پابندی مذہب بوڑوں میں ہیں وہی یا اوس کے قریب قریب انگریزوں میں بھی گویا دونوں برابر کے جوڑ تھے اب کوئی پوچھے کہ بوڑے کیوں ہارے اور انگریز کیوں جیتے مذہبی پابندی اور لائزہبی نے اون دونوں میں کیا کچھ نفرت کیا ایک ہوشیار اور تجربہ کار جنرل اس شکست و فتح کی جو وجہ بتلایگا وہ مذہب اور لائزہبی کے سوال یا بحث سے بہت دور ہوگی۔ اور ہم باعتبار اس بحث کے یہ کہہ سکتے کہ بوڑوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح میں مذہب اور لائزہبی کی کوئی بحث ہی نہیں تھی یہ کچھ اور ہی معاملہ تھا۔ اگر انگریز پورے طور پر مذہب کے پابند ہوتے تو اوس صورت میں بھی بوڑوں پر فتح پاتے اور اگر بوڑے سرے سے دہریہ ہی ہوتے تب بھی انھیں انگریزوں کے مقابلہ میں کبھی بھی نصرت و فتح نصیب نہ ملے۔ یورپ والوں کی یہ بھی دانائی اور دور اندیشی ہے کہ وہ باوجود اس نفرت کے فیشن کے لحاظ سے تو کوئی مذہب رکھتے ہیں ہمارے ملک میں تو یہ فیشن بھی اڑتا جاتا ہے مذہب کیا خدا کے نام سے بھی نفرت اور کراہت ہے ۱۲۔

مذہبی کامیابی میں نیکی اور بری کا خواہ شخصی کامیابی ہو اور خواہ قومی کامیابی ہو کلیہ کے طور پر ہمیشہ داخل اور اثر نہیں ہوتا ہے ہم یہ کبھی بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہمیشہ نیکی ہی فتح پاتی ہے یا بدون کو ہمیشہ شکست ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دو ایک پارا عابد بھوکے پیٹے تاجروں اور ایک بدعاش خوش حال ہے، کبھی ایک بدعاش مصیبت میں ہوتا ہے اور ایک عابد خوش حالی،

ایسی نظریات ہیں ایک کلیہ قائم کرنے سے زور کے ساتھ دہکتے ہیں اگر ہم ایسی نظریات سے کوئی کلیہ قائم کرنے کے مجاز ہیں تو پھر بھی ہمیں ایک بدعاش اور بد رویہ فرقہ کی ترقی سے یہ اصول قرار دینا پڑے گا کہ کامیابی اور ترقی کے واسطے بدعاشی لازمی اور ضروری ہے، اور ایک عابد اور پابند مذہب کی کامیابی یہ یقین کرادے گی کہ وہ مذہبی پابندی سے ہی کامیابی ہوتی ہے، اس قسم کے سوالات اور بحثیں اس وقت ہوتی ہیں کہ جب ہم ایک شق کی نفرت دل میں رکھ کر بحث کرتے ہیں جب خود ہمارے دل میں خدا پرستی اور مذہب سے نفرت ہو جاتی ہے یا یہ کہ جب مذہب ہماری آزادی میں مزاحم ہو جاتا ہے اور مذہب کی پابندی ہمیں مطمئن کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں یہ سر تھتی ہے کہ مذہب ہی ہماری ترقی کا حلیہ ہے اور مذہبی پابندی سے ہی ہم اس حالت کو پہنچے ہیں ہم اس بات کی حالت میں نہیں خیال کرتے کہ ترقی یافتہ قوم کی ترقی کے موجبات کیا ہیں ہم جس رنگ میں خود ہوتے ہیں اس رنگ میں دوسرے کو خیال کرتے ہیں مثلاً ایک مذہب پرست ہمیشہ کسی دوسرے مذہب پرست کی ترقی کا موجب مذہب ہی قرار دے گا اور ایک بد مذہب ہمیشہ لازمہ ہون کی ترقیات کا موجب اون کی لائندہی اور آزادی ہی سمجھے گا۔ یہ تو اپنی ہی حالت کا عکس ہے جاپان نے بیشک بجلی کی رفتار میں روشن ترقی کی ہے لیکن اون کی ترقی کا صرف لائندہی یا آزادی مذہب کو ہی اصلی مذہب قرار دینا درست نہیں ہے۔ اگر لائندہی اور آزادی کے ساتھ اون میں ”اتفاق“ و ”ہمت“، ”لیاقت“ و ”شجاعت“، ”محنت“ و ”دولت“، ”صداقت“ و ”ہمدردی“، خلوص وغیرہ نہ ہوتا تو اون کی لائندہی اور آزادی کیا کچھ مدد دے سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دریافت کرتے رہتے ہیں کہ ان تسعہ امور میں سے کتنے ایسے امور ہیں جو مذہب کے خلاف اور لائندہی کے مؤید ہیں کتنے امور ایسے ہیں کہ جس کی مذہب میں تردید اور تکذیب کی گئی ہے اگرچہ اپنی

قوم دین کے کسی نہ کسی مذہب کی پابند بھی ہو کر ان اوصاف سے متصف ہوتی تو کیا وہ دوس پر فتح نہ پاتی اور اسے یہ ترقی نصیب نہ ہوتی یہ بات جیڑا ہے کہ مذہب بجائے خود ایک ایسی گندمی کیفیت مان لیا جائے کہ وہ ہر حالت میں نقصان رسان ہے ثابت ہو گا کہ حجل اسلام اور مسلمان ہر ایک بُرائی کا مزخچین دوسروں کے نزدیک ہی نہیں بلکہ خود بعض مسلمان بھی اس سے سخت بیزار ہیں لیکن تارخین یہ تو منواتی ہیں کہ مسلمانوں نے کسی نہ کسی زمانہ میں کچھ نہ کچھ ترقی تو کی تھی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اُن میں مذہب کی پابندی بھی کچھ نہ کچھ تھی۔ اگر کوئی قوم پابندی مذہب سے ترقی نہیں کر سکتی تو ہم حیران ہیں کہ مسلمانوں نے کیوں ترقی کی پھر بھی کہنا پڑے گا کہ دراصل وہ لامذہب اور آزاد منش تھے کیونکہ جب ہم یہ قرار دیتے ہیں کہ مذہبی پابندی ترقی کے مانع ہے تو جو قوم ہمیشہ مذہب کی پابند رہی اسے کیونکر ترقی یافتہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ مان لیا جاتا۔ کہ اسلام مسلمانوں کی ترقی کا باعث نہیں ہوا اور اسلام نے مسلمانوں کو سوائے اُمت پروردگار کے کچھ نہیں سکھایا اور اسلام میں ترقی دینے اور مذہب بدلنے کی سرموطافت نہیں بلکہ یہ کہ اسلام کا وجود محض بے سود اور محض لامصرف تھا۔ اور اس کی تعلیم میں کوئی بھی ذریعہ صلاقت نہیں لیکن یہ سوال ضرور ہو گا کہ ان مسلمانوں نے اسلام میں اگر جو کچھ حاصل کیا وہ اسلام کی بدولت ہے یا کسی اور زمانہ سازی کے طفیل اور یہ بھی کہ اسلام نے مسلمانوں یا اون بڑمت لوگوں کو جنھیں اب اون کی ذریات اچھی ٹھکاہوں سے نہیں دیکھتی جو اس میں اخل ہوتے تھے کیا کچھ تعلیم دیتے تھے قبل اسکے کہ ان باتوں یا ان سوالات کا جواب دیا جائے یہ دیکھنا ہے کہ ترقی دینی کے سبب کیا ہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سب سے بڑا موجب ہمارے ترقی کا زمانہ شناسی اور وقت پرستی ہے اور اون کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ زمانہ شناسی اور وقت پرستی ہمیں وہی باتیں سکھاتی اور اُٹھا محور پر لیجاتی ہے جو تمام دینا کے دوران لیشیون اور محتاط لوگوں نے قرار دے رکھے ہیں اور اون کا لب لباب وہی ہے جو ہم نے اس مضمون میں چالین کے سلسلہ میں بیان کیا ہے پس یہی صورتیں اور یہی باتیں ہر ایک قوم میں ترقی اور عروج کا موجب ہیں اگر اسلام نے یہ باتیں یا ان کا سبب کچھ حصہ نہیں سکھایا ہے تو اسلام میں ایک طاقت ضرور پائی جاتی ہے ان اگر اسلام ان کے صریح منافی ہے تو ہمیں اسلام کے نام سے بھی نفرت ہونی چاہیے بیشک مذہب میں حافی

پارٹ زیادہ لیتا ہے اور اسکا اکثر حصہ روحانیت ہی سے متعلق ہے لیکن ہم دنیوی معاملات کا دین
روحانیت سے کما تنک پاکی کر سکتے ہیں۔ مذہب تعلیم دیتا ہے ”سچ بولو، صداقتی رہو، خدا کو، ایک
دوسرے سے ہمدردی کرو، غریبوں پر رحم کرو، رشوت نہ لو، مازنا نہ کرو، غیبت نہ کرو، پوری کرو
دوسرے کا مال نہ کھاؤ،“ اپنی مدد آپ کرو، کیا ان باتوں اور ان اصولوں کی دنیا داری یا دنیا
مین ضرورت نہیں ہے کیا ان کے سواے کوئی دنیا دار سچا دنیا دار اور محترم ترقی یافتہ ہو سکتا ہے کیا ان کے
سواے کوئی شخص کوئی مذہبی دنیا مین ترقی پاسکتا ہے کیا کوئی قوم ترقی یافتہ بھی ان اوصاف سے
خالی ہے کیا جن ترقی یافتہ لاندہب اقوام مین یہ باتیں نہیں لی جاتیں وہ انسانی جماعتوں مین عزت سے
شامل کیجاتی ہیں یا انہیں دنیا کے طبقہ پر کوئی عزت اور نیک شہرت ہے کوئی شخص بھی اس سے
اغراض نہیں کر سکتا۔ کہ دنیا داروں کے کاموں مین قانون ملکی یا قانون سوسائٹی یا اخلاقی قیودات کی سخت
پابندی کیجاتی ہے گو بعض رجحان اور بعض مانع صرف خدا اور بانی مذہب کے نام سے ٹکرتے اور جوش
مین آجاتے ہیں اور ان کے نازک دماغوں پر خدا کا نام اور بانی مذہب کا ذکر بہت ہی بڑا اثر
کرتا ہے لیکن کسی ملکی یا شہر اور اخلاقی قانون سے وہ بھی باہر دراز اور نہیں مین باوجود لاندہب
اور آزاد ہونے کے یہ تمام قسم کی پابندیاں شامل حال بنتی ہیں اور اگر ان کی پابندی نہ بھی جاوے
تو کوئی فرد یا کوئی قوم بھی ترقی یافتہ نہیں کی جاسکتی۔ اگر ایک گروہ یا ایک قوم جھوٹ کر اور مذہب
و دغا بازی ظلم و ستم سے ترقی پاتی ہے تو کبھی بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ترقی یافتہ ہے۔ ایسے ہی
کام اور ایسی ہی کوشش کرتے ہیں جو ایک ملک کا دلی کیا کرتا ہے لیکن پیلون کوڑا کو کما جاتا ہے
اور دوسرا ایک قوم کا ایک ملک کا بادشاہ اور فرمان روا ہوتا ہے۔ ان دونوں مین یہ تیز کیوں
کیجاتی ہے صرف اس واسطے کہ پہلا گروہ ایک بے ضابطگی کرتا ہے اور دوسرا فو کسی نہ کسی ضابطہ
پر چلتا ہے ہر شعبہ کی اصطلاح مین جدا گانہ ہوتی ہیں جب ایک قوم اور ایک جوشیلی گورنمنٹ علیا
اور فوج کا حوصلہ بڑھاتی اور غنیم کے مقابلہ مین لیجاتی ہے تو ان الفاظ مین مخاطب کرتی ہے
”ہماری آزادی ہماری قومیت تب ہی بحال کی جاسکتی ہے جب ہم نل سے جان سے مال سے
عزت سے غنیم کا مقابلہ کریں اپنی آزادی کی حفاظت کرنا ہمارا ذاتی فرض ہے جب ایک مذہبی
گروہ کام کالنا چاہتا ہے تو وہ ان الفاظ مین حوصلہ اور جوش دلاتا ہے ”شخصوں مین کد واسطے

جان دیتا ہے وہ نجات پاتا ہے اور جو شخص خود غرضی سے لڑتا ہے وہ جہنمی ہے فی سبیل اللہ لڑو اور عظیم کی مدافعت کر کے دکھاؤ۔ ان دونوں پر پچھن کا مفہوم قریباً ایک ہی ہے۔ لیکن جب دوسری پچھن اور جوصلہ افزائی مذہب کی زبان سے سنائی دیتی ہے تو سننے والوں میں سے بعض خوش میں آجاتے ہیں۔ مذہب کا لفظ ایک خوفناک لفظ ہوتا جاتا ہے اجنبی باتیں مذہب کے پیرائے میں بری معلوم ہوتی ہیں جب ایک فلسفی خدا کی وحدت اور ذات پر بحث کرتا ہے تو بعض لوگ شوق سے سنتے ہیں لیکن جب ایک بانی مذہب یہی وعظ کرتا ہے تو ماتھون پر بل پڑنے لگتے ہیں جب کبھی یہ کہا جاتا ہے ”ہر مذہب ہمیں ترقی سے روکتا ہے“ یا ”مذہب ترقی کی منافی ہے تو اسے فوراً مان لیا جاتا ہے حالانکہ دوسرے مذہب کی پابند کیا مذہب سے خیر بھی نہیں رکھتے۔ کچھ کل اسلام کے خلاف یہ کہنا جاتا ہے کہ یہ ملال کو ترقی سے روک رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی نہیں دیکھا جاتا کہ کتنے مسلمان بالخصوص وہ گروہ جو اسلام کا نام لیوا ہی ہیں لازمی کی صورت میں ترقی یافتہ ہے یا وہ نہیں ترقی یافتہ جماعتوں میں جگہ دیا جاسکتی ہے۔ دنیا کی کل اسلامی جماعتوں میں مذہب صرف برائے نام یا بطور ایک جنبش کے پایا جاتا ہے لازمی تو تھا کہ ادین میں ترقی کے آثار نمایان ہوتے مگر وجود اس آزادی کے بھی جہان کا سمہ ہمارا آشن ہے ہاں یہ ضرور ابھی کس بات ہے کہ اکثر حصہ مسلمانوں کا برائے نام خدا کے وجود یا بانی مذہب کی تصدیق کرتا ہے آزمائش کے واسطے یہ دوسرے ادین کے لیے اگر توڑ دے جاوے تو تجربہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے ادین کس قدر ترقی میں حصہ لیتا ہے ہمارے میں اگر واقعی یہ دو کھت امر ہیں لیکن ہماری ترقی دینی میں حاصل اور خارج ہیں تو ان کا رکھنا بھی لازمی نہیں ہے۔ انھیں بھی توڑ کر دیکھا جاوے شاید خدا ہی ہماری مسمیٰ اور تنزل کا باعث ہو۔ ابن ہم اندر عاشقی بالائے غمما سے دیگر خدا کی خدائی کے انکار سے نہیں جو کچھ حاصل ہونے کی امید ہے وہ ان حالات سے خالی نہیں ہے ہم عاقبت کے غمخو سے ہوائی پاؤں گئے“ ہم بالکل نازد ہو کر زندگی بسر کرینگے وہ ہم ایک ڈراؤنی اور وہی طاقت کے پابند نہیں گے، ہم میں باہم صلح اور آشتی کے سامان پیدا ہوتے جاوے گے ان خداؤں کے دور ہونے پر بھی کیا نہیں اون اسباب اور اون مواد کی ضرورت نہ ہوگی جو ترقی کے واسطے لازمی ہیں۔ اور جب حکمت اور مذہب کیساں تعلیم دیتے ہیں اگر باوجود اس کے بھی انھیں

پابندیوں میں ہم جکڑے رہیں گے تو خدا اور کسی بانی مذہب کا چھوڑنا نہ چھوڑنا برابر ہی رہا۔ اگر خدا یا کسی مذہب کا چھوڑنا اوس کی پابندیوں سے آزاد ہو جانا واقعی ایک قومی اثر رکھتا ہے تو لازماً تھا کہ دنیا کی موجودہ اور گذشتہ وحشی قومیں سرسے سے تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ شمار ہو تیں کہ وہ ان میں مذہب کیا خدا کا نام تک بھی نہ تھا حالانکہ وہ اخیر تک سب سے اخیر ہی رہیں۔ ہر ایک قوم کی ترقی اور اقبال کی دو چیزیں ہیں وہ حکومت، فارغ البالی حکومت کا حاصل ہونا۔ نہ تو کسی مذہب اور مذہبی پابندیوں پر موقوف ہے۔ اور نہ کسی آزادی اور فائز مہمی پر یہ خدا کے کام ہیں۔

د بشرطیکہ ہم خدا کے وجود کے معترف ہوں، یا اتفاقاً ہے تاریخین بتلاتی ہیں کہ بڑی بڑی ترقی یافتہ قومیں چند ہی سال میں حکومتوں سے منور کی گئیں اور ان قوموں کو ان چھادی اور غالب کیا گیا جو کچھ بھی نہ تھیں۔ صدیوں کے گھرانے دنوں میں تباہ اور برباد ہو گئے ہزاروں برس کی بادشاہتیں یہاں میں غائب کر دی گئیں۔ مٹنے اور تباہ ہونے پر لوگوں نے بوجہ تباہی پوچھتے ہیں اور اپنے اپنے عقیدہ کے موافق نتیجے نکالے۔

جب ایک قوم دوسری قوم پر غالب اور سلط کی جاتی ہے تو غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ واقعی اسی ضرورت میں جب ایک مغلوب قوم میں سے انصاف، صلاحیت، خلوص اٹھ جاتا ہے تو دوسری قوم اس پر غالب کر دی جاتی ہے۔ ہر ایک قوم کو ہمیشہ اپنا اپنا پارٹ دکھا کر غلبہ ہو جاتی ہے۔ مذہب کی پابند ہو یا لا مذہب ایسے بوجہ اور ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جن سے دنوں میں ہی ستیا ناس ہو جاتا ہے کوئی حکومت بہت عمر پا کر گرتی ہے اور کوئی کم ان تمام تغیرات اور انقلابات سے ہمیں تو یہ پتہ لگتا ہے کہ ہمارے اوپر کوئی اعلیٰ قوت ہے کہ اس کی طاقت کا ماننا زمانہ موجودہ کی تہذیب کے گونہ خلاف ہے مگر واقعات منواتے ہیں فارغ البالی ہمیشہ میاں دروی۔ صداقت۔ صلاحیت۔ خلوص۔ دلسوزی۔ ہمدردی۔ محبت۔ کفایت شکاری۔ اپنی لو آپ کرنا۔ استقلال۔ زراعت۔ تجارت۔ سفر سے چلتی ہے مذہب کا کھارج نہیں اور لا مذہبی مؤید نہیں چاہی مذہب کے پابند رہو اور چاہے لا مذہبی رکھو ان دونوں حالت میں ان مواد کی ضرورت رہتی ہے۔

یہ کہ مذہب نہ صرف روحانی کیفیات کے ہی متعلق ہے درست نہیں ہے بیشک اس کا جزو حصہ

اور بڑی تسلیم روحانیات کے متعلق ہے لیکن جس طرح لوح اور جسم میں ایک واسطہ مانا گیا ہے اسی طرح روحانی مقاصد کو دنیاوی مقاصد سے بھی ایک نسبت ہے اگر ہم دنیا کی خاطر مذہبی پابندی سے نکلنا چاہیں تو خود ہمیں دنیا داروں کے مضبوط پٹے بھی باز جانا پڑے گا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ ہم دنیاوی ترقی سوائے لاد مذہبی کے کہہ ہی نہیں سکتے تو بڑی مشکل پڑے گی جن قوموں نے اسے محسوس نہیں کیا ہے ان کی بحث تو جدا ہے جن لوگوں نے اسے محسوس کیا ہے ان کی حالت جدا گانہ جس طرح ہم جسمانی مشاغل میں رہ کر روحانی خیالات سے باز نہیں رہتے اسی طرح دنیاوی مشاغل میں رہ کر مذہبی مشاغل سے کیونکر باز رہ سکتے ہیں مثلاً مذہب میں سکھلاتا ہے کہ دھوکہ اور غریب یا سینہ زوری سے کوئی مال نہیں لینا چاہیے دنیاوی حرص کا خیال ہمیں مجبور کرتا ہے کہ جس طرح ہو سکے ایسا کیا جاوے اس صورت میں ہم صرف ایک ہی راہ لے سکتے ہیں ہمارے خیال میں مذہبی پابندی کے ساتھ ساتھ ہم دنیاوی ترقی بھی کر سکتے ہیں چنانچہ دنیا میں اس کی نظائر موجود ہیں یہ کمنا کر چار رس یا ہندو کسی مذہب کے پابند نہ تھے یا اب وہ کسی مذہب یا کسی دین کے حامی نہیں ہیں درست نہیں ہے ہمیں موجودہ ملاؤں کے مذہبی کتابیں اور ہندؤں کے موجودہ مذہبی مباحثے معلوم ہی نہیں بلکہ یقین بھی دلاتے ہیں کہ وہ ایک مذہب سے پابند رہ کر ترقی کر رہے ہیں وہ تمام قسم کی ترقیات اور علوم و فنون کی بنیاد وید کو ہی بتلاتے ہیں اور تمام نیا کو ان الفاظ میں دعوے نہیں کرتے کہ تم ہماری طرح لاد مذہبی کے دائرہ میں مگر ترقی پا سکتے ہو بلکہ ان الفاظ میں کہ وہ دنیا کی کوئی قوم بھی سوائے اتباع وید شریف کے ترقی نہیں پاسکتی وید کی رشیوں میں یوں بر ایمان لانے سے ہی ہر قوم بڑھ اور پھول سکتی ہے جو قوم آریہ مذہب پر نہیں چلے گی وہ ہمیشہ کے لیے نابود اور نیست کر دیا جائے گی گو مسلمان تعلیم یافتہ خوش قسمتی سے نماز اور روزے سے باہر نکل گئے ہوں اور گو ان کے خیال میں قرآن - نبی - خدا - نماز - روزہ ایک بے مصرف فضول رومی شغل یا عقیدہ ہو لیکن ہندو بھائیوں کے نزدیک ہوں - پوجا - بھجن - گیان - فنون رومی نہیں ہیں - ہر اتوار - کو آریہ سماج میں ہندؤں کی بھگتی اور عبادت کا بھٹک سکتا ہے - ساتن دھرم بھی ہندوؤں میں داخل ہیں وہ بھی ترقی یافتہ اور فارغ البال ہیں ان میں بڑی

بھی کی جاتی ہے۔ سکھوں میں ایک زور اور فرقہ پنجاب کا ہے بابا نانک صاحب کی تصدیق اور سری گرو گونت صاحب کی تعلیم بڑی گرمجوشی سے تسلیم کی جاتی ہے باوجود ان ترقیوں اور فارغ الدہالی کے اب تک اہل ہندو میں کسی مسلمان یا مسیحی کے ساتھ اسی کی بڑی پجوری کا لگ جانا بابا کی کاموجب ہے کیا اس تنگ خیالی پر بھی ان لوگوں کا دن بدن بمقابلہ مسلمانوں کے ترقی پاستے جاتا یہ نہیں ثابت کرتا کہ مذہبی پابندی کسی نبوی ترقی کے مانع نہیں ہے پارسیوں میں باوجود اس فوق البشر ترقی اور شائستگی کے اب تک آتش پرستی کا عقیدہ باقی ہے ہزاروں گھروں میں سے دو چار گھر ہی شعلہ مارے نار سے خالی ہونگے۔ مگر یہ تو اپنی اپنی سمت ہے پارسیوں کو ترقی کرنے سے آگ تو نہیں روکتی لیکن ہم قہرمن کو نماز اور خدا یا رسول کا نام ترقی سے روکتا ہے بیشک یورپ میں مذہب کی کساد بازاری ہے لیکن پادریوں کے جماعتیں باوجود سخت مذہبی ہونے کے ہمارے علماء کرام سے ترقی یافتہ ہیں ان کا باعث کیا کچھ سمجھا جاسکتا ہے اگر ہماری ہمسایہ قومیں مذہب قائم رکھ کر بھی ترقی کرتی جاتی ہیں تو ہمارے واسطے یہ تجویز پیش کرنا کہ ہم سوائے مذہب چھوڑنے کے ترقی کر ہی نہیں سکتے۔ ایک حیران کر دہنیوالی بحث ہوگی اگر واقعی قوم کے دور از زمین ممبروں کی یہی رائے ہے تو بجائے اس محمہ اور چستان کی آزادی سے یہ قرار دینا لازمی ہوگا کہ دراصل اسلام باعتبار مذہب کے بھی لاشی اور فضول ہے۔ اور اس حجت سے اس کا ترک کر دینا لازمی ہے۔ لاہور کے ایک لکچر میں جماعتی دھرم پال جی صاحب (سابق منشی عبدالغفور) نے یہ خوشخبری دی تھی کہ دو ٹولٹ مسلمان مولوی آریہ بننے کو تیار ہیں لیکن ان کی گزارہ کا کوئی بند و بست کیا جاوے ہماری خواہش میں اگر بالاتفاق ایک اسلامی جماعت کچھ تحقیق کے بعد ترک اسلام پر تیار ہے تو ہمیں فزاداً جانے سے بہت فائدہ نہ ہوگا جہاں یہ کانفرنسین اور کمیٹیان کی جاتی ہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح کیونکر ہو اگر بجائے ان کے سرے سے یہی بحث کی جاوے کہ اسلام مسلمانوں کے کماشتک مناسب ہے تو زیادہ تر فائدہ

۱۔ بڑے بڑے علماء و اراکین علم آریہوں اور ستان دھری ہندوؤں کی یہ رائے ہے کہ جب تک ہم ہندو دین کی تعلیمات پر چلتے تھے تب تک ہمیں ہر ایک طرح کی ترقی حاصل تھی جسے بننے دیر چھوڑا ترقی نے میں چھوڑا لیکن مسلمان بچا سکے یہ کہہ میں عرب کی حشمت اسلام کی خواہشوں کی تعلیم نے ہمیں دینی کھاد نہیں دے سکتا میں تعادلاتہ اگر کماشتک آج کا ۱۲

ہو گا اگر ایک جنرل ٹینک کے بعد اسلام چھوڑنا قرار دیا جاوے تو بہت سے مصنطربے و چین اس امر
خیرین حصہ لین گی۔ اور کیا تعجب ہے کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کی جماعتوں کا اکثر حصہ اس سو مندر راہ
کی جانب آنا پسند کرے۔ اگر اسلام واقعی ہماری ترقی اور ہمارے عروج کا مانع ہے تو اسکا اختیار
کیا جانا لازمی نہیں ہے۔ لیکن جب تک مورل کمرج سے یہ دیوار نہیں توڑی جاوے گی
کوئی علی اثر نہیں ہوگا۔

راقم ڈاوان ڈول

نوٹ جس مشہور فاضل اور فلسفی مضمون نگار نے یہ آرٹیکل لکھا ہے اون کے نام پچاس
مین کوئی وقت نہ ہوگی لیکن بہت سی باتیں جو طرز الکلمی گئی ہیں یقین ہے کہ لوگ اون کو طنزاً
ہی سمجھینگے فقط اڈیٹر۔

‘مسئلہ ازدواج‘

یورپ کی نئی روشنی کی چکا چوندھونے ہمارے خیالات کو منتشر کر دیا ہے اور اسقدر اختلاف علو
و اختلاف خیالات ہمیں پیدا ہو گیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہم عاجز ہو گئے ہیں اور جی یہ چاہتا
ہے کہ اس کشاکش سے وجود کی زنجیر توڑا کر کہیں نکل بھاگیں اور کسی ایسے دیس و ملک میں جائیں جہاں
ان تمام جھجھکوں اور جھگڑوں سے نجات ملے۔ غرض دنیا کے ان کچھ طریق سے علاحدہ ہو کر گوشہ
عاقبت میں زندگی کا طرہ دین۔ انسان کی زندگی کی سب سے بھلی اور بڑی کٹھن منزل وہ ہوتی
ہے جہمیں اسے اپنی نوع میں تیشہ بننے کا اتفاق ہوتا ہے اسے پیشتر جریدہ تن تنہا تھا اب اسے
گلے میں آکر زوا اور امیدوں کا ایک نیا کٹھلا ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کٹھلا کا بڑا نو صر درمی ہے
اور بقاعدہ نیچر کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اور کون ایسا ہے جو اس حامل انسانی سے دست بردار
ہو مگر پسند اور رغبت عجیب چیز ہے۔ یورپ کی نئی روشنی والے جو ہندوستان میں حشر تارا
کی طرح سیکڑوں ہزاروں پیدا ہو گئے ہیں وہ اپنے باپے اودن سے ایک ایسی درخواست کرتے
ہیں کہ جو انکے ہفتاد و پست میں کسی نے بھی دینی ہوگی باپ ہیں کہ اولاد سے خفا ہیں کوئی ہے
اسے عاق کیے دیتا ہے کوئی صدمہ دیکھنے کا روادار نہیں آخر بھاری اولاد کرے تو کیا کرے

وہ تو یہ فرمائش کرے ہی گی اس میں اس کا کیا قصور اس کا وبال ان باپ کی گردن پر شہر در میان قعر دریائے تحتہ
سندھم کردہ بد بازی گوئی کہ دین ترکمن ہیشا را باش آخر وہ فرمائش کیا ہے۔ یعنی وہ بھی نہ بخفی وہ زناش
بیامہ شادی کے متعلق ہے وہ کہتے ہیں اولاً عورت حسین و خوبصورت ہو اور شادی سے پہلے ہمارے
دیکھ بھال لین اور اس سے بات چیت کر لین ثانیاً عورت قریب کی رشتہ دار نہ ہو اور شریف خاندان
کی تربیت یافتہ ہو۔ ثالثاً حشر حیثیت باندھا جائے اور شادی کی فضول رسمیں جن میں خرچ زائد
ہوتا ہے چھوڑ دی جائیں۔

پہلا سوال تو اولاد کا بالکل کوتاہ نظری اور کم عقلی کی بنا پر ہے اس میں ماں باپ حق بجانب ہیں
دوسرا سوال ان بوڑھے باپوں کی سمجھ سے باہر ہے لہذا اس میں خود مختاری برتری چاہیے اس لئے
کہ وہ خود بھی چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکیں ہی میں شادی بیامہ ہوں۔ ہمارے باپ دادا کے ملائے
ہوئے رشتے نہ تو میں مگر یہ نہیں جانتے کہ وہ رشتہ تو رشتہ یہاں جسے رشتہ چلتا ہے وہ تھوڑے
دنوں میں معدوم ہو جائینگے۔ رہ گیا تیسرا سوال تو اس میں بھی اولاد حق بجانب ہے اور باپ ماں غلطی پر
ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ ایک ہنگامہ یہ موقوف ہے گھر کی رونق۔ اگر شادی بیامہ میں یہ ریت و رسوم
نہ ہوں تو بھلا کوئی ہمارے یہاں کا ہے کو آئے اور پھر بھلا اہارے دل میں جو تمھارے سہرا نہ دھنے
سے جو صلے تھے وہ کیسے پورے ہونگے یہ انہوں نے اس تیسرے سوال سے بھی نادانگہ محض
ہیں اور اس کی کنہہ ان کے نزدیک بالکل مجہول ہو وہ دولت کے شمر و غیر شمر ہونے میں امتیاز کرتے نہیں
وہ اولاد پر روپیہ صرف کرنا اپنا فرض منصبی خیال کر لے ہیں مگر اس صرف دولت میں جاوے گا کچھ
خیال نہیں بس اولاد کا نام آیا اور وہ رویہ اس پر سے نثار ہے۔ ان کو اپنی خوشی سے مطلب مگر
اولاد کی آئندہ تکلیف سے وہ بالکل بے خبر ہیں یہ ہم نہیں کہتے کہ وہ بالا ارادہ جان بوجھ کر یہ سب باتیں
کرتے ہیں نہیں اگر ان کو یقین دلایا جائے کہ بعد کو واقعی تمھاری اولاد تکلیف و مصیبت میں زندگی
بسر کرے گی تو وہ نطاعان نام باتوں سے باز رہیں مگر ان کی سمجھ تو اٹھی ہے یقین نہیں دلاوے کون جو ان سے کہے
وہ حاسد غلطہ بنے اور ان کا بڑا جدا ٹھہرے۔ کہنے کو ہو کہ ہماری اولاد کی کوئی بات دیکھ نہیں سکتا
مگر یہ سب فضول ہے مگر نمٹنے ان کے منشا کے مطابق حشر حیثیت کر دیا۔ رہ گئیں فضول
رسمیں تو وہ مفلسی خود ہی بند کر دے گی۔

اب پہلا سوال دیکھیے کہ میں مان باپ حق بجانب کیوں ہیں اور اولاد کیوں غلطی پر ہے اسکے وجوہات حسب ذیل ہیں کوئی شخص ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے اور برضا و رغبت اس نے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا تو سوال یہ ہے کہ اس نے اس لڑکی کو کیوں ترجیح دی کیا اس نے اسے دیکھ لیا ہے اس کی صورت اچھی ہے وہ نازک اندام و خوبصورت ہے اگر وہ اس عورت سے محض اس لئے شادی کرنا چاہتا ہے کہ وہ خوبصورت ہے تو میان بیوی میں جو محبت ہو چاہیے وہ نہیں ہونے کی انتہا ج زن و شوہری کا پیدا ہو جائے گا مگر الفت کا اتحاد باہمی نہیں ہوگا۔ جب تک اس کی صورت بھلی رہے گی جب تک ماہر الشباب کی طیار اور رونق باقی رہے گی میان بیوی کو چاہیگا بھی پیار بھی کرے گا بظاہر دونوں میں محبت بھی ہوگی مگر ادھر جوانی تو بھلی اور ماہر الشباب میں شوریت آئی اور محبت و الفت خست ہوئی اب نہ تو میان کو بیوی کی پرواہ ہے اور نہ بیوی کو میان کی (نہیں بیوی تو میان پر) و نفقہ ہے کیونکہ اس میں اس کی ذاتی غرض یعنی نان و نفقہ کوڑ ہے مگر میان کیوں نان و نفقہ دے اس لیے کہ اصلی محبت دونوں میں معدوم ہے برائی محبت نئی ہو گئی وہ دوسروں کے حصہ میں آئی اس نے انتقال مکانی قبول کیا۔ اب اگر محض عورت کی سیرت پر نظر ڈال کر اس نے شادی کی ہے تو اسے کیونکر معلوم ہوا کہ وہ عورت خوش خلق و خوش سیرت ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے تو یہ کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کی طبیعت کے مطابق ہے دل میل کھا جائیگا۔ لامحالہ برس چھ مہینہ اسے اس عورت کا تجربہ کرنا پڑے گا یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب یہ باہم ہم نوالہ ہم پیالہ ہوں لیکن کون مذہب و رکون باجیا قوم اسے گوارا کرے گی کہ جوان لڑکی اور لڑکا اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں جب اس طرح وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں سہیں اور جوانی جذبات کا شکار نہیں تو شادی ہو جائیکے بعد پھر انہیں ایک دوسرے پر مستبار نہ رہے گا۔ زندگی تلخ ہو جائے گی اور پھر جب عورت کے بچہ پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے کوئی چاہتا ہے تو وہ اپنی سچی تصویر سامنے آنے ہی نہ دے گی بلکہ اپنے تئیں بالکل مصنوعی حالت میں پیش کرے گی تو پھر بھلا کیونکر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسکا کیریکٹر کیسا ہے لہذا پسند اور رضا محض لڑکی کے خاندانی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر خاندان کے دوسرے ممبر اچھے ہیں تو لڑکی بھی نہیں کے رنگ میں رنگی ہوگی۔ جدید خیالات جالون کے

دوسرے سوال کے ایک حصہ کے یہ مطابق ہی ہے۔ رہ گئی لڑکی کی اپنی دو غیبت تو اس کو اگر اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ بہت جلد دونوں کے دھوکوں میں آ کر اپنی عزت کو بیٹھے۔ لہذا اس کی طرف سے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس کا حقیقی خیر خواہ ہو اور سمجھدار ہو جو اس کی طرف سے رضا مندی ظاہر کرے یہی شخص اصطلاح شریع میں ولی کہلاتا ہے۔ فقط۔ دنیا را احسن نوٹ۔ مگر ایسا اکثر ہوتا ہے کہ والدین نہایت قریب شہتہ داروں سے اتفاقاً نسبت کر دیتے ہیں مثلاً بیٹر

بنوڑ کی رسومات میں اصلاح

(نمبر ۲۳)

تقریر تاریخ شادی | دو وطن والوں کی طرف سے تاریخ شادی مقرر کی جا کر ایک کہن کے ہاتھ دو طلا والوں کے گھر ایک بھتیجی بھیجی جاتی ہے۔ دریا واسے کارندہ پھیلی کو بطور خستہ نہ حسب توفیق جو کم از کم ایک روپیہ اور ایک سرائی پوتا ہے دیا ہے اور برادری میں قند سیاہ یا لٹو تقسیم کئے جاتے ہیں۔

{ تجویز }

یہ رسم محل چوک میں اگرچہ تقریباً بند ہے لیکن اگر کسی دوسرے شہر سے تاریخ شادی مقرر کرنے کی اسی طرح اطلاع آئے تو اس وقت برادری میں سے جو اصحاب موجود ہوں۔ طلب کئے جا کر یہ رسم ادا کی جائے۔ حاضرین کو گولڈ یا لٹو دئے جائیں برادری میں بھاجی کے طور پر تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں۔

سامان ڈوری | اس موقع پر مستورات قریبی شادی والوں کے گھر جمع ہوتی ہیں روٹی تمام برادری کے گھر میں بھیکر سوت کتوایا جاتا ہے دگر یوں ذرا فک کو مولیٰ کی پٹال

لہ | پور تھال، بابو اور معروف وہاے غلو ط التلفظ۔ اس غلہ۔ اور ایک برتن کو کہتے ہیں جو کسی شادی کی تقریب کسی کہن کو دیا جاتا ہے۔ غلہ دھون پنڈرہ ہر سے لیکر من سون ڈر طرح من تک بلکہ زیادہ ہوتا ہے۔ اگر غلہ ایک بھتیجی لے

دیا جاتا ہے۔ اور برادری میں ریوڑیاں یا جلیان تقسیم کجاتی ہیں۔

{ اصلاح }

برادری یا اپنات میں شیرینی وغیرہ بطریق بھاجی سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں باقی رسومات بحالت موجودہ ادا کی جائیں یعنی رنگریز اور ڈھنے کا حق الحکومت تو دیا جائے۔ لیکن برادری میں ریوڑیاں وغیرہ تقسیم نہ کی جائیں۔ مان ڈوری کے لیے سوت کتوالیا جایا کرے۔

کینان اہل شادی بیاہ کے لیے جو چوڑا یا چاول خریدتے ہیں اس میں سے جو کینان یعنی ٹوٹے ہوئے چاول نکلتے ہیں۔ اون کو اور اگر وہ غیر مفتی ہوں تو بازار سے اور چاول خرید کر اور ٹوٹا کر یعنی کینان بنا کر سہلی کنیوں میں شامل کر کے کینان اور ریوڑیاں یا جلیان کل برادری میں تقسیم کجاتی ہیں۔

{ اصلاح }

اپنا سیت یا برادری میں کینان اور شیرینی وغیرہ بطور بھاجی تقسیم کرنا بند کیا گیا اہل شادی چاول صاف کرنے کا خود انتظام کرے۔

مائیان یعنی جب لڑکی مایون میٹھی ہے۔ تو برادری میں پٹیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔

{ اصلاح }

برادری اور اپنا سیت میں نیان یا بجائے اگل کے کوئی اور شے بطور بھاجی تقسیم کرنا بالکل بند کیا گیا۔

ابٹنا یعنی جب لڑکے اور لڑکی کے ابٹنا لگایا جاتا ہے۔ تو دو لون اور دو دھا والون کی طرف سے ایک ایک دن مقرر کیا جا کر طرفین کی جانب سے برادری میں جدا گانہ شیرینی تقسیم کی جاتی ہے جس میں طرفین کی ۲۵ من شیرینی خرچ ہوتی ہے۔

{ اصلاح }

فی الحال یہ رسم اس طرح قائم رکھی گئی کہ مستورات برادری کو فراہم کر لیا چاہیے اور مستورات حاضرین کو اہل شادی دوسے چار تک فی کس ڈیڑھ تقسیم کرے۔ اگر کوئی ریوڑیاں یا ابٹنا سے تقسیم نہ تو اعتراض نہیں۔ بجز حاضر الوقت مستورات برادری کے نہ کسی غیر حاضر کا حصہ تقسیم کیا جائے نہ بطور

بھاجی شیرینی بانٹی جائے۔ لیکن اگر برادری کے کسی گھر سے کوئی بی بی کسی خاص مہم سے شریک نہ ہو تو اس کے حصہ کے چار لٹا اس کے گھر ہو چاد بیے جاویں۔

چنگیریان یعنی دو لٹا والے دو لٹھن والوں کے گھر اور دو لٹھن والے دو لٹھا والوں کے گھر اس سے چودہ تک چنگیلین محراب شیرینی جس میں ہوتی ہیں سے سو پانچ تک ہوتی ہے۔
چنگیلین اسیچھے ہیں۔ اور طرین اس شیرینی کو برادری میں تقسیم کرتے ہیں۔

{ اصلاح }

یہ رسم قطعاً مسدود کی گئی نہ دو لٹھا والے دو لٹھن والوں کے گھر اور نہ دو لٹھن والے دو لٹھا والوں کے گھر۔ اس موقع پر چنگیریان شیرینی کی بھیجیں اور نہ برادری اور اپنا سیت میں کچھ تقسیم کیا جائے۔
کڑا ہا دو لٹھا اور دو لٹھن والے چاول پکانے کے لئے کڑا ہا چڑھاتے ہیں۔ توکل برادری کو جمع کیا جاتا ہے۔ اور لٹو تقسیم کئے جاتے ہیں۔ پانچ کمینوں کو پور تھاں دے دیتے ہیں۔

{ اصلاح }

پانچ کمینوں کے پور تھاں راستہ قائم رہیں۔ صرت اہل محلہ اور اہل شادی کے دیگر شہد داروں کو جمع کیا جا کر کڑا ہا چڑھا دیا جائے۔ اور حاضرین کو کڑا ہا لٹو تقسیم کر دیے جائیں۔ لٹو فی کس دو زیادہ نہ دئے جائیں۔

چاولوں کی بھاجی اس موقع پر برادری میں تو چائرخش بٹھے یعنی شادی شدہ کے اور دو چھوٹے کے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ راجو تون۔ شیخون اور ملا تون میں دو دو کھش فی شخص دے جاتے ہیں۔ ہر گھر میں ایک شخص کی بڑائی کے چائرخش ہوتے ہیں۔ اہل شادی کے رشتہ داروں کو فی شخص چائرخش بطور بڑائی کے دے جاتے ہیں۔ اور علاوہ ازیں ان ہی رشتہ داروں کی دعوتیں بھی بھیجی جاتی ہیں۔ اور کمینوں کو دو دو کھش دے جاتے ہیں۔ اہل شادی کے سقہ کو دو کھش خواجہ کے اور ہر محلہ سادات کے امام باڑہ مسجد۔ کربلا کے لیے دو دو کھش حاملوں کو ایک ایک

۱۵ دعوتیں بھیجی جاتی ہیں۔ ہوتیں۔ طباق کی ہلکا ایکٹے ملاس میں تو چاول ہوتے ہیں اور کابی یا پابے کی بجائے کینیچی میں گوشت اور دوسری دیکھی میں مال ہوتی ہے۔ چونکہ چاول ہر روز روزانہ خرچ سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ان اکثر تون کے پنگ لگتے ہیں اور بچے کھچے کھائے جاتے ہیں فقط

رکابی بطور رسالہ دی جاتی ہے۔ برادری میں چالیس دن کے اندر کے مردے کی بھاجی بھی دیکھائی ہے۔ برادران اور اپنائیت میں لڑکیوں اور نواسوں کی بھاجی میکے اور سسرال دونوں طرف بھیجی جاتی ہے۔

{ اصلاح }

اس رسم میں فی الحال صرف اس قدر اصلاح کی گئی۔ کہ جن رشتہ داروں کے یہاں بھاجی کے ساتھ دعوتیں بھیجی جاتی تھیں۔ دعوتیں فضول بھیجی جا کر بند کی گئیں۔ چالیس دن کے اندر کے مردے کی بھاجی بھیجی موقوف کی گئی۔ امام باڑے اور مسجد اور کربلا کے متولیوں کو دودو کی جگہ پانچ پانچ بخش دینی تجویز ہوئی۔ اور جو والدین کا والد پسر ہی نہ رکھتے ہوں۔ شادی شدہ لڑکی کی بھاجی فی الحال ان کے یہاں بھیجی جا کر رہے۔ عام طور پر لڑکی کی بھاجی میکے اور سسرال میں بھیجی نہ لگتی۔ **نانک جھک** لڑکی کے نہال۔ برتن۔ زیور۔ عموگا۔ پلنگ۔ پیڑا۔ ڈو لہ اور برات کی روٹی کا سامان حسب توفیق لاتے ہیں۔ جوڑے بھی لاتے ہیں۔ دو ٹھن والے ان کا صدر تر دیتے ہیں۔ اور سات سے گیارہ چمکیر بلون میں خیر بنی دیتے ہیں۔ اور سو اور پیہم کینون کا دیتے ہیں۔ جوڑے علاوہ لڑکی کے۔ دیگر مستورات کے اس قدر زیادہ ہوتے ہیں۔ کہ رشتہ کی نہایت بغیر شاخ کا بھی جوڑا ہوتا ہے۔ اور اپنائیت میں تو ایک شخص کے جس قدر رشتہ دار ہوتے ہیں۔ سب قدر جوڑے۔ ایسا ہی دو لہا کے نہال جوڑے اور زیور لاتے ہیں۔ اور رسومات ادا کرتے ہیں مٹھائی لہجائے ہیں۔ اور چھکین برادری کے گھروں میں بھیکر دکھائی جاتی ہیں اور مردان برادری کو بھی جمع کر کر دکھائی جاتی ہیں۔

۱۷ مثلاً زید مر گیا۔ لیکن ابھی اس کا چلم نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ برادری میں کسی نے زیادہ رچا لیا۔ اب جہان وہ جیتے جاگتوں کی بھاجی دیا اس چالیس دن کے اندر کے مردے کی بھی حضور و صلاحتی لا حول و لا قوت الا باللہ العلی العظیم ۱۸ مثلاً زید خالد کا بھتیجا ہے اور اس کی شادی خالد کی لڑکی سے ہوئی۔ تو خالد اس کو اپنا بھتیجا ہونے کی حیثیت سے چڑا سامان دے گا۔ اور داماد کے لکھا سے جدا ایسا ہی زید کی بھوج بھیان بلون خالائین وغیرہ دو دین تین رشتہ داروں کے کاٹا سے جوڑے وغیرہ دین گئے

{ اصلاح }

چونکہ اس میں اہل شادی کی ایک گونہ امداد مقصود ہے۔ لہذا اس کو بڑھتی ہوئی ذیل قایم رکھا گیا۔ نہ صرف توفیق نانک چھک لاسکتے ہیں۔ مگر دولہن کے نہال کو دولہا اور دولہن کے صرف حقیقی شہرہ داروں کے لیے ایک ایک جوڑا یعنی مرد کو سراپا اور عورت کو جوڑا دینا چاہیے۔ وہاں ملے گا کہ نام تو تو کیا گیا۔ اور چنگیز لون میں شیرینی نانک چھک فالون کو دینی بند کی گئی صرف زیادہ سے زیادہ چودہ نارخام شیرینی دیدنی چاہیے۔ جو نانک چھک والے اپنے گھر لجا کر رکھ لیں۔ برادری اور اپنائیت میں تقسیم کرنا بند کیا گیا۔ نانک چھک صرف کینے کے لوگ لیکر جائیں۔ کینوں کا سوا ڈکوپسہ دیا جاوے برادری کے گھروں میں دکھلانے کے لیے بھیجنے کی یا مردمان برادری کو طلب کر کے دکھلانے کی رسم بند کی گئی۔ اگر کوئی چاہے تو مستورات برادری کو طلب کر کے دکھلا سکتا ہے۔ ایسا ہی عمل دولہا کی نانک چھک لانے والے کے لئے کیا گیا۔

برہمنی دولہا والا دولہن کے لیے پارچات طیار کرکاتا ہے۔ اور زیورہ میوہ۔ مٹھائی۔ ڈوڑی۔ شکرانا جو کم سے کم پانچ من اور زیادہ سے زیادہ تیس من ہوتا ہے۔ طیار کرکاتا ہے۔ یہ سامان سہرا باندھنے سے پہلے جلنے عام میں کل حاضرین جلسہ کو دکھایا اور تعداد کی تفصیل جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ پھر دولہن لون کے گھر بیجا قے ہیں۔ وہ میوہ شکر کرنا زیورہ اور ایک جوڑا شامانہ رکھ کر باقی واپس کر دیتے ہیں۔ کینوں کو سوا ڈکوپسہ اور سامان کو پیسہ دیا جاتا ہے۔

{ اصلاح }

دولہا والا صرف دولہن کے لئے زیورہ اور جوڑے جس قدر مناسب سمجھے طیار کرکائے۔ مگر مہندی اور ڈوڑی میں میوہ اور شکرانہ سات من خام سے زیادہ ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ اگر کوئی کم کرے تو کچھ اعتراض نہیں۔ یہ سامان سہرا باندھی کے موقع پر جلنے عام میں نہ دکھلایا جائے۔ چپ چپائے کینے کے لوگ دولہن کے گھر دے آئیں۔ کینوں اور سامان کا حق ان خدمت پر متور رہے۔ برادری میں بھیج کر دکھلانے کی رسم بند کی گئی۔ اگر کوئی دکھلانا چاہے یا دیکھنا چاہے تو صرف مستورات کو گھر طلب کر کے دکھلا سکتا ہے۔

سہرا بھڑی | اس موقع پر دھن والوں کی طرف سے نوشاہ اور ماس کے والد بھائی - مانا -
 ماموں - چچا - تایا - اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے لیے سٹے ہوئے سرپا جلے عام مین بکھیجے جاتے
 ہیں اور سہرا باندھا جاتا ہے - بیوتہ لیا جاتا ہے - دولہا والا کمینوں کو نقد اور سرپا اور مکانات اوقات
 کو نقد دیتا ہے - طوائف کا ناچ ہوتا ہے - آتش بازی چھوڑی جاتی ہے - آجا - دت - بکچے ہیں
 کھڑوٹھا اپنی والدہ کو سزا کرنے جاتا ہے - وہاں قریبی رشتہ داران اور برقرارے والی مستورات
 سلامی دیتی ہیں - بہنیں کچھ بچاؤ کرتی ہیں - اور پھر نوشاہ طوائف کے ساتھ معہ برایتیوں کے مسجد -
 امام خانہ میں سلام کے لیے جاتا ہے -

{ اصلاح }

دھن والوں کی طرف سے صرف ایک نوشاہ کے لیے جوڑا آئے - دوسرے رشتہ داروں کے
 لیے جوڑا طیار کرانے یا جلے عام مین بکھیجی کی رسم بند کی گئی - رٹ کے لیے نوشاہ کے سرپا والی کشتی کے
 متعلق اور باغبان کے بونے کے متعلق نقدی ڈالنے کی رسم قائم رکھی گئی - مساجد و دیگر
 مکانات اوقات میں جو صاحب استطاعت رکھتے ہوں اور کچھ دینا چاہیں دین - کمینوں میں
 سے سقہ - چوہڑا - نائی - میرانی - بھاٹ - باغبان کو کم سے کم ایک پیسہ اور زیادہ سے زیادہ سا
 روپیہ تک نقد دیا جاوے - اور اگر کوئی صاحب کپڑا دینا چاہیں تو ایک سرپا د جس میں لٹھ
 پانچا کے لئے اور ٹہل کرتے کے لئے اور گرہا می ہووین دے سکتے ہیں - اور دوسرے اپنے محلہ کے
 چوہڑے رنائی کو جو صاحب نیا چاہیں - دین - اور جس حد چھ کمینان مندرجہ بالا کو دیا جاوے مقدار
 نقد روپیہ یعنی ایک کمین کے حصہ کے برابر اپنے محلہ کے امام خانہ مسجد و کربلا کی نذر کیا جاوے - جو
 بطریق قذح جمع ہے - طوائف کا تاج - گانا بالکل بند کیا گیا - آجا - آتش بازی اور نفیر یاں فی الحال
 جو صاحب چاہیں منگاسکتے ہیں - مگر نقال محفل میں نہ آئیں -

برات | نوشاہ معہ برایتیوں کے سسرال میں جاتا ہے - دروازہ مکان پر
 سوار پر عظیمہ صدقہ دیا جاتا ہے - پھر دولہا اپنی ساس کی خدمت میں سلام
 کے لئے جاتا ہے - جان چوکی کچھی ہوئی ہوتی ہے - چوکی کے نیچے جو کچھ چہرہ رخ اور
 بلور پھٹال رکھا جاتا ہے - نوشاہ کو اس پر کھڑکھٹا کر

ڈالوان اور سوچ بندھائی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ پھر نوشاہ اپنی مسند پر جاتا ہے۔ نکاح خوان کی ہوتی ہے۔ نکاح خوان کو کچھ دیا جاتا ہے۔ کھانا چننا جاتا ہے۔ صدرِ صحنک میں چار آنہ دھور جوتی یعنی پس خوردہ میں سوار و پیہ ڈالا جاتا ہے۔ نائی اور دھوبی کو سوا سوار و پیہ دیا جاتا ہے۔ اور کل برائی اور عام لوگ جو غیر طلبیدہ آجاتے ہیں سب کھانا کھاتے ہیں۔ اور براتِ نخصت ہوتی ہے نوشاہ اُسی جگہ رہتا ہے۔

{ اصلاح }

سمات بدستور جائے صدقہ کا سوار و پیہ بدستور دیا جائے۔ نوشاہ اپنی ساس کو صرف سلام کرنے کے لیے جائے اور باقی ڈالوان اور سوچ بندھائی وغیرہ نامشروع اور لغو رسمیں ادا نہ کی جائیں۔ کمینوں کا حق بدستور دیا جاوے۔ نکاح خوان کو سوار و پیہ سے زیادہ نہ دیا جاوے اور کھانا صرف برایتوں کو کھلایا جائے غیر طلبیدہ وغیر متعلق عوام الناس کو کھانا نہ کھلایا جائے۔ اور اس کے متعلق چوبہ اور تلکین وغیرہ ہوتی ہیں۔ جو غیر مہذب و نامشروع ہیں۔

{ اصلاح }

یہ رسم قطعاً بند کی گئی۔ چوبہ کے کھانے کو بھی بند کیا گیا۔ تلکین وغیرہ موقوف کی گئیں۔ ہرگز یہ رسم یا اسکا کوئی جزو ادا نہ کیا جاوے۔
حاضر ہی دن میں دوپہر کے وقت دلہن والے کے گھر پر ایٹون کو اور عوام الناس کو پیر تکلف کھانا کھلایا جاتا ہے۔ جس میں بے استحقاق غیر متعلق عوام الناس بے طلب آ شامل ہوتے ہیں۔

{ اصلاح }

صرف برایتوں کو کھانا کھلایا جاوے۔ غیر طلبیدہ غیر متعلق وغیر مستحق عوام الناس کو کھانا سلاحب درلما چکی پر اس کو سلام کرنے کی غرض سے جا بکڑا ہوتا ہے۔ تو کوئی طار اور چالاک سی میٹھن ایکٹھا گایا کپڑا لیکر نوشاہ کا عضو حوض ناچے لگتی ہے اور موقع پا کر نوشاہ کی کر میں وہ کپڑا باندھ لیتی ہے پیکل رو پر سوار و پیہ لیکر چھوٹی ہے۔ اُس کو دہ ڈالوان، کہتے ہیں۔ اور ذرا سی سوچ نوشاہ کے کاندھے پر رکھ کر آہستہ آہستہ لکڑی سے کوٹتی ہے اسکو سوچ بندھائی، کہتے ہیں فقط۔

کھانا بند کیا گیا۔

دو وطن والے اپنی دختر کے علاوہ دو لہا اور دو وطن کے رشتہ دار مستورات و مردان کے لیے چیترا جن کے رشتے بیچ و بیچ اور شاخ و دخل ہوتے ہیں (جوڑے طیار کرتے ہیں۔ اور زیور برتن اور خوا پنچہ جس میں خشک مسد ہوتی ہے۔ اپنی لڑکی کو دینے کے لیے طیار کرتے ہیں۔ اور مجمع عام میں بطور زائش دکھاتے ہیں۔ اور برتن۔ زیور۔ کپڑوں وغیرہ کی تعداد جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ کل براتیوں کو جس میں واقف و ناواقف۔ شہری اور دیہاتی۔ شریف و رذیل غرض کہ ہر قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ پڑھ کر سالتے ہیں۔ اس کے بعد رخصتانہ ہوتا ہے۔ اور سامان موڈوں کے دو لہا کے گھر بھیجا جاتا ہے۔ پلنگ۔ پیڑا۔ اور ڈولہ لالنے والوں کو سوار پر دیا جاتا ہے۔ اور موقع پر محلے کی لڑکیوں اور دو لہا کی بہنوں کو کچھ نقد روپیہ اور زیور دیا جاتا ہے اور بعض لنو اور میوہ رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ جن کو ”پیلی“ اور ”کیر“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مشاطہ کو پانچ سات جوڑے اور کچھ روپیہ دیے جاتے ہیں۔ اور دو لہا دو وطن کا صدقہ بھی دیا جاتا ہے۔

{ اصلاح }

لڑکی والا اپنی لڑکی کے لیے زیورات۔ برتن۔ بارچات جس قدر چاہے بنائے کر دو لہا اور دو وطن کے صرف حقیقی رشتہ دار عورت۔ مرد۔ اور بچوں کے لیے محض ایک ایک جوڑا طیار کرانے اور خوا پنچہ (جس میں خشک بورا۔ آٹا وغیرہ ہوتا ہے) کی رسم بند کی گئی۔ پلنگ۔ پیڑا۔ ڈولہ لالنے والوں کو بدستور سوار پر پیہ دیا جائے۔ محلے کی لڑکیوں اور دو لہا کی بہنوں کو بدستور دیا جاوے مگر مشاطہ کو صرف زیادہ سے زیادہ ایک جوڑا اور دو روپیہ دے جائیں۔ اور پیلی۔ کیر وغیرہ کی کردہ رسومات بند کی گئیں۔ سقہ اور چوڑے و ڈوننی کا حق الخدمت بدستور دیا جاوے۔

یہ رسم مذکورہ بالا کل رسوم سے زیادہ نامعقول۔ زیادہ نامہذب۔ زیادہ لٹو بلکہ رذیلانہ دھڑی ہے۔ اور اب تو اس میں اور بھی قابلِ اعتراض متقی ہوتی جاتی ہے۔

{ اصلاح }

یہ رسم قطعاً بند کی گئی۔ اس رسم کا کوئی جز بھی ادا نہ کیا جاوے۔

کوڑے دھڑی سے دوسرے اور مستورات برادری اکٹھی ہوتی ہیں انہیں پانچ سات
من چاول اور من سوا من بورا دھون کھیں سیرگھی من ڈیڑھ من دال علاوہ دھون کے حاضرین کے
صرف بین آتے ہیں۔ اور بری کا شکہ انداز جو کچھ سسرال کے بیان سے رسوا آتی ہے۔ وہ دو وطن کی
والدہ جو دو لڑکے گھرائی ہوئی لاتی ہے۔ وہ برادری میں تقسیم کی جاتی ہے۔

{ اصلاح }

اپنایت اور برادری کے گھروں میں سے جو عورت انہیں۔ صرف ان ہی کو کھانا کھلا دیا جا
باقی بجز بھینجا اور دھوتین دینی بند کی گئیں خواہ اپنایت ہو یا برادری۔
منڈھا اس میں لڑکے کا والد علاوہ بری کے پارچات کے دو وطن اور کنٹر اتھرا مستورات
کے پارچات ملایا کرتا ہے۔ جیسا کہ چھک میں درج کیے گئے ہیں۔ اور برادری کے گھروں میں
کھجکر دکھائے جاتے ہیں۔ اور یہ جوڑے دھڑی کے دن تقسیم کیے جاتے ہیں۔ باغبان۔ رتھ
جو حرا۔ نانی۔ بھاٹ۔ کے لیے جوڑے بنائے جاتے ہیں۔

{ اصلاح }

صرف بری کے پارچات بنائے جائیں۔ باقی قریبی لڑکیوں کے لیے ایک ایک جوڑا بنائیں
مردوں اور بچوں کو سرایا و پنی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ برادری میں کھجکر دکھانا بند کیا گیا۔
اگر کوئی دکھانا چاہے تو مستورات برادری کو اپنے گھر طلب کر کے دکھلا سکتا ہے۔ یہ جوڑے
اہل شادی بعد فراغت شادی جس روز مناسب سمجھے تقسیم کر دے۔ اور کمینوں کا حق برستور رہے گا۔
تیوہاری یہ وہ رسم ہے کہ شادی کے بعد جو پہلا اتوار آتا ہے۔ لڑکی کے والدین اپنی
لڑکی کو جوڑے اور رسد وغیرہ ضرورت کی چیزیں دیتے ہیں اور اب زمین تکلف اور نمائش اور
اسراف کو زیادہ دخل ہو گیا ہے۔

{ اصلاح }

اس میں بجز اپنے داماد اور لڑکی کے کسی اور کو کوئی جوڑا دینا بند کیا گیا۔ خواہ داماد کا والد ہی
کیون نہ ہو۔ داماد اور لڑکی کے جوڑے بھی زیادہ سے زیادہ سات سات سے زائد نہ ہوں۔ اور
رسد بالکل موقوف۔ اس کے عوض روپیہ نقد دیا جاوے۔ جس کی تعداد زیادہ سے زیادہ گیارہ سو روپیہ

برادری میں کچھ تقسیم نہ کیا جاوے۔ زیور وغیرہ چونکہ وقت بھی نہیں دیا جاتا۔ آئندہ بھی ایسا ہی عمل رہے۔ نئی رسم نہ قائم کی جاوے۔ یہ مجہول اور شان شرافت سے گری ہوئی رسمیں بیسیوں روپے خرچ ہو جاتے تھے۔ تعلقاً بند کی گئی۔

چھوچھک | دو وطن کے جب پہلوٹی کا لڑکا یا لڑکی ہوتی ہے۔ نو اس کے والدین کی جانب سے علی قدر استطاعت جوڑے۔ کپڑے۔ برتن۔ زیور۔ پکران۔ یا تشک۔ آٹا مٹی وغرض کہ سید سے سادے بیاہ کا سامان دینا پڑتا ہے جس کی تیاری میں غریب والدین کو برس برس روز بلکہ دو دو تین تین برس لگ جاتے ہیں۔ مگر دینا ضرور پڑتا ہے۔

{ اصلاح }

لڑکی داماد اور بچہ کو یا رچاوت جو سات سات جوڑے سے زیادہ نہ ہوں دیے جاویں۔ لوہا، تین وغیرہ کسی چیز کے دینے کی ضرورت نہیں۔ زیور زیادہ سے زیادہ بچہ کو دیا جاسکتا ہے۔ اس موقع پر برادری کے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ اور لڑکے کو تقسیم کیے جاتے ہیں بلکہ تھوڑے عرصہ سے برادری میں بھاجی کے طور پر دئے جانے لگے ہیں۔ قدیم الایام میں صرف حاضرین کو لڑکے تقسیم کیا جاتا تھا۔

{ اصلاح }

صرف اہل محل اور قریبی رشتے دار جمع کئے جائیں۔ اور حاضرین کو ہی گھٹیا شیرینی تقسیم کر دیکھو۔ اس موقع پر نانہ اور دیگر کمینوں کو دیا جاتا ہے۔ وہ فی الحال بدستور دیا جاتا ہے۔ برادری اور اپنائیت میں بھاجی تقسیم کرنی بند کی گئی۔

نوٹ | ”دوبی“ ”جہیز“ ”نانک چھک“ اور منڈے میں اہل شاہی کے گھر میں دیگر رشتہ داروں کے یہاں سے جوڑے آتے ہیں۔ جو بلحاظ شاخ قرابت کئی کئی مہینے میں۔ اور زیور بھی ہوتا ہے۔ اس میں پہلوٹی کی گئی۔ کہ صرف لڑکا اور دو وطن کے لیے جوڑے رشتہ داروں کو۔ یہ پائین اور قریبی رشتہ دار کو زیادہ سے زیادہ دو جوڑے دیے جاتے ہیں۔ ایک مرہاڑو اور ایک لڑکے اور دیگر رشتہ دار صرف ایک جوڑا دہن کیلئے دینا ایک مرہاڑو دہا کیلئے دینا۔ اور باقی دو لڑکا اور دو وطن کے کسی رشتہ دار کے لیے جوڑے دیے جاتے ہیں خواہ دو لڑکا اور دو لڑکیں والے ہوں اور رشتہ داروں کو زیور اپنے برادر سے

کے طور پر دیتے چاہئیں۔ بنوڑ کی آبادی $\frac{1}{5}$ ہزار ہے غلطی سے $\frac{1}{4}$ ہزار لکھی گئی تھی۔ سید علی احمد
نوٹ - فارسی کے مستند اور لائق شاعر نے کہا ہے

انچہ دانا کندہ کند نادان
لیکے بعد از خرابی بسیار

اسی قسم کی اصلاح ہر شہر - ہر قصبہ - ہر محلہ - ہر موضع میں یونی چاہیے۔ جان تھوڑی بہت جائزہ باقی ہے
یا آمدنی ہے وہاں۔ یہ اصلاح لازمی ہے اور قتل نماز روزے کے فرض ہے۔ جہاں کچھ آمدنی میں وہاں سائل
معاشرہ میا کرنا اور بیکاروں کو کام سے لگانا ضرور ہے۔ جہاں کچھ خوش حال اور کچھ مفلس و بیکار ہیں
وہاں دونوں باتوں کی طرف توجہ ہونی چاہیے۔

جو طریقہ ہم نے غرض میں کیا ہے وہ نہایت سادہ اور صاف اور بغیر جھگڑے کا ہے۔ مسلمانوں کی حدود و حریم کی برکتی
ہوئی اگر وہ ساری دنیا کی لغویات میں پڑے رہیں اور ان دو تین مسائل کو چھوڑ دیں۔ مگر میں نے ان کے
علماء کے دھڑلے اخبارات کے اثر میں دیکھے۔ مولود خوانی اور مجالس عزائمیں شریک ہوا کا نقصان
اور قومی لکچروں سے مستفید ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ الامارہ شارائیندہ صلی قوی ضروریات سے
لوگ غافل ہیں۔ اور ان موٹی باتوں کو نہیں سمجھتے کہ کام کرنا اور خرچ آمدنی کے اندر کرنا فرض ہے ایڈیٹر

اصلاحی کارروائیاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ ماہ محرم ۱۳۲۴ ہجری سے مقام پرتوڑ مسجد صدر بازار
میں انجمن مشورہ اسلام قائم ہے جس کے اغراض اہل اسلام کو پابند شرع کرنا لگانا ہوں سے روکنا
اور رسومات بد کا مٹانا ہے ہر مسلمان دیندار کو لازم ہے کہ براہ ہمدردی و خیر خواہی اسلام اس
انجمن میں شریک ہو کر ثواب دارین حاصل کرے۔ چندہ صرف بارہ آنے سال رکھا گیا ہے یہی
سے زیادہ عطا کرنے کا بھی اختیار ہے اگرچہ مسلمان مقررہ چندہ یا اس سے زیادہ عطا کر کے
ارکان انجمن ہو سکتے ہیں اور اس کی کارروائی میں تجویزین پیش کرنے اور اسے دینے کے متعلق

ہین تاہم افکار نازی ہونا ایک ضروری اور لازمی امر ہے۔ انجن کو دو سال ہوئے۔ اوس کی کارروائی کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

صاحبان مجلس انجن کی عمر دو سال کی ہوئی مگر یہ سال اس کے حق میں بہ نسبت سال گذشتہ کے زیادہ بہتر ثابت نہ ہوا۔ اس برس نہ چند ہی برابر وصول ہوا نہ مضامین ہی پورے طور سے پڑھے گئے باوجود لگا تار کوشش اور سعی کے ہم لوگوں کی بے پروائی موجب شرم و محاظہ ہے مسلمان بھائیوں کی یہ عادت کہ کئی کسی دن اون کو جبراً اون دکھائے بغیر نہ ہے گی اسد سلطانہ کا ارشاد ہے جو قوم اپنی حالت نہیں بدلتی خدا بھی اس کی حالت نہیں بدلتا پار سال انجن کی طرف سے مسجد کی چار دیواری بنانے اور لٹن کی مسجد مسلمانان مغلائی کے قبضے میں لینے کے لیے جو تحریک کی گئی تھی بفضل خدا ہر دو کاموں میں کامیابی ہوئی مگر افسوس کہ نیک کاموں میں کچھ نہ کچھ شر پیدا ہو جاتا ہے چار دیواری تعمیر ہونے وقت جماعت میں کچھ شکر رنجی پیدا ہوئی مگر یہ کشیدگی بھی اتفاق پر فرخ مئی ہے جس کے خوش بین وہ کام جو ایک مدت سے پڑا تھا اچھی طرح انجام کو پہنچ گیا تاہم اتفاق میں جو خوبیاں ہیں وہ نا اتفاقی میں نہیں انما المؤمنون اخوة خدا کا فرمان ہے یعنی سوائے اسکے نہیں کہ مسلمان بھائی ہیں اور بھی ارشاد ہے فاصلمو این اخویکم۔ یعنی اصلاح کرو در میان بھائیوں اپنے کے پس حسب الحکم اسد جل شانہ و عم نواز انجن اہل اسلام سے عرض کرتی ہے کہ وہ اپنے پسین گئے مل جاویں۔ اور آزد دگی اور حسد و بغض و کینہ دل سے دور کریں جب کہ نماز پنجگانہ جمعہ اور تراویح کی نمازیں جماعت سے ادا کر نے میں جسمانی اتفاق موجود ہے تو دلی اتفاق نہ ہونا اور دلوں میں بیچ عداوت جمی رہنا حیرت انگیز بات ہے جسمانی اتفاق کے ساتھ دلی اتفاق کا ہونا ضروری ہے ہے افسوس کہ اس سال حسین بی صاحب مرحوم نے جو انجن کی سرگرم ممبر تھی اور پار سال جسے بہت سی اسلامی خدمت کی تھی قصداً کی برادر کے نامی گرامی عالم سید امجد حسین صاحب خلیب چراغ برادر نے قصداً کی اسد پاک ان کو غریق رحمت کرے آمین ثم آمین مہر انجن سے جناب مؤذن عبدالکرم خان صاحب نے ایک نازی شخص کا جس کے پاس ایک عورت بے نکاح بہت دنوں سے تھی نکاح پڑھوانے اور دو شخصوں کو دین اسلام میں داخل کر کے ان کا نکاح پڑھوانے میں کامیابی حاصل کی۔ ان دونوں نو مسلموں کی گذشتہ اوقات کے لیے شکر کے کام پر مزدوری سے

مقرر کرنے کے لیے شمس الدین صاحب نے اچھی طرح مدد کی اسی طرح رحمن صاحب کی کوشش سے دو شخص مسلمان ہوئے اور ان کا نکاح بھی پڑھوایا گیا ان کے علاوہ اور چند غیر مذہب والے اسلام لائے خصوصاً اس سال علاقہ ملک سندھ میں دو بزرگان اسلام کی کوشش سے سیکڑوں لوگ مسلمان ہو گئے اور پورے ہیں اگر اس انجمن میں شاعت اسلام جاپان کے لیے چندہ کی زیادہ رقم ہوتی تو ہزاروں نیک کام میں حصہ لیا جاتا۔ مگر افسوس کہ خزانہ انجمن ایسے مفید اور نیک کام میں مدد کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یہم لوگوں کی غفلت اور بے پردائی کا پھل ہے۔ یورپول اور امریکہ میں اسلام برابر ترقی کر رہا ہے۔ بعض سیدھے سادے مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ یہ اون کی بھول ہے۔ امریکہ اور یورپول میں کون تلوار چلا رہا ہے۔ ہنرستان میں غیر مذہب کے لوگ ہر سال مسلمان ہوتے ہیں اون سے کون رلاتا ہے اگر ہمارے مسلمان بھائی کوشش کریں تو یقین ہے کہ اسلام بہت بڑی ترقی کرے امید ہے کہ جو لوگ روسہ کا تیل نکالنے کے لیے ہر سال پہاڑ میں چند ماہ تک قیام کرتے ہیں وہ پہاڑی لوگوں میں اسلام پھیلانے کی ضرورت کوشش کریں گے اور آئندہ دفتر انجمن میں ایک یادداشت نو مسلموں کی مع اسم اور ولدیت اور ذات اور سکونت اور اسلامی نام کی ضرور ہے گی۔ قاسم خان صاحب سکنا، نجنگاؤن جنھوں نے بار سال انجمن کی سالانہ رویدا کی دس بارہ جلدیں لکھی تھیں اور عزیز شاہ صاحب ساکن مورانہ جنھوں نے روئند اور مذکور پڑھی تھی متاثر ہو کر حتی المقدور اسلام کی خدمت کی چنانچہ پہلے صاحب نے محرم میں اپنے محلے کے تماش میں مسلمان عورتوں کے مجمع کو مشاہور ہندی پر مکان سے باہر نکلنے اور تماشادیکھنے کے لیے مردوں میں پھرنے اور پردہ نہ کرنے پر یہاں تک نصت ملامت کی اور ایسا قائل کیا کہ انھیں مجبوراً مکانوں کو واپس جانا پڑا۔ ادن میں سے تین چار عورتوں نے عہد واثق کیا ہے کہ بار دیگر ہم سے یہ حرکت تماشائیت نہ ہوگی۔ اسد پاک انجمن ثابت قدم رکھے۔ اور دوسرے عورتوں کو بھی ایسی ہی توفیق بخشے۔ افسوس ہے کہ باوجود پردہ فرض ہونے کے مسلمان بھائی ایسے جلموں ہیلوں اور عرسوں میں اپنی بیویوں کو جانے سے نہیں روکتے۔ حالانکہ بچشم خود دیکھتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا ایسے مجمع میں اکٹھا ہونا

۱۔ قاری سرزاد حسین صاحب سیال جاباں بھی ہمیں متفق ہیں کہ اول ایمان کے مسلمانوں کی حالت درست کجاوے کی

کٹنا دشمن عصمت اور شرمناک امر ہے۔ صاحب موصوف نے اپنی خالہ صاحبہ کے یہاں کے شدے استاد نہ ہونے دیے اور برہمنی سختی کے ساتھ اس کام کو روکا اتفاق سے ادن کے سامنے سخت بیمار ہو گئے جس کے سبب بعض کم فہم لوگوں نے سواری نہ بٹھانے کی دھم سے بیمار ہونے کا شبہ ڈالا۔ مگر آفرین کہ اؤں جو انہوں نے مطلق پرواہ نہ کی اور سبکو اچھی طرح سمجھا دیا۔ یہ بات اکثر ہوتی ہے کہ نیک کام کرنے سے بعض وقت خداے پاک کی طرف سے بندہ کی اس لیے آزمائش ہوتی ہے کہ یہ غلط ہے یا منافق اور اس طرح اُس پر طرح طرح کی آفتیں آتی ہیں پس ایسی حالت میں دیندار مسلمان کو نہایت قدم رہنا چاہئے ورنہ دنیوی نقصان کے ساتھ دینی نقصان اور خرابی ہلاک ہے دوسرے صاحب سکنہ موراء نے ایک دن کبھی صاحب کی دوکان پر جب کہ دس بارہ مسلمان بیٹھے تھے یہ تجویز پیش کی کہ ہم آج سے اس بات کا اہم کریں کہ بچکانہ ناز برابر بڑھا کریں گے چنانچہ اقرار نامہ لکھا گیا اور سب ایک شخص کے سب نے دستخط کر دیے۔ اگر انجنین بھی یہ تجویز ہو اور حاضرین جماعت اسی طرح اپنے اپنے دستخط کر دیں تو نہایت ہی اچھی بات ہے۔ منور خالص صاحب پنشنی نے اس سال لوگوں کو فال اور شگون بتلانے سے توبہ کی۔ شیخ عبداللہ صاحب سکنہ مظاہر آباد نے مسجد کی الماری کے شکستہ دروازے کو بہت خود کتب خانہ انجنین کے لیے درست کر دیا۔ محبوب خان صاحب مدرس نے اس کے لیے ایک قفل اور کبھی عطا کی اور اپنی شادی میں بہت سے یہودہ رسوم توڑے منشی نور الدین صاحب اور سرور شہ واد رحیم خالص صاحب نے بہ ذات خود عید گاہ کی تعمیر کے لیے مسلمان بھائیوں سے تحینا تین نٹو روپیہ وصول کرنے میں محنت شاقہ گوارا کی۔ انجنین ان صاحبوں کا شکریہ ادا کرتی ہے اور امید رکھتی ہے کہ آپ لوگ اسی موافق اسلامی خدمت کرنے کے لیے ہمیشہ سرگرمی دکھائیں گے اور اپنی کارروائی سے انجنین کو ہر وقت مطلع کیا کریں گے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کام کے کرنے کی ترغیب دیں گے۔ انجنین ایڈیٹر صاحب رسالہ المادی امرتسر انجنین ضیاء الاسلام ممبئی اور صیغہ اصلاح قدردان و انجنین حمایت اسلام لاہور کی از حد ممنون و مشکور ہے کہ ادن کی طرف سے رسلے اور بامواری رسلے اس انجنین کے نام مفت آتے رہے چنانچہ رسالہ خیرات دو جلد رسالہ بیکاری قومی ترقی کے اصول صیغہ اصلاح سے پوسٹ خرچ ادا کرنے پر مفت ملے۔ ان میں رسالہ خیرات کی دونوں جلدیں باشندگان امرتسر کی کو مفت تقسیم

گردی گئیں اگر جیہ مذکور اس قسم کے رسالہ بزمِ تقسیمِ انجمن کو عنایت فرماے تو انشاء اللہ
 اعلیٰ اے مسلمانوں میں بانٹ دیے جائیں گے۔ کلکتہ کے چالیس کتابیں مسلمانوں میں تقسیم
 کرنے کے لیے چودہ آنے محصول ڈاک پر ادا کر کے مفت منگوائی گئیں اور ان کا حجم بڑا ہونے کے
 سبب اور ان کے عوض چھوٹے رسالہ تقسیم کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لیے اذ کو فروخت
 کر کے ان کی قیمت میں چھوٹے چھوٹے مفید رسالہ منگا کر تقسیم کیے جائیں۔ انجمن حمایتِ اسلام
 لاہور کے ماہواری چھ رسالہ اور ایک رویداد انجمن ضیاء الاسلام ممبئی کے رسالہ البلاغ نے دو پرچہ
 رسالہ المادی کے تین پرچہ اخبار انجم کے چند پرچہ بغیر ادا سے محصول مفت ملے اور امید ہے کہ ایسے
 ہی مفت ملنے پریشگے۔ یہ انجمن بالکل نادار ہے۔ روڈ اور کے ملاحظہ سے بخوبی ظاہر ہو جائیگا۔

عبدالواحد شاہ

جاپان کی ملکی اور قومی ترقی

میں نے اس انگریزی اسپیچ کا ترجمہ ہے جو کہ ایک جاپانی سیاح نے جس کو (Dr. ...)
 کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ لاہور میں دیا تھا۔ چونکہ اس تقریر میں چند ایسی باتیں ہیں جس سے
 کہ آپ لوگوں کو بہت کچھ دلچسپی ہو سکتی ہے اور چند ایسے اصول ہیں جس پر اگر آپ لوگ عمل کریں
 تو آپ کو آئندہ بہت کچھ ترقی اور سرسبزی حاصل ہو سکتی ہے اس لیے میں نے مناسب خیال کیا کہ ہر
 ترجمہ کر دوں گا اور آپ لوگوں کے سامنے پیش کروں ابھی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ جاپانیوں کی
 ترقی کے اصول عربوں کے ترقی کے اصولوں سے بہت کچھ مشابہ ہیں اس لیے میں نے ارادہ
 کیا ہے کہ ان اصولوں پر ایک مختصر نیا رک بھی کروں۔

قبل اس کے کہ میں اصل کچھ کا ترجمہ پیش کروں مناسب خیال کرتا ہوں کہ جاپان کو آپ سے
 مختصر الفاظ میں مشروڈوس کراؤں۔

اگر آپ نے شیا کا نقشہ دیکھا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مشرقی کنارے پر چند ایسے چھوٹے
 چھوٹے جزیرے واقع ہیں جن پر یکایک نظر بھی اپنا کام اس طرح نہیں کر سکتی جس طرح سے

چینیوں یا روسیوں کے ملک پر۔ اور انہیں جزیروں کے مجموعہ کا نام جاپان ہے۔

جو حضرات جغرافیہ سے کچھ شہد بر رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ چین یا روس کے مقابل میں جاپان کی وقعت اور حیثیت کیا ہے۔ مگر حال کی جنگ جاپان اور روس نے اس بات کو ثابت کر دیا کبھی کبھی بھی شیر چتر غالب ہو سکتی ہے اگر خدا کی مرضی اور اس کے شامل حال ہے

جاپانیوں نے اپنی فروست اپنی جوانروی اپنی قابلیت اور اپنی ہوشیاری کا کس نہ صرف روسیوں کے دل پر بھلا دیا بلکہ اب تمام دنیا جاپان کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ ایسے کوئی شک نہیں۔ یہ کہ جاپانیوں نے یہ ترقی تیس یا چالیس برس کے عرصے میں نہیں کی۔ بلکہ وہ ایک عرصے سے آہستہ آہستہ ترقی کر رہے ہیں اور انکی ترقی کا پہلا ذمہ وہ محتاج کران سے چینیوں سے مقابلہ ہوا۔

واقعات اب اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اشیاء کی قیمت کا فیصلہ جاپانیوں کے ہاتھ سے ہونا ہے اس لیے ہکو چاہیے کہ ہم جاپانیوں کی ترقی محدود سمجھیں بلکہ ہماری آنکھیں مشتاق رہیں گی جس کے انقلاب دیکھنے کے لیے اور ہم ہمیں کی آئندہ ترقی و سر نہری کا بڑا دار مدارجیان کو سمجھتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے چیں اور جاپان کو ایک دیکھیں ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے طالب العلم صنعتی اور تجارتی تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ و امریکہ نہ جائیں بلکہ جاپان ہمارا آئندہ منظر ہوگا۔

ہم مسلمانوں کو آپ جاپانیوں سے تمدن حاصل کرنا چاہیے بلکہ دوسری لفظوں میں یہ کہو کہ ہم کو تعلیم حاصل کرنا چاہیے جو کہ ہمارے اسلاف کی تعلیم ہے مگر بد قسمتی سے ہم اس سے محروم ہیں اور غیار اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ہمارے اور اب خدا کا قہر نازل ہے خدا نے یہودیوں کے نسبت فرمایا تھا نصرت علیہم الذلۃ والمسکنة ویاؤ باغضب من اللہ۔ مگر اب اس کی مصداق ہم میں کیونچہ ہم نے اس تعلیم کو بھولا دیا جو کہ خدا نے ہم کو دی ہے اور جس کو ہمارے رسول نے اور رسول کے دستوں عمل کر کے ثابت کر دیا تھا کہ ہم خدا کے اس حکم سے چشم پوشی کر سکتے ہیں۔ ووالہ بان اللہ یغیر العتہ انعمہا علی قوم حتیٰ یغیر واما بالفسہم ان اللہ علیم حکیم۔

اخبار

ہمارے دوستوں نے اپنی ترقی کا بڑا اصول اخبار نفس قرار دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قوموں کے اقبال اور ترقی کا بڑا راز اخبار نفس ہے کیونکہ جب تک کبھی قوم میں اخبار نفس کا مادہ نہیں پیدا ہوتا کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اگر آپ نے قوموں کی ترقی اور عروج کی فلسفہ پر غور کیا ہے تو آپ بھی اس نتیجہ کو پہنچ گئے ہوں گے کیونکہ جب تک قوم کے جھگڑے ذاتیات تک محدود رہتے ہیں اور قوم کے لوگ ذاتی ترقی کو اصلی ترقی خیال کرتے ہیں اور اسی عروج کو اصلی عروج سمجھتے ہیں ہمیشہ لیل و نهار ہے ہیں مگر جب قومی رجحان جمہوریت کی طرف ہوتا ہے اُس وقت سے ترقی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہمارے دوست نے اپنے بیان کے جوش میں دو ایک مثالیں ایسی بیان کی ہیں جن کی نسبت انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اہم قسم کی مثالیں کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ غور کے ساتھ نہیں کیا اگر اسلامی تاریخ پر محمل بردباری اور انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں ایسی اور اس سے کم ہیں زائد مہتمم بالشان مثالیں ملیں گی۔

کیا آپ کو نہیں معلوم کہ جن لوگوں نے اسلام کی اطاعت قبول کر لی تھی انہوں نے اسلام کی کیا خدمت کی۔ کیا انہوں نے مکہ اور یاسے مکہ سے اسلام کی خاطر ہجرت بنین کی اور کیا انصار یوں نے اکابر مقدم اپنے جان اور مال کے ساتھ نہیں کیا وہ کیا تعلیم تھی جس نے غانہ ہدوش بدون کو ملکی فتوحات کے جوش میں اور وحدہ لاشریک کی عدا بلند کرنے کے لیے عرب کی مقدس سرزمین سے نکال کھڑا کیا۔ اور ان کو دنیا کے ہر جہاں گوشہ میں پھیلا دیا اور آپ جانتے ہیں کہ کیا یہ لوگ کسی دنیاوی معاوضہ کے خیال سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے نہیں ہرگز نہیں کیونکہ انکو تو یہ بھی تو نہیں دی جاتی تھیں کیا یہ اخبار نفس نہیں ہے۔ کیا آپ نے اسلامی تاریخ میں نہیں دیکھا کہ حضرت عمر کا المپی بر سر دربار خالد سے پہونچ کر کہتا ہے کہ تم اپنے عہد سے سب بڑوں کے گئے اور انہیں کے سامنے ابوالعبیدہ کو کمانڈر پرانچھین کا پر واز دیتا ہے اس میں ایک شخص خلیفہ کے حکم کو اپنے سر نہ لگتا

لیتا ہے اور نہایت تعلیم کے ساتھ اس کو منظور کرتا ہے۔ دوسرا نفسیت کے خیال سے اس صدمہ کو منظور کرنے میں تذبذب کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ خالد ساجری بہادر اور قابل سپہ سالار ملنا مشکل ہے اور ممکن ہے کہ تترلی سے ان کو صدمہ ہوا اور ان کی جوانمردی میں فرق آئے خالد سے اس راز کو سمجھ کر کہتا ہے کہ تھے میری بہادری اور سپہ سالاری کا اندازہ میرے سرداری کے زمانہ میں کیا اب تم میری سپاہیانہ حالت کو دیکھو اور ابو عبیدہ کو یقین دلاتا ہے کہ میری جوانمردی میں اور میری بہادری میں کسی قسم کا فرق نہیں آئیگا۔ وہ اس کا اقرار نہ صرف زبان سے کرتا ہے بلکہ عمل سے ثابت کرتا ہے۔ یہ ہے اثیار نفس اور اسکو کہتے ہیں علامہ ہند۔

اس سے بھی زیادہ رد درست مثال تاریخ اسلام میں حسین کے اثیار نفس کی موجود ہے ہمارے ایک ہیرو کے سامنے خلافت پیش کیجاتی ہے مگر ہمارا ہیرو صرف اس خیال سے کہ میں تفرقہ نہ پیدا چوں کہ اسلام کی توت کو زوال آئے خلافت کے بوجھ سے انکار کرتا ہے اور اپنے دل میں سوچتا ہے کہ اگر میری وجہ سے تفرقہ پیدا ہوا تو اسلام کی کمزوری کا باعث میں ہو گا اور دل ہی دل میں خدا کا یہ مقدر فرمان دیکھنا شروع کرنا ہوتا ہے کہ واصلہ و ان اللہ مع الصابرين یا دکر کے خلافت سے انکار کرتا ہے اور معاویہ کے سپرد کرتا ہے۔ ہمارا دو سرا ہیرو ایک فاسق و فاجر کی بیعت سے صرف اس وجہ سے انکار کرتا ہے کہ اگر میں بیعت کروں گا تو تمام مسلمان بیعت کر لیں گے اور فسق و فجور عام طور سے پھیل جائیگا اور نہ صرف انکار کرتا ہے بلکہ اپنے مذہب کی حمایت میں اور اسلام کے سچے اخلاقی تعلیم کو ثابت کرنے کے لیے اس فاسق و فاجر بادشاہ کو اس کی حرکتوں پر متنبہ کرتا ہے اور جب وہ توجہ نہیں کرتا اور بیعت کے لیے سختی کرتا ہے تو ہمارا ہیرو ایسے بین فاسق و فاجر کی بیعت سے اپنی زندگی کو اپنے نانا کی ہمت پر تصدق کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور ایک چھوٹی جماعت کے ساتھ مو اپنے خاندان کے نہایت بے بسی کے ساتھ اپنی جان نینے کھلیا رہتا ہے۔

اسلام کی تاریخ کا ایک داترہ یہ بھی ہے کہ تین مروج سپاہی ایک جگہ بڑی پیاس کی شدت سے بیتاب ہو رہے تھے اور ان کے منہ سے صرف العطش العطش کی آواز نکلتی تھی۔ ایک سپاہی ہلکے مشکیزہ پانی کا لے کر اونکی پیاس بجھانے کے واسطے جاتا ہے مگر جب پہلے سپاہی کے پاس پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کی طرف اشارہ کرتا ہے دوسرا تیسرے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور جب وہ تیسرے

کے پاس پہنچتا ہے۔ تو اس کو مردہ پاتا ہے وہ جلدی سے دوسرے کے پاس پہنچتا ہے تو ہمارا بھی خاتمہ ہو گیا اور جب پہلے کے پاس جاتا ہے تو وہ بھی مردہ ہے۔

اللہ اکبر! چند محدود مثالیں اس قوم کی بھین جیسی ذریات ہم ہیں اور ہماری کیا حالت ہے کہ نہ خود پیٹتے ہیں اور نہ دوسرے کو پیٹتے دیتے ہیں بلکہ اپنے ہمایوں کا زوال چاہتے ہیں

دوسری قوم کی اچھی مثال اختیار کرنا

ہمارے دوست نے علانیہ اس کا اعتراف کیا ہے کہ ہم نے بہت سی چیزیں مغرب سے حاصل کی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اگر جاپاں یورپ کی تقلید نہ کرتا۔ تو وہ کیونکر ترقی کر سکتا تھا کیونکہ اگر تاریخ عالم کے فلسفہ پر غور کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوگی کہ جو قوم ترقی اور تہذیب چاہتی ہے وہ اس میدان میں زیادہ تمدن اقوام کی تقلید کرتی ہے دیکھو یونانیوں نے فن تعمیر کو مصریوں سے لیا۔ یونانیوں نے ملک گیری کے خدائیں ایرانیوں سے اخذ کئے اور فنون و ادب میں ہمیشہ یونانیوں کے محتاج رہے۔ غرض کہ اس سلسلہ پر جتنا غور کیا جائیگا نتیجہ یہی نکلے گا کہ جو قوم تمدن حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اپنے سے زیادہ تمدن اقوام سے تمدن اور شایستگی کی تعلیم حاصل کرتی ہے مگر ہوشیار اور عقلمند قوم نہ صرف تمدن کی تعلیم حاصل کرتی ہے بلکہ تمدنی اثر پر غور اور غور کرنے سے اور کسی تمدنی شبیہ کے پورا کر دینے سے جس قدر بلایت پہنچتی ہے یا ایسے ادراک اور ماہریت سے اس کو بہت کچھ ملتی ہے دیکھو عربوں کو کہ ان کا تمام تر تمدن یونان۔ ایران اور مصر سے ماخوذ تھا مگر ادھون نے کچھ ایسا جلا دیا کہ ایک ہی صدی کے بعد اگر ان ممالک کے تمدن کا عربی تمدن سے مقابلہ کیا جاتا تو کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ عربوں کے استاد یونانی یا مصری ہیں۔ اسی طرح سے یورپ نے زیادہ معلوم خاصکر (تاریخ۔ جغرافیہ۔ فلسفہ۔ ہیئت) تعمیرات جہان داری اور ملک گیری ملزم معاشرت کے کچھ اصول عربوں سے لئے اور زمانہ کی رفتار کے موافق انہیں کچھ تغیر و تبدل کرتے رہے مگر آج کس کے منہ میں دانت ہیں کہ یہ کہہ سکے کہ یہ عربی تمدن سے لیا ہے کئی وجہ اول تو ہم خود اپنے تمدن سے اس قدر پیچھے ہٹ گئے ہیں کہ ہم کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ہمارا تمدن کیا تھا اور یورپ نے ہم سے کیا

مستعار لیا تھا۔ اگر معلوم ہے تو ہم میں یہ ہمت نہیں کہ ہم یہ کہہ سکیں اس لیے کہ ایک یورپین کو اس کے جواب میں یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ آپ اگر ہمارے دوست ہیں تو ہمارے بھی وہ تمدن اور شائستگی کچھ ہمارے دوسرے انقلابات زمانہ اور روزمرہ کے تغیر و تبدل نے ہمارے اور یورپین تمدن میں اس قدر صارتا یم کر دیا ہے کہ اب ہم اصل اور زائد کو علیحدہ نہیں کر سکتے خیر یہ تو ایک زمانہ تھا مگر ایمان کی بات تو یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس وقت تک متقی نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ تمدن اقوام کی تقلید سوچ بچھڑ کرے۔ اس از کو جاپان نے خوب سمجھا اور عمل کر نیکی واسطے تیار ہو لیا کیونکہ جاپان کا مقولہ ہے کہ ہم سچائی کو یورپ سے لیتے ہیں مگر یہ سے لیتے ہیں ہندوستان سے لیتے ہیں ہم سکھ سے لیتے ہیں اور ہم تو سچائی کو دوزخ سے بھی لینے کو لیا رہیں۔ جاپان کی تقلید اندھے پن کی نہ تھی۔

اس لیے ان تمام عیوب کو جو یورپین تمدن میں اس نے اس طرح سے نکال کر چھینک دیا جس طرح سے وہ دوسری کبھی علیحدہ کر دی جاتی ہے۔ اور ابھی باتوں کو اس طرح سے لیا گیا وہ انھیں کی تھیں مگر ہمارے اصول بالکل اس کے خلاف ہیں۔ ہم اپنی ان باتوں کو لیتے ہیں جو کہ ہمارے لیے مضر ہیں اور اسے گریز کرتے ہیں جو کہ ہمارے لیے مفید ہیں ہمارے امر الوریٹ محنت اور مشقت کا عادت نہیں سیکھتے۔ انھوں نے ہمدردی حب الوطنی اور انسانی نفس کا سبق یورپ سے نہ لیا بلکہ لیا تو کیا لیا طرز معاشرت۔ اور عائشی طرز معاشرت جو کہ ان کے بحری ہوئی جہیوں کو خالی کرتی ہے۔ ان کے مورتوں کے خزانے اور اندوختوں کو جو کہ نہایت ہی محنت اور کفایت شعار سے جمع کیا گئے تھے اسے چھین کر یورپ کے تاجروں کی جیبوں کو بھرتا ہے۔ غرض کہ کس کس بات کا رونا روئے گا۔ نہ فرق تا بہ قدم ہر کجا۔ می نگرم۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں نجات انھوں نے یورپ سے سب الوطنی اور کفایت سیکھی ہے نہ خود غرضی اور فضول خرچی انہوں نے محنت ہم نے کاہلی۔ انہوں نے سادگی۔ ہم نے نمزد۔ انھوں نے صنعت و حرفت ہم نے اخباری بک بک۔ انھوں نے بے ریا خدمت۔ ہم نے جھوٹی سرداری۔

جات کی تفریق

ہمارے دوست نے ہندوستان کو مخاطب کر کے یہ بات کہی ہے کہ جاپان میں بھی ذات کی تفریق اسی طرح سے موجود تھی جیسے ہندوستان میں ہے غالباً انکا یہ خطاب ہندوؤں کی جانب زیادہ ہو گا جبکہ یہ غرض بھی نہیں تو تمدنی قانون تو ضرور ہے مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ تعلیم یافتہ ہندو اب اس تفریق کو مٹانے کے واسطے آمادہ ہو گئے ہیں۔ مگر ہمارے بھائی مسلمان اس قسم کی تفریق پیدا کرنے کے واسطے آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور یہ تفریق زیادہ تر ہندوستان میں ہے۔ غالباً یہ ہندوستان کے کمزور قوم کا اثر ہے۔

ہمارے شیخ سید منیل۔ پٹھان۔ زمیندار پیشہ درجاعت میں روز بروز سخت فقر پیدا ہوتا جاتا ہے کوئی سید شیخ کے میاں تباہی کرنا پسند نہیں کرتا شرافت و رذالت کا معیار گوشہ نشینی اور وضع داری قرار دیا گیا ہے یعنی شخص کو اپنی زندگی کا پہلی عیاشی اور بعدی سے بسر کرے وہ شریف ہے اور جو شخص کو اپنے بچوں کے لئے کوئی تجارت یا مزدوری کرے وہ کمینہ ہو آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ آپ ایک دھوبی یا ایک موچی کو کمینہ کیسے اور آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک عیاش اور ایک شخص کو شریف کیسے۔ اس لیے کہ موچی اور دھوبی آپ کی ضرورتوں کو مہیا کرتا ہے اور شیخ حق العباد کے سخت جرم کا مجرم ہے انوس۔ کیا شرافت اور رذالت کا معیار یہ ہی ہے شرافت اور رذالت کا معیار صرف انسان کے ذاتی افعال اور حرکات ہیں ایک دھوبی جس نے تعلیم حاصل کی ہے اور جس کی اخلاق درست ہیں یقیناً اس شخص سے زیادہ شریف ہے جو کاتب یا سید ہے مگر تعلیم سے بے بہرہ اخلاق سے دور۔ اپنی زندگی کو عیاشی اور اوباشی میں بسر کرنے والا ہے۔

کنا آپ کے رسول نے تجارت نہیں کی کیا آپ کے صحابہ تاجر نہیں تھے کیا آپ کو نہیں معلوم کہ مسلمان اور بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے اور آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے ان کو کیا عزت دی آپ انکی جوتیوں کی خاک برابر تو بھی نہیں ہیں۔ کیا آپ خدا کے اس مقدس فرمان سے آگاہ نہیں ہیں

بعضکم من بعض فانکم ہذا ذل اہل ان تھوہن جوہن ثم ایک سے کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے وہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر ان کے سامنے

انسانیت اور رحم دلی

ہمارے دوست نے جاپان کی انسانیت اور رحم دلی کی بڑی تعریف کی ہے اور اس کے مقابلے میں روسیوں کے ظلم و جور کے بہت سے واقعات بیان کئے ہیں اور اس پر تعجب کیا ہے مگر انکو معلوم نہیں کہ عیسائیت کی رحم دلی اس سے کہیں زیادہ ہے جو روسیوں نے جاپانیوں کے مقابلہ میں ظاہر کی۔

مسلمان فاتحین نے ہر مقام پر انسانیت کا بڑا نوکریا ہے حتیٰ کہ انکو یہ حکم دیا گیا تھا کہ تم جانوروں اور سیڑوں تک کے نقصان پہنچانا مگر اسکا معاوضہ عیسائی نے کیا دیا اگر آپ سنا چاہتے ہیں تو جنگ صلیبی مطالعہ کرئے۔

بمبیا کو ایک یورپ میں بیان کرتا ہے کہ مسلمان مکافون اور سرکوں پر قتل کیے جاتے تھے۔ بیت المقدس میں مغلوب جماعت کے کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی بہت سے لوگ موت کے غوت سے قلعہ سے بھاگ گئے بہت سے لوگ مسجدوں میں جمع ہو گئے جہاں عیسائیوں کے تعاقب سے اپنے کو نہ چھپا سکے ایک در عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ مسجد کے سامنے خون ایک گارے کے قدر کے اور گھوڑوں کی لگام تک پہنچنا تھا

مگر جس وقت سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کر لیا اور تمام عیسائی سلاطین کے معمولی اشارے سے قتل ہو سکتے تھے۔ تو آپ جانتے ہیں کہ اس کے اعلان کے کیا الفاظ تھے اسکا اعلان حسب ذیل الفاظ میں تھا ”تم جانتے ہو کہ بیت المقدس ایک تبرک مقام ہے میری ہرگز خواہش نہیں ہے کہ اس مقام کو خونریزی سے آلودہ کر دوں تم اپنی عادتوں کو چھوڑ دو میں تم کو اپنے خزانہ میں سے ایک حصہ اور مسجد رزمیں کا شکر ادا کر دے گا“

عیسائیوں اور مسلمانوں کے بڑاؤ کی دوسری زبردست مثال اسپین کی ہے دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں نے اسپین کے ساتھ کیا بڑاؤ کیا اور عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا۔ چونکہ میرا لکچر طویل ہو گیا ہے اسلئے میں ال واقعات سے ختم ہونے پر ہوں۔

سودشی تحریک

آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ میں نے اب کی کلیٹی کی ایک میٹیں کئی اوروں کے ساتھ سودشی تحریک کی تائید کی تھی مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ مجھ کو اس تحریک کے ساتھ اب ہمدردی نہیں رہی کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر یہ تحریک خلوص دل سے شیں کی جاتی تو ہندوستان کو اس سے بہت کچھ فائدہ پہونچ سکتا تھا۔ مگر افسوس کہ بہت عرصہ نہ گزرا تھا کہ ہمارے بنگالی بیٹوں نے اپنے اصلی خیالات کا اظہار کر دیا اس تحریک کے ذریعہ سے گورنمنٹ کے اوپر ایک قسم کا زور ڈالا جاتا ہے کہ وہ تقسیم بنگال کے ردیشن کو منسوخ کر دے تو یہ اس تحریک سے باز آ جاؤں لہذا ایسی نفسانیت اور خود غرضانہ تحریک پر عمل کرنا غلطی ہے۔ دوسرے بنگال کے مسلمان تقسیم بنگال کو اپنے لئے مفید جانتے ہیں۔

ہلکو تعجب ہے کہ ہمارے دوست نے کیوں اس تحریک سے ہمدردی کی اس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ جس جلسہ میں ہمارے دست کا لکچر ہوا وہاں اول کی بڑی تعداد اس تحریک کی ہمدردی کی رہی ہوگی۔ یا انکو ابھی تک اسکے تعلق پورے حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

باامید و ناامید آپ کو غالباً معلوم ہو گا کہ موجودہ فلسفیوں کی کئی جماعتیں ہیں جن میں سے دو جماعت مذکورہ بالا نام سے بھی ہیں۔

باامید (پیشیٹ) کا خیال ہے کہ نیچر نے جو چیزیں پیدا کی ہیں انکا منشا دنیا کو فائدہ پہونچانا ہے اور وہ دنیا کی ہر چیز کے کچھ نہ کچھ کام آتی ہیں ناامید اس جماعت کے بالکل خلاف ہے اور اسکا عقیدہ بہت کچھ ایسا ہے کہ وہ کہتی ہے کہ دنیا میں جو چیز ہے اس سے بجز نقصان کے فائدہ متصور نہیں ہے جا پاں جماعت اول میں ہے۔ اور وہ ہر چیز سے کچھ نہ کچھ کام لیتا ہے اور اسکا خیال ہے کہ گذشتہ زمانہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور واقعات گذشتہ ہمارے لیے بجا سے مفید ہونے کے ضرور ہوں گے اس لیے جا پاں اپنی ترقی زیادہ تر آئندہ متصور کرتا ہے۔

قرن اول کے مسلمان بھی اسی عقیدے کے تھے اور وہ خالق کے ہر مخلوق سے کچھ نہ

کچھ ضرور کام لیتے تھے۔ اور وہ جو کچھ کرتے تھے اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی آئندہ نسل کے لیے بڑھلاؤ اس کے ہم کو سوائے اس کے کو واقعات ماضی کا روزگار دیتیں اور کچھ نہیں آتا آپ حضرات نے ابھی خود اندازہ کر لیا ہو گا کہ میرے لکچر کا زیادہ حصہ اپنے سرف کے کارناموں کے بیان کرنے میں صرف ہوا مگر اس سے کیا نتیجہ وہ جو کچھ بھی تھے۔ گزر گئے ہم کو بھی دلیا ہونا چاہیے۔ اور اس خیال کو چھوڑ کر جو درخت ہم لگا دیں اسکا پھل بھی ہم کھائیں آئندہ کے لیے کوشش کرنا چاہیے رہا باقی دارد فقط جمال احمد

ماہ گذشتہ

ایک ضروری غیر البشیر کے مئی کے چروں میں یہ بحث چھیڑی گئی ہے کہ خاص۔
ضروری بحث ہنر رائل ہائیٹس حضور پرئس آف ویلز کی میز پر
جو چار مسلمان تھے اول میں آنر بیل راجہ یوسف علیخان کو کس وجہ سے بموقعہ
طرسٹیان کا ج منتخب کیا گیا۔

ہم کو واقف کارئخص نے بحث کو چھیڑا اوس سے اور جس شخص نے جواب دیا اوس سے
بھی اور البشیر جو اسپر مضامین لکھنے کا وعدہ کرتا ہے اوس کے اور بھی زیادہ تعجب ہے
ہمارا مذہب ہے زبردستی۔ روپیہ کا جس طرح ہوجا مل کرنا۔ یہ سچ ہو کر راجہ موصوف
نے کوئی مالی مدد نہ دی ہو مگر آئندہ کو تو امید ہے جو لوگ مدد دے چکے وہ دے چکے اوس کے
عزاز کی ضرورت ہی کیا ہے۔ رہی علمی یا عقلی یا اخلاقی دہر کی عزت اسکا احساس تو سر نہ ہوا وہ
مسلمانوں میں نہ ہے اور نہ پیدا ہونے کی امید ہے۔ اسی لئے شکایت بے موقعہ ہے
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب نہ کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی مناسب ہے کہ آدمی رو پر پیدا
کرے۔ روپیہ نہ ہو تو جھوٹی نمود پیدا کرے۔ جھوٹا نمود نہ ہو تو جو لوگ برسر اختیار ہوں انکی
مصاحبت خوشامد اور امان میں ہاں ملایا کرے۔ سازش کرے۔ تب اوس کو ٹرسٹی
اور قومی لیڈر اور شمالی ہندوستان کے سربراہ اور مسلمان کا درجہ حاصل ہو جاوے گا
اس کے لیے نہ اعلیٰ اخلاقی خصلت درکار ہے۔ نہ علمیت کی احتیاج ہے۔ نہ خوف خدا کی

ہانگ ہے نہ قومی غیر خواہی کی پرکش ہے۔ قومی غیر خواہی ایک فیشن کا لفظ ہے جس کے حقیقی مفہوم کی تلاش نا تجربہ کاری کی دلیل ہے۔ یہی یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ دوا۔

جب تک اسلام میں یہ جھوٹی زر پرستی۔ یہ لاد مذہب نمود یہ قومی ریا۔ یہ کھوکھلی غیر خواہی اسی طرح دور نہ ہو گی جس طرح مذہبی ریا اور جھوٹی عبادت اور بادشاہ پرستی اور استخوان پرستی کا دور ہونا ضرور ہے۔ اس وقت تک وہ ایک مردہ قوم رہیں گے۔ ہمارے لیے اس سے زیادہ اور کیا شرم کی بات ہو سکتی ہے کہ شمالی ہندوستان کے ایک تہہ ور شہر کے لوگوں نے جلسہ کر کے دھیس لے لیا اور کوٹار دیا کہ حضور شاہنشاہ انگلستان اور سلطان اعظم سے خگ واقع ہوئی تو ہیکو رنج ہو گا۔ کسی طرح صلح ہو جاوے اس شہر کے چند تعلیم یافتہ لیڈر گھرانے اور یہ تار پڑھکر حواس باختہ اور سرسیمہ تار گھریں ایک بھولے نوجوان کو بھیجا کہ تار دیوے کہ ہم اس جلسہ سے بری ہیں گورنمنٹ پر اپنا پودا پین اور ظاہر دار ہونا ہی نہیں ظاہر کیا بلکہ یہ بھی ثابت کیا کہ ان بزرگوں کے نزدیک گورنمنٹ کی خفیہ پولیس اور حکام اس قدر جاہل ہیں کہ شہر والوں کی کو قوت سے ان بزرگوں کو پکڑ لیں گے۔ اس کا راز تو کدیم راز نہیں کہتے۔

اے کاش یہ معلوم ہو کہ کوئی کام بھی کسی اصول یا قاعدہ یا انصاف پرستی کے ماتحت کیا جاتا ہے

عذ کو من فامہن و حناء ریح الصبا و عھو دھن سوا

ہم چاہتے ہیں کہ لوگ تاج برطانیہ کے خلاف ہرگز کارروائی نہ کریں مگر ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگ سچ بات ظاہر کریں۔

حالت کیلئے اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں غریب مسلمان عجیب مصیبت اور کشاکشی میں مبتلا ہیں۔ ایک طرف ان کے ریشمنیم لیڈروں کی وہ حالت ہے جو ہم نے بیان کی اور جو بالکل نیچرل اور فطرتی ہے کوئی قوم جو شخصی سلطنت اور درباری زندگی سے ہزار برس سے متعلق رہ چکی ہو کیسے آزاد و درست بازو صا دگی پسند ہو سکتی ہے۔ اور ہمارے شرفا ایسی ہی قوم کی فرسہ۔ رہے چھوٹے لوگ اور غرا وہ موجودہ مصلحت میں قوم میں داخل نہیں ہیں۔

دوسری طرف ان کے علمائے (الامامہ) ایسے ہی عجیب ہیں۔ باہمی حسد لڑائی خانہ خود غرضیاں۔ لاپچ۔ رسوخ پسندی۔ جاہل فریبی۔ عوام کا خوف غرض نیم تعلیم یافتہ۔ نیم خام

جابل و غبی ان سب کی آنکھ ان لیڈروں اور ادن کے ہمد و امر کی زندگی کو دیکھتے ہی۔ ان علماے دیں اور ادوں کی پشتش کرنے والے امراد مغزین کو نمونہ گردانتے ہیں۔ چھہ علما یا مجتہد جو ہیں وہ بچاے زاد یہ گناہی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگوں میں جو قابل اور ہمدرد ہیں وہ بھی یا معاش میں مبتلا ہیں یا زمانہ کی ہوا کو دیکھ کر گوشہ نشین ہوتے جاتے ہیں۔ غرض میدان راستی اور وفا سے خالی ہوتا جاتا ہے۔ سٹ گئے جو ہر وفا کے اٹھ گئے سب اہل درد۔ اب فاجہ نام کو اور با وفا کہنے کو رہیں اس تمام تقریر سے ہمارا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک زبردست گہرے تمدنی اور اخلاقی اور ریڈیکل انقلاب کی ضرورت ہے۔ اوپری اور چکنی جیڑھی اصلاح سے ادوں کا کام نہیں چلے گا۔ اس کے لئے باہمت مرد درکار ہیں۔

ایسے لوگ جو دولت اور طمطراق اور جھوٹ کو ایسی ہی علانیہ حقارت سے دیکھیں جیسے کہ آجکل انڈکس یا سادگی یا صداقت کو سمجھا جاتا ہے۔

یہ زخم مرہم لٹنے سے جلنے والا نہیں ہے بلکہ گہرا شتر چھانا لازم ہے اس بیماری میں شربت نبفسہ یا لکین کا استعمال نہیں بلکہ نعد کا کام ہے۔ مگر ایسے علاج کرنے والے اور اپنا نقصان کرنے والے کہاں ہیں۔ ومن الناس من يشري نفسه ابتغاء وجه الله۔ عوام کا خوف کرتے ہیں ہمارے ایک نوجوان بے قصب دوست نے جو اپنے آپکو یا سچ بولیں صرف مسلمان کہلاتا پسند کرتے ہیں ایک طویل خطوں میں ہم پر خانگی طور پر اعتراض کیا ہے کہ ہم نے بعض سینوں کو محرم الحرام و فردری سٹنہ کے مضمون سے ناراض کر دیا اور مرحوم سر سید کے تقلید کو کسی مضمون میں لفظ تحیر می لکھا کہ خفا کر دیا اس لفظ سے ادوں کی رائے میں سخت ہتک اس فرقہ کی ہے۔ دوسرے الزام کی نسبت ہم معذرت کرتے ہیں۔ اگر کوئی بہتر لقب ہمارے دوست کے ہم خیال کردہ نے قرار دیا ہے تو ہم آمینہ سے اس کو لکھیں گے۔ لیکن جہانک ہم کو معلوم ہے کوئی اور نام طے نہیں پایا اور خود مرحوم نے لفظ تحیر کی تہذیب الاخلاق میں فخر و بہات سے تسلیم کیا ہے بلکہ خود ایڈیٹر محمد یحییٰ کو اس لفظ سے تنبیہ ہونے میں شرم نہیں ہے۔ جو لوگ فطرۃ اللہ

اگر سمجھ کر اوس پر قائم ہوں وہ معید ہیں۔ رہا محرم کا مضمون۔ اُس میں ہم نے بیشک یہ لکھا تھا کہ جو لوگ معرکہ کر بلا کو اسلام سے علیحدہ یا بیکار چیز سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اسلام میں محبت اور دلا بلکہ درود نمازیں۔ ان بزرگوں پر فرض ہے پس اون کی شہادت ایسی چیز نہیں جس کو غیر مذہبی یا فضول سمجھا جاوے۔ آجکل کے الحاد کے زمانہ میں جو لوگ پنج وقتہ نماز کو خواہ مخواہ کا ظلم اور قرآن شریف کی آیات تھنی کو پیغمبر کی ذاتی رائے خیال کرتے ہیں وہی کس قسم کی باتیں کہہ سکتے ہیں۔

غالباً ہمارے دوست کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس حقیقہ مضمون میں روئے سخن مسلمانوں کے مشہور دو فرقوں میں سے کسی کی طرف نہیں تھا۔ البتہ حیدر آزاد خیال بگڑے لوگوں پر تقریباً تھے۔ اگر ایسے آزاد مشرب یا حیرتی خیال کے چند نو صوبہ رو اپنے تئیں سنی کہہ کر اس عالیشان اور قدیم فرقہ کو بدنام کرتے ہیں (ہمارے مضمون سے ناراض ہیں تو ہم مسکرا کر گذر جائیں گے اور گنوا ری محاورے میں کہیں گے "خفا ہو تو دور ویاں زیادہ کھا لو" اگر سنی و شیعہ اور ہندو و عیسائی سب ناراض ہو جاویں تب بھی ہم کہیں گے "سخن شناس نہ ہو دلبر اخطا اینجا است۔"

دوسری طرف اخبار اشاعت شری کے ایڈیٹر نے ایک طویل خط میں ہمارے مضمون کے اوس حصہ پر سخت اعتراض کیا ہے جہاں ہم نے زور دیا ہے کہ شخص روزانہ کافی نہیں ہے۔ قاتلان حسین بھی روتے ہیں بلکہ اتباع اور سنت حسین کی پیروی ہو تب دعویٰ محبت کا سچا ہے۔ یہ بزرگ لکھتے ہیں اور برافروختگی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ اس مضمون سے شیعہ پاک کے دلوں کو صدمہ پہونچا ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ میں ساری دنیا کو کس طرح خوش کر سکتا ہوں۔ کوئی سطر آدمی ایسی نہیں لکھ سکتا جو کسی نہ کسی کے خیال لائقین۔ تو ہم ظن۔ تعصب۔ اعتقاد و عادت۔ رواج۔ معاشرت یا شعار کے خلاف نہ ہو۔ اگر یہ سوچتا ہے کہ کون سا گروہ سب سے کمزور یا بے زبان ہے جس پر بے دھرم حملہ کیا جاوے۔ اور قتل مچانے والے یا زبردست گروہ کو چھوڑ دیا جاوے تو ایسے بزدل کو تصنیف و تالیف و اصلاح و ایڈیٹری کا نام نہ لینا چاہیے

بلکہ کسی بڑے طاقتور یا ٹھیکر میں تالیاں بجانے والوں میں ملازمت کر لینی چاہیے۔ کیونکہ اس سے سبک کم آدمیوں کو فتنی پیدا ہوگی۔ ہاں جب انسان کو معاملات عالم پر اسے دینی نہ تے صرف اپنے نور ایمان کا کھانا انا چاہیے۔ عام لوگ تو ابھی باتوں سے ناراض ہوا ہی کرتے ہیں۔ عسی ان نکو ہوا شیدائے فو خیر لکھ، کبھی تم کسی چیز سے ناراض ہوئے ہو وہ تمہارے لیے بہتر ہوتی ہے۔“ البتہ جو شخص تہذیب سے ہمارا جواب دینا چاہے اس کے لیے عصر جدید کے کالم بلحاظ اپنی گنجائش کے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ فقہ پر۔

تجافتہ الفلاسفہ | ہم عالی جناب مولانا سید حکیم غلام الحسین صاحب کنٹوری کے بیچہ پر ریلو یو۔

کے ۵ پرچے ہم کو بھیجے ہیں۔ اس رسالہ میں لامذہب لوگوں اور محدثین کا رد کیا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان فلاسفہ کو کافی طور پر تباہ کیا جاتا ہے۔ اکثر سوالات کسی ”فرضی“ نیچری کے نام سے کیے جاتے ہیں اور پھر بدل جواب دیے جاتے ہیں مولانا کے مضامین عالمانہ سلیس ہوتے ہیں اور وسعت نظر ان کی مشہور ہے۔

نیچریوں کو وہ جتنا چاہیں برا کہیں لیکن دعما کد و خدا مکلف کے قبول سے نفرت نہ کریں۔ مولانا نے چند نیچریوں سے ناراض ہو کر ان پرچوں میں شادی عی کے اسراف کو جائز قرار دیا ہے۔ غیر مستحقین کو خیرات دینا مدوح ٹھہرایا ہے شادی میں آلتازی کے چھڑانے کی تملیف کی ہے۔ اصلاح رسوم کو۔ سلام کی تباہی کا پیش خیمہ خیال کیا ہے۔

علماء دیں جو وعظ یا کوشش مثل مسیحی شریوں کے نہیں کرتے اسکو پسند فرمایا ہے۔ غرض یہ رسالے نہایت دلچسپ ہیں۔ حال میں ہمارے ایک دوسرے محترم نمرگ جو صاحب خطاب رالائق اور مشہور مضمون نگار ہیں انھوں نے بھی اصلاح کے خلاف متعدد مضمون لکھے

تھے۔ حالانکہ یہ بزرگ انتہا درجہ کے ریڈیکل اور لا ادریہ سمجھے جاتے تھے۔ ان مضامین کو پڑھ کر ہم اپنی رائے ظاہر کرنا فرض سمجھتے ہیں کہ ستر برس کی عمر کے بعد علمی معاملات اور بالکل اور تمدنی باتوں پر مضمون نگاری اہل الیاء کو مناسب نہیں۔ شاید یہی دوسرے حدیث میں کہ ”میری امت کی عمر عموماً ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوگی“

معاصرین
اور ہم

تہذیب امپورسے نئے لباس میں اور ایک لائق انشا پر ڈاز کی گرائی
یعنی سطر آزد اور داد آبادی کے ایڈیٹری میں نکلا ہے (قیمت ۱۰ سالانہ)
اس کے مضامین دلچسپ ہوتے جاتے ہیں ماہ مئی کے نمبر میں عصر جدید پر اسے
لکھتے وقت ایڈیٹر صاحب نے ہی سطح غلطی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ عصر جدید نے مسلمانوں کو
کفایت شعار بنانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ منجملہ پانچ سو پانچ موصوفہ کے شائد ہر سال
موصوفہ بھی کفایت شعار ہی کے متعلق نہ ہوں۔ عصر جدید مسلمانوں کو ایک معتدل
راست باز۔ عملی۔ اور کفایت شعار قوم بنا چاہتا ہے۔ نہ اس کا یہ نشانہ ہے اور
نہ کبھی تھا کہ لوگ نخل بنیں۔ اس بات کو مختلف طور پر ظاہر کر دیا گیا ہے اس رسالہ کے
اکثر مضامین کو وہ غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ سچ ہے تہذیب کی طرح مذہب بخش کتب نہیں
مسز رشید میرین ہمارے جوشیلے دوست محمد ادریس صاحب کے مضمون ”ایک ناہم
ممبر کی کار گذار تھی پر ایک لطیف“ اسے لکھا ہے کہ غالباً دوستوں کو بیان و حقہ کی
ممانعت کی اجازت سکریٹری صاحب صیفہ نے نہ دی ہوگی بے شک سکریٹری ایسے
کسی قاعدہ کا موجد یا محرک نہیں ہے لیکن جو ممبر ایسی اخلاقی قوت اور جرأت رکھتے ہیں
وہ اون کا مداح ہے۔ مگر ادنی صورت میں جب کہ بحث نیک اور بار آور کاموں میں غمچ
ہو۔ اس بات کا بیشک افسوس ہے کہ کثرت کار کی وجہ سے جن لوگوں کے مضمون نگار
نے مدد کی غلطی سے اون کے نام چھپ گئی۔ اس صلاح کے لیے ہم ایڈیٹر درپن کے منوں ہیں
آجروار میں مقرر نیاز علی صاحب ہے۔ اسے ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس کا ایک مفید
اور دلچسپ انگریزی لکچر چھپا ہے جولاہور نیک میں محمد انیسو سلیش میں موصوفہ
مسئلہ گداگری پر دیا تھا۔ انہیں انھوں نے عصر جدید کی خدمات کی بابت اصلاح گداگری
کی بہت قدر کی ہے۔ ہم ادا کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ پنجاب کی تعلیم یافتہ
مسلمان ان مسائل پر متوجہ ہوں گے بہت کم صلاح تمدن کے کام میں دل جیسی رکھتے ہیں
لائق ٹریڈیکل ”جو اول علی گڑھ منتقلی میں گرائی کرتے تھے اب کی انھوں نے
امپورسے تہذیب“ میں ایک مضمون ”لکھا ہے کہ“ دینی ترقی کا مذہبی پابندی سے

کہاں تک تعلق ہے سوہ کہتے ہیں کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس بل مضمون نگار کو مذہب کے معنی سے ہی قدر و اہمیت ہے جس قدر وہ عیاں اصلاح سے اس کو بھردی ہے کیا اچھا ہو کہ وہ ظاہر کریں کہ مذہب اور ان کے نزدیک کیا چیز ہے۔

اوکل میں سٹرنڈر احمد زہاوی میں جنوری عصر جدید کے کانفرنس والے مضمون کا جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ ایڈیٹر نے محض تہمت اور غرور کی راہ سے لکھا ہے کہ بخوف خدا۔ اور اصلیت رسالت کو انسانی ترقی کا جو لوگ جزو غلط نہیں سمجھتے مسلمان ان کے کاموں کو توڑ دیں گے۔ اسے کاش یہ غرور زیادہ وسیع ہو۔ اگر یہ غرور ہے تو وہ حقانیت کا کلمہ بھی تو ہے۔

ہیت حق است اس از خلق نیست ہیت اس مرو صاحب دلق نیست
انتظام اخبارات بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ ایک اخبار یا رسالہ کی وقتیں

پر اس حد درجہ کا مظلوم ہے۔
انتخاب کر کے باقاعدہ مطبع تلاش کیا۔ کاتب صاحب کے یہاں تقریباً دی ہے۔ اور اسکی بعد چھپی یا مومانی کا انتقال ہو گیا۔ کاپیاں چار پانچ دن بعد لکھی گئیں۔
کاپیاں تیار ہیں پر لمبیں صاحب کے پلو میں دروہے اور اوکو دوسرا کام بھی ہے۔
چہ دن کی دیر چھپنے میں ہوئی۔

خدا خدا کر کے پر لمبیں صاحب آئے تو غزوروں نے تنویر منالیا۔

خبر۔ میلو سے ۲۰ دن کے بعد رسالہ چھپ گیا تو تقریباً چھپنے کے لڑکی کے مردہ بچہ پیدا ہوا۔

ان کا علاج کیا ہے ان وقتوں کا مقابلہ کس طرح کیا جاوے۔ صرف طریقہ ہر کہ زیادہ تنخواہ کا غلط رکھا جاوے جبکہ کام سے غیر حاضر ہونے سے خون ہو یا زائید شات رکھا جاوے۔ اس کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے۔ روپیہ خریداروں سے آسکتا ہے خریدار اس ملک میں کم ہیں۔ کیونکہ عام لوگ بد شوق اور کم علم ہیں یا مفلس ہیں۔

پس عام تعلیم و کفایت شعاری پھیلا نا سب سے بڑا فرض ہے۔

ہائی کورٹ آف آبادی میں ہوجا لکھنؤ میں

قابل توجہ جملہ زمینداران و کلا اہل مقدمہ

ایک ضروری مسئلہ یہ مسئلہ نہایت زور شور سے چھیڑا گیا ہے۔ لوکل گورنمنٹ کی رائے معلوم ہوتی ہے کہ ہائی کورٹ لکھنؤ جیسے مرکزی مقام میں لائی جاوے جہاں دو لقمہ تعلقہ دار ہیں۔ سب دیوا عمدہ ہے۔ بوجہ مرکزی مقام کے سب لوگوں کو اس سے آرام ہوگا۔ ریلوں کا جنکشن بھی لکھنؤ ہے۔ عمارات اور میلوں کی یہاں بھر رہی ہے عمارتیں عالیشان ہیں۔

برخلاف اسکے آبادی میں بیماری زیادہ اور رونق کم ہے۔

آلہ آباد ہائی کورٹ کے وکلا اور بیسٹر صاحبان کو چونکہ مکان چھوڑنے پڑیں گے اور لکھنؤ آنا پڑے گا وہ اس معاملہ سے سخت ناراض ہیں اور ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ صوبہ اگرہ کے تمام ضلع اس نقل مکان اور صلاح کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ جگہ جگہ سے مموریل آلہ آباد کی تائید میں بھیجا رہے ہیں۔ اور لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ آلہ آباد تیر تھ ہے اس کی تائید کرو۔ حالانکہ بنارس اور متھرا۔ زیادہ مقدس مقام ہیں انکی پروا نہیں کرتے ہکو اپنے معزز ناظرین سے جو صوبہ اگرہ کے ہر گوشہ اور ضلع میں موجود ہیں پوری امید ہے کہ اس معاملہ میں اس عالیشان اور شاہی شہر لکھنؤ کی عزت ہی نہیں بلکہ اہل مقدمہ کی آرام کا خیال فرما دیں گے اور کفایت کا اور آلہ آباد والوں کی کوشش سے متاثر نہ ہوں گے۔ جو صاحب مموریل لکھنؤ کا فارم منگا تاچا ہیں خشی سے بھیجا جاوے گا۔ اور بعض چیدہ صاحبوں کو بلا طلب روانہ ہوگا۔ ہر بانی فرما کر اس کو بھرنا کر بیرنگ ایڈیٹر عصر جدید کے نام روانہ فرما دیں۔

جانک ہم کو تحقیق ہو ایسے نصف سے زیادہ ضلع صوبہ اگرہ کے لکھنؤ کا ساتھ دیں گے

ہمارے گزشتہ انعامی شہنشاہ کے سلسلہ میں

جو بعنوان

پانچ پانچ روپیہ کے بین نوٹ مفت تقسیم کر دیں

شائع ہوا تھا

ذیل کے مسائل صحابہؓ یا پنج پانچ روپیہ کے

تسبیل کو طرہ مفت حاصل کرنے

(۱) نواب محسن الملک بہادر۔ ایم اے اوکالج علیگڑھ

(۲) قاضی محمد عبد الرحیم صاحب مدرسہ باقیات الصالحات

کہ قول (مدرس)

(۳) حاجی بنی حسن صاحب دستاویزی علی محمد صاحب برائے یو سٹریٹو

(۴) بابو لرم چند صاب و لینیک سین با ستر لکھر

(۷) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ خَالِيٍّ وَصَلِّ عَلَىٰ خَالِيٍّ

(۴) نقشه خداداد و حساب مدرّج حقیر ضلع اول و ثانی

(۶) میاں احمد دین صاحب بلواری حیکم کو مختصر تاریخ

(۹) میناں رحیم بخش صاحب عطار گجرات۔

(۱۰) بابا جو چہاں خدیوین صاحب کلا رکڑی سکوا ڈورن

رسالہ عیسائی لورالای (بلوچستان)

(۱۱) سیاہی مجھ کو جھڑپو اور ریلوے کے تین لاکھ اور۔

(۱۲) شیخ وارث دین صاحب سودا گرد و میلی۔

(۱۳) میان همین حمایت و پوره پیروانہ سیالو

(۱۵۱) اسکاتلیند میں جس شہر میں ان کے گھرانے

[illegible]

(۱۷) غلامی رسول حسب پورٹ اسکول ایشاور

(۱۹) متروا کند و شک حب ۶۹ نهجانی در معمل خا

(۱۹) میراں چو غلہ سپاہی ملین ۹۱ نیا کی کٹی ۲۲ کھامو

(۲۰) چودھری خدایتش صاحب کوٹاہی صاحب علی اللہ

قابل قدر اور مستحق تائین

- مفصل ذیل مفید اور خوشخط عمدہ کتب منیر دفتر عصر جدید کو مل سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ ملنا حالی کی تھنائیت بھی بن قتر سے ملے گی۔
- کتب مصنفہ مولوی خواجہ غلام حسین سابق انسپکٹر مدارس صوبہ گلبرگہ
- ۱۔ اصول ترمیمیت۔ یہ رسالہ جدید اور قدیم اصول کا جامع اور تمام والدین اور بچوں کو اذکار و عمل کا اصول پڑھنا ضروری ہے۔ نہایت عمدہ اور اعلیٰ ترتیب مضامین ہیں جس کے لئے گئے ہیں۔ جماعتی عقلی۔ اخلاقی ترتیب کے اصول مقاصد طریقہ حصول بتائے گئے ہیں۔ یہ کتاب نہایت خوشخط اور صاف چھپی ہے حجم ۱۲ صفحہ قیمت ۰۰۰۰ ۰۰۰ ۰۰۰
- ۲۔ قوانین دولت۔ مشرک کی کتاب لازماً فوٹو جس کی قیمت انگریزی میں ۸ روپے کا نہایت سلیس ترجمہ اعلیٰ درجہ کاغذ پر رفاہ عام سلیم پریس لاہور میں ۶۶ صفحہ پر چھپا ہے۔ دولت کیا چیز ہے؟ کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ کس طرح تقسیم ہوتی ہے؟ ۶۸ مضامین علم پولیٹیکل کا مٹی کے ہیں اس طرح بیان ہوئے ہیں۔ کہ بعد ہی درحکم نقاب آسانی سے سمجھ سکیں جو طلباء ریاضی یا عام خالقین اس علم کے ابتدائی اصول کو جانتا چاہیں اس سے بہتر کتاب انکو نہیں مل سکتی۔ مترجم نے بعض مفید حواشی بھی دیے ہیں۔ قیمت ۰۰۰۰۰۰۰ ۰۰۰ ۰۰۰
- ۳۔ فن تعلیم۔ یہ کتاب اہل علم و مسلمین اور عام خالقین کیلئے جو تعلیم کو دلچسپی ہو مفید ہو بلکہ شمس العلماء منشی دکنی صاحب اردو میں اس سے بہتر کتاب اس عنوان پر نہیں لکھی گئی۔ حجم ۵۷۲ خوشخط قیمت ۰۰۰۰۰۰۰ ۰۰۰ ۰۰۰
- ۴۔ سیرت النبی (علاوہ کہ) صفحات اندازاً ۸۴ قیمت (۳۲) زیر طبع ہے۔ درویشی درجہ چھپائی ہیں کتب از خواجہ غلام نقیص۔ بی۔ اے ایل ایل۔ بی۔ ایل ہائی کورٹ
- ۵۔ اصول و اخلاق اسلام۔ یہ صفحہ کا رسالہ بہت اعلیٰ اور خوشخط چھپا ہے۔ کہ عربوں اور ان کے لئے مفید ہے۔ سرکار نظام کے مدرسہ میں رائج ہے ۲۲ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ۲۲ رسالے وصول ہو کر ایک کیکر پیچیدہ بن جائیگا۔
- ۶۔ لکچر کالفرش لکچر۔ اصول ترقی بر قیمت ۰۰۰۰۰۰۰ ۰۰۰ ۰۰۰
- ۷۔ سائنس اینڈ یا تھور۔ علمی اور فلسفانہ معنوں انگریزی میں لکھا گیا ہے۔ حیات الشاہد اور عقائد کلمات۔ نہایت عمدہ کاغذ پر چھپے ہیں۔ حجم ۱۳۵۔ صفحہ قیمت سابقہ قیمت حال ۰۰۰ ۰۰۰ ۰۰۰
- ۸۔ حیات بجا وید۔ اس مشہور کتاب میں شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب نے سرسبز حرم کی سوانح عمری لکھی اور یہ تمام قوی اور اعلیٰ محاطات میں لکھی حکیمانہ دیو ہے اور زبان کی سلیس سلیس و فخر نصیفہ ہے حجم ۵۰ قیمت ۰۰۰ ۰۰۰ ۰۰۰
- ۵۔ رسالہ حوادث مادہ۔ قیمت ۰۰۰ ۰۰۰ ۰۰۰

المنشور
منور علی منیر عصر جدید لکچر

محضر

ایک ماہانہ ریویو

مقاصد

مسلمانوں کو ایک عملی - سنجیدہ - اور کفایت شعار قوم بنانا
ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین سکرٹری صلاح تمدن - دیکل ہائیکورٹ
مقام اشاعت - لکھنؤ - گولا گنج

جلد ۴ اگست ۱۹۱۶ء نمبر ۸

- | نمبر شمار | مضمون | صفحہ | مصنوع ہنگام |
|-----------|------------------------|-------------|--|
| (۱) | اب کیا کرنا چاہیے | (۳۲۵) | خواجہ غلام السبطین بی اسے علیگ |
| (۲) | اسرار پر ایک نظر | (۳۳۰) | مسٹر غلام علی خان اور میر سیٹاپور |
| (۳) | نارضا مندی کی شادی | (۳۴۱) | ابوالکمال مولوی سید عبد الحکیم - دسندہ ضلع پٹنہ |
| (۴) | ہماری ترقی کس طرح ہوگی | (۳۴۴) | مولوی ضیاء الحسن - کاکو دی - از لکھنؤ |
| (۵) | فتویٰ کلمۃ الحق | (۳۴۷) | شخص العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی پانی پت |
| (۶) | ماہ گذشتہ | (۳۵۳) | ایڈیٹر |
| (۷) | پروفیسر لائیکس | (۳۵۸) | ایڈیٹر |
| (۸) | کتاب ماہ گذشتہ | (۳۶۰) | ایڈیٹر |
| (۹) | جاپانی لکچر کا ترجمہ | (۳۶۲) | مسٹر جمال احمد - رئیس کٹر اضلع الہ آباد |

مطبع منشی جی نرائن خیالی گنج شہر لکھنؤ پرنٹ چھاپا

اصول صنعتِ اصلاح

- ۱۔ عدل و اعتدال۔ یعنی نہ زیادہ روی نہ کمزوری۔ سادگی۔
- ۲۔ کفایت شعاری۔ یعنی اخراجات دولت۔ اسراف وقت سے بچنا۔ دولت کا صرف مفید کاموں میں کرنا۔ رعایت کے اخراجات میں کمی کرنا۔
- ۳۔ سعی و محنت۔ گدگری۔ بیکاری۔ سستی کو قابل نفرت سمجھاؤ دکھام کرنا۔ ایک شخص کو کام بھگانا۔
- ۴۔ اتفاق۔ نیک مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے ملکر کوشش کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

ضروری ہدایات اور قواعد عصرِ جدید

- (۱) رسالہ کا حجم ۴۴ صفحے سے کم نہ ہوگا۔
- (۲) قیمت پیشگی یا نقد ہوگی۔ یا بذریعہ ویلیو پ ایل پارسل سالانہ معہ محصول ڈاک وغیرہ عیناً
- (۳) نمونہ کی درخواست کے ساتھ ۲ روپے کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔
- (۴) خط و کتابت یعنی نام پر یہ مضامین سب صاف اور خوش خط ہوں۔
- (۵) جملہ مناسب مضامین ترتیب اور نگارش کے لحاظ سے چھاپے جاویں گے۔ بصورت عدم نمانت ایڈیٹر مضمون کو مختصر کر سکتا ہے۔ مگر مطلب پلٹ نہیں سکتا۔
- (۶) جواب طلب امور کیلئے سوجا الی کا ریڈیا ٹکٹ ہونا مناسب ہے۔
- (۷) جو صاحب یکسالہ چھ ماہ کی بابت خریداروں کی قیمت روئے قضاویں گے انکو ایک سال یا چھ ماہ کیلئے رسالہ کیش میں ملے گا۔
- (۸) رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت اندرون ۱۲ یوم وصول نہ ہو تو بعد رسالہ بھیجنا لازم نہ ہوگا۔
- (۹) ایسے سبکدوشی فرشتوں کی ضرورت جو ہمارا رسالہ در کتب پر یاں کہیں معقول کیش دیا جائیگی تصفیہ بذریعہ خط و کتابت اجرت اشتہارات (۱۰) جو صاحب اختیار رسالہ بقدر سادی ہمارے ہوتا ہے ان سے کچھ اجرت ضلی جائیگی۔
- (۱۱) محض کتب یا ادویہ کا اشتہار نہ چھپے گا (۱۲) اجرت اشتہاری ہر گز سے کم اجرت کا اشتہار نہ لیا جائے گا۔
- (۱۳) اجرت فی صفحہ ایک بار کے لیے عام اشتہاری کیلئے ۱۰ سالانہ معہ نصف حصہ ایک بار میسر اشتہاری سے رسالہ مع
- (۱۴) ہر ایک اشتہار چھ رسالہ صاحبان اشتہار کو بلا قیمت ملے گا۔ مگر محصول ڈاک اوکٹو بھیجنا ہوگا۔

عصا

اب کیا کرنا چاہیے

انچہ داتا کند کند ناداں لیک بعد از ہزار رسوائی
شعر عنوان بالا ایک مشہور شعر ہے اور گھنگو میں اکثر استعمال ہوتا ہے مگر بقدر یہ ہم
مسلمانوں کی حالت پر صادق آتا ہے شاید ہی کسی دوسرے پر ایسا صادق آیا ہو۔ وقت کے
تقاضے اور اپنی ضرورتوں کے سمجھنے میں جیسے ہم بیٹے بن ایسا کوئی نہ ہوگا۔ ملک میں کیسی ہی
اہم اور ضروری تحریک پیدا ہو مگر ہم اس سے جدا رہیں گے اور جب تک دوسری قومیں
اس میں باوری کامیابی حاصل نہ کر لیں ہم اسکی الفت - بے بھی شروع نہ کرینگے۔ اور پھر
جب وقت گزر جائیگا اور کچھ نہ ہو سکے گا تو نیچے قسمت کو روئینگے۔

ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان کی دولت و حکومت ہمارے ہاتھ میں تھی۔ ہر کسی کو بڑی
بڑی تحویلوں - جاگیریں منصب اور وظیفے ملتے تھے اور ہم ان کے بھرت پر دربار داری
اور نوکری کے سوا باقی سب کا رواجہ ٹی بیٹھے اور دل میں یہی سمجھتے رہے کہ یہ رنگ لیان
ایک پلچ رہینگے اور یہ دھڑب منقرضہ قائم رہیگا۔ لیکن زمانہ کا جیسا قاعدہ ہے اُسے
ماننے کھائے۔ ہمارے ہاتھ سے سلطنت اور سلطنت کے ساتھ سب ثروت کی پخت لہی
خُل گئی گویا تھی ہی نہیں۔ انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ نیا دنا نیا پانی ہو گیا۔ ہم کہ پُرانی حالت
کے جو گھر تھے حیران و پریشان ہو کر مہوت سے رو گئے۔ انقلاب کے ساتھ مچائے اسکے
کہ دانشمندی کے ساتھ رضا بقضا ہو کرنے زمانہ میں بارام ہیر کی نئی تزییر سوچتے اور ہر
ادنی موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہم اسی طرح سے اپنے

پڑائے بادہ نخوت میں مشرار رہے۔ وہی پڑائے زمانہ کے خواب دیکھتے اور نئے دور کو ذلیل اور محض چند روزہ سمجھتے رہے۔ نئی سلطنت کی نوکری کو کفر اور اس کے پیسہ کو مہر دار خیال کرتے رہے چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نئی نئی حکومت گئی تھی اور ابھی تک انہیں حکومت چلانے کی قابلیت بالکل معدوم نہیں ہو چکی تھی اور کچھ لکھے پڑھے بھی انہیں مل سکتے تھے اسلئے نئی گورنمنٹ نے۔ قاضی۔ مفتی۔ صدقہ الصدور وغیرہ معزز خدوون کے لئے انہیں میں سے انتخاب کرنا شروع کیا۔ مگر ہم میں سے بہت کم نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور جن چند نے اٹھایا بھی تو اپنے کفر کے فتوے لگے اور تمام قوم کے ہفت ملامت بنے۔ آخر گورنمنٹ نے مسلمانوں کی بے پروائی دیکھ کر اور ہندوں میں فارسی دانوں کی کمی محسوس کر کے فارسی کو دفاتر سے اڑا کر اسکی جگہ دیسی زبانیں دفاتروں میں جاری کر دیں۔ مسلمانوں نے اب بھی آنکھ نہ کھولی۔ اس موقع کو بھی ہاتھ سے دیا اور اگر اب کچھ کچھ سرکاری نوکری کی طرف رجوع ہو بھی چلے تھے سو دیسی زبانوں کا نام سن کر بھڑک گئے کہ ہم جیسے اصل ولایتی اور ان ذلیل مردار زبانوں کو سیکھیں۔ لاجول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس موقع پر بھی ہمارے ملکی بھائی بازمی لکھئے اور وقت کے اشارے پر چل کر اپنا کام بنا لکھئے۔ نیز قوم وغیرہ ملک کی سلطنت کے ساتھ اسکی زبان کا آنا ایک لازمی امر تھا۔ چنانچہ انگریزی دانی ملازمت کے لئے شرط ہو گئی۔ اب کیا تھا غضب ہو گیا۔ کافروں کی نوکری بھی کریں اور کافروں کی زبان بھی سیکھیں۔ تو یہ تو یہ ہم سے نہ ہوگا۔ یہ صریح کفر ہم سے اختیار نہ ہوگا۔ غرض اس سرے سے اس سرے تک انگریزی کے لئے کفر کے فتوے دوڑ گئے۔ جسے انگریزی پڑھی کافر جسے انگریزی پڑھنے کی صلاح دی کافر۔ ہمارے وطنی بھائی جو اگرچہ غیر اقوام سے نفرت کرنے میں ہم سے بدبھاڑے ہوئے ہیں انہوں نے اس موقع بھی وہی کیا جو وقت اور عقل کا مقتضا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نئی نئی تعلیم سے جو بانی ملکہ ہوا کے مول مل رہی تھی خوب ہی خوب دل کھو کر فائدہ اٹھایا۔ نتیجہ جو ہونا تھا سو ہوا۔ ریل۔ تار۔ ڈاکخانہ۔ ٹھکانا۔ دفتر۔ عدالتین۔ وکالت خانہ۔ غرض سب محکم مسلمانوں سے خالی اور بنائے وطن سے معور ہو گئے۔

سلطنت گئی۔ جاگیریں گئیں۔ وظیفے گئے۔ نوکریاں گئیں اور تنخواہیں گئیں تجارت تو پہلے ہی کھو بیٹھے تھے۔ صنعت و حرفت بھی اول تو کم تھی رہی سہی ولایت کے مال سے یا مال کر دی۔ آخر یہ نتیجہ ہوا کہ بیٹوں میں چوبے قلابازیاں کھانے لگے اب ذرا آنکھ کھلی اور سر جہا طرف سے اپنے آپ کو بندھا ہوا پایا۔ نوکری کی طرف دوڑے مگر تعلیم کی شرط نے روک دیا۔ تعلیم کی طرف خیال رجوع کیا تو اسکے بھی دروازے اپنے پر بند پائے۔ افلاس کا ادبا فیس کا بار اور اخراجات تعلیم کی بھرمار۔ تعلیم ہو تو کہاں سے ہو۔ اگر بڑی ہسلی طرح دو چارے بڑھائی تو کس کام کا اور کس وقت کہ ابنائے وطن نے سب محکومین مدتوں سے قبضہ کر رکھا ہے اور نوکری کی وہ کساد بازاری کی ہے کہ کوئی لگے سیر کو نہیں پوچھتا۔ قلی کی قدر اور تعلیم یافتگی قدر نہیں۔ غرض ہمارے تعلیم یافتہ ہی برباد ہوئے۔

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر یہ کھولے گئے اور تعلیم پا کر

ہنے تعلیم کی طرف توجہ کی مگر کس وقت کہ موقع ٹھک گیا۔ اور ہم منہ تکتے رہ گئے۔

کام کا جو وقت تھا خالی گنوا بیٹھے اُسے جاتے آتے بھر بیٹھے تاسف کیجیے

سلطنت کے انقلاب کے ساتھ نئی طرز حکومت اور نئے قاعدے قانون کا آنا ایک لازمی امر تھا چنانچہ آئے پر آئے۔ نئی گورنمنٹ کا اصول اس کلیہ کے مطابق کہ ہر مانگو اور محکوم دیا جائیگا۔ کھٹکھٹاؤ اور تنہا رہے لیے کھولا جائیگا۔ ہم بیٹوں۔ بے زر۔ بی علم بے طاقت۔ مانگیں تو ہماری صدا سمجھے کون۔ اور کھٹکھٹائیں تو ہم میں طاقت کہاں۔ ابنائے وطن کے ساتھ شریک ہوں تو ہم میں اور انہیں زمین و آسمان کا فرق۔ آئے اور ملک کی نسبت انکی ضرورتیں جدا ہماری جدا۔ اونکے ساتھ آخر شریک ہوں تو کیسے اور ہوں بھی تو پائیں کیا۔ وہ تعلیم کہ آسمان پر ہم جہالت کے تحت الشری میں۔ ہمارا اُنکا ساتھ نبھے تو کیونکر ہمارے ابنائے وطن کہ دولت تو انکے گھر کی پہلے ہی سے لوندی تھی اُنھوں نے زمانہ کا اشارہ پا کر نئے انقلاب کا خوشی سے خیر مقدم کیا۔ تعلیم پائی۔ نوکریاں ملیں۔ اچھے اچھے عہدوں پر سرفراز ہوئے آخر کار بدینجا رسید کہ اہل سلطنت کے برابر حقوق کا دعویٰ کرنے لگے۔

ہم بھلا انکو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ بے زری ہمارا جو ہر سلطنت سے ہم بدر تعلیم ہماری

ابتر آبادی ہماری کمتر عرض میاں تو علاوہ جلی کس کے قدرتی اسباب بھی شریک ہو چکے
 یے شامل حال ہو گئے۔ اب کیا تھا سو گئے۔ البتہ ایک سبق نیندیں بھی یاد رہا۔ یعنی
 تعلیم تعلیم جتنے رہے۔ تھوڑا بہت رواجی پڑھا اور کاسہ گدائی لیکر حکام کے پاس پہنچے
 وہاں بڑی سعی سفارش پر بھی آدھو سیر آئے دھکے سوا اور دھرا لیا تھا۔

ملکی بھائیوں نے رواجی تعلیم کی طرف توجہ کی۔ سوشلسٹ و پولیٹیکل ترقی کا احساس
 پیدا ہوا۔ اور اس میدان میں بائکان کہنے مشق اوستادوں کے طرے اپنا کام شروع کر دیا
 ہم اپنے اسی تعلیم کے سبق کو رٹتے رہے اور اُسی رواجی تعلیم کو اپنی رواج کا ذریعہ
 گردانتے رہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ بوجہ اسکے کہ ہماری ضروریات اور ضرورت دیگر اقامت
 وطن سے مختلف ہیں ہمارا اور انکا پولیٹیکل و وٹن میں نہایت شریک ہونا ممکن نہ تھا۔
 مگر رونا یہ ہے کہ ہمارے دیوں میں سوشل پولیٹیکل احساس پیدا ہی نہ ہوا۔ اگرچہ اپنا پولیٹیکل
 ضرورتیں سمجھتے تو علیحدہ پولیٹیکل سیشن قائم کر کے اپنی خواہش اور ضروریات کا اظہار
 گورنمنٹ پر ظاہر کرنے سے کون سی بات مانگتی تھی سوشلسٹ رنارم میں بھی کونسی چیز
 ہمارا ہاتھ پکڑتا تھا۔ صنعت و حرفت کو زندہ کرنے پر کوئی توجہ نہ تھی بلکہ پانچ سو روپے
 کہ علی قوت ہم میں رہی ہی نہیں اور نہ دو بارہ پیرا کیونکہ نہ کھانا نہ کپڑا نہ کچھ
 سوچے ہماری بلا اور کام کر سکتے ہاں۔ ہر روز یا تو بھٹا اور وقت نہایت پریشانی تھی
 رونا ہمارا کام ہو گیا ہے۔

تعلیم نسوان کی طرف گورنمنٹ نے توجہ دلائی۔ ہمارے ملکی بھائیوں نے اس سڑک
 کو سر آنکھوں پر لیا۔ مگر ہم اپنے کفر و بدعت کے گڑھے میں پڑے۔ ہمیں نیکو سوچ
 رہے یہاں تک کہ ہماری وطنی مستورات تک ہمارے مردوں سے باڑی کے گیل
 شہادت میں گزشتہ سال کا نتیجہ امتحان بمبئی حاضر ہے کہ بڑے بڑے امتحان میں مسلمان
 مرد ۵۹ اور دیگر اقوام کی عورتیں ۶۱ پاس ہوئی ہیں!!! بیشک تعلیم ہم بھی مستورات کو
 دلائی گئی۔ لیکن ابھی نہیں۔ جلد ہی کیا ہے۔ جب وقت نکل جائیگا دیکھا جائیگا۔
 ایک کام میں البتہ شہم بھی کسی قدر ایچ کی لی تھی اور مارے خوشی نے پھولے نہیں

ساتھ تھے۔ سینے سب سے پہلے ہم نے یونیورسٹی بنانیکی سوچی تھی۔ آٹھ سال سارے بدن کا زور لگایا۔ مگر دس لاکھ روپیہ نہ ہو سکا۔ ہمارے وطنی بھائیوں نے ایک چھوٹے دو یونیورسٹیوں کے لیے چند ہفتوں میں سہ چنڈ بلکہ چار چنڈ رقم جمع کر لی۔ خالصہ کالج امرتسر نے ایک دن میں پچیس لاکھ روپیہ جمع کر لیا۔ ابھی حال ہی میں ایک شخص نے صنعت و حرفت کے لیے دس لاکھ روپیہ دیدیا۔ ناکعین و ابا ادنیٰ الاچھا۔

مگر ہمیں ہم بھی کچھ دو سو روپے تو مل سکتے تھے۔ ابھی چند روز ہوئے کہ ایک شخص نے دکن میں محمدن کالج قائم کرنے کے لیے دس لاکھ روپیہ نکال کر بھینک دیا اور اس کالج کی سربفٹاک عمارتیں عظیم خیال میں مسلمان بچوں کی تعلیم گاہ ہیں۔

اس لیے جس نے غلطی کر کے ضلع کے ایک مسلمان شہر والی عمارت کا پلہ لاکھ کا عطیہ انباری دنیا کو نہ بھولا ہوگا۔ بکا اعلان تو ہو ہی چکا ہے۔ فراسے قیامت میں ادا بھی ہو جائیگا۔ غرض ان خیالات کو دیکھ کر میری سمجھ میں آتا ہے کہ ہم میں قومی احساس اور ملی قوت ہی نہیں رہی۔

اس وقت ملک میں آبادی دن دو دن رات سوائے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ذرائع معاش کا دائرہ محدود ہوتا چلا جاتا ہے۔ اخراجات کا بار اور ضروریات زندگی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ملک کی تجارت غارت ہو چکی ہے۔ زراعت کو امریکیٹ کر کر دیا ہے۔ صنعت و حرفت میکینکس کی رو میں پامال ہو چکی ہے۔ نوکریوں کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اور ایک ایک ادنیٰ ملازمت کیلئے سیکڑوں عرصوں کا آنا ایک انا رو صد بھار کا سا معاملہ ہو رہا ہے اور ہمارے افلاس کی بین شہادت پیش کر رہا ہے۔ لیبرل پرکیشن ہمارے حالات کے لحاظ سے کام نہ گذارنی ثابت ہو چکا ہے۔ اس وقت ہمارے وطنی بہانیوں نے جو ہر لحاظ سے ہم سے بد بھابتر ہیں نہایت سوچ سمجھ کر یہ معما اچھی طرح حل کر دیا ہے کہ محض لیبرل ایجوکیشن ہمارے درد کی دوا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی توجہ صنعت و حرفت پر اور سامٹنس کی طرف معطوف کی ہے۔ اور کوئی دن نہیں جاتا جو یہ سننے میں نہ آتا ہو کہ فلاں جگہ سے اتنے لڑکے جاپان یا امریکہ یا یورپ طرف ہجرت

تعلیم کے لیے روانہ ہوئے یا کہ فلان شخص نے اتنے وظیفے یا اتنا چندہ حرفتی تعلیم کیلئے دیا۔ دن رات نئے نئے اور قسم قسم کے کارخانے نئی نئی کمپنیاں اور نئے نئے بنک کھلے چلے جا رہے ہیں مگر افسوس نہ کوئی مسلمان طالب علم حرفتی تعلیم کے لیے جاتا سنتے میں آتا ہے نہ کوئی اسلامی چندہ صنعت و حرفت کے لیے سنا جاتا ہے نہ کوئی کارخانہ یا بنک قائم ہوتا ہے نہ اس قسم کی کوئی شخص کو شش ہی کرتا نظر آتا ہے۔

کھل رہے ہیں جو کلوں کے کارخانے ملک ہیں جن کے مالک ہیں وطن میں اہل بہت سرسبز جو کہ ہیں ملکی ترقی کے لیے اک فال نیک جن میں اسیدیں ہیں مثل روز روشن جلوہ گر قوم کا حصہ نہ وہاں پاؤ گے تم اس کے سوا دن چھپے قلیوں کی اک فوج آئیگی ملک و نظر ان اشعار میں وہ حالت دکھائی گئی ہے جو آجکل کی ہے۔ لیکن اگر ہم اسی طرح سے بے خبر پڑے رہے تو عنقریب وہ زمانہ آئیوالا ہو جیکہ ہم کو کوئی قلیوں میں بھی نہ رکھیں گے۔

ہمارے بنائے وطن ملک کی نسبت حالت کو مدت سے دیکھ رہے تھے اور اسکی مداوا کی صورتیں سوچنے میں مشغول تھے کہ تقسیم بنگال کے مسئلہ نے میگزین کو چنگاری دکھادی۔ اس سرے سے اُس سرے تک آگ لگ گئی۔ سودیشی سودیشی کا غل جگایا یا بے کا ٹنگ ہونے لگا۔ ولایتی مال جلا یا جانے لگا۔ دیسی مال ڈکٹی اور چوگنی قیمت پر بیکنے لگا۔ جوش یہاں تک بڑھا کہ ننھے ننھے بچوں تک کے عجیب عجیب قصے سننے میں آتے ہیں۔ ہم کہ کاہلی ہمارا شیوہ اور کام کر بیٹوں کی مخالفت کرنا ہمارا شعار ہے ہم سودیشی تحریک میں کیسے شریک ہوئے اور اب تو وہ خودی بدرا بہانہ بسیار کا معاملہ ہو گیا۔ گورنمنٹ کی مخالفت کا نام نکل گیا۔ اب توسیعی و بیکاری کے لئے اچھا بہانہ بلکہ سرٹیفکٹ ہاتھ آگیا۔ اب اس طرف توجہ کرے ہماری بلا۔

اس میں شک نہیں کہ جس طریقے سے ہمارے بنائے وطن نے اس تحریک کو چلایا ہے وہ ضرورت سے زیادہ جوش اور ایک سرکاری حکم کی مخالفت کی آمیزش کی وجہ سے غلط اصول پر مبنی ہو گیا ہے اور یہ جوش خالص نیک نیتی پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے دیر پا نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں یا بے کاٹ کی تحریک نظریہ حالات زمانہ

اپنے پاؤں چلتی نظر میں آتی۔ کیونکہ ملک میں باہر کا مال آتا بند نہ ہوگا اور ملک سستا اور دلفریب مال لینا بند نہ کرے گا۔ غرض پولیٹیکل اکائی کی صریح مخالفت اس تحریک کو چلنے نہ دیگی غرض بائے کا ٹنگ سے انگریزوں کا کوئی نقصان نہ ہوگا ہمارا فرض تھا کہ ضرورت ملک کے لحاظ سے ہندوستان میں مال پیدا کرتے اور ولایت کے کارخانوں کو اپنی سستی مزدوری سے مات دیتے۔ آخر رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں ہمارا ہی مال بکنے اور ہماری دولت ہمارے ہی ملک میں رہنے لگتی۔ اگر سودیشی بحریک پولیٹیکس سے جدا کر لی جاوے اور استقلال کے ساتھ ملکی حرفت کو زندہ کیا جاوے تو ہندوستان کو یقینی فائدہ پہونچنے کی امید ہو سکتی ہے غرض جو وقت یہ غلطی دور ہو گئی اس تحریک میں دیر پا زندگی کی جڑ جم جائیگی۔ ہمارے اباؤں وطن کے سروں میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے وہ اپنی اس غلطی کو جلد ہی ہی معلوم کر لیں گے اور فوراً اصلاح بھی کر لیں گے۔ اور اس دوڑ میں بھی حسب معمول وہی بازی لے لے گا اور لیجاٹنگ۔ مگر ہم کہ اپنی خونے بد سے لاچار ہیں اسی طرح مثل بیدست و پابکار بیٹھے جیلے حوالے بناتے رہیں گے اور جو وقت ہمارے وطن بھائی اس میدان میں بھی گنجائش نہ چھوڑیں گے اور ہماری قوم کے لئے روزی کے سب رستے بند کر کے تان شینہ تک کو محتاج کر دیں گے اس وقت بھلا ہزار رسوائی ہم بھی ہاتھ پاؤں ہلانا چاہیں گے لیکن نتیجہ وہی ہوگا جو پیشتر سب تحریکوں کا ہو چکا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدرجہا بدتر۔ اس وقت اپنی حالت پر ہم پختائیں گے۔ لیکن پختانے سے کچھ نہ ہوگا۔ کیونکہ پھر پختائے سے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چک گئیں کھیت۔

ہماری اکثر اخبار نویس اور مدعیان لیڈری زبانی بہت کچھ دعوے کرتے ہیں کہ۔ آج نہیں بلکہ بیسیوں برس سے ہم دیسی صنعت کے معاون اور سودیشی کے دل سے خیر طلب ہیں اور بجائے خود اس میں کوشش کرتے ہیں لیکن چونکہ ہندوؤں نے اس مسئلہ کو ایک پولیٹیکل مسئلہ بنا دیا ہے اور تقسیم بنگال منسوخ کرانے کے واسطے شور و شغب ہے اس لئے ہم اس کے ساتھ اس کام میں شریک نہیں ہو سکتے مگر انہوں

بلکہ میں خیال کرتا ہوں یہ سب اس کے زبانی دعوے ہیں، اگر وہ بیسیوں برس سے سودیشی تحریک کے محرک رہے ہیں تو یہ بتائیں کہ اتنے عرصہ میں انھوں نے عمل کیا کر کے دکھایا۔ انہار کا دور خبیر کے لیے برس دو برس میں دو چار مضنون لکھ دینے سے نہیں ملتا یہ بتائیں کہ (۱) کون کونسی صنعت و صنعت کے مدرسہ جاری کیے؟ (۲) کتنے کارخانے کھولے؟ (۳) کتنے مسلمان لڑکے دیگر ممالک میں بلکہ ہندوستان ہی کے کارخانوں یا مدرسوں میں کام سیکھنے کے لیے داخل کرائے؟ (۴) کتنے وظائف اس تعلیم کے لئے منفق کیے؟ (۵) کس قدر جذبہ جمع کیا؟ ان سب سوالوں کے جواب سوائے نفی کے کچھ نہیں ہو سکتے۔ جب یہ حالت ہو تو کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی ملکی صنعت کے ہی خواہ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمیں طرح سے ہمارے ایتائے وطن سے اس سحر کیس کو پھیل رنگ دیکر چلا رہے ہیں اس طرح سے ہکو چلانا اور اس کے کارٹ میں شریک ہونا ناسیما اور مضید نہیں۔ مگر ابدال کے ساتھ زمانہ کا رخ بچا کر حفاظت خود اختیار کر کے طور پر اپنے کارگیروں کو تباہی سے بچانا اور اپنے بچوں کو صنعتی تعلیم دانا۔ یہ زمانہ کے قابل بنانا، کارخانہ کینیاں اور رنگ، کھونا کوئی جرم نہیں۔ یہ ملکہ قومی زندگی کے لیے نہایت درجہ ضروری اور لادبی ہے اگر اسی طرح سے چند سو خواب غفلت میں پرے رہے تو دیکھ لیتا کہ لاکھوں مسلمان خلابو کا گروہ جو وقت نہیں تو ایک بے فائدہ بی بی طرح اپنی حرفت سے اپنا پیٹ بھر لیتا ہو جا پانی اور امریکن سینڈ لومس اور قیاسیوں کی مقابلہ میں عاجز آکر ذائقہ نہ کے منہ ہستی سے معدوم ہو جائے گا۔ اور یہی حال دوسری صنعتوں کا ہے لیکن اگر گذشتہ واقعات کو دیکھ کر آئندہ کیلئے پیشین گوئی کی جا سکتی ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم سطرف ہرگز متوجہ نہ کیے ہیں ہمارے تمام صنعتیں اپنی اصل حالت سے سادہ و سخی طریقہ سے متوجہ ہو جاویں اور ہمارے کارگیر سب بھیک نہ مانگنے لگیں۔ اس وقت بیشک ہم جاگیں گے مگر کوشش کے لئے نہیں مگر اپنی قومی موت کا راگ گانے کے لئے

سنبلو کر نہ بتایاں طرح پڑ گیا، پھیل اور گوند جسے گنام و بے نشان ہیں فقط خاکسار غلام السطن

اسراف پر ایک نظر

تعلیم نازدہ گیر در علم معاش چیزے سوے خود میکش پیڑی می پاش
 علم الامتداد ایک نہایت مفید علم ہے۔ اسکے حصول اور صرف کے طرق و قوانین پر
 نظر عمیق ڈالنا۔ اور جو امور انسان کے لیے مفید ہیں۔ اونکو اختیار کرنا اور جو مضر ہیں۔ اونکی
 ضرر سے بچنا ایک دانشمند آدمی کا فرض ہے۔ جو شخص آمدنی اور خرچ کا خیال نہیں کرتا
 اور فضول خرچی کے پتہ میں گرفتار ہو۔ وہ طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہوتا۔ اور اپنا سہ
 جس میں اتنی فطرت سے نہیں دیکھا جاتا پس علم اقتصاد کے۔ سے خرچ کا درجہ آنے کی مقدار
 سے پست ہونا چاہیئے اور کس قدر پست ہونا چاہیئے۔ اس بحث کو کتب سیاست میں
 دیکھا چاہیئے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ گودولت کا حاصل ہونا۔ کسی کے اختیار میں نہیں ہاں
 کوشش و محنت اور وسائل جو زمانہ کے مناسب ہوں۔ انکا حاصل کرنا۔ اور خدا پر اعتماد و کلی
 رکھنا ان میں ضروری ہر سہ۔ لیس انسان الا ماسعی۔ من طریق سعی می آرم جبکہ
 اگر خدا نے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کسی کو دولت و مال عطا فرمایا ہو۔ تو ضرورت اور
 مقدم فرض یہ ہے۔ کہ اسکو صحیح مصرف میں لایا جائے۔ اگر مصرف ٹھیک نہیں ہو تو زوال
 و بال ہمار ثابت ہوگا۔

بہشتی سے ہماری قوم میں کچھ ایسے ناجائز مصرف اور مراسم مردیہ یوسئے ہیں۔ کہ
 بہت باہر ہوتے جاتے ہیں۔ جائدادیں بھٹکتی جاتی ہیں۔ افلاس رُو بہ ترقی ہے۔ لیکن ہمارے
 کان پر جوں تک ہمیں رنگی خواب خرگوش میں پڑے ہیں۔ اور خزانے لے رہیں ہیں۔ در سرت
 قویں زمانہ کارنگ و لیکر ترقی کے میدان میں سرگرم ہیں اور فضول باتیں چھوڑتے جاتے ہیں
 لیکن یہاں ”ہمالش در کاسہ“ ہے۔ ہمارے یہاں کی شادی۔ رندی۔ نکاح کے بغیر مکمل
 رہتی ہیں۔ فرض لیں گے سو در سو دیں گے۔ لیکن رندی۔ باجا۔ نقال ضرور ہنگوٹیں گے
 یہ صرف شادی ہی پر منحصر نہیں۔ بلکہ دیگر مراسم بھی ایسی فضول خرچیوں سے ادا کیے جاتے ہیں
 جنکے نتائج مضر ہر شخص کے پیش نظر ہیں۔ لیکن اخلاقی جرات کا مادہ ہم سے سب ہو چکا ہے۔

اور نام و نمود پر مٹے جاتے ہیں۔ اور فضول خرچی کے سبب قرض پر قرض لیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ روٹی کا سہارا بزرگوں کے طفیل سے باقی تھا وہ بھی ضائع و برباد ہو گیا۔ اب بچاری اور ادا و بسبب فقدانِ علم و ہنر فقر و فاقہ میں مبتلا ہے۔

پیش کش کے کہ دست طلب کردہ دراز پُل بستہ کہ گزری ازا بروئے خویش جس قوم کے افراد ایسے نفوس رکھتے ہوں۔ اگر افلاس و ادبار کی بھر مار ادنیٰ ہو۔ تو کیا بچا ہو۔ ان اللہ لا یغیر ما یقیم حتی یغیر و اہل انفسہو یہ جو کچھ ہوا ہے۔ صرف اپنی ناعاقبت اندیشی۔ اور کوتاہ فہمی کا ثمرہ ہے۔ بلکہ اگر بنظر تعمق و انصاف دیکھا جائے تو احکامِ خدا و رسول کے خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔ شریعتِ طاہرہ ایسے مفید۔ سہل۔ آرام دہ اصول پر مبنی ہے کہ اگر ہم انکی پابندی ایمان داری سے کریں۔ تو دین و دنیا ہماری سنور جائے۔ جنابِ سید المرسلین (روحی فدا) کو ایسے شریعتِ جامعہ عطا ہوئے ہی۔ جس میں ہر ایک ضروری امر کی تعلیم اور آدابِ بوجہ اتم و اکمل و احسن مذکور ہیں۔ اگر تمام عالم اُس پر عمل کرے تو کچھ ضرر و نشتاد پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سراسر فوائد ہی حاصل ہونگے۔ اسلام کی تعلیم جمیع امور دینی و دنیوی پر حاوی ہے۔ آنحضرت صلم نے عبادات و معاملات کے بارے میں ایسے جامع اور مکمل احکام صادر فرمائے ہیں۔ کہ ایسے یا اتنے بہتر کسی ملت میں نہیں پائے جاتے۔ اور یہ معجزہ حضور کا ایسا عظیم الشان ہے کہ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ الحاصل معاشرتِ شخصی و قومی و ملکی و دیگر جزئیات کی تفصیل کو ترک کر کے اس مقام پر صرف اموال پر چند آیاتِ قرآنی کی تفسیر کروں گا اور موقع موقع پر ان نفوسِ طاہرہ کے اقوالِ زرین سے اپنے کلام کو زینت دوں گا جگہ جگہ قرآن مجید اُترائے۔

آیت اول | وَالَّذِينَ إِذَا انْفَقَوْا لَمْ یَسْرِ فَوْلاً یَقْتِرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا۔ (سورۃ الفرقان۔ پارہ) (ترجمہ) حق تعالیٰ عبادِ مخلصین کی صفات میں فرماتا ہے۔ اور وہ لوگ نہ حد سے گزرتے ہیں اور نہ تنگ کرتے ہیں اور ہوتا ہے انکا خرچ کرنا درمیان انکے معتدل کہ جس میں نہ تو بجا خرچ کرتا ہو۔ اور نہ بخلی ہو۔ بلکہ وہ خود بھی کھائے۔ اور غیر کو بھی کھلائے اور بنا ہی اس قدر خرچ نہ کرے کہ بگڑ جائے۔ اور تنگ دست ہو جائے۔ اگرچہ وہ نیک کام میں ہو۔

قول ثانی

تمی نے لکھا ہے۔ کہ ”اسراف“ تو وہ ہے کہ جو گناہ میں خرچ ہو۔ اور بخلی وہ ہے ”اقتار“ کی کہ حقوق خدا کو ادا نہ کرے اور ”قوم“ وہ ہے کہ جس چیز میں خدا کا حکم ہے اُس میں خرچ کیے

قول جناب رسول خدا صلعم

فرمایا حضرت نے۔ کہ دنیا غیر حق میں اسراف ہے۔

اور منع کرنا حق سے ”اقتار“ ہے۔

قول جناب صادق

فرمایا کہ اسراف وہ ہے۔ کہ جس سے مال بیکر جائے

اور بدن کو ضرر کرے اور اقتار کو فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ تو روٹی کو نمک سے کھائے۔ اور مقدور اس سے زیادہ کھائے گا رکھتا ہے۔ اور قوام سے مراد یہ ہے کہ کبھی گوشت کھائے۔ اور کبھی شیر کھائے۔ اور کبھی سرکہ کھائے۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے۔ کہ سنگریزوں کی مٹھی بھر کر سب گرا دیے۔ اور فرمایا۔ کہ یہ اسراف ہے۔ اور دوسری مٹھی بند کر لی اور فرمایا۔ کہ یہ اقتار ہے۔ اور تیسری مٹھی بھر کر کچھ مٹھی میں رکھے اور کچھ گرا دیے۔ اور فرمایا۔ کہ یہ قوام ہے۔

فرق میان سرف و تبذیر | اور بعض حکما کا قول ہے۔ کہ سرف مقدارِ حقوق سے جمالت کا نام ہے۔ اور تبذیر مواقعِ حقوق سے لاعلمی کو کہتے ہیں۔

مذمتِ شح

حضرت صادق ع نے فرمایا۔ کہ شح بخل سے زیادہ سخت ہے اس واسطے کہ بخل تو اس چیز سے بخل کرتا ہے۔ کہ جو اُسکے پاس ہے۔ اور شح وہ شخص ہے۔ کہ جو بخل کرے۔ اس چیز سے جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو کچھ اپنے پاس ہے۔ یہاں تک کہ نہیں دیکھتا ہے لوگوں کے ہاتھوں میں کسی چیز کو مگر آرزو کرتا ہے۔ کہ یہ سب میرے پاس آجائے۔ اور میرا ہی مال یہ بھی ہو جائے۔ خواہ بوجہ حلال۔ خواہ بوجہ حرام اور قناعت نہ کرے اُس پر کہ جو حق تعالیٰ نے دیا ہے۔ فرمایا حضرت نے کہ بچو تم شح سے اس واسطے کہ پہلے تمہاری آدمی اسکی جہت سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ کہ شح اور ایمان میں کے دل میں جمع نہیں ہوتے۔

عہ تفسیر عمدة البیان عہ کتاب آداب الدنیا والدین۔

حکایت نوشیرواں نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ کیا چیز آدمی کے واسطے بد ہے ؟
کہا کہ مفلسی ۔ نوشیرواں نے کہا کہ بخل زیادہ بد ہے ۔ اس واسطے کہ مفلس فقیر ہو تو قیام مال
کو پائے تو فراخ دست ہو جائے ۔ اور بخیل ہرگز قرض دل نہ ہوگا ۔!

قول جناب رسول خدا صلی علیہ وسلم فرمایا کہ میری امت کے لوگ تین قسم کے ہیں۔
طبقہ اول ایک تو وہ ہیں کہ مال کے جمع کرنے پر رغبت نہیں رکھتے اور اُسکے جمع کرنے
میں کوشش نہیں کرتے۔ اور دنیا میں موافق سدر حق کی حاصل کرتے ہیں۔ وہ لوگ تو وہ
ہیں کہ خلیع حق میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہو ولا خوف علیہم ولا هم یحزنون ۔

طبقہ ثانی دوسرا فرقہ میری امت میں سے وہ ہیں کہ مال کو دوست رکھتے ہیں۔ اور بوجہ
حلال اُسکے جمع کرتے ہیں۔ اور کار نیک میں موافق حکم شرع کے اسکو خرچ کرتے ہیں۔ اور محتاجوں
اور مفلسوں کو دیتے ہیں۔ وہ لوگ حساب اپنے اپنے مال کا اور کمائے اور خرچ کرتے کھانچے
اور بعد اسکے اگر محتاج نہ کیا جائے۔ تو عتاب کیا جائے۔ اور اگر سناٹ کیا جائے۔ تو ہشت
میں اونکو جگہ دیکھا جائے۔

طبقہ ثالث اور تیسرا فرقہ وہ ہے کہ کل مال کو دوست رکھتے ہیں۔ حلال ہر یا حرام
اور حلال و حرام دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ اور خدا نے تعالیٰ سے حقوق میں جو کہ واجب کیے گئے
ہیں خرچ نہیں کرتے۔ اور بیکار خرچ کرتے ہیں۔ اگرچہ نہیں کرتے تو خلیع اور مال کے جمع
کرنیکی نسبت سے خرچ نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا مالک ہوئی ہے اونکے دلوں کے
بالوں کی۔ یا مٹا۔ کہ اونکو بسبب گناہوں کے دوزخ میں داخل کیا۔
ذکرہ بالا احادیث سے مال کے متعلق جو احکام ہیں۔ اونکو نظر غور سے پڑھنا چاہیے۔
آیت دیگر۔ قدرت اسرار و تدبیر میں فرمایا۔

ذات اسرار و جہتہ فی المسکین والفقیرین
وہی سبقتیہ ان المیزان کا توازن اور مساوی کہ وہ خرچ کر تو بچے بچا بقوت یا خرچ کر نہ
اخلاق الشیاطین کا ان الشیطان لہر بل کہوں کہ وہ بجائی میں شیطانی اور شیطان اپنے اظہر دکان اکر کرنا

عہ صراط مستقیم۔

اس آیت میں پہلے خرچ کرنے کے مقامات بتلائے ہیں۔ بعد اسکے فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔ اور فضول خرچ کر نیوالوں کو شیطانوں کا بھائی قرار دیا ہے۔ اور پھر اسکی وصیعی بیان فرمادی۔ کہ شیطان اپنے پروردگار کی واسطے کفر کر نیوالا ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے۔ تو معلوم ہو جائے۔ کہ حق تعالیٰ جسکو نعمت و دولت و کنائش رزق عطا فرمائے۔ اور وہ اسکو صرف بجا میں تلف کر دے۔ یہ بڑی کفران نعمت کی بات ہے۔ اسی سبب سے صرف بجا کر نیوالوں کو حق تعالیٰ نے شیطان کا بھائی فرمایا ہے۔ کہ اُسے بھی بہت بڑا کفران نعمت کیا۔ کہ پہلے یہ سبب کثرت عبادت و ریاضت مقربان درگاہ الہی میں سے تھا۔ اور پھر نا فرمانی و کفری کر کے راندہ درگاہ ہو گیا۔ اور سب نعمات کو ضایع و برباد کر دیا۔

آیت دیگر۔ اعتدال سے خرچ کر نیک طریقہ کہ عین سخاوت ہی یا بالغ وجہ بیان فرمایا۔

ولا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل السبط فتفعل ملو فأعسر	ترجمہ نہ کر تو اپنے ہاتھ کو بندھا ہو اطرت اپنی گردن کے اور نہ کھڑکے اسکوا نکل کھڑکے لینا پس بیٹھے گا تو ملامت کیا ہو ایشیان۔
--	--

ظاہر ہے کہ جب اپنا کل مال و متاع خرچ کر ڈالے گا۔ اور اسکے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا تو پھر جو کوئی سائل یا صاحب احتیاج آوے گا۔ تو اُسے کیا دے گا۔ اور سوائے ملامت اٹھانے کے اور حسرت و افسوس و پشیمانی و ندامت کے کیا نتیجہ ہوگا کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے

چوں تیشہ مباحث جملہ بر خود مترس
چوں زندہ مباحث جملہ آں محرزش
تعلیم زارتہ گیر در علم معاشش
چیزی سوئی میکش چیزی می پاشش

آیت دیگر۔ کلوا و اشربوا ولا تسرفوا۔ اذله لا يحب المفسدون۔ سورہ اعراف جزو ہفتم	ترجمہ کھاؤ۔ پیو اور حد سے نہ گزر۔ تحقیق کہ اندر میں دوست رکھتا حد سے گزرنے والوں کو۔
---	--

اس آیت وافی ہدایہ میں باوجود ایجاز و اختصار و ذلت الفاظ کے تیس علموں کی تعلیم فرمائی ہے

۱۔ صراط المستقیم۔

اعتدال سے خرچ کر نیک طریقہ کہ عین سخاوت ہی یا بالغ وجہ بیان فرمایا۔

علم معاش - علم طب - علم دین - اور ظاہر ہے کہ کوئی بخوبی دنیا و آخرت کی باتوں علموں سے باہر نہیں ہو سکتی - بیان مختصر اس تعلیم کا یہ ہے :-

کہ اسراف کو لغت میں معنی کئی ہیں - بے انداز و بے محل و بجا خرچ کرنا - اور حد سے گزر جانا اور غیر اطاعتِ خدا میں خرچ کرنا - اور ایسی چیز کا کھانا - کہ جو حلال نہ ہو -

پس اگر اکل و شرب کے معنی عام طور پر خرچ کرنے کے لیے جائیں - جیسا کہ اردو زبان میں خوب نے پینے کے بھی معنی مستعمل ہیں - مثلاً جو شخص کہ بہت سارے پیسے خرچ کر ڈالتا ہے - اس کو کہتے ہیں کہ فلاں شخص اتنا روپیہ کھا گیا تو لا تر فوسے عام طور پر چار اخراجات میں زیادتی کرنے کی ممانعت ثابت ہوگی - اور کلو او اشروا میں جو کھانے پینے کا حکم فرمایا علم معاش ہے - اس سے بخل کی ممانعت نکلے گی - اس لیے کہ بخل نہ کھا سکتا ہے

وہ مقام مناسب میں بھی خرچ کر سکتا ہے - پس بخل اور صرف بجا کے ممانعت اور اعتدال سے خرچ کرنے کا حکم ثابت ہو گیا - اور یہی علم معاش ہے -

اور اگر اکل و شرب سے معنی خاص مراد لیے جائیں فقط غذا کا کھانا - اور پانی کا پینا تو لا تر فوسے اس کی زیادتی کی ممانعت ثابت ہے - اور ظاہر ہے کہ اکثر عوارضِ غذا کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں - حدیث شریف میں آیا ہے - المحدثات الداع والحمیۃ علم طب - اس الداء - مہدہ گھر ہے بیماری کا - اور پیرمیریز تاسہ و اسب و اوڈ کا اور کلو او اشروا سے اعتدال سے کم کھانے کی ممانعت بھی نکلتی ہے - کہ وہ بھی مورتِ امراض ہے - پھر جو شخص کہ اعتدال سے کھائے پیئے گا - وہ صحیح و تندرست رہے گا - اور یہ علم طب ہے -

اور اگر اسراف کے معنی غیر اطاعتِ خدا میں خرچ کرنے اور حرام چیز کے کھانے اور علم دین حد سے گزرنے کے لیے جائیں - اور کلو او اشروا کے عام معنی اسکے ساتھ ختم کیے جائیں - مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص سود کھاتا ہے - اور فلاں شخص رشوت کھاتا ہے اور مالِ حرام کھاتا ہے - لا تر فوسے کل محرماتِ شرعیہ کی ممانعت اور کلو او اشروا سے کل درجات کی اجازت ہوگی - اور یہ علم دین ہے -

اور بعض کہتے ہیں کہ راہ اسراف سے کھانا اور پینا بعد سیر ہونے کے اس کی تشریف مذکورہ میں مراد ہے۔ کہ پیٹ کھانے سے پرہیز رہا ہے۔ اور بعد اسکے پھر کھانا کھائے۔ جو کہ موجب ضرر ہے۔ خباب صادقؑ فرماتے ہیں۔ کہ تین چیزیں جسمیں ہوں۔ خدا نے اُسکو دشمن رکھتا ہے۔ اول جو شب بھر سوتا رہے۔ اور بیدار نہ ہو۔ دوسری سہمی جو غیر محل تعجب میں ہو۔ تیسرے ہنگام سیری میں کھانا۔

حضرت موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں۔ کہ اگر لوگ طعام میں میانہ روی اختیار کریں تو ہمیشہ انکا بدن صحیح رہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ کہ اے بنی اسرائیل! جب تک تمکو بھوک نہ لگے۔ نہ کھاؤ اور پیٹ بھر کے نہ کھاؤ۔ جب خوب سیر ہو کر کھاؤ گے۔ تو تمھاری گردنیں اور پہلو فریبہ ہونگے۔ اور اپنے خدا کو تم بھول جاؤ گے۔

جناب امیر علیہ السلام کی طرف جو اشعار منسوب ہیں۔ انہیں سے بعض اشعار کا مضمون یہ ہے۔ کہ اگر تو کھانا کھائے۔ تو کم کھانا کھا۔ یعنی سیر ہو کر مت کھا۔ اور بعد کھانے کے دوسرے کھانے سے پرہیز کر۔ جب تک کہ پہلا نہ ہضم ہوئے۔ اس واسطے کہ شفا کھانے کے ہضم ہو جانے میں ہے۔ اور کوئی شے آدمی کی واسطے ایسی مضر نہیں ہے۔ جیسے کہ کھانے کے بعد کھانا ہے۔ کہ پہلا کھانا ہنوز ہضم نہیں ہوا۔ پھر اور کھانا کھالیا ہو۔

اب میں اس مضمون کو چند احادیث (جو کہ مضامین حکمیہ اور معاشرت کے اصول مفیدہ پر حاوی ہیں) کے ترجمہ پر ختم کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں۔ کہ ہماری قوم کی اہل دہل خصوصاً وہ نوجوان تعلیم یافتہ جنٹلمین جنکے دماغ علوم جدیدہ سے منور ہو چکے ہیں۔ اور مغربی ملبوس اور فرنیچر اور طرز معاشرت کے دلدادہ ہیں۔ ”کلوا واشربوا“ ہی کے سامان سے اپنی کوٹھی۔ بنگلوں کی آرائشی نفرمائیں گے۔ بلکہ ”لا تسرفوا“ پر بھی عامل ہونگے۔ جو ایک قسم کا شکر یہ نعمات الہیہ ہے۔

اگر حضرت صادقؑ نے فرمایا۔ کہ مال جو آدمی کے پاس ہے۔ وہ خدا کا مال ہے اور

امانت ہی آدمی کے پاس اور اجازت دی ہے کہ اس کو کھائے۔ اور یہ اسمیں سے
میانہ اور باس پہنچتا ہے۔ اور نکاح کرے میانہ اور سواری رکھے میانہ۔ اور چوڑے سوار
ہے۔ وہ فقرائے مومنین کو دیوے۔ اور اپنی پریشانی کو اس مال سے دفع کرے۔

پس جو شخص ایسا کرے گا۔ اُسے حلال کھایا۔ اور حلال پیا۔ اور مال ملی ہوا۔ اور
نکاح حلال کیا۔ اور سواری حلال پر سوار ہوا۔ اور سوار کے اسکے جو بھوکے چلے۔
وہ حرام ہے۔ یہ اس واسطے ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ”اِنَّهُ لَا يَحْبِبُ الْمُسْرِفِيْنَ“
وہ سری حدیث میں فرمایا۔ کہ جبکہ پاس کھانا اٹیکن کا ہو۔ اور پھر وہ آدمیوں
سے سوال کرے۔ تو وہ مسرفین میں داخل ہے۔ اور پھر اس کا بھی تکبر کے

قد سے اسراف ہے۔ اگر بوزن کوہ اور سونا طاعت خدا میں صرف کرے تو وہ اسراف
آخر اسراف نہیں ہے۔ اور اگر ایک درہم خدا کی نافرمانی میں خرچ کرے تو وہ اسراف ہے
اسی طرح دیگر معاملات میں بھی غور کریں۔ تو تجارتی قوم۔ اس مرض اسراف میں مبتلا پائی
جائے گی۔ اسکا علاج صرف یہی ہے۔ کہ حکماء نے ربانی اور اطباء کی روحانی کے ذریعہ
سے جو نسخے اس مرض صعب کے دفعیہ کے واسطے ہم تک پہنچے ہیں۔ اسے علاج
کیا جائے۔ تو یہ اور ایسے ہی دیگر امراض ساری سے نجات ملے گی۔ ورنہ مرض تو مزمن
ہو چکا ہے۔ اگر غافل رہے۔ تو نتیجہ بجز تباہی و بربادی اور کیا ہوگا۔ اللھم الحفظ
پس اہم فرض یہ ہے کہ ہر شخص فی فہم موجودہ زمانہ کی رفتار کو پیش نظر رکھے۔ دس
مع الدھر کیف ما دلس اور وہ وسائل و ذرائع مہیا کرنے چاہئیں۔ کہ جسے موجودہ
آفات البیت اور جائدادیں محفوظ رہیں۔ صرف محفوظ رکھنا قابل تحسین نہیں۔ بلکہ اسکو ترقی
کے معراج پر پہنچانا اور نیک مصرف میں خرچ کرنا لائق تعریف ہے۔ جس کا مقررہ
عمدہ مرتب ہوگا۔ اور ہم حضوں میں عزت و آبرو کی زندگی بسر ہوگی دین و دنیا میں سرخرو
رہیں۔ ہم خرم و ہم ثواب۔ واللہ ہادی الی سواء السبیل

غلام علی خاں۔ اور سیریتا پور

نوٹ۔ ایسے مضامین کی لحاظ سے قابل تقدیر۔ اول تو ایسے کہ لوگ اسلام کی گہری

تعلیم سے بجز نہیں اونکو معلوم ہوگا کہ اسکے لئے اصول کس قدر جامع اور گہرے ہیں۔ اگرچہ
عوام کی نگاہوں کے سامنے پردے پرے ہیں۔

دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نظام سبک، لیڈان جو سمیات پر عمل کرنے کو دین سمجھ لیتے ہیں
وہ مذہب، اسکے کس قدر سلی اور محدود سنی لیتے ہیں۔ اور جب عمل اخلاق سے پہلوتی
کرتے ہیں تو اپنے اوپر اور اپنے مذہب پر ظلم کرتے ہیں، فقط ایہ میر۔

نارضا مندی کی شادی

نہایت افسوس کی بات ہے۔ کہ شادی جیسی مفید ضروری شے کہ جب یہ مرد و عورت
کے تعلقات زندگی کا سارا دار و مدار ہے۔ اور جسکے بارے میں رسول مقبول صلعم کا یہ
حکم ہے ”النکاح مہیبتی من رغب من متی فلیس منی“ کے انتخاب کا اختیار رسم و رواج
بچھین کر دوسروں کو دیدیا ہے ایسی کارروائی کے نتیجے کبھی قباحتوں سے خالی رہ سکتے ہیں۔
کہ ذمہ داری کسی کی۔ اور اختیار کسی کا۔ اگر کوئی شخص اپنی پسند سے شادی کر لیتا ہے تو وہ
سوسائٹی میں نکو بنایا جاتا ہے وہ لوگ جو اس اختیار پر عصباً قابض ہیں صرف دل سے
ریخہ ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے دل کا بخار شادی کو نوالے کی تفحیک دوسروں کے سامنے
کر کے نکالتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جسکے ساتھ جنم کا سودا ہے۔ عقل ضرور اس بات کی مقفی
ہے کہ اس سودے کی خریداری دیکھ بھال جانچ پڑتال کے بغیر پسند کے موافق کیجائے
نہ کہ برعکس سودا کرنے والے کو ناخلف کا خطاب دیا جائے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ہماری قوم کی عقل پر یوں ایسا گہرا پڑا پڑا ہے جبکہ وہ اس سم
کی قباحتوں اور مضرتوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہی ہے۔ اور قانون سنہ سن سی جرم
اپنی حد معلومات میں بہتری مثالیں ایسی رکھتے ہیں کہ جنکی شادیاں اسکے والدین سے
یا وجودنا پسندیدگی کا علم ہونیکے۔ اپنی خواہش کے مطابق کر دیں جنکا نتیجہ جو ہوتا تھا وہ
ہوا۔ میاں بیوی میں کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ بلکہ اکثر ایسا ہوا کہ میاں نے تو اپنا جھکا نا کسی

دوسری جگہ لگایا اور اپنا دل کسی دوسرے سے لایا۔ باقی بیوی بچاری جنم میں دیکھ سہتی رہی اور سہاگن ہو کر رٹا لپے کی نصیبتیں جھیلتی رہی۔ یہ سب ماری۔ سم سنا یہ بھی احتیاط نہیں دیا تھا کہ وہ بھی اپنے دل کا مالک کوئی دوسرا ہو کر رہے۔ اولاً تو ہر باب کا یہ فرض ہو کہ کم نہ کم خود اور نہیں تو احباب کے ذریعے سے بیٹے کا استخراج قبل تقدیر بہت کے ضرور ملے لیا کرے۔ چہ جائیکہ بیٹے کی تاریخ مندی ظاہر ہو جائے۔ یہ بھی اپنی پسند کو ترجیح دے ایسا کرنا بالکل سرفراز ظلم ہے۔ جتنی دوسریک نظر دوزائی وہ امن وہ تسلی وہ خوشی جو بیاہ کا مقصود ہے کسی ایک آدمی کو نصیب ہوتی ہوگی اور بات یہ ہے کہ ہو تو کیونکر جا رہے ہیں ان کا بیاہ کیا ہے کہ اندت کا نشانہ ہے لگا تو تیر نہیں تو نہ۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ایسے دو امتحان جسکی طبیعت جدا۔ مزاج الگ۔ خصلت علیحدہ۔ محض اجنبی۔ نہ کبھی کی جان نہ پہچان۔ نہ ایک نے دوسرے کی حالت و مزاج کی کبھی تفتیش و تحقیقات کی۔ صرف اہل پر والوں کی تجویز سے ملا دیئے جلاتے ہیں۔ اب وہ شیر و شکر سالیں تو اوٹکی قسمت اور تیل پانی کا سالمیں تو اوٹکی تقدیر۔ بھلو تو بعض ایسی مثال بھی معلوم ہے کہ عورت جو محض مجبور اور شرم کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے اور اپنی قسمت کے فیصلہ کا بہت کم اختیار رکھتی ہے یا وہ کسی ذریعہ سے اپنے اظہار ناپسندیدگی کرنے پر بھی اجمل ویے رحم کے پلے ڈال دی گئی ہے اور آخر اس کو اپنی جان دینی پڑی ہے۔

بہت سی رسوم کی بنیاد اسوجہ سے جڑ بکڑے ہوئے سب کہ وہ مذہبی ماننے میں داخل لی گئی ہیں۔ اس بنا پر ہم مذہبی عزیز لگا کر جو دیکھتے ہیں تو کچھوصاف نظر آتا ہے کہ ہم سرگز نہیں شادی کے معاملے میں والدین کی اطاعت پر مجبور کیے گئے ہیں۔ اور والدین کو ایسا اختیار دیا گیا ہے۔ شرعاً یہ جائز ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہے اسکا چہ اول دیکھ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے، «الظن والوخذ والخیظن» یعنی دیکھو اور اون میں سے اچھی پسند کر لو، ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں نلاں عورت سے شادی کرنی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے جا کر اسکو دیکھ آؤ (سنن ابن ماجہ باب النکاح)۔

یہاں پر یہ اعتراض عالم ہو سکتا ہے کہ پردہ جو ایک ضروری شے ہندوستان کے لئے ہے اُسکے قیام کی حالت میں تحقیقات کا راستہ ملنا نہایت مشکل ہے۔ بیشک یہ سچ ہے لیکن آدمی اگر درپے نفسیتیں مروت بہت کچھ کر سکتا ہے۔ مگر پہلے انتخاب کا تاجا بڑا اختیار رکھنے والے اس اختیار کو اصل حقدار کے حوالے تو کر دیں پھر دیکھیں کہ وہ آپ اپنی کوئی دوا نکالتے ہیں یا نہیں اگر نہیں نکالیں گے یا بعد شادی کوئی شکایت پیش کریں گے یا زوجین میں اتفاق پورا نہ ہوگا تو حار الزام اُنکے سر آئیگا۔ اور اُسوقت ہم آپ کو سب کچھ کہنے اور ملامت کرنے کا حق یہیگا۔

پابندی رسم کی بدولت ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کتنی برائیاں پھیلی ہوئی ہیں کتنی آفتیں نازل ہو رہی ہیں۔ پھر بھی لوگ اسکا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ ایک شادی ہی ہے کہ جس سے غرض خانہ آبادی بے گمراستہ اسکے ہاتھوں خانہ آبادی کے عموں خانہ ویرانی ہو رہی ہے۔ محبت جو شوہر اور بیوی کے درمیان ایک لازمی شے ہے۔ زمانہ میں مشہور ہے۔ مگر ہم اسکا برعکس دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو مہیاں غم کھا کر گھلے جاتے ہیں اور دوسری طرف بیوی کوڑھی جا رہی ہے۔ نہ یہ خوش نہ وہ شاد پھر گھر ہو کس طرح آباد آخر کیوں؟ اسے خانہ برانداز بننا وستانی رسم پر سب گئی تیرے کھلائے ہوئے ہیں۔ اور یہ سب فتنہ و فساد تیرے پر پائے ہوئے ہیں۔ نہ معلوم تو نے اپنی صورت پر کون سی جڑی کا پوڈر مل لیا ہے کہ باوجود تنہائی و بربادی لوگ تیری پرستش سے باز نہیں آتے۔ نہ معلوم تنہا کون سا جادو نہر معلوم ہے کہ باوجود مضرت و نقصان لوگ تیرے دام فریب سے نہیں چھوٹنا چاہتے ہیں مگر یاد رکھیں تیرے بچاری کہ وہ اُسوقت تک نہیں پھینکے۔ جب تک کہ تیرا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور اپنی حالت کی اصلاح نہیں کریں گے فقط ابو الکمال عبدالحکیم دسنبوی۔

نوٹ اگر کوئی صاحب اس مضمون کے غلات رائے رکھتے ہوں۔ تو وہ بھی متاثر ہوگی بشرطیکہ طویل یا غیر محذب نہ ہو فقط ایڈیٹر۔

ہماری ترقی کس طرح ہوگی

اس مسئلہ پر کہ دنیا میں انسان کی پیدائش سے کیا غرض ہے، اور اس کا اس جہان میں کیا کام ہے۔ بہت کچھ خامہ فرسائی کی گئی اور قدیم زمانہ سے حکما اور فلاسفہ کچھ کچھ اسکے متعلق لکھتے آئے ہیں۔ ہر ایک کی کچھ نہ کچھ رائے اسکے متعلق قائم ہوئی ہے، غرض جتنے منہ او تنی باتیں ہو گئیں۔ ان مذاہب و مکتبہ کی تعداد جو متعدد حکما اور فضلا کی رایوں کا مجموعہ ہیں قریب دو سو انتہائی سے ہیں۔ ہر ایک سے مہتمم بالشان مذاہب تین ہی ہیں اور تین کو ان تمام رایوں اور مذاہب کی جزا اور اصل اصول کہنا چاہیے کیونکہ باقی انہیں کے فروعات ہیں۔ ان تینوں مذاہب کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

”پسکیو وینیم“ اسٹوٹنرم “پلائونیزم“ پہلا مذہب ایکو کی طرف منسوب ہے اسکی رائے کا ماحصل یہ ہے، کہ انسان کو اپنی تمام تر توجہ لذات جسمانی کے حاصل کر لینا صرف کر دینی چاہیے اسکی ہر طرح کی کوشش اپنی جسمانی راحت کے لیے ہونا چاہیے اسکا فرض اس عالم میں اسی قدر ہے کہ کھائے پیئے عیش و آرام سے بسر کرے اور چلتا ہو انکے نزدیک روحانیت کوئی شے نہیں اور اس خط میں بڑا گناہ عظیم ہے، دوسرا مذہب نیوں کی طرف منسوب ہے فریوں کا خیال پہلے مذہب کے بالکل مخالف ہے اس عالم میں اسکے نزدیک راحت و لذت موجود ہی نہیں کہ جسکی طرف کوئی توجہ منعطف کی جائے۔ بلکہ دنیا دارالمنہج اس میں حقیقی راحت نایاب ہے اس کے نزدیک انسان کا کام یہاں ریاضت جسمانی اور نفس کشی ہے اسنے اپنے پیروں کو یہ تعلیم دی تھی کہ حقیقی راحت یہاں معدوم ہے لہذا یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں ہے کامیاب ہی شخص ہے جو موت و زندگی یہاں برابر سمجھے چنانچہ اس قسم کے واقعات تاریخ میں بچا سوں ملیں گے کہ ذینوں کے بہت سے پیروں نے خود کشی کر لی اور ہنسی خوشی اپنی جان دیدی گویا اپنے زعم میں وہ نجات ابدی کے مستحق ہو گئے، تیسرے مذہب کا بانی مابانی افلاطون ہے اسکا خیال یہ ہے کہ سعادت حقیقی اس میں ہے کہ

انسان اپنی تمامہ توجہ سائنس یا فلسفہ کے پڑھنے میں صرف کر دے اور اپنی قوت عقلمیہ کے نتائج سے فیضیاب ہو۔ جسمانی ضروریات کی طرف زیادہ توجہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ فانی چیز ہیں اور فانی قابل توجہ نہیں ہیں۔ ان حکما کی رایوں میں خود اس قدر اختلاف ہے اور ان کے اقوال اس مسئلہ میں اس قدر مستعاد ہیں کہ کوئی قول فیصل اختیار کرنا سخت دشوار امر معلوم ہوتا ہے انہیں سے کوئی مدد سبب لیا جاوے اور اس کی پابندی کی جائے تو بہت بہت ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ منسانی نیچر کے بالکل مخالف ہے۔ بلکہ طریقہ وہ اختیار کرنا چاہیے جو معتدل ہو اور تکلیف مالا یطاق کے مرتبہ پر نہ پہنچا ہو مہار ا تو اصول یہ ہے کہ لا یتکلف اللہ نفسا الا وسعها کچھ ہم اپنے اس اصول کے خلاف کیوں غلط آد کر رہے ہیں کہ سب سے پہلے انسان کے نیچر پر نظر ڈالنا چاہیے اور اسکے بعد کہو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی فطرت کس چیز کا تقاضا کر رہی ہے۔ بلکہ وقتاً کی طرح محض ہم پرستی اور ظن سے کام نہ لینا چاہیے بلکہ یقین و توثیق کے ساتھ دلائل حسیہ سے اپنی رائے کا اثبات کرنا چاہیے۔ انسان پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اسکے جمادات حیاتی یا تنازعات بقائی میں دو بڑی قوتوں کو اس پر مسلط پاتے ہیں جو اس سرعت کے ساتھ ہکا بھکا رہتی ہیں۔ پہلی محرک قوت جسمانی ہے اور دوسری روحانی ہے اسکے جسمانی بداعث اس کو اپنی مادہ جسم کی حفاظت پر مجبور کر رہے ہیں خواہ وہ شخصی ہو یا نوعی یا کسی حیثیت سے ان دونوں سے متعلق ہو دوسرا بداعث یا محرک روحانی علم و حکمت کی حاجت کا احساس ہے جس پر انسان کے وجود و بقا کا انحصار ہے۔ یہی دو محرک ہر مادی اور روحانی ترقی کے سبب ہیں جو انسان حاصل کر چکا ہے یا آئندہ چکر حاصل کرے گا۔ نیچر نے ان دونوں عاملوں کے آثار کو اس طرح باہم ملا دیا ہے اور ان دونوں کا تعلق اسی طرح رکھا ہے کہ یہ قریب قریب لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی متمدن قوم ایسی ہوئی ہے کہ اس نے مادی ترقی بغیر علمیت کی مدد کے حاصل کی ہے یا کوئی ایسا ملک بتلایا جاسکتا ہے جہاں کے باشندوں نے بغیر مادی ضروریات کی طرف توجہ کیے ہوئے علم و فضل میں کمال حاصل کیا ہو۔

کیا وہ خصوصیات جسکی بدولت انسان کو حیوانات پر ترجیح ہے بغیر مادیات کی طرف توجہ کیے ہوئے حاصل ہو سکتے ہیں نہیں کبھی نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنی توجہ مادیات ہی

ہٹالیہ، درجہ کیا ان لوگوں کی حالت ہمارے پیش نظر ہر جنہوں نے تو اس نفلت سے کام نہیں لیا
 کیا وہ آج پر وہ گم نامی میں نہیں پوشیدہ ہیں۔ کیا اسکو کوئی عقل سلیم جائز تصور کرے گی کہ گنہگار
 اقوام میں ربط ضبط کیلئے تو ذرا رنج و ستیاب ہوں اور ایک قدم ایسی حالت میں چھوڑ دی
 جائے کہ اسکو دوسری قوموں سے منہ کیلئے مدت مدیدہ رکھ دیا جائے کہ ایک ملک سے ہٹ کر
 ہو اور اسکے باشندے کھاتے پیتے ہوں اور دوسرے ملک والے بھوکوں مر رہے ہوں
 کوئی اچھی بات ہے نہیں کہی نہیں۔ اگر مادی کا مادی قابل توجہ مقصد انسانی نہ ہوتا تو
 انسان میں اسکی ضرورت کا احساس ہی کیوں پیدا کرتا۔ اور پھر اس تشنگی کے بجھانے کے
 سامان کیوں مہیا کرتا۔ انچکھ کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے جسمانی امور کی تسخیر میں سچی کرنے
 کے واسطے پیدا کیے گئے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ہمارا فرض روحانی ترقی اور اخلاقی
 خوبیاں پیدا کرنا بھی ہے جو ہماری روح کو پاک اس عالم سے لچائیں اور برائیوں سے پاک
 سے آلودہ نہ ہونے دی۔ یہی مطلب قرآن پاک کی اس آیت کا ہے **وَالَّذِينَ يَبِذُلُونَ**
الدَّارَ الْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ نَجْزِيكَ مِنْ الدُّنْيَا۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ انسان کا کام اس عالم میں
 روحانی و مادی دونوں قسم کی ترقی کے واسطے کوشش کرنا ہے۔ ہماری اس تہذیبی
 کا عقل و تخیل و گندہ شستہ و موجودہ حالات سب ساتھ دیتے ہیں اور ہمارا یہ دعویٰ ٹھیک
 اور بالکل ٹھیک ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے یہ خیال ملت اسلام کی بدولت آیا یہ
 خصوصیات ہیں۔ جنہاں اسلام کو ناز ہے نبی صلعم فرماتے ہیں **اعمل لدينك كافتك قديش**
ابدأ و لا آخرتك كآخرتك، مگر اس نتیجہ پر پہنچتے پہنچتے یہ اعتراض
 ہوتا ہے کہ تمہارے اوپر کے قول اور کلام پاک کی اس آیت **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ**
إِلَّا لِعِبَادَتِي میں تطابق نہیں اسکا جواب ایک مستقل عنوان اسلام و عبادت
 سے کسی آئینہ نمبر میں دیا جائیگا۔ فقط ضیاء المحسر۔

مثنوی کلمۃ الحق

(مرتبہ ۱۸۸۳ء)

ذیباچہ جب یہودیوں کے مظالم نے سچ علیہ السلام کو چین نہ لینے دیا اور اس روح پاک سے محض اسوجہ سے عداوت بڑھنے لگی کہ وہ احکام کی حقیقت پر زور دیتے تھے اور علما اور اتقیا یہودی الفاظ کی تعلیم پر سر کرتے تھے تب ان لوگوں نے انکو دادعائے حکومت میں گرفتار کر لیا۔ پالیٹ جو شہنشاہ روم کی طرف سے گورنر تھا اسے حضرت علی کی چہرہ مقدس کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص تو مجرم نہیں معلوم ہوتا اور تخلص میں لیا کر باتیں کیں۔ آپ سے پالیٹ نے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ مسیح نے جواب دیا کہ ”میں حق کا شاہد ہوں۔“ یہ سنکر پالیٹ نے پوچھا ”حق چہ معنی۔“ مگر جواب کا انتظار نہ کیا۔ کیا وہی سوال ہمارے زمانہ میں چاروں طرف سے نہ آئے اور پڑانے لوگ کریں گے اور مسیطرح سچے لوگوں کو اذیادینا پسند کریں گے؟ اسکا جواب دینے کی بجائے ہم عصر ہندو کے ناظرین کے سامنے مولانا حالی مدظلہم کی بے نظیر مثنوی جو مختصر و موثقی ہوئی بحر میں نینیس ہر س پہلے لکھی گئی تھی چھاپتے ہیں۔ انتخابات مفید میں اسکو پڑھکر ناظرین ضرور مستفید ہوں گے۔

اوجھ کی تلخی کیا زہر ہے تو
حفظ میں ایسی تلخی نہ ہوگی
الحق قمر ہے شان تیری
جلو اتی گھر گھر تلوار تو ہے
باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے
شہیر کو قتل تو نے کرایا
سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو
شہ کوئی تجھے کڑوسی نہ ہوگی
ہے ناگواری پچان تیری
یا روں کو کرتی اغیار تو ہے
رشتے ہزاروں تو نے توڑے
سفر اوطاق کو زہر تو نے دلایا
بے جرم سموم تو نے کرایا

رستے عرب میر تو نے نکالے
موسیٰ کو زمین تو نے بھگا یا
نہ نے صلہ میں بخشے ہیں اکثر
مظلوم کتنے تیرے سہارے
خونخوار لشکر میں سامنے تیرے
تیری جلو میں رسوائیاں ہیں
قدیر سبے تو کا کامیاب کی
آتش شہنشاہ کی رہتی سبے دشمن
قطع و جیش سبے تا شیر تیری
ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر
پڑتی ہے بل چل ہر مرحلے میں
حق معبدوں میں ہوتا ہے دخل
او تمنا عمل ہے لات و صفا کا
عیرانیوں کا اڑتا ہے پر جم
ہوتے ہیں اختیار احمد کے سانچے

بہر و احد میں دن تو نے ڈالے
احمد سے مکہ تو نے چھڑا یا
سولی کے اورنگ کاٹوں کے ہنر
ایلی ہی ایلی کتنے مددگارے
رنگیں اہو میں ہیں ہاتھ تیرے
لنگت میں تیری تنائیاں ہیں
تقریب سبے تو بدنامیوں کی
تو مصلحت سے رکھتی ہے ہاں بن
رہتی ہے نگلی ششیر تیری
دفتر بہت سے ہوتے ہیں ایتر
آئی ہے دنیا اک زلزلے میں
ہوتے ہیں جھوٹے معبود باطل
ہوتا ہے گھر پر قبضہ خدا کا
صفت قسطوں کی ہوتی ہے برہم
بوجہل کے سب چھٹتے ہیں ناتی

اسی راست گوئی اسے تیغ بران
سب وحشت آگین معنوں میں تیرے
گن تیرے جن پر ظاہر ہو گئے ہیں
اٹھا ہاں سے سیلاب تیرا
آٹھتی ہیں دل سے جب تیری جوش
دیتی ہے بہت اونکو سہارے
عزم اونکی مشکل کرتا ہے آساں

تیرا مخالف کیوں ہونہ دوراں
نت مصلحت پر شب خون ہیں تیرے
وہ تیری دہن میں آخر ہوئے ہیں
پھر وہاں نہ کشتی ٹھہرے نہ ٹیرا
ہوتی ہیں نازل دہاں حق کی فوجیں
کرتی ہے امید پنہاں اشارے
دل اوں سے لاکھوں کرتا ہے پچاں

چھپا جانے کی غلطی کہ بھر دیر میں
زور اُنہی تیرے میں آشکارا
عظمت پہاں ہو تیری سمائی
شاہوں سے گردن جھکی نہیں اُن

بے روز روشن اُن کی نظر میں
مٹھی میں اُن کے عالم ہے سارا
پرستہ دہان ہر نظروں میں ملتی
طوفان میں نشتی رکتی نہیں ہاں

ای راست گوی تو ہے وہ افسوس
تلخی میں تیری طسرفہ مزا ہے
تو نے جہاں دی آواز حب کر
ہوتی ہے دھیمی پر داز تیری
بھر دوڑتی ہے یوں مردوزن میں
بنتے ہیں دشمن انصار تیرے
نظر نٹے چھوڑے یا رات شب
ڈالا عمر پر جب تو نے سایہ
آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم
جواں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دوری
جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر
تجسس بھی جو ہیں وحشی بد سکتے
گو حق کی تلخی پائے ہوئے ہیں
بھاس گئے ہیں کھا کر زخم نہاں وہ
دل دوز میں سب تیری آدائیں
زہر بلابل ہل برسوں پہلے جب
دیتی ہو اول تو زخم کاری
کل ہے سرت ہے آج غم تو

منکر بھی دل سے ہیں جسپہ مقتول
بر دل میں جیتی تیری ادا ہے
لاکھوں سر اٹھے تیری صدا پر
بڑھتی ہے کم کم آواز تیری
جس طرح آتش لگتی ہے بن میں
ہوتے ہیں قیدی احوار تیرے
یگر و ن پر دیکھی تیری ادا جب
ارقم کے گھر میں آس رہا کیا
ہیں گدگداتے دل اُن کے ہر دم
ضرب اُنہی تیری پڑتی ہے پوری
گرتا ہے آخر کچھ دور بھا کر
بھر بھر گے جھکو جاتے ہیں سکتے
پر چوٹ دل پر کھائے ہوئے ہیں
جائیں گے بچکر تجھ سے کہاں وہ
کہو ی ہیں تیری ساری دوائیں
بیمار تیرے پائیں شفا تب
مرہم کی آہند آتی ہے باری
دیتی ہے امرت کہتی ہے سم تو

ہوتی ہے سچ سے جب سب کو نفرت
 جس جا تعصب جو نہیں ایمان
 رسم سلف پر مرستہ جہاں ہیں
 تقلید جس جا سب سے غلبہ کی گردن
 کرتی ہے وہاں تو وہ اعظم کو رسوا
 وہاں مفتیوں پر میں تیرے دہاکے
 پہنچتی ہیں قبریں جب اولیا کی
 جس ملک میں ہے حار جہنم
 غل بھیر یوں کا پڑتا جہاں ہے
 زہر اس عمل کو تو بے بناتی ہے
 اس شیش میں تو کھتی شفا ہے
 بندھی میں تیری تازی کی بوبے
 جس سرزمین میں پانی ہے غنقا
 ہر سو جہاں ہے طغیان باران
 سانپوں کا خطہ پانی جہاں ہے
 طوفان کی آہٹ پہلے سے پا کر
 ڈاکے کی آمد ڈاکے سے پہلے
 بلبل ہے گل پر جب چھپاتی
 پانی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو
 جب دیکھتی ہے تو میں بگڑتی
 کرتی ہے ظاہر انکی خطائیں
 گر منعموں پر تو بے برستی
 دیتی ہے طعنے بے غیرتوں کو

تو مجھ کو بڑا کر دیا کرتی ہے لعنت
 انصاف کا بغل کرتی ہے تو وہاں
 رسموں پر تھکے تیرے وہاں ہیں
 تقلید میں سے ہے تیری ان پین
 سب وہی منزل قول اسکا جس جا
 میں مثال قرآن جس جا فساد ہے
 تو ہے دہائی دیتی حسد کی
 ہوتی ہے تو وہاں یردوں کی حامی
 تو کیریوں کی وہاں پاساں ہے
 جس میں طہارت ہے سب کو آتی
 نیش اہل کا جس میں مزاج ہے
 مشرق میں کھتی مغرب کی بوتے
 تو چھپتی ہے وہاں ذکر دریا
 شوراعطش کا کرتی ہے تو وہاں
 اندھوں کے آگے کرتی فغاں ہے
 بیڑوں میں چڑیا کرتی ہے جا کر
 کھتی ہے جا کر تو کارواں سے
 اس دم خزاں سے تو ہر ڈراتی
 آگ آگ کا غل کرتی وہاں تو
 ہے آگ میں تو قوموں کی پڑتی
 دیتی ہے انکو عیدہ رائیں
 گر جھاڑتی ہے غفلت کی سستی
 کر رہا ہے رسوا بے عزتوں کو

لگا رہتی ہے تو کابلوں کو
 جھڑکی ہے تیری عادت میں داخل
 لکڑے ہیں دل بستے بے نہایت
 یہاں نام تیرا جس نے لیا ہے
 احکام تیرے ملتے رہے ہیں
 ہونچا یا جس نے پیغام تیرا
 کتوں نے جانا صاحب بنی کو
 طوفاں اٹھائے اہل بدلی پر
 نغان کو دی بدعت سے نسبت
 مالک پہ لائے آفت جفا جو
 کی ابن جنبل کی یہ مدارا نہ
 نکلے ائمہ اکثر وطن سے
 کتوں کی باندھیں ذلت سے شکن
 مرتد بتا یا اہل یقیں کو

چٹکارتی ہے تو حسابوں کو
 ترشی ہے تیری طہیت میں داخل
 لاکھوں نے کی ہے تیری شکاریت
 عالم کو اپنا دشمن کیا ہے
 تیرے ہشتے جلتے رہے ہیں
 جمہور میں وہ بدنام ٹھہرا
 کتوں نے مانا کا نرعلی کو
 بہتان باندھے زمین العیا پر
 کی شافعی پر برپا قیامت
 یہاں تک کہ اکڑے بغض سے بازو
 چہرہ پہ تھوکا کوڑوں سے مارا
 خالی ہوا رے ابن حسن سے
 کتوں کے تھی ڈنکی، کھلم
 ٹھہرایا زندیق ارباب دین کو

ای کلیمہ حق تیری بدولت
 ٹھہرے جہاں میں بیگانے سے
 دنیا نے اُن پر گھوڑا توڑا
 ہے تلخ و شیریں ہر بات تیری
 کانوں کو تو بے گونا گوارا
 جو حرف حق سے بھاگے بکڑ کر
 حق کے سب آخر طالب ہوئے ہیں
 بوتانہ ہرگز جگ میں اُحبالا

مردوں یہ گدڑی کیا مصیبت
 تجھ پر بوئے وہ دیوانے حب سے
 دامن اُنھوں نے تیرا چھوڑا
 سننے میں کڑوی کہتے میں بیٹھی
 منہ سے نکلتا تیرا سے پارا
 حق انکو لایا گردن پکڑ کر
 نت حق کے دعویٰ غالب ہوئے ہیں
 حق کا نہ ہوتا گر بول بالالہ

انہی راست لوئی ایی اپر رحمت
گر تو نہ ہنئی یاں سہا یہ افگن
عالم ہے سر سبز تیرے قدم سے
باغ جہاں کو چھا نچا ہے تو نے
تو بیکسوں کی یا ور رہی ہے
جن بستیوں میں تو چھپا گئے
پند اپنی جس جاتو تے زباں کی
رہ سب نہ ہوتا گر نور تہا
گر مصر کی تو کھوئی نہ ضامی
سیریا میں حق کا جھنڈا نہ گڑتا
جنش نہ ہوئی گر تیرے لب کو
ہوئے رہے ہیں سب ملک ملت
مشرق میں جب کھتی تیری حکومت
جب دور تیرا مغرب میں آیا
کیلے ترے ہیں گل تیرے ہر سو
گو کچھ میں تلخی حد سے سوا ہے
ہر بول تیرا جوش غضب میں
گو علم کی تو بے زندگا نے
جاہل ہمیشہ تجھے لڑے ہیں
لاکھوں بلائیں آئیں تجھ پر
ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں

ہے اس جہن میں سب تیری کثرت
بر باد ہوتا کب کا یہ گلشن
آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے
اکہ خزاں کو ڈانٹا ہے تو نے
تو گم رہوں کی رہیر رہی ہے
کھیتی اٹھیں کی یہاں لہلائے
تکست نے منزل آکر وہاں کی
یونان میں ہوتا ہر سوا نہ نصیر
مصری نہ ہوئے عالم میں نامی
سہا یہ اگر وہاں تیرا نہ جڑتا
قبلہ نکولے خاک مغرب کو
سر سبز تجھے نو بہت بہ نو بہت
چھائی ہوئی حتی مغرب میں ظلمت
مغرب کو تو نے مشرق بنایا
مہکی ہے اکثر یہاں تیری خوشبو
پر تیری دار و صحت فزا ہے
ہے حق کی آواز راہ طالب میں
پر جہل تیرا دشمن ہر جاتی
ناداں ہزاروں تجھے ایس ہیں
اکثر گٹھائیں چھائی ہیں تجھ پر
قوموں نے تجھے بدے لئے ہیں

تہو وقت ہو تو پردہ سے عریں

اے کلمہ حق اے سرزنداں

ہوں تیرے حیدم انصار تھوڑی دشمن بست ہوں دربار تیرے

عالم ہو تیرا حبیب یا مٹنا سا
حالی کو رکھو، پناشتا سا

ماہ گذشتہ

بزرگ امتی کھیت قائم کرنا اردو اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاہن بھی اب کسی قدر کوشش کر رہے ہیں کہ تجارت اور بینکوں میں حصہ لیں۔ یہ تحریک نہایت مستویں اور مفید ہے اور اگر تجربہ کار کفایت شعار اور ایمان دار آدمی طباطبائی تو اس سے بہتر کوئی بدبیر نہیں۔

لیکن یہ امر بھی ضروری ہے کہ لوگ علمی طریقہ کی زراعت کی طرف متوجہ ہوں۔ اس طریقہ میں مقابلہ بھی نہیں ہے۔ میں نے ایک موقع پر لکھا کہ سیرکاری حیثیت سے ایک کونسل سے تعلق تھا۔ ایک سموریل لکھا تھا اس بات پر بناب نواب احمد علیخان بازاری بکھت سے عرض کیا تھا کہ نمونہ کے فارم بناویں اور جناب سامدج سے بھی اس تجویز کو پسند کیا تھا اگرچہ ارے دوست سید عبداللہ شاہ فاروقی منسٹر صال کو قیام تو وہ غائبہ اسپر خلد رآمد کر اسکیں۔ یا نواب احسن علی خان بہادر یا ذوالفقار علی خاں اپنی جاگیر میں اسکا انتظام کریں اسید ہے کہ اور ریاستیں جہاں زمین افتادہ پڑی ہے وہاں اسکا اندوہ کی طرح اس معاملہ میں پیش قدمی کریں گی۔ خاص کر ایسی ریاستیں جیسے بھوپال، بھاولپور، ناہرو وغیرہ۔ بھوپال کی بحالی خیال اور بہادر دوالیہ محترمہ سے زیادہ بکمال اسید ہے کہ اس کام میں پیش قدمی فرماویں گی

کانفرنس کی کمیٹیاں مجنہ ایجوکیشنل کانفرنس نے اس سال بذریعہ ایجنٹوں کے

دس پندرہ مقامی کمیٹیاں قائم کرائی ہیں جن کی متعدد رولڈا دیں بھی انسٹیٹیوٹ میں دیکھی گئیں مگر انکے قوم کی اصلی اصلاح اور عوام کی بہبودی کے لیے کوئی کام شروع نہیں کیا گیا۔ نہ اسکا

ارادہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر خالی انجمنوں سے کیا فائدہ

حدوثِ مادہ اب سے چند ماہ قبل آریہ مسافر میگزین نے حدوثِ مادہ پر ایک

طویل مضمون ۳۲ صفحہ کا لکھ کر ثابت کرنا چاہا تھا کہ مادہ قدیم ہے۔ دسمبرِ پندرہ صدیء کے

ایک مضمون کا یہ جواب ہے۔ اگرچہ اس میگزین میں ہماری نظر سے اس قدر سخت بلکہ فحش

اور وحشیانہ مضمون گذرے ہیں کہ ہم کو حق نہیں کہ اُسکے جواب کی طرف متوجہ ہوں

لیکن خاص اس مضمون میں ایک شاہجہاں پوری مضمون نگار نے تہذیب سے کام لیا ہے

دلائلِ جحد و ثبوتِ مادہ کے رد میں لکھے ہیں ڈیڑھ دو صفحوں میں بیان ہو سکتے ہیں۔ باقی

تکرار اور لفاظی اور غیر متعلق باتیں ہیں۔ لیکن ہم کو اب تک صرف اس قدر فرصت ہوئی ہے

کہ اس مضمون کو ایک دفعہ دیکھ جاویں اور جواب طلب امور پر پینیل سے نشان کر دیں۔

تاہم بشرطِ فرصت اس کے جواب سے ہم آریہ مسافر میگزین کو محروم نہ رکھیں گے۔

روس و ایران روس میں آئے دن سخت بلوے۔ بغاوتیں۔ قتل۔ غارت۔

کا انقلاب اور سوختنی کمی سال سے جاری ہے اور بہت چھوٹے پیمانے

پر ایران میں بھی انقلاب کے آثار نمایاں ہیں۔

روس کی گورنمنٹ قبل جنگِ جاپان کے رعایا کے مقابلہ میں نہایت زبردست تھی

اب اُس کا رعب جاتا۔ ہا اور رعایا ہاتھ پاؤں ہلانے لگی۔ مطلق العنان حکومت سے

اب ہر جگہ نفرت ہونے لگی ہے۔

ایران کی گورنمنٹ پچیس تیس برس سے سخت کمزور اور کم لیاقت ہے اور وہ

صرف اسوجہ سے اب تک بغیر اصلاح کے رہی کہ روس کو ایران کی ترقی قومی اور اصلاح ہرگز

منظور نہ تھی اور وہ رعایا کے خلاف بادشاہ کی ضرور مدد کرتا۔ اب روس دوسری طرف

مصرف ہے۔ ایران کو موقعِ اصلاح کا ہے بشرطیکہ کوئی عملی ایڈر کھڑا ہو جاوے۔

دورِ زندہ انجمنیں ہم نے اس سے قبل چند ماہ ہوئے لکھنؤ میں سیداری

کے آثار کے عنوان سے ایک نوٹ لکھا تھا جس میں ذکر تھا کہ غویا مسلمانوں میں انگریزی

تعلیم پھیلانے کے لیے ایک انجمن بنام اودھ ایجوکیشنل ایسوسی ایشن قائم ہوئی

سب میں زیادہ تر اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان ممبر ہیں۔ اور ایک انجمن حمایت الایمان قائم ہوئی جس کا مقصد ہے فرقہ انشا عشریہ کے طلباء سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم پھیلانا اور اخلاقِ ائمہ کو پبلک میں لانا۔

دونوں انجمنوں کے بانی ہمارے بڑے مہربان بزرگ تھے دونوں کے بانی و نچر دگر گریجوٹ تھے۔ دونوں کے قواعد نہایت خوبصورت اور مکمل مختلف مجلسوں میں تیار ہوئے۔

لیکن جب قواعد بن چکے تو انجمنیں بھی عالم بقا کو چلی گئیں۔ کیوں؟ نہ اسلئے کہ میسرول میں فساد ہوا یا ناجاتی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ دونوں انجمنوں نے اصلاح تمدن کو اپنے مقاصد میں شامل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس انکار کی روحانی پاداش اُن کو ملی۔ نہ یہ مطلب ہے کہ یہ امر اس پیشین گوئی کی وجہ سے تھا جو اول میں کر دی گئی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصلاح تمدن میں کام کرنے سے انکار کی وجہ وہی تھی جو انجمن کے ٹوٹ جانے کی علت تھی۔

علیت اور جو شش آفریں جو شش ہمارے افراد میں نہیں ہے

نہینہ آتی ہے پر نہیں آتی

نیک فالی دنیا میں کوئی دولت ایسی قیمتی اور کمیاب نہیں ہے جیسی عقل سلیم اور بے سم صحیح معاملات کے اور برائے دینے سے ہمارے اخبارات اور میگزین بہت کم اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ انکی رائے کسی جامع اصول کے تابع ہو یا نہیں اور وہ اصول بھی عقلی لحاظ سے صحیح اور مفید ہے یا غلط و مضرب اخبارات جو اس زمانہ کے واعظوں کا کام کرتے ہیں پریشاں خیالی میں مبتلا ہوں تو عام لوگوں یا پڑا سنے عالموں کی شکایت پریشاں خیالی کی بجائے ہے۔

پھر اس بات کو دیکھ کر ہکو بہت خوشی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے اہل الرائے میں آہستہ آہستہ ایک مشترک خیالی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اس بات کا ثبوت ان مضامین سے ہوتا ہے جو دو ماہ ہوئے مسٹر ویانزائن کم ایڈیٹر زمانے نے سودیشی تحریک پر بعض

نامور مسلمانوں سے پہنچا یہ سوا اڑھائی لاکھ روپے تھے۔ ان مضامین یا خطوط کے لکھنے والے بہرہ صوبہ اور مختلف لیاقتوں اور مختلف عمروں اور مختلف خیالات اور مختلف عقائد کے مسلمان تھے۔ ان میں سے ایک شیخ عبدالقادر صاحب سب کے الفاظ جدا مگر مطالب ایک تھے۔ سب نے کہا کہ سو شیخ قریب مفید ہے۔ لیکن اسکو پولیشکل بنانا مضر ہے۔ اور اس معاملہ میں اسرا زیادہ ہوگا۔ نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔

ہم اس احتجاج کو آئندہ کرنے سے ایک مہینہ نال سمجھتے ہیں اگرچہ صاحبان مذکور بالا ایسے اصحاب ہیں جنکا تعاون برائے راست یا غیر مذکور علیگڑھ سے ہے اور رہا ہے لہذا یہ اختلاف موجب تعجب نہیں ہو سکتا۔

طوفان پریشان خیالی

گزشتہ شمارہ کے لائٹ ایڈیٹر مسٹر ذوالحسین طرار لکھنؤ سے لے کر پتہ پچھلے پرچہ میں ہمارے مخدوم جناب مرزا عبدالغنی بیگ صاحب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ بجائے اسکے کہ لکھنؤ و شمالی ہندوستان کے امامیہ اثنا عشریہ فرقہ کے شرفاء کو انگریزی تعلیم کی طرف آمادہ کریں مناظرہ مذہبی میں پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سے علیگڑھ کالج کی مخالفت دو تین سال سے شروع ہوئی ہے اس وقت سے شیعہ اخبار و رسالے انگریزی تعلیم کا نام لینا گناہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قومی ترقی کے لیے یہ نہایت ضروری ہے اپنے مرکز لکھنؤ میں انگریزی تعلیم سے شیعہ جس قدر بے بہرہ ہیں وہ ناقابل بیان ہے۔ مسٹر طرار کا یہ مضمون آپ راز سے لکھنے کے لائق ہے اور بالکل صحیح ہے۔ ہمارے پاس شیعوں کی پانچ سات اخبار و رسالے آتے ہیں۔ الحکمۃ البتہ مسائل کلامیہ سے عالمانہ بحث کرتا ہے عموماً باقی پرچوں میں بار بار اسکے دہرائے مسائل مناظرہ کے یا بدزبانی اور طنز و تشنیع کے سوا دیگر مضامین کمتر نظر آتے ہیں۔ اپنے فرقہ کو سنجیدہ پختہ بنانے اور ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کر نیکی کو شش کوئی نہیں کرتا۔ ایک فیشن ہو گیا ہے کہ علیگڑھ کالج کو گائیڈ لکچر سے یاد کیا جاوے۔ بعض اخباروں میں تو چند مراد آبادی اور دہلوی لوگوں نے یہ شعار

کر لیا ہے کہ عصر جدید پر بے دیکھنے اور بے تحاشے تبرا بھیجا کریں۔ کبھی کسی مسلمہ پر ٹھنڈے
 ڈال اور متانت سے بحث نہیں کی بھی گئی۔ اس طوفان بے تیزی سے مرزا عابد علی بیگ
 صاحب بھی غالباً مرعوب ہو گئے ہیں۔ ایک رسالہ جو متین ہے وہ مفت بتا ہے لیکن
 کوئی شیعہ اس کی مدد نہیں کرتا اس لئے تعجب نہیں کہ چند روزیں وہ (الحکم) بند ہو جاوے
 مضبوط اور اراوہ | گھر میں گوسہر شاہ ہوا کہ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کوشش برابر
 کی ضرورت جاری رکھے اور خام عقل لوگوں کی پروا نہ کرے ایک نے ان کی
 کوہستہ نہیں دیکھی جو بادیں گی۔ آج کل بدقسمتی سے شیعہ اثنا باریوں میں سخت غلط
 طوفان برپا ہے۔ مگر امید ہے کہ وہ چند سال کے اندر فرو ہو جاوے گا اور ان
 خبروں سے خریدار اس قسم کی باتوں سے اکتا جاویں گے۔ اُس وقت زور شیر سے
 کلمہ کرنے کا موقع ہوگا۔ اُس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی۔ کہ ہم نہایت سچے دوستوں
 کے دشمن تھے اور نہایت بیوقوف لوگوں کی ہاں میں ہاں ملائے والے تھے۔ اُس وقت
 لوگ سمجھیں گے کہ اپنی اخلاقی تمدنی اور روحانی ترقی اور تزکیہ نفس سب سے لازمی
 شرط انسانیت کی ہے اُس وقت ہمارے دوست اشتعال آمیز نالوں اور ڈراموں کو
 اسی نظر سے دیکھیں گے جن کی وہ تحریرات مستحق ہیں۔

ہم نے اس سے پہلے محاکمات طوفانوں اور شوروں کے مقابل استقلال
 دکھایا ہے۔ اس لئے اچھے کہ ہمارے نئے دوست بھی محکوم عجب نہ کر سکیں گے۔
 جس پر جس نے زنجبش ہر خن فی شوند دریا دلاں یہ آب گہر آرمیدہ اند
 مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے ہر فرقہ میں مضبوط طبیعت اور
 خدا ترس لوگ متفق ہو جاویں اور محض ہول کے رخ پہ چلنا چھوڑ دیں۔ فقط ایڈیٹر

پروفیسر لائگلی

اگر لکھنے جو آج دنیا میں ترقی کی ہے اس سے کون ناواقف ہے چار دانگ عالم میں انکے تمدن و تہذیب کا شہرہ بے مگر یورپ کا ہمیشہ یہ اعتراض اپنہ رہا تھا اور کسی قدر چسپاں بھی تھا کہ وہ ہماری ہی تحقیقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں علوم و فنون کی اشاعت میں انکو خاص دستگاہ ہے مگر یہ سب ہماری بدولت انھوں نے کوئی ایجاد و اختراع نہیں کیا اور نہ کوئی نئی بحث پیدا کی لیکن یہ انکا اعتراض اسی وقت تک مانا گیا جب تک کہ پروفیسر لائگلی نے ساتھ وجود پر قدم نہیں رکھا آج امریکا جس قدر اپنے علوم و فنون کی اشاعت پر فخر کرتا ہے اس سے کہیں زائد علمی اختراعات پر فخر کرنے کا اسکو موقع حاصل ہے۔

اس مشہور پروفیسر کی پیدائش کا سنہ ۱۸۸۳ء اور تاریخ ۲۲ اگست ہے سچ ہی قدرت جس شخص کو جس کام کے لیے بناتی ہے اوس میں ابتدا ہی سے وہی شائیں اور اسی کے میلان نمودار ہوتے ہیں دس برس کے سن میں پروفیسر مذکورہ رورڈ کالج میں تعلیم پارہا تھا چونکہ طبعی میلان ہیئت اور میکائیکس کی طرف تھا لہذا انھیں دونوں مضمونوں کی اسے تعلیم دی جانے لگی اور یہ بالکل واقعہ ہے کہ اسی دس برس کے سن میں وہ چھوٹی ٹھجھولی ٹلسکوپ بناتا تھا اور اسنے آسمان کا نظارہ کیا کرتا تھا۔ وہ اپنے دل میں چونکہ یہ ٹھکان چکا تھا کہ مجھے ایک انجینیئر بنونا ہے لہذا ریاضی کی تعلیم پر اسنے زور دیا اور اس میں کمال پیدا کر لیا سنہ ۱۹۰۳ء میں یورپ کی سیر کو آیا اور ایک سال قیام کر کے امریکا واپس چلا گیا یورپ پہونچکر اسنے اپنا یہ ارادہ مستقل کر لیا کہ میں ریاضی ہی میں کوشش کروں گا اور اسی سبجکٹ کو ترقی دوں گا۔ لہذا کچھ دنوں اسنے ہاورڈ میں قیام کیا اور اسکے بعد پولس کالج میں ریاضی کا پروفیسر مقرر ہو کر چلا لیا اس کالج کے متعلق ایک مختصر مدگاہ بھی تھی اسکا انتظام بھی لائگلی کو کرنا پڑا اسکی محنت اور اسکے شوق نے

اسے اس حالت میں نہیں چھوڑا بلکہ اور ترقی کے ذرائع ہم پہنچائے پسنو لینا یونیورسٹی کالج کا پروفیسر علم ہیئت مقرر ہوا اس کالج کے متعلق ایک بہت بڑی رصد گاہ تھی جو خراب اور ابتہجالت میں تھی لائیکس کے قدم کی برکت نے اسکو اس مرتبہ پہنچایا کہ امریکا بھر میں اگر کسی رصد گاہ کے وقت پر بھروسہ کیا جاتا تو وہ یہی رصد خانہ تھا۔ ریلوے لائن ٹیلیگراف اور تمام تجارتی امور اسی کے وقت کے پابند تھے۔ اس فوجیت کی بدولت جو کچھ رصد گاہ کو فائدہ ہوا وہ سب آلات وغیرہ کی خرید میں صرف کر دیا گیا۔ قرض آفتاب کے متعلق پروفیسر مذکور درس دیا کرتا تھا اسکو خاص اس صنعت ہیئت میں کمال تھا۔ اسکے بنائے ہوئے نقشے یا فکل شمسی تمام ہیئت کی کتابوں میں رائج ہیں اور کوئی شخص ابھی ایسا نہیں آیا کہ جس نے اسے اچھے نقشات بنائے ہوں۔ سب سے پہلا آفتاب کے متعلق اسکا مضمون سائنس میں شائع ہوا تھا جو اسکے آئینہ مضامین کا نمونہ تھا۔ اس زمانہ میں وہ اس مضمون کا درس دیتا تھا کہ آفتاب کی حرارت کے کیا اثرات ہیں اسکے دھبوں کا زمیں کی حرارت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جب آفتاب کا دھبہ کم ہوگا تو زمیں کی حرارت زیادہ ہوگی اور جب آفتاب کا دھبہ بڑا ہوگا تو زمیں کی حرارت کم ہوگی۔ لیکن ان دونوں حرارتوں میں جو فرق ہے وہ اس قدر کم ہے کہ بدقت محسوس ہوتا ہے۔ اسوقت تک آفتاب کی حرارت کا اندازہ کرنے کیلئے جو آلات موجود تھے وہ ان تعمیرات کی وجہ سے جو بدقت محسوس ہوتے تھے اسکے نزدیک ناکافی تھے لہذا اسے نیومیٹر ایجاد کیا جو سب سے عمدہ آک حرارت شمسی کے اندازہ کا ثابت ہوا۔

سنہ ۱۸۸۰ء تک وہ اس رصد گاہ کا منتظم رہا اسکے بعد وہ مسٹر سمشوں نے جو اس جائداد کا منتظم یا سکریٹری ہو گیا اور جو کروڑ ہا روپیہ کی تعلیم کے مصارف کے لئے اس نے وقت کی تھی اخیر عمر تک اسی عہدہ پر قائم رہا ۲۲ فروری سنہ ۱۹۰۸ء کو اس نے انتقال کیا۔ حرکات ہوائیہ کے متعلق بھی اسکی تحقیقات عجیب غریب ہیں ہوا میں اڑنے کا ایک آلہ بھی اس نے ایجاد کیا تھا جسکی تصویر ہماری پیش نظر اسکی تصانیف زیادہ ہیئت کے متعلق ہیں

اور مضامین بھی اسکے شایع ہوئے ہیں۔ فقط ایڈیٹر۔

کتاب ماہ گذشتہ

ہمارے پاس مفصلہ ذیل کتب بہ غرض اظہار بآئیں و قبول ہوئی ہیں (۱) آثار اکبری اپنی وضع کی پہلی کتاب ہے۔ سر سید مرحوم نے اس سے ۶۰ برس پہلے دہلی کی علیحدگی کے متعلق آثار الصنادید لکھی تھی۔ معین الدین صاحب نے آگرہ کے تاج گنج کی تاریخ اور کیفیت عمارت اب سے دو سال قبل شایع کی۔ اب مشتوی صاحب احمد صاحب مارہر بھی نے بڑے اہتمام سے لکھ کر محنت اور مصروفیت کے ساتھ یہ کتاب چھاپی ہے۔ سیرت پشیمانہ کے لیے یہ کتاب زینت ہو سکتی ہے اور یقین ہے کہ عمارات اور آمارات کے قدر کرنے والے اور پڑھنے والے امر و سلاطین کے حالات کے شائق اس کتاب کی قدر کریں گے۔ مولوی سید غلام جبار صاحب کا تصدیق میلا دیہ غالباً فروخت کے لیے نہیں ہے۔ یہ لکھنؤ میں کی خوش اعتقادی کا نہیں بلکہ حلومات حدیث و قرآن اور شاعرانہ لیاقت کا عمدہ ثبوت ہے۔ چند اشعار تیر کا درج ہیں۔

نام نامی ہے محمد اور لقب محمود ہے
حضرت آدم سے عیسیٰ تک جو گذری ہیں

- (۱) آثار اکبری کا قدودہ اعلیٰ فلسفیک و فخریہ ہے۔ یہ کتاب ہمارے ہاں گذشتہ ماہ کی کتابت و اشاعت کے لیے ارسال ہوئی تھی۔
- (۲) تصدیق میلا دیہ لکھنؤ میں مولوی سید محمد غلام جبار صاحب کی تاریخ احادیث ۱۲ صفحہ صغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔
- (۳) رہنمائے تعلیم سالانہ ماہوار ہے۔ اس کے افادہ طلباء و مدرس سرپرستوں کی توجہ کی جانی چاہیے۔ یہ ۲۰۰ جہاں چھاپا گیا ہے۔ قیمت نہیں لکھی ہے۔

(۴) حل نکات بیدل مولفہ و مصنفہ محمدہ السیدہ شرفیہ مولوی احمد حسن صاحب شوکت ایڈیٹر تہذیب ہند صفحہ ۱۰۶

قیمت ۳/۰

رحمہ اللعالمین کو ملتج میں پیدا کیا
حل شکات پیدای فارسی اور اردو شاعری اور خاص کر مشکلات شعر و الا کوئی ایسا
 نہیں جو سوال شکوت کے نام سے واقف نہ ہو۔ اور دیوانہ عالمی جی سخن کتاب کا حل
 آپ نے کیا ہی تھا کہ ایک دوسری سخت ترین فارسی نقیضت کی طرف توجہ کی یعنی دیوان
 بیدل کی شرح لکھی ہے۔ اپنے معانی کی لطافت اور شکل پسندی میں ایسا دیوان شاید
 کسی زبان میں دوسرا نہیں ہے اور ہم مولانا شوکت کو مبارکیا دیتے ہیں کہ وہ اس کا
 حل چھاپ سکے۔ اگرچہ ان کو شمشوں کا قدردان ملنا آجکل محال ہے۔ دو شعر
 ذیل میں درج ہیں۔

لفظ نہ ہوں آنقدر فروغ شہرت کرو فر جو غبار انجن حریفے شمار ہو
 طلب زہوائے کبر و سرمنی مہر راست ننگ فروتنی تو بذوق مستحب ایمنی زہر شکستہ ہوا طلب
 حل۔ غبار انجن سحر کی طرح ہوس کا افسانہ بیان کو۔ کے شہرت کرو فر کی دوکان نہ
 لھول یعنی ہوا ہو س کی باتوں کو فروغ نہ دے۔ ایک سانس گن اور ہوا کا طالب ہو کر فنا
 ہو جا۔ یعنی اگر تو نے اپنے کرو فر کی شہرت فروخت کی جی تو نتیجہ وہی فنا ہے۔

لوگ غرور اور تکبر کی خواہش میں فروتنی کو غار سمجھتے ہیں۔ تو سب سے بچو اور فارغ
 ہو جائیے ذوق میں اپنے ڈوٹے ہوئے پروں (فروتنی) کو اپنے لیے تہا بنا اور تکبر اور غرور پر لات مار۔
 شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بن حسین قمی (علیہ الرحمہ) ازربب امامیہ میں سنیہ پارکب حدیث
 کے ایک کو جامع میں اور چوتھی صدی ہجری کے نہایت جلیل القدر عالم ہیں۔ اور اہل کلام و شیعوں میں
 ایسا ہی جیسا اہل سنت والجماعت میں امام مالک کا۔

انہوں نے امامیہ اثنا عشریہ کے جملہ عقائد ہر معاملہ میں ایک رسالہ میں لکھے ہیں جس سے
 زیادہ جامع اور سلیس تصنیف نہیں مل سکتی جس میں ہر مسئلہ کے بڑے بڑے مسائل کا ذکر ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ
 مدرسہ العلوم علی گڑھ کے شیخ طلباء کے نصاب میں داخل ہے اور سید انجاء حسین صاحب نے
 بہت صاف اور خوش خط ترجمہ (۳۲ صفحہ پر قطع ۱۸۰۰ قیمت ۱۰) شائع کیا ہے ہر شیخ کو خصوصاً اور محقق مذاہب کو خصوصاً
 یہ سالہ بعض فائدہ حاصل کرنے کے پڑنا چاہیے۔ ملے کا پتا جامع مسجد مراد آباد از عبد القی صاحب قزلباش ایڈیٹر

جاپانی لکچر کا ترجمہ

(مقدمہ جون ۱۹۱۱ء میں چھپا۔)

اس وقت میں جاپان کے موجودہ ملکی اور تمدنی فرقے کی چند خاص اسباب پر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ان دنوں جاپان کو بطور ایک ایسی مثال کے پیش کرنا جس کی ترقی ارتقاء کے عام قواعد کے تحت کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لوگوں کا بیان ہے کہ جاپان نے نیم وحشیانہ حالت سے یکایک دنیا کی شائستہ قوموں کے مقابلے میں ترقی کر لی ہے یہ منقولہ کہ کوئی قوم ایک روز میں پیدا نہیں ہوتی، بالکل پس پشت ڈالنا یا گیا ہے۔ جب یہ حضرات جاپان کے متعلق اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں تو یہ فرض کر لیتے ہیں کہ جاپان مغربی تمدن کے داخل ہونے کے قبل بالکل وحشیانہ اور نیم شائستہ حالت میں تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ آج کے جاپان میں سے اکثر حضرات کو جاپانی مدبر کا وہ منقولہ یاد ہو گا جو کہ اس نے لندن کے اخبار کے ایک اڈیٹر سے اس وقت میں کہا تھا کہ جب جنگ یوس اور جاپان کی ابتدا تھی ایک ملاقات میں ان سے اس نے کہا کہ ہم جاپانی کئی سالوں سے محکوم صنعت و حرفت دیتے رہے ہیں لیکن سچی سچی تم یقیناً خیال کرتے رہے کہ جاپانی نیم مہذب اور وحشی ہیں لیکن جب ہم نے ایک بار روسی ایک دن میں مارڈالے تو تم کہتے ہو کہ جاپانی اب مہذب ہو گئے ہیں

سٹرپٹسٹ اور جیٹلین محکوم امر کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ محکوم

اس قسم کی تہذیب پر بھروسہ نہیں ہے۔

جبکہ میں موجودہ تغیرات اور انقلاب پر کچھ گفتگو کر رہا ہوں تو غالباً محکوم امر کے کہنے کی ضرورت نہو گی کہ مغربی طریقہ کے داخل ہونے کی قبل بھی ہم کسی نہ کسی طرح کی تہذیب شائستگی موجود تھی ہم مہذب تھے ہی ہمارا ہونٹ مرتبہ تھا ایک حد تک ہمارے پاس خود ہمارے فنون موجود تھے جاپانی رسم و رواج ہی خود ہماری تہذیب تھی۔ اور بے زیادہ جس پر ہم فخر کرتے ہیں جاپان میں ایک زبردست اسپرٹ موجود تھی اور جب ہم نے مغربی تمدن اور تہذیب کو اختیار کیا تو ہم اسکو اختیار کرنے کے لئے کئی سالوں سے بلکہ محکوم یہ کہنا چاہیے کہ صدیوں سے طیارے کوڑا

ایک لحاظ سے جاپانی ہزار سالوں تک ایک گہری نیند سوتے رہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ اسی مدت تک طیاری کرتے رہے چند مہینے مصنف مجھ کو جاپان کی ترقی کے بارے میں کچھ بتلائیں گے۔ انہیں سے اکثر جاپان کے ہٹسری کا زمانہ مینا یا چالین برس کا قرار دینگے اور اس سے آگے نہ رہیں گے لیکن مجھ کو کہنا چاہیے کہ قبل اس کے یہ صدی شروع ہوئے ہمارے یہاں ہمدردان قوم تب ہی سے تھے انقلاب کے لیے ہمارے یہاں سرگرم سرکار اور مجوش و کلام موجود تھے۔ بہت سے شہداء بھی ہیں بہت سے ایسے شہیدوں کے نام بتا سکتا ہوں جنہوں نے اپنی زندگی کو ملک کے اوپر سے نثار کر دیا۔ اور صرف انہیں شہیدوں کی وجہ سے جاپان کبچم بحالت موجودہ پلتے ہیں اور جبکہ میں جاپانی قوم کے سپرٹ کے بارے میں کچھ بیاں کرتا ہوں جس کی کہبت سی مثالیں مغربی متمدن کے داخل ہونے سے پہلے کی موجود ہیں تو مجھ کو تب سے پہلے جاپانیوں کے انیثار نفس کی اسپرٹ کا ذکر کرنا چاہیے۔ جو کہ مغرب سے نہیں لیکن انیثار نفس کے موے کو میں ان بہت سے ذریعوں سے ثابت کر سکتا ہوں جو کہ سنہ گذشتہ میں ظہور میں آئے ہیں۔ حتیٰ کہ خود شہنشاہ نے لوگوں کو انیثار نفس کی نصیحت کی اور اس نصیحت نے چند نوجوانوں میں ملک کی صلاح کی وکالت کرنے کی ہوج پھوک دی انقلاب کے شروع ہونے کے قبل اور غالباً اس سے بھی پہلے تھے ساگا سویر نے جسکے زمانہ کو دو سو برس گذر گئے واقعات زندگی پڑھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنی زندگی کو اپنے ملکی بھائیوں کے اوپر سے نثار کر دیا۔ اس کو منہ اسکی بیوی اور بچوں کے صلیب دی گئی۔ اور جبکہ وہ صلیب پر چڑھا دیا گیا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ اگر اسکے پاس پانچ ہزار نفوس ہیں تو وہ نہایت خوشی سے انکو اپنے ملک کے لوگوں کے لیے نثار کر دیتا جاپان کے نوجوانوں کو یہ اسپرٹ ہوشیار کر رہی ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ میں صرف اس عجیب واقعہ کے بیاں پر کھات کر سکتا ہوں کہ انقلاب کے شروع میں تین سو امرائوں نے متفق۔ اور متحد ہو کر اپنی کل جائدادیں شہنشاہ کے نذر کر دیں میرا خیال ہے کہ اسکی مقابلہ میں کوئی اور مثال دوسری قوم کے ہٹسری میں موجود نہیں ہے اور تب بھی جتنا کہ تم جانتے ہو جاپان خود عرض قوم ہے یہ خود غرضی

۱۔ اب میں آپ سے بہت سی نکتہ جینان سننا نہیں چاہتا مگر گذشتہ زمانہ میں ہمارے بہت سے دوستوں نے یہ نکتہ جینان کی تفصیل کرنا جاپان خود غرض قوم ہے۔

صرف جاپان میں رہتے بلکہ روس سے فرینچ - برٹش - جرمنی - امریکن سے ملا ہواں جو کہ کم خود غرض نہ تھے نسبت ہمارے۔ اور جہاں ہندوستان میں آباؤ اجداد کا نام ہوا کہ ان کی حالت ان قاعدوں سے مستثنیٰ ہے لیکن ہم بالکل خود غرض نہیں ہیں ہم دوسرے ملکوں کے قائل کرنے کے لیے بالکل طیار ہیں اور اس امر کے اقرار کرنے کے لیے بھی جو کہ ہم دوسروں سے حاصل کرتے ہیں اور حربہ ہم جاپانیوں کے اصلاح کے بارہ میں کچھ گفتگو کرتے ہیں۔ تو ہم ان بہت سے اصولوں اور خیالات کے ماننے کے لیے طیار ہیں جو کہ ہم نے مغرب سے حاصل کیے ہیں۔ بلکہ ہم بغیر ہم کچھ نہ کر سکتے۔ تھے اور بلکہ ہم اصلاح کے چند سوالوں پر غور کرتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ جو یہ پہلے ان اصولوں اور خیالات پر غور کرنا چاہیے جنھوں نے گزشتہ تالیف کے سربراہان ہمارے لیڈروں کو ایسے خیالات کی جانب توجہ دلائی میرے خیال میں اس سے بہتر اور کچھ طریقہ نہیں ہو سکتا کہ میں حلف کے ان اصلی اصولوں کو نقل کر دوں جو کہ ہمارے شہنشاہ نے اس انقلاب شروع ہونے کے وقت ظاہر کئے تھے ہم جانتے ہو کہ اسکی حکومت کی رائے اور اسکی

اسنے اپنے حال کو حسب ذیل الفاظ سے ظاہر کیا۔

- (۱) سلطنت کے کل معاملات کے انجام ہی عالم آرنے سے ہو گی۔
- (۲) شوشل اور پولیٹیکل کمانڈی کے اصول چارے ملک کے ردوں لمبقوں تمام وادائی کو خوشی سے سکھائی جائیگی۔
- (۳) سوسائٹی کے ہر ممبر کو اس کی بہترین مقاصد کے خواہش کو مستقل طور سے انجام دینے کے لیے مدد کی جائیگی۔
- (۴) کل بڑے خیالات اور رواج شادے جائینگے اوکل وہ رپورٹ ٹھیک طریقے سے سامنے جائینگے جو کہ آسان اور زمین پر بیان میں واقعی رشتہ رکھنے سے ہیں۔
- (۵) امپیریل حکومت کو مستقل اور غلم طور سے قائم کر کے دنیا کے ہر گوشہ۔ عقل اور ہمت تلاش کی جائیگی۔

تر جانتے ہو کہ انھیں اصولوں کو نظر رکھ کر تعلیمی کالج جاری کیا گیا ملٹی تعلیم پر لڑائی لگئی تو انیں دیوانی و فوجداری سوزنی ڈھنگ پر مرتب کی گئی۔ تاکہ اور انیں اوکل ملٹی

ترقیات و اصلاح کی گمشدگی اور جب ہم اپنا ہوش بیدار کر کے ان اصلی اصولوں پر غور کرتے ہیں تو ہم نہایت خوشی سے ان باتوں کے ماننے کے لیے تیار ہیں جو کہ ہم نے مغرب سے لیں کیونکہ ہم جاپانی کہتے ہی خود غرض کیوں نہ ہوں لیکن وہ دوسروں سے ابھی باتوں کے حاصل کرنے اور خواہش مند ہیں کوئی قوم جو کہ اس قدر خود غرض اور خود پرست ہو میرے خیال میں ایسی حیرت انگیز ترقی نہیں کر سکتی اور یہ اصلاحات بیرونی ہیں نہ کہ اندرونی میرا خیال ہے کہ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ اس لیے جب میں مختاری و خودمختاری کے بارے میں چند سنتا ہوں تو میں مختاری قوم سے اس تحریک کی ہمدردی کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر میں صحیح سمجھتا ہوں تو خودمختاری اور اپنے آپ بھروسہ کرنے کی اسپرٹ ہے اور اگر یہ اسپرٹ عمدہ طور سے قائم ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ اس قوم کے لیے آئندہ بہت کچھ امید ہے۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ تم دوسروں کو دیتے ہو اور منے لیتے ہو اس سے اس اسپرٹ میں بہت کچھ قوت آجاتی ہے۔ اب میں ان مختلف طریقوں اور مادی حالت پر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو کہ تم نے غرض حاصل کی ہیں لیکن اگر ہم وہاں تک جائیں اور خیال کریں تو میں ترقی سکھائی کی نسبت کچھ کہہ سکتا ہوں لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ ہم سخت غلطی کریں گے کیونکہ ان سب باتوں کے اصلی بانی صرف گورنمنٹ ہے اور گورنمنٹ لوگوں کو چھیک نہیں بنا سکتی۔

گورنمنٹ لوگوں کو شایستہ نہیں کرتی۔ ہم لوگوں کی اصلاح ان کے طبقوں میں انقلاب پیدا کرنا چاہئے۔ اور وہ اصول کیا ہیں۔

اگر ہم کو اجازت دیجائے تو میں انہیں سے خاص امور کو ظاہر کروں گا۔

(۱) جمہوریت کا خیال مغرب سے لیا گیا اور جیسا کہ تم نے گزشتہ شب میں میرے دوست ڈاکٹر مٹوا کی زبانی سنا ہے۔ چالینس۔ پچائش سال قبل ہمارے جاپان میں ذات کی تفریق موجود تھی ہماری ذات کے مطابق بہت کچھ اس سے مشابہ تھے جو کہ پچھلے ہندوستان میں ہیں ہمارا خود ایک شہنشاہ ہوتا تھا اور وہ خدا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔

ہمارا گذر وراثت نہ تھا نہ کسی کو سکے دیکھنے کی اجازت تھی کیونکہ خیال کیا جاتا تھا کہ جو کوئی

کہ وہ اندھا ہو جائیگا وہ اس قدر مقدس سمجھا جاتا تھا کہ اس کے پیشانی کی اعجازت نہ سمجھی جاسکتی تھی۔
 برس کے بعد آبادی کا ایک ٹکٹ تین حصوں میں تقسیم کیا گیا یعنی پورٹنہ، پشیمہ، پشیمہ۔ یہ تین طبقوں کے علاوہ ایک طبقہ اور بھی تھا جن کے ساتھ مغربی اسیا، مشرقی اسیا، افریقہ، اور جو کہ مختلف پیشے کرتے تھے۔ ان کے چاروں طرف غمزدہ اور دہشتناک کام کیا جاتا تھا۔
 خیال نے جاپانیوں کے دے پر خیال بہت جذبہ رکھ دیا۔ شہنشاہ اور ان کا بیٹا ہے لیکن باہمی تعلیم اور عزت سب سے زیادہ کرتے ہیں۔ ان کل اور ان کو عام لوگوں پر حکومت کرتے ہیں۔
 کا کامل اختیار دینا ہے۔ اور اکثر امرا عام لوگوں کے لیے تھیں۔

ان لوگوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے۔ اور یہ کہ ملکہ مغربی اسیا کا کینیڈا سے کینیڈا آدمی اپنی خوبیوں اور قابلیت کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ میں ترقی کر سکتا ہے۔ اگر شہنشاہ کی مرضی ہو پس میں خیال کرتا ہوں کہ بہت کے اسپرٹ میں ہم مغرب کے بہت لوگوں سے بڑھ گئے ہیں۔ انسانی ت کے اسپرٹ کے بعد ہم جاپانیوں کے انسانی نفس کے بیاں پر کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ مجھ کو کتنا چاہیے کہ ان کے حال گذشتہ زمانہ میں بہت تنگ و تاریک تھا ہم کل جاپانیوں کو اپنا بھائی سمجھتے تھے ہمارا خیال تھا کہ ہم کو ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہیے لیکن کل اجنبی ہمارے دشمن تھے وہ ہمارے بھائی نہ تھے لیکن اس سبب سے خیال بالکل تبدیل ہو گیا۔ ہمارے جاپانیوں کی گذشتہ زمانہ کی ضرب المثل ہو یا دیکھو۔

”ایمان کے پیچھے تھو اپنے دشمن اپنے باپ کے دشمن اور اپنے مالک کے دشمن کے ساتھ نہ رہنا چاہیے“ یہ چیز کے حاصل کرنے کا مادہ عالم گیر ہو گیا تھا یہ زمانہ کی زبردستی آواز ہے۔ لیکن گذشتہ سالوں میں جنگ جاپان اور روس کے زمانے میں تھے کیا تبدیلی دیکھی تھی؟
 کچھ امید ہے کہ آپ لوگوں کو یاد ہو گا کہ جب جاپانی جلاوطنوں کو جاپان کے راستہ میں روک دیا تو انہوں نے ہمارے جہازوں کو غرق کر دیا اور ہمارے ملاعوں اور سپاہیوں کو سمندر میں ڈبو دیا میں نہیں خیال کرتا کہ دنیا میں کوئی ایسی انسانی قوم موجود ہو کہ کسی شہر کے قتل کے لیے ایک ایک رومی بڑے غرق اور شہر اور شہر کے ساتھ

بہ نسبت تا اسی خیال کے جاپان میں ہے بد مذہب اور کفریہ مشن کا مذہب
شنتو مذہب جاپانیوں کے ملکی مذہب ہیں۔

وہ گزشتہ زمانہ کو ایک زمانہ خیال کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ دنیا کی رفتار روز بروز
تسلسلہ ہوتی جاتی ہے ہمارا آئندہ زمانہ کچھ زیادہ روشن زمانہ ہوگا انسان کا اخلاق روز بروز
کمزور ہوتا جاتا ہے اور اس لئے مذہب تا اسی کے عروج کو ہم روک نہیں سکتے اور یہ خیال
ہے کہ پھرٹ نے جاپانیوں کو صد ہا سالوں تک خواب خرگوش میں رکھا لیکن پھر تو مون
کریل، لاپ اور انڈا کی وجہ سے تم کو اسید کا خیال پیدا ہو گا جو کتنا چاہئے
کہ اب تمہیں بیشک اشد کی اتحادی ہو چکے ہم اچھی ذاتی اور سوشل اخلاقی حالت پر غور
کرتے ہیں۔ محکومیات کو رکنا یا سہیہ کہ ہم گزشتہ زمانہ پر عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ آئندہ
زمانہ پر اور قوم کی قابلیت پر خیال کر سہم کی آئندہ ترقی اور برائی کا عقیدہ رکھتے ہیں
مجبوراً اس کے کہنے کی ضرورت نہیں ہو کہ ہم ایک مغربی اور بیرونی ایشیا کے داخل کرنے کی خواہش
نہیں کرتے مثلاً افریقہ سے زائد مادی اور دوسری ایشیا جن کی داخل کرنے کی جاپان میں
خواہش نہیں ہو میرا امر کے بیان کرنے کے لیے تیار ہوں کہ ہم نے کبھی جاپانیوں کو انہوں
کی اجازت نہیں دی ہم نے ان خبیہ خیالات پر گفتگو کرتے ہیں جو کہ ہم نے مذہب سے اخذ
ہیں میں نہیں کہتا کہ ہم ایک نئی شے کی تقلید کرتے ہیں ہم جمہوریت کی اسپرٹ کی قدر
کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ اس وسیع انسانی کی اس سے زائد عزت کرتے ہیں ہمارے
انسان کی زندگی کے لیے با اسی خیال کی قدر کرتے ہیں بغیر اسکے کوئی قوم براہ
نہیں سکتی۔ اور جبکہ تم دوسرے ملکوں کی ایشیا کو اپنی ملک میں رائج کرنا چاہتے ہو اگر میں
نہیں کہہ سکتا ہوں تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم ہر ایک شے کو رائج کرو لیکن اس اسپرٹ کو پیدا
کرو جو تمہاری اسی طرح اصلاح کرے جیسا کہ اس نے جاپان کی اور چونکہ میرا آخری کچھ ہوا اس لیے
اس سلسلہ میں اپنے ہندوستانی دوستوں کو یہ آزادانہ نصیحت کر دینا کہ غور کرو۔ موجودہ
برغور کو گزشتہ اور آئندہ حالت پر میں جانتا ہوں کہ تمہارا گزشتہ زمانہ بہت ہی نازک رہا ہے۔ کوئی شخص اس سے
انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن تمہارا آئندہ زمانہ اس سے زیادہ شاندار ہوگا اس لیے میرے ہندوستانی
دوست آئندہ کا خیال کرو۔ آئندہ کا خیال کرو۔ آئندہ کا خیال کرو۔ فقط جمال احمد مترجم

پیشتر سے وسیع چاہنے پر

پچائیس پچائیس اسے دو انعام = ایک شتورہ دے

دس دس بچے بیس انعام = دوسو روپیہ

سربہ مقوی البصر کے خریداروں میں تقسیم ہو رہا ہے۔

انعام والے کیسوں میں میل ہنگ پر چیک روانہ کیے جاتے

قیمت فی شیئی ۱ تولہ ۸/۲- تولہ ۱۱/۳- ۳ تولہ ۱۱/۴- ۴ تولہ ۱۱/۵- ۵ تولہ ۱۱/۶- ۶ تولہ ۱۱/۷- ۷ تولہ ۱۱/۸- ۸ تولہ ۱۱/۹- ۹ تولہ ۱۱/۱۰- ۱۰ تولہ ۱۱/۱۱- ۱۱ تولہ ۱۱/۱۲- ۱۲ تولہ ۱۱/۱۳- ۱۳ تولہ ۱۱/۱۴- ۱۴ تولہ ۱۱/۱۵- ۱۵ تولہ ۱۱/۱۶- ۱۶ تولہ ۱۱/۱۷- ۱۷ تولہ ۱۱/۱۸- ۱۸ تولہ ۱۱/۱۹- ۱۹ تولہ ۱۱/۲۰- ۲۰ تولہ ۱۱/۲۱- ۲۱ تولہ ۱۱/۲۲- ۲۲ تولہ ۱۱/۲۳- ۲۳ تولہ ۱۱/۲۴- ۲۴ تولہ ۱۱/۲۵- ۲۵ تولہ ۱۱/۲۶- ۲۶ تولہ ۱۱/۲۷- ۲۷ تولہ ۱۱/۲۸- ۲۸ تولہ ۱۱/۲۹- ۲۹ تولہ ۱۱/۳۰- ۳۰ تولہ ۱۱/۳۱- ۳۱ تولہ ۱۱/۳۲- ۳۲ تولہ ۱۱/۳۳- ۳۳ تولہ ۱۱/۳۴- ۳۴ تولہ ۱۱/۳۵- ۳۵ تولہ ۱۱/۳۶- ۳۶ تولہ ۱۱/۳۷- ۳۷ تولہ ۱۱/۳۸- ۳۸ تولہ ۱۱/۳۹- ۳۹ تولہ ۱۱/۴۰- ۴۰ تولہ ۱۱/۴۱- ۴۱ تولہ ۱۱/۴۲- ۴۲ تولہ ۱۱/۴۳- ۴۳ تولہ ۱۱/۴۴- ۴۴ تولہ ۱۱/۴۵- ۴۵ تولہ ۱۱/۴۶- ۴۶ تولہ ۱۱/۴۷- ۴۷ تولہ ۱۱/۴۸- ۴۸ تولہ ۱۱/۴۹- ۴۹ تولہ ۱۱/۵۰- ۵۰ تولہ ۱۱/۵۱- ۵۱ تولہ ۱۱/۵۲- ۵۲ تولہ ۱۱/۵۳- ۵۳ تولہ ۱۱/۵۴- ۵۴ تولہ ۱۱/۵۵- ۵۵ تولہ ۱۱/۵۶- ۵۶ تولہ ۱۱/۵۷- ۵۷ تولہ ۱۱/۵۸- ۵۸ تولہ ۱۱/۵۹- ۵۹ تولہ ۱۱/۶۰- ۶۰ تولہ ۱۱/۶۱- ۶۱ تولہ ۱۱/۶۲- ۶۲ تولہ ۱۱/۶۳- ۶۳ تولہ ۱۱/۶۴- ۶۴ تولہ ۱۱/۶۵- ۶۵ تولہ ۱۱/۶۶- ۶۶ تولہ ۱۱/۶۷- ۶۷ تولہ ۱۱/۶۸- ۶۸ تولہ ۱۱/۶۹- ۶۹ تولہ ۱۱/۷۰- ۷۰ تولہ ۱۱/۷۱- ۷۱ تولہ ۱۱/۷۲- ۷۲ تولہ ۱۱/۷۳- ۷۳ تولہ ۱۱/۷۴- ۷۴ تولہ ۱۱/۷۵- ۷۵ تولہ ۱۱/۷۶- ۷۶ تولہ ۱۱/۷۷- ۷۷ تولہ ۱۱/۷۸- ۷۸ تولہ ۱۱/۷۹- ۷۹ تولہ ۱۱/۸۰- ۸۰ تولہ ۱۱/۸۱- ۸۱ تولہ ۱۱/۸۲- ۸۲ تولہ ۱۱/۸۳- ۸۳ تولہ ۱۱/۸۴- ۸۴ تولہ ۱۱/۸۵- ۸۵ تولہ ۱۱/۸۶- ۸۶ تولہ ۱۱/۸۷- ۸۷ تولہ ۱۱/۸۸- ۸۸ تولہ ۱۱/۸۹- ۸۹ تولہ ۱۱/۹۰- ۹۰ تولہ ۱۱/۹۱- ۹۱ تولہ ۱۱/۹۲- ۹۲ تولہ ۱۱/۹۳- ۹۳ تولہ ۱۱/۹۴- ۹۴ تولہ ۱۱/۹۵- ۹۵ تولہ ۱۱/۹۶- ۹۶ تولہ ۱۱/۹۷- ۹۷ تولہ ۱۱/۹۸- ۹۸ تولہ ۱۱/۹۹- ۹۹ تولہ ۱۱/۱۰۰- ۱۰۰ تولہ ۱۱/۱۰۱- ۱۰۱ تولہ ۱۱/۱۰۲- ۱۰۲ تولہ ۱۱/۱۰۳- ۱۰۳ تولہ ۱۱/۱۰۴- ۱۰۴ تولہ ۱۱/۱۰۵- ۱۰۵ تولہ ۱۱/۱۰۶- ۱۰۶ تولہ ۱۱/۱۰۷- ۱۰۷ تولہ ۱۱/۱۰۸- ۱۰۸ تولہ ۱۱/۱۰۹- ۱۰۹ تولہ ۱۱/۱۱۰- ۱۱۰ تولہ ۱۱/۱۱۱- ۱۱۱ تولہ ۱۱/۱۱۲- ۱۱۲ تولہ ۱۱/۱۱۳- ۱۱۳ تولہ ۱۱/۱۱۴- ۱۱۴ تولہ ۱۱/۱۱۵- ۱۱۵ تولہ ۱۱/۱۱۶- ۱۱۶ تولہ ۱۱/۱۱۷- ۱۱۷ تولہ ۱۱/۱۱۸- ۱۱۸ تولہ ۱۱/۱۱۹- ۱۱۹ تولہ ۱۱/۱۲۰- ۱۲۰ تولہ ۱۱/۱۲۱- ۱۲۱ تولہ ۱۱/۱۲۲- ۱۲۲ تولہ ۱۱/۱۲۳- ۱۲۳ تولہ ۱۱/۱۲۴- ۱۲۴ تولہ ۱۱/۱۲۵- ۱۲۵ تولہ ۱۱/۱۲۶- ۱۲۶ تولہ ۱۱/۱۲۷- ۱۲۷ تولہ ۱۱/۱۲۸- ۱۲۸ تولہ ۱۱/۱۲۹- ۱۲۹ تولہ ۱۱/۱۳۰- ۱۳۰ تولہ ۱۱/۱۳۱- ۱۳۱ تولہ ۱۱/۱۳۲- ۱۳۲ تولہ ۱۱/۱۳۳- ۱۳۳ تولہ ۱۱/۱۳۴- ۱۳۴ تولہ ۱۱/۱۳۵- ۱۳۵ تولہ ۱۱/۱۳۶- ۱۳۶ تولہ ۱۱/۱۳۷- ۱۳۷ تولہ ۱۱/۱۳۸- ۱۳۸ تولہ ۱۱/۱۳۹- ۱۳۹ تولہ ۱۱/۱۴۰- ۱۴۰ تولہ ۱۱/۱۴۱- ۱۴۱ تولہ ۱۱/۱۴۲- ۱۴۲ تولہ ۱۱/۱۴۳- ۱۴۳ تولہ ۱۱/۱۴۴- ۱۴۴ تولہ ۱۱/۱۴۵- ۱۴۵ تولہ ۱۱/۱۴۶- ۱۴۶ تولہ ۱۱/۱۴۷- ۱۴۷ تولہ ۱۱/۱۴۸- ۱۴۸ تولہ ۱۱/۱۴۹- ۱۴۹ تولہ ۱۱/۱۵۰- ۱۵۰ تولہ ۱۱/۱۵۱- ۱۵۱ تولہ ۱۱/۱۵۲- ۱۵۲ تولہ ۱۱/۱۵۳- ۱۵۳ تولہ ۱۱/۱۵۴- ۱۵۴ تولہ ۱۱/۱۵۵- ۱۵۵ تولہ ۱۱/۱۵۶- ۱۵۶ تولہ ۱۱/۱۵۷- ۱۵۷ تولہ ۱۱/۱۵۸- ۱۵۸ تولہ ۱۱/۱۵۹- ۱۵۹ تولہ ۱۱/۱۶۰- ۱۶۰ تولہ ۱۱/۱۶۱- ۱۶۱ تولہ ۱۱/۱۶۲- ۱۶۲ تولہ ۱۱/۱۶۳- ۱۶۳ تولہ ۱۱/۱۶۴- ۱۶۴ تولہ ۱۱/۱۶۵- ۱۶۵ تولہ ۱۱/۱۶۶- ۱۶۶ تولہ ۱۱/۱۶۷- ۱۶۷ تولہ ۱۱/۱۶۸- ۱۶۸ تولہ ۱۱/۱۶۹- ۱۶۹ تولہ ۱۱/۱۷۰- ۱۷۰ تولہ ۱۱/۱۷۱- ۱۷۱ تولہ ۱۱/۱۷۲- ۱۷۲ تولہ ۱۱/۱۷۳- ۱۷۳ تولہ ۱۱/۱۷۴- ۱۷۴ تولہ ۱۱/۱۷۵- ۱۷۵ تولہ ۱۱/۱۷۶- ۱۷۶ تولہ ۱۱/۱۷۷- ۱۷۷ تولہ ۱۱/۱۷۸- ۱۷۸ تولہ ۱۱/۱۷۹- ۱۷۹ تولہ ۱۱/۱۸۰- ۱۸۰ تولہ ۱۱/۱۸۱- ۱۸۱ تولہ ۱۱/۱۸۲- ۱۸۲ تولہ ۱۱/۱۸۳- ۱۸۳ تولہ ۱۱/۱۸۴- ۱۸۴ تولہ ۱۱/۱۸۵- ۱۸۵ تولہ ۱۱/۱۸۶- ۱۸۶ تولہ ۱۱/۱۸۷- ۱۸۷ تولہ ۱۱/۱۸۸- ۱۸۸ تولہ ۱۱/۱۸۹- ۱۸۹ تولہ ۱۱/۱۹۰- ۱۹۰ تولہ ۱۱/۱۹۱- ۱۹۱ تولہ ۱۱/۱۹۲- ۱۹۲ تولہ ۱۱/۱۹۳- ۱۹۳ تولہ ۱۱/۱۹۴- ۱۹۴ تولہ ۱۱/۱۹۵- ۱۹۵ تولہ ۱۱/۱۹۶- ۱۹۶ تولہ ۱۱/۱۹۷- ۱۹۷ تولہ ۱۱/۱۹۸- ۱۹۸ تولہ ۱۱/۱۹۹- ۱۹۹ تولہ ۱۱/۲۰۰- ۲۰۰ تولہ ۱۱/۲۰۱- ۲۰۱ تولہ ۱۱/۲۰۲- ۲۰۲ تولہ ۱۱/۲۰۳- ۲۰۳ تولہ ۱۱/۲۰۴- ۲۰۴ تولہ ۱۱/۲۰۵- ۲۰۵ تولہ ۱۱/۲۰۶- ۲۰۶ تولہ ۱

پروچہ و کبیر استعمال پر شیشی کے ہمراہ ہے

(تیار کنند و سرمہ مقوی بصر) گجرات پنجاب آنی

تیار کردہ

پروپرائیڈر انٹرنیشنل، یورپا کے بچوں کی آنکھوں کو بھی اس روشن اور خوش

نماز اور لکڑیوں وغیرہ کے لئے ضرورت ہے

جو بہ عنوان

ایسپوڈینس

انہی کے پاس

عمران احمد

تاریخ ۱۳۵۵

لطائف صنادید ارمیو

داد صاحب مدرس

پیغمبر بخش صاحب عطا

لورا التي ربو حيتا
اصغى لورث ويا...

من محکمات خیرات لوده پیرا

شی رام صاحب نیپو

عمر رسول صاحب بو

ماہنامہ سچا سچا

عصیر

ایک ماہانہ ریویو

مقاصد

مسلمانوں کو ایک عملی - سنجیدہ - اور کفایت قومی بنانا
ایڈیٹر - خواجہ غلام الثقلین سکرٹری اصلاح تمدن - وکیل ہائیکورٹ
مقام اشاعت لکھنؤ گولانگھ

نمبر ۹

ستمبر ۱۹۰۶ء

جلد ۳

مضمون نگار

صفحہ

مضمون

نمبر شمار

- (۱) قادیانی تحریک منسلکہ (۳۶۹) غلام الثقلین -
- (۲) بچنے کی مذہبی تعلیم (۲۷۲) مرزا سلطان احمد خان اکسٹرنٹ لکچرریائی قادیانی
- (۳) میری ششماہ رپورٹ (۳۸۸) ایک لکچرری میر صیفہ
- (۴) زمانہ ادب اور ہماری کفایت شعاری کی ضرورت (۳۹۱) محمد مسعود علی (امروہوی)
- (۵) تارضا مندی کی تلوی (۳۹۹) میر سید حسین - تحصیلدار موٹھلی جھانسی
- (۶) ماہ گذشتہ (۲۰۱) ایڈیٹر -
- (۷) کتب و رسائل ماہ گذشتہ (۲۰۷) ایڈیٹر -

مطبع مشقی جے نرائن خیالی گنج شہر لکھنؤ مین چھپا

اصول صیغہ اصلاح

- ۱۔ عدل و اعتدال - یعنی میانہ روی۔ پرہیزگاری۔ سادگی۔
- ۲۔ کفایت شعاری - یعنی اسراف دولت اسراف وقت سے بچنا۔ دولت کھربانہ
- ۳۔ سعی و محنت۔ لگاکری۔ بیکاری۔ سستی کو قابل نفرت سمجھنا خود کام کرنا اور ایک شخص کو کام پر لگانا
- ۴۔ اتفاق - نیک مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ملکر کوشش کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

ضروری ہدایات اور قواعد عصر جدید

- (۱) رسالہ کا حجم ۴۴ صفحے سے کم نہ ہوگا۔
- (۲) قیمت پیشگی یا نقد ہوگی۔ یا بذریعہ ویلیو پی ایل پارسل سالانہ مع محصول ڈاک وغیرہ عمار
- (۳) نمونہ کی درخواست کے ساتھ ۲ روپے ٹکٹ آنے چاہئیں۔
- (۴) خط و کتابت لینے نام۔ پتہ مضامین سب صاف اور خوش خط ہوں۔
- (۵) جملہ مناسب مضامین ترتیب اور گنجائش کے لحاظ سے چھاپے جاویں گے۔ بصورت عدم مانعت ایڈیٹر مضمون کو مختصر کر سکتا ہے۔ مگر مطلب پلٹ نہیں سکتا۔
- (۶) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ہونا مناسب ہے۔
- (۷) جو صاحب ایک سال پہلے ماہ کی سلیج چائے خریداروں کی قیمت روانہ فرماویں گے ان کو یک سال پہلے ماہ کیلئے بالاکمیشن ملیگا
- (۸) رسالہ نہ پہونچنے کی شکایت اندرون ۳۰ یوم وصول نہ ہونے بعد رسالہ بھیجنا لازم نہ ہوگا۔
- (۹) ایسے معتبر کتب فروشوں کی ضرورت ہے جو ہمارا رسالہ اور کتب پیشہ پاس کسٹمیں مقول نمیشن دی جائیگی تصفیہ بذریعہ خط و کتابت
- اجرت شہدات (۱) جو صاحب اخبار و رسائل بقدر سراوی ہاری شہادیں ان سے کچھ اجرت نلی جائیگی۔
- (۲) خوش کتب یا ادویہ کا اشتہار نہ چھپے گا (۳) اجرت شہداتی سطر ۲ روپے ہر خط کا اشتہار نہ لیا جاوے گا۔
- (۴) اجرت فی صفحہ ایک بار کے لئے ۵۰ شہادیں ۵۰ سالانہ نصف صفحہ ایک بار ۵۰ شہادیں ۵۰ سالانہ ۵۰
- (۵) جب تک اشتہار نہ چھپے رسالہ صاحبان اشتہار کو بلا قیمت ملیگا۔ مگر محصول ڈاک ان کو بھیجنا ہوگا۔